آنچل
کراچی
قیمت =/60 روپے
شمارہ نومبر ۲۰۱۵
aanchalnovel.com
aanchalpk.com
حجاب 9 نومبر کو آپ بہنوں کے ہاتھوں میں ہوگا

بانی مدیرہ ـــــ زیب النساء

مدیر اعلیٰ ـــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــــ قیصر آرا

مدیر خصوصی ـــــ طاہر احمد قریشی

مدیرہ معاونین ـــــ جویریہ احمد

روبین احمد

جلد	37
شمارہ	08
نومبر	2015

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

/women.magazine

/pkwomenmagazine

اس شمارے میں

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: سدرہ ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے سلیمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس وقت لوگ اس بیت اللہ کا حج تو کریں گے مگر بادشاہ تو سیر و تفریح کے لیے حج کریں گے۔ اور مال دار لوگ تجارتی اغراض کے لیے اور مسکین لوگ بھیک مانگنے کے لیے حج کریں گے اور قاری حضرات ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے حج کیا کریں گے۔" (ابن مردویہ در منثور)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نومبر ۲۰۱۵ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

آنچل نومبر کے ساتھ قاری اور لکھاری بہنوں کے لیے خوش خبری ہے کہ آپ کی فرمائش پر آنچل کی ہم جولی حجاب ان شاء اللہ 10 نومبر کو آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ حجاب کی تیاری اور تزئین و آرائش آپ بہنوں کے مشوروں اور آرا کی روشنی میں ہی کی گئی ہے میں بڑے وثوق سے اسے آنچل حصہ دوم کہہ رہی ہوں کیونکہ میں نے اور میری رفقا نے از خود حجاب کی ادارت کی ذمہ داری قبول کی ہے کیونکہ حجاب کا اجرا آنچل کی بہنوں کی فرمائش پر ہی ہو رہا ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ نئی اور پرانی لکھنے والی بہنوں کو اپنی کہانیوں کی اشاعت کے لیے طویل انتظار کرنا پڑ رہا تھا وہ اب کچھ کم ہو سکے گا جو کہانیاں قطار میں لگی اپنی اشاعت کی منتظر ہیں وہ جلد قارئین تک پہنچ سکیں گی۔ قلم کار بہنوں اور قاری بہنوں کی خواہش پر ہی آنچل میں 32 صفحات کا اضافہ کیا گیا تھا جبکہ ہم عصر جرائد اسی قیمت میں 32 صفحات کم دے رہے ہیں۔ قیمت تو 60 روپے ہی ہے لیکن ضخامت 290 پر محیط ہوگی۔ حجاب ہر ماہ کی 10 تاریخ کو ان شاء اللہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اپنے ہاکر یا بک اسٹال کو تاکید کر دیں کہ وہ بروقت حجاب آپ تک پہنچانے کا بندوبست کرے مجھے اور میری ساتھیوں کو یقین ہے کہ آپ آنچل کی مانند حجاب کو بھی ضرور پسند کریں گی۔ آپ کی فرمائش اور پسند کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہی میں نے اور میری ساتھیوں نے حجاب کی ادارت کو اپنایا ہے تاکہ آنچل کی قاری بہنوں کے ذوق کو کسی طرح ٹھیس نہ پہنچے۔ میں امید کرتی ہوں کہ میری قاری بہنیں آنچل کی طرح حجاب کو بھی اپنے بھرپور تعاون سے ضرور نوازیں گی۔ آپ کے تعاون اور آرا کی منتظر رہوں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ منالیہا — عشنا کوثر سردار انا پرست صنم سے اقرارِ محبت کراتے ہوئے حاضرِ محفل ہیں۔

☆ آزمائش — ہر انسان کو آزمایا نہیں جاتا یہی بات اقبال بانو اپنے خوب صورت افسانہ کے ذریعے بیاں کر رہی ہیں۔

☆ یار مان بھی جاؤ — میاں بیوی کے درمیان صلح کراتی رفاقت جاوید اپنے دلکش و منفرد انداز کے ساتھ حاضر ہیں۔

☆ دستِ شفا — ماں کی عظمت و محبت کو اجاگر کرتی سندس جبین اپنے مکمل ناول کے ساتھ شریک ہیں۔

☆ اپنے حصے کی گٹھڑی — اپنے اعمال کی گٹھڑی کے ہمراہ فرحین اظفر حاضرِ محفل ہیں۔

☆ زرد آنچل — ہر لمحے چپ کا آنچل اوڑھے دوسروں کے الفاظ کا نشتر برداشت کرتی سمیرا غزل شریک محفل ہیں۔

☆ چلو تم کو بتاتے ہیں — قربانی کے مفہوم کو بتاتی حنا اشرف پہلی بار محفل کا حصہ بن رہی ہیں۔

☆ فصلِ گل ہے — زندگی کی فصل سے کانٹے چنتے ہوئے زینت چوہدری پہلی بار محفل میں شامل ہیں۔

☆ دھند کے بعد — دھند کے بعد کے منظر کو اجالا بھرتی ہما راؤ پہلی بار شریک محفل ہیں۔

☆ وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا — جنونی محبت کے منفی انجام کے ساتھ عائشہ لیاقت اپنے منفرد اندازِ تحریر کے ساتھ پہلی بار شامل ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

مجھ پر کر دیجیے کرم سائیں
لے کر آیا ہوں چشم نم سائیں
تیری حمد و ثنا ہی لکھتا رہوں
دم میں جب تک ہے میرے دم سائیں
تادمِ مرگ تیری مدحت میں
سر بہ سجدہ رہے قلم سائیں
روح پرواز جب کرے
سامنے ہو تیرا حرم سائیں
ہے یقیں مجھ کو روزِ محشر بھی
تُو رکھے گا میرا بھرم سائیں
میں تو تیری رضا پہ راضی ہوں
رنج کیا شے ہے، کیا الم سائیں

خورشید بیگ میلسوری

نعت

ذہنوں میں روشنی ہے تعلیم مصطفیٰ ﷺ سے
یہ وہ چراغ ہیں جو بجھتے نہیں ہوا سے
سمجھیں یہ کاش نکتہ دانشورانِ عالم
انسان کی بقا ہے اسلام کی بقا سے
ہے عظمتوں کی ضامن تقلید مصطفیٰ ﷺ کی
انساں گزر رہا ہے اب دورِ ارتقا سے
ہاتھوں میں جب تک اپنے دامانِ مصطفیٰ ہے
محفوظ ہم ہیں گے دنیا کی ہر بلا سے
ہر شخص کو دیا ہے یہ درس مصطفیٰ ﷺ نے
جو کچھ بھی مانگتا ہے وہ مانگئے خدا سے
قربِ خدا کی منزل جس کو ہوئی میسر
منسوب کہکشاں ہے اس کے ہی نقش پا کے
خدمت جو کر رہے ہیں دین محمدی ﷺ کی
اعجازؔ ان کا رتبہ پوچھے کوئی خدا سے

اعجاز رحمانی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

نگہت عبد اللہ...... کراچی

پیاری بہن! نگہت سدا خوش رہو' آپ کی والدہ محترمہ کی رحلت کا سن کر بے حد دکھ ہوا' اللہ سبحان و تعالیٰ نے ماں باپ ایسی ہستی بنائی جس کا نعم البدل نہیں اور ماں کو اللہ پاک نے محبت کی مٹی سے بنا کر دنیا میں بھیجا اس لیے ہر انسان اپنی ماں سے زیادہ قریب ہوتا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی والدہ کی مغفرت بے بخشش فرما کران کے درجات بلند فرمائے اوران کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے' آمین۔ ادارہ آنچل آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہے' سب بہنوں سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازیہ! سدا سہاگن رہو اور یونہی قلم سے الفاظ کے موتی بکھیرتی رہو۔ آپ کی طرف سے خوب صورت کتاب ''اے مژگان محبت'' تحفہ کے طور پر موصول ہوئی' اس انمول تحفہ کے لیے آپ کا بے حد شکریہ۔

سباس گل...... رحیم یار خان

ڈیئر گل! مانند گل مہکتی رہو' چاہتوں اور دعاؤں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کو بھی نئے پرچے کے اجراء پر مبارک باد۔ امید ہے اس پرچے کے لیے بھی آپ کا قلمی تعاون برقرار رہے گا اور اپنے قیمتی ووٹ سے پہلے آپ حجاب کے نام بھی کریں گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

مصباح علی...... سرگودھا

پیاری مصباح! شاد و آباد رہو' بے شک آپ کا تجزیہ درست ہے ہمارا مقصد جہاد بالقلم ہے اور اس میں ہماری مصنفین بھرپور ساتھ دیتی ہیں اصلاحی تحریروں کے ذریعے جہاں ہم اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں وہیں آپ بہنوں کے یہ تعریفی کلمات ہمارے عزائم کو بلند رکھتے ہیں۔ آپ کی تحریر ''پلڑا'' کامیابی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری البتہ دوسری تحریر کے لیے معذرت۔

ارم کمال...... فیصل آباد

پیاری ارم! سدا شاد رہو' بے شک بیٹی کی رخصتی بہت ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔ اس لمحے احساسات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا ناممکن ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کی بیٹی کو نئی زندگی میں بہت سی خوشیاں اور ان کا نصیب بلند فرمائے' اور آپ کو اولاد کا سکھ دیکھنا عطا فرمائے' آمین۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤ الدین

عزیزی حمیرا! سدا خوش رہو' بے شک باپ جیسے بھائی کا بروز عید دنیا سے اٹھ جانا ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ خوشی کے دن آپ کی کیا کیفیت ہوگی۔ آپ کے اظہار کے بغیر بھی ہمیں اندازہ ہے کہ اپنوں کی یہ ابدی جدائی کیسے تڑپاتی ہے' اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے مشفق بھائی کو اپنی خاص جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے اہل خانہ کو صبر و ہمت عطا فرمائے' آمین۔

شازیہ خان...... مظفر آباد

پیاری شازیہ! شاد رہو' آپ کی تحریر ''فرحت کے رات دن'' جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ حجاب میں بھی لکھ سکتی ہیں' کہانی پر حجاب لکھ دیں آپ کی کہانی اس پرچے کے لیے مخصوص کردیں گے۔ نازیہ کنول نازی تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

ڈیئر انجم! مانند نجوم جگمگاتی رہو‘ آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ دل میں کافی بدگمانی لیے ہوئے ہیں۔ پیاری بہنا! شمائلہ کاشف کے پاس بے شمار سوالات پر مبنی ڈاک ہوتی ہے اسی وجہ سے بعض بہنوں کے جوابات شامل اشاعت نہیں ہو پاتے لیکن سنبھال کر رکھ لیے جاتے ہیں اور آئندہ شامل کر لیتے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی تمام مشکلات باآسانی حل فرمائے اور آپ کا رشتہ آنچل اور حجاب سے یونہی استوار رہے۔

سعدیہ عظیم...... بہاولپور

ڈیئر سعدیہ! جیتی رہو‘ آنچل کی تحریروں کو سراہنے کا بے حد شکریہ۔ جہاں تک آپ کی تحریروں کی اشاعت کی بات ہے تو اس میں شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اچھی اور معیاری چیز خود ہی اپنی جگہ بنا لیتی ہے‘ رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ آئندہ بھی شریک محفل ہو سکتی ہیں۔ ہماری جانب سے آپ کے والدین کو شادی کی سال گرہ مبارک ہو‘ زندگی کے حسین سفر میں ایسے خوشیوں کے بہت سے سال دیکھنا نصیب ہوں‘ آمین۔

کائنات زیب...... ٹوبی‘ موسیٰ خیل

پیاری کائنات! شاد رہو‘ آپ کی تحریر ”پیار کا بندھن“ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری‘ ابھی آپ کا انداز تحریر بہت کمزور ہے‘ موضوع کا چناؤ بھی ٹھیک نہیں ہے ابھی آپ دیگر لکھاری بہنوں کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں اس کے بعد لکھنے کا آغاز کیجیے گا۔

راحت عظیمی...... چنیوٹ

ڈیئر راحت! جیتی رہو‘ بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کے ارسال کردہ اقتباسات کے لیے معذرت خواہ ہیں‘ جہاں تک تحریر کا سوال ہے آپ اپنا مختصر افسانہ ارسال کردیں اگر پرچے کے معیار کے مطابق ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

علمہ‘ اکمل خان...... کورنگی‘ کراچی

عزیزی علمہ! سدا سہاگن رہو‘ آپ سے نصف ملاقات بمعہ چاکلیٹ کی مٹھاس دونوں ہی بہت اچھے لگیں۔ طویل عرصے بعد بھی آپ نے اپنی خوشیوں میں یاد رکھا بے حد اچھا لگا۔ ہماری جانب سے آپ کو شادی کی سال گرہ مبارک ہو۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اپنے ہم سفر کے سنگ بہت سی خوشیاں عطا فرمائے‘ آمین۔

دعائے سحر...... فیصل آباد

پیاری دعا! جگ جگ جیو‘ نیرنگ خیال میں آپ کی شاعری ارسال کردی گئی تھی غالباً کثیر تعداد میں موجود ہونے کے سبب آپ کی شاعری شرکت سے محروم رہی۔ کبھی آپ کی ماں نے وقت سحر دعا مانگی ہوگی تو اللہ نے آپ کی صورت دعائے سحر جیسی نیک بیٹی عطا فرمائی۔ پیاری بہنا! آپ کے جنم دن کے موقع پر ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد اور آپ کو جنم دینے والی عظیم ماں کے لیے بہت سی دعائیں‘ اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے‘ آمین۔

انوں خان...... نامعلوم

پیاری بہن! سدا مسکراؤ‘ بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید‘ آپ باقاعدگی سے ہر مہینے شرکت کر سکتی ہیں مستقل سلسلوں میں اپنا نام بمعہ شہر کا نام اور اوپر سلسلہ کا نام لکھیں‘ کہانی کے لیے ابھی آپ مختصر افسانہ ارسال کردیں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

سدرہ احسان...... سمبڑیال

پیاری سدرہ! سدا خوش رہو‘ آپ کی کزن کی حادثاتی موت کا بے حد افسوس ہوا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ تمام اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے‘ آمین۔

آپ اپنی نگارشات لکھ کر بھیج سکتی ہیں الگ سے صفحات مختص کرنا مشکل ہے۔ آپ کا تعارف ہمارا آنچل میں ضرور شامل کردیں گے، شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے۔

اقصیٰ زریں...... سمبڑیال

ڈیئر اقصیٰ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''مودت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں بلکہ محنت جاری رکھیں اور نامور مصنفین کے ناول وافسانہ اپنے مطالعہ میں شامل کریں اس کے بعد قلم کے ساتھ رشتہ جوڑیں اس طرح آپ کی سوچ کے ساتھ لکھائی میں بھی نکھار آئے گا۔

سحرش رانی...... لاہور

پیاری گڑیا رانی! سدا مسکراتی رہو آپ کی تحریر ''ممی! میں آپ جیسی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے اس لیے ابھی وقتی طور پر لکھنے کی خواہش کو دل میں دبا کر صرف مطالعہ پر زور دیں کچھ عرصہ بعد پھر لکھنے کی کوشش کریں۔ امید ہے کہ اس طرح آپ بہتر لکھ پائیں گی۔

صبیحہ نور...... ایبٹ آباد

گڑیا صبیحہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر کے ساتھ خط بھی موصول ہوا جس سے آپ کے وسائل اور آپ کی لگن کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ تعلیم جاہلیت کے اندھیرے میں روشن دیا ہے لیکن وسائل کی کمی کی بنا پر بہت سے لوگ اس سے محروم رہ جاتے ہیں لیکن آپ وسائل کو اپنی تعلیم کے لیے رکاوٹ بننے نہیں دیں گی یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی مدد فرمائے آمین۔ تحریر ''ہم سفر'' آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتری جس کے لیے ابھی آپ کو مزید محنت اور مطالع کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ مایوس ہونے کی بجائے محنت جاری رکھیں گی۔

سائرہ...... ای میل

پیاری گڑیا سائرہ! ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو آپ کی تحریر ''کہانی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے اب باری آنے کا انتظار کریں کیونکہ کثیر تعداد میں ہمارے پاس آپ جیسی بہنوں کی تحاریر موجود ہیں جو آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنانے کی راہ دیکھ رہی ہیں لیکن پھر بھی ہماری کوشش ہوگی کہ اسے جلد از جلد اشاعت کرکے آپ کی انتظار کی گھڑی کو کم کیا جائے۔

ریحانہ آفتاب عمران...... کراچی

پیاری بہن ریحانہ! سدا سہاگن رہو کافی عرصے کے بعد آپ نے آنچل میں دوبارہ حاضری دی مختصر خط وتحریر دل میں گھر کر گئے لیکن اب یونہی قلم اور آنچل کے ساتھ رابطہ استوار رکھیے گا آپ کی تحریر ''زندگی حسیں ہے'' جلد ہی آنچل کے صفحات پر جھلملائے گی بس تھوڑا انتظار کی تکلیف سے آپ کو گزرنا ہوگا۔

مصباح مسکان...... جہلم

ڈیئر مصباح! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''من جاوے'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت اور مطالع کی ضرورت ہے اس لیے مایوس ہونے کے بجائے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں اور نامور مصنفین کی تحاریریں اپنے مطالعہ میں شامل کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی۔

عتیقہ ایوب...... بورے والا

پیاری بہن عتیقہ! پھولوں کی طرح مہکتی رہو آپ کی تحریر ''روشن ہے راہ گزر زیست کی'' موصول ہوئی۔ خوب صورت انداز تحریر اور موضوع کا چناؤ بھی بہتر تھا اس لیے ہم نے اس کو اپنے نئے ماہنامہ ''حجاب'' کے لیے منتخب ٹھہرائی' ان شاء اللہ جلد ہی آپ اس کو ''حجاب'' کے صفحات پر جگمگاتا دیکھیں گی۔

ثمرہ چوہدری...... فیصل آباد

ڈیئر ثمرہ! سدا شاد رہو آپ کی تحریر ''یہ حسرتیں یہ

محرو میاں' محبت کا ملن' اک بے نام سی چاہت اور ملن دو دلوں کا'' موصول ہوئیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کے بجائے امید کا دامن تھام کر محنت جاری رکھیں اور ابھی صرف مطالعہ کو اپنا مشغلہ بنا کر نام ور مصنفہ کے ناول و افسانہ کو اپنے مطالعہ کا حصہ بنائیں اس کے بعد آپ قلم کا حق ادا کر پائیں گی۔

ارفع احسان...... لاہور

پیاری بہن ارفع! سدا آباد رہو' آپ کی تحریر ''ذمہ داری'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن جس موضوع کا چناؤ آپ نے کیا اس پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لیے کسی اور موضوع کا انتخاب کریں' امید ہے کہ مایوس ہونے کے بجائے اپنی دوسری تحریر ہمیں جلد از جلد ارسال کریں گی۔

حنا شریف...... جہلم

گڑیا حنا! حنا کے رنگ کی طرح مہکتی رہو' آپ کی تحریر ''کمزور ایمان'' موصول ہوئی پڑھ کر انداز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے گوکہ آپ نے موضوع بہتر چنا مگر لکھنے کی گرفت کمزور ہونے کے باعث انصاف نہیں کر سکیں اس لیے ابھی صرف مطالعہ پر زور دیں اور نام ور مصنفہ کے ناول و افسانہ کو مطالعہ کرتے ہوئے انداز تحریر پر غور کریں جس سے آپ کے لکھنے میں نکھار آئے گا تب آپ کی تحریر بھی آنچل کے صفحات پر جھلملائے گی۔

فائزہ رازق...... خان پور

ڈیئر فائزہ! خوش رہو' آپ کا مختصر سا خط موصول ہوا' آنچل آپ کا اپنا پرچہ ہے اور آپ بہنوں کی نگارشات سے ہی ہر ماہ سجایا جاتا ہے اس لیے شکریہ کی قطعی ضرورت نہیں' معیاری چیز اپنی جگہ خود ہی بنا لیتی ہے۔ بلال اعیان کو آپ کے تعریفی کلمات انہی سطور کے ذریعے پہنچ گئے ہیں۔

محمد اکرم سلیم...... فیصل آباد

جناب اکرم صاحب! خوش رہیں' آپ کی تحریر ''راہِ عشق'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے چونکہ آنچل صرف خواتین کا پرچہ ہے اس میں صرف صنف نازک ہی لکھ سکتی ہیں آپ مرد حضرات کی تحاریریں پڑھیں تاکہ آپ اس حساب سے لکھ سکیں اور پھر آنچل کے بھائی ماہنامہ نئے افق میں اپنی تحریر بھیج سکتے ہیں۔

میمونہ صدف...... راولپنڈی

پیاری میمونہ! خوشیوں کی بہاروں میں پھولوں کی طرح مسکراؤ' آپ کی تحریر ''جندر'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنے مطالعہ کے ساتھ مشاہدہ بھی وسیع کریں۔

ماہ نور نعیم...... بھکر

پیاری ماہ نور! سدا شاد رہو' آپ کی تحریر ''دہشت گردی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندزہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اور موضوع کا انتخاب بہتر نہیں ہے لیکن مزید محنت سے آپ زیادہ بہتر لکھ سکتی ہیں۔ اس لیے محنت و کوشش جاری رکھیں ان شاء اللہ جلد ہی اپنی تحریر آنچل کے صفحات پر دیکھ پائیں گی۔

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

پیاری بہن کنول! خوش رہو' آپ کی تحریر ''تیری میری ایسی دوستی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے لکھنے کی خواہش کو وقتی طور پر دل میں دبا کر صرف مطالعہ پر زور دیں اور نام ور مصنفہ کے ناول و افسانہ اپنے مطالعہ میں شامل کریں جن سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی' امید ہے دل برداشتہ ہونے کے بجائے عمل کریں گی۔

فیضہ شبیر...... نامعلوم

ڈیئر فیضہ! خوش و خرم رہو' آپ کی تحریر ''پگلے دیوانے'' موصول ہوئی' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مطالعہ و مشاہدہ

دونوں وسعی کریں تاکہ آپ کے لکھنے میں بہتری آئے' امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

رابعہ مقصود...... ساہیوال

ڈیئر رابعہ! خوشیوں کی بہاریں سمٹتی رہو آپ کی تحریر ''عورت'' موصول ہوئی' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ آپ سے پہلے تمام بڑی مصنفہ بھی اس مراحل سے گزری ہیں اس لیے اپنے مطالعہ میں تمام بڑی مصنفہ کے ناول و افسانہ شامل کریں تاکہ آپ بہتر لکھ سکیں۔

سعدیہ اکبر...... سیالکوٹ

بہن سعدیہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''تیری ذات بے وفانہ تھی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ ابھی لکھنے کے مراحل سے دور ہیں اس لیے مایوس ہونے کی بجائے مطالعہ پر زور دیں تاکہ آپ کے لکھنے میں بہتری آئے' پہلے ہمیشہ مختصر موضوع پر قلم بند کریں اس کے بعد ناول و مکمل ناول کی طرف آئیں۔

ثریا بلوچ...... کراچی

پیاری گڑیا ثریا! سدا ہنستی مسکراتی رہو آپ کی تحریر ''ایک محبت اصول سے پرے'' موصول ہوئی' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ و مشاہدہ وسعی کریں تاکہ آپ بہتر لکھ سکیں۔ ناقص مطالعہ کے باعث آپ اپنے منتخب کردہ موضوع سے بھی انصاف نہیں کر پائیں۔

مکتبہ القریش...... لاہور

ہماری پیاری مصنفہ بہنیں عفت سحر طاہر' نایاب جیلانی اور نازیہ کنول نازی کے خوب صورت تحاریروں کو کتابی جلد میں شائع کر کے ادارے کو بھیجنے پر ادارہ آنچل مکتبہ القریش کا شکر گزار ہے۔

ناقابل اشاعت:

تیری ذات بے وفانہ تھی' آنکھوں کے دیپ' ایک محبت اصولوں سے پرے' ساحر لمحہ' بجھ گئے چراغ' ہائے اور ربا' مائیں نی میں کنوں آکھاں' حاجن بی بی' پیار کا بندھن' راہِ عشق' شب حالات' کوئی تیری خاطر' یہ حسرتیں یہ محرومیاں' ملن دو دلوں کا' اک بے نام سی محبت' نہ جانے کب پیار ہوگیا' پر رحمت' پلڑا' بچپن کی منگنی' پگلے دیوانے' تیرا میرا اک فیصلہ' ہم سفر' مودتِ محمد ﷺ' ابن آدم' اعتبار ریزہ ریزہ' عورت' جندر' کمزور ایمان' پھر سے تیری یاد آئی' اک نئی صبح' فیصلہ' لہو لہو قافلے'' احساس ندامت' مکافات عمل' اوکھی راہ عشق دی' فریب محبت' اوکھے پینڈے' بند دروازہ' ممی میں آپ جیسی' من جاوے' میری طرح میرا گاڈ بھی خوب صورت ہے' کیا ہوں میں' مجھے مان دینا' دہشت گردی' اندھی محبت' تیرے پیار میں صنم' عرش سے فرش' ہم تمہیں بھولے نہیں' انمول ہیرہ۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مشتاق احمد قریشی

السلام علیک ایھا النبی رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ یہ جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب معراج میں فرشتوں نے ادا کیا تھا۔ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ''السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین'' ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ آج اگر ہم اپنے اعمال پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم نے اس عظیم ترین دعا خیر وسلامتی کو بدترین بددعا میں بدل لیا ہے اور اللہ کی نعمت کے شکر کی جگہ کفران نعمت کررہے ہیں۔ وہ الفاظ جو معاشرے کی خوشحالی وسلامتی کے ضامن ہیں جس سے معاشرے کے افراد میں باہمی محبت واخوت میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو السلام علیکم کہہ کر اسے سلامتی کی دعا دیتا ہے تو حق تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم وکریم ہے اپنے دونوں بندوں کو جس نے سلام کیا اور جس نے سلام کا جواب دیا اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت کے جذبات کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھی سرفراز فرماتا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس آج کل ہمارے معاشرے کے اکثر افراد احتیاط نہیں برتتے اور یہود ونصاریٰ کے طور طریق اپناتے ہوئے السلام علیکم کے بجائے مختصر کرنے کے خبط میں صرف ''سام علیکم'' کہتے ہیں اور اسے ہی اپنا معمول بنالیا ہے اگر انہیں اس کے معنی کی خبر ہوجائے تو یقیناً اہل ایمان مسلمان خصوصاً نوجوان اس سے اجتناب کریں گے۔ ''سام علیکم'' کے معنی ہیں ''موت آئے تجھے'' یہ تو ابتدائے اسلام میں نابکار یہودی جو اہل کتاب ہونے کے زعم میں بہت آگے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے نبی تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قوم بنی اسرائیل میں کیوں پیدا نہیں ہوئے اس لئے وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو انہیں تکلیف پہنچانے' دکھ دینے کے لئے یہ الفاظ ''سام علیکم'' استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی بدخواہی ہی نہیں بلکہ ان کی موت وہلاکت کی بددعا ہے۔ اس لئے سلام کرتے ہوئے اگر ذرا سی احتیاط اختیار کرلی جائے تو بددعا سے بھی بچ جائیں گے اور دعا کے اجر وثواب سے بھی فیضیاب ہوں گے۔

سلام اسلامی شعائر ہے امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے سلام کے معنی یوں نقل کئے ہیں۔ سلام وہ ذات ہے جس کے ظلم سے اس کی مخلوق محفوظ رہے (یعنی سالم رہے) مفسرین نے اس اسم سلام کو حق سبحانہ سے اس لئے موسوم کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکات ہر قسم کے عیوب وآفات سے سالم ہے سلام وہ ہے جس سے دوسرا سلامت رہے اور سالم وہ ہے جو دوسرے سے سلامت رہے۔ مثلاً دیوار کو کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ وہ تکان سے سالم ہے نہ کسی پتھر کو یہ کہا جائے گا کہ وہ زکام سے سالم ہے' سالم اس کے لئے کہا جاتا ہے جس پر آفات کا آنا ممکن اور متوقع ہو اور پھر وہ اس سے سلامت رہے کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ ہر قسم کی آفات سے پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سلامت رہا اور نہ اسے سالم سے موسوم کیا

جا سکتا ہے۔ بہت سے اہل علم نے سلام کو سالم کے ہم معنی کردیا حالانکہ سالم سلام کے خصائل میں سے ایک خصلت ہے۔ (لغت القرآن از عبدالرشید نعمانی)

سلام شعائر اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے جب ہم کسی کو سلام کرتے ہیں یا کسی کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو شافع محشر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کررہے ہوتے ہیں اگر ہم سلام کرتے وقت یا جواب سلام کہتے ہوئے خاص تکلف اور اہتمام کے ساتھ ادا کریں تو ہمیں دوہرا اجر وثواب ملے گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سلام پھیلانے کا فریضہ بھی ادا ہوسکے گا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین خوبیاں اپنے اندر جمع کرلیں اس نے ایمان کو جوڑلیا۔ ایک اپنا انصاف اپنے جی میں کرنا۔ دوسرے سب کو سلام کرنا' خواہ واقف ہو یا اجنبی۔ تیسرے تنگی وعسرت میں خرچ کرنا۔ (بخاری کتاب: الایمان)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کھانا کھلانا اور ہر ایک کو سلام کرنا' خواہ تمہیں جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ (مسلم)

باہم ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' سے بہتر کوئی اور کلمہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت واخوت یا قرابت داری کا کسی قسم سے بھی کوئی تعلق ہے تو اس کلمہ میں اس تعلق کی بنا پر محبت ومسرت' اکرام وخیراندیشی کے تمام جذبات کا پورا پورا اظہار موجود ہے اور اگر پہلے سے کوئی تعارف وتعلق نہیں ہے تو پھر یہ کلمہ ان میں باہمی تعلق واعتماد اور خیرسگالی کا وسیلہ بنتا ہے اور اس کے ذریعے دونوں افراد ایک دوسرے کو اطمینان دلاتے ہیں کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دعا گو ہوں' دشمن نہیں' تمہارے میرے درمیان اخوت کا روحانی تعلق ورشتہ ہے۔

سلام کے معنی سلامتی' امان' سلام یا سلیم سلام اور تسلیم دونوں ایک باب کی مصدر ہیں۔ اس کے معنی عیوب وآفات سے سلامت رہنے' ان سے چھٹکارا پانے اور بری ہونے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں سلم کے معنی ہیں ظاہری اور باطنی آفات سے الگ رہنا' یہاں سلامتی مراد ہے اور حقیقی سلامتی جنت کے سوا اور کہیں نہیں کیونکہ وہاں تو بقا ہے فنا ہے ہی نہیں' غناء ہے احتیاج نہیں' عزت ہے ذلت نہیں' صحت ہے بیماری نہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے لھم دار السلام عند ربھم (الانعام۔ ۱۲) یعنی ان کے لئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے یہاں' آیت میں سلام سلامتی کے معنی میں آیا ہے۔ ایک اور جگہ اس طرح فرمایا جارہا ہے (یونس۔ ۲۵) اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔ ان تمام جگہوں میں سلام سلامتی کے معنی میں آیا ہے۔ سلام اللہ تعالیٰ سے اس لئے موصوف کیا گیا کہ جس طرح خلق کو عیوب وآفات ہوتی ہیں اللہ کو نہیں ہوتیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز ایک حکمت ایک نظام کے تحت چل رہی ہے۔ اسی طرح تمام جن وانس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کسی ظلم وجور کے ہونے سے سلامت ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے تمام افعال میں ''سلام'' ہے کہ نہ کوئی زیادتی ہے' نہ ظلم نہ فرق ہے' نہ کوئی خلل۔ سلام وہ ہے جس سے دوسرا سلامت رہے۔ امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے سلام کے معنی نقل کئے ہیں۔ سلام وہ ذات

ہے کہ جس کے ظلم سے اس کی مخلوق سالم رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کی آفات ونقائص سے منزہ ہے۔(تاج العروس۔ جامع البیان فی تفسیر ابن جریر)

سلام میں پہل کرنا بڑا ہی اجر وثواب کا موجب ہے اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے جیسا کہ سورۃ النساء میں کہا گیا ہے کہ ’’جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام کا جواب بڑھ کر دو یا کم از کم ویسا ہی جواب دو جیسا کسی نے سلام کیا۔ افضل طریقہ تو یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے یعنی ’’السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ‘‘ صرف السلام علیکم کہہ دینے سے بھی سلام تو ہو جائے گا لیکن پورا سلام کہنے سے اجر وثواب زیادہ ملے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے ایک صحابی تشریف لائے اور انہوں نے کہا۔ ’’السلام علیکم‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ’’دس‘‘ اس کے بعد ایک اور صحابی تشریف لائے اور انہوں نے بھی سلام کیا۔ ’’السلام علیکم ورحمتہ اللہ‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ ’’بیس‘‘ اس کے بعد تیسرے صحابی تشریف لائے اور انہوں نے سلام کیا۔ ’’السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ‘‘ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ’’تیس‘‘، مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف ’’السلام علیکم‘‘ کہنے سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور ’’السلام علیکم ورحمتہ اللہ‘‘ کہنے سے انسان کو بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ’’السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ‘‘ کہنے سے تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ گو کہ صرف السلام علیکم کہنے سے سلام کرنے کی سنت تو ادا ہو جاتی ہے لیکن پورا سلام کرنے میں دعا بھی ہو جاتی ہے اور اضافی اجر وثواب الگ ملتا ہے۔(ابوداؤد) ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا اس لئے کہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق فرشتوں کی جماعت کو سلام کیا۔ ’’السلام علیکم‘‘ فرشتوں نے جواب میں کہا۔ ’’وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ‘‘ فرشتوں نے اپنے جواب میں ’’رحمتہ اللہ‘‘ کے الفاظ بڑھا کر جواب دیا۔(صحیح بخاری شریف)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو کلمہ سلام تلقین فرمایا ہے وہ ہے ’’السلام علیکم‘‘ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں آپ پر سلامتی ہو۔ یہ نہیں فرمایا۔ ’’السلام علیک‘‘ تجھ پر سلامتی ہو۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی گفتگو میں ’’تو‘‘ کے بجائے ’’تم‘‘ یا ’’آپ‘‘ کے لفظ سے کسی کو مخاطب کرتے ہیں جس سے مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے ایسے ہی السلام علیکم میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کی وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ایک تو تعظیم مقصود ہے دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو یہ نیت کرو کہ میں تین افراد کو سلام کررہا ہوں۔ ایک اس شخص کو جو میرے سامنے ہے یا میرا مخاطب ہے۔ اور ان دو فرشتوں کو جو اس کے ساتھ ہیں یعنی ’’کراماً کاتبین‘‘ جن میں سے ایک انسان کی نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا برائیاں۔ اس لئے سلام کرتے وقت تین افراد کو سلام کرنے کی نیت کرلو تاکہ سلام تین افراد کو ہو جائے اور اس طرح تین افراد کو سلام کرنے کا اجر ملے گا۔ اور جب فرشتوں کو سلام کیا جائے گا تو وہ سلام کا جواب ضرور دیں

گے اس طرح ان فرشتوں کے ذریعے دعائیں بھی مل جائیں گی اور فرشتے تو اللہ کی معصوم مخلوق ہوتے ہیں۔(خطبات جسٹس (ر) مولانا تقی عثمانی)

ایسے ہی جب انسان نماز میں سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھیرتے وقت اگر یہ نیت کرے کہ اس طرف جتنے نمازی اور فرشتے ہیں ان سب پر سلام یعنی ان پر بھی میں سلامتی بھیج رہا ہوں اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو بھی یہی نیت کرلے کہ میری بائیں جانب جتنے نمازی اور جتنے فرشتے ہیں ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ سلام پھیرتے وقت اتنا کہنا بھی کافی ہوگا کہ ''السلام علیکم ورحمتہ اللہ اس طرف کے تمام لوگوں اور فرشتوں پر بھی'' پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ تمام فرشتے جو ان تمام نمازیوں کے ساتھ لگے ہوئے ہوں گے سلام کا جواب نہ دیں۔ نمازی جواب دیں نہ دیں لیکن تمام فرشتے ضرور جواب دیں گے اس طرح بہت سارے فرشتوں کی سلامتی کی دعائیں ہمیں حاصل ہوجائیں گی۔(خطبات جسٹس (ر) مولانا تقی عثمانی)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کہیں جارہا ہو تو جانے والے شخص سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ جہاں جارہے ہیں وہاں فلاں صاحب ہوں گے انہیں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ ایسا کرنا کہنا یعنی کسی کے ذریعے سلام بھیجنا بھی سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ سلام کا قائم مقام ہے اس طرح سے بھی سلام کی فضیلت حاصل ہوتی ہے ایسے سلام کا جواب اس طرح سے دیا جائے۔ ''علیھم وعلیکم السلام'' یعنی اس پر بھی سلامتی ہو جنہوں نے سلام بھیجا ہے اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس طرح دو سلام اور دو دعائیں جمع ہوجائیں گی اور یوں دو انسانوں کو سلام اور دعا دینے کا اجر و ثواب ملے گا۔ بعض لوگ ایسے غائبانہ سلام کا جواب بھی ویسا ہی دیتے ہیں جیسا کہ عام طور پر دیتے ہیں اور صرف ''وعلیکم السلام'' یہ جواب درست نہیں ہے گو کہ جواب تو ادا ہوجائے گا لیکن اس طرح سے صرف اس شخص کو سلامتی کی دعا ملے گی جس نے کسی کا سلام آپ تک پہنچایا، لیکن اصل سلام بھیجنے والا آپ کی سلامتی سے محروم ہی رہ جائے گا۔ اس لئے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسے سلام کا جواب ''علیھم وعلیکم السلام'' کہہ کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر آپ کو کسی کی طرف سے کوئی خط ملے اور خط میں ''السلام'' یا السلام علیکم ورحمتہ اللہ لکھا ہو تو اس تحریر کا تحریری جواب دینا آپ پر واجب ہے اور خط کا جواب دینا بھی واجب ہے اگر خط کا جواب نہیں دیں گے تو سلام کا جواب کیسے دیں گے؟ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خط میں جو سلام ہے اس کا جواب دینا مستحب ہے خط کا جواب نہیں کیونکہ خط کا جواب خط سے دینے میں پیسا خرچ ہوتا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ خط پڑھنے میں بھی سلام کا جواب نہ دیا تو اس طرح ترک واجب کا گناہ ہوگا اس لئے جب کوئی خط ملے اور اس میں سلام تحریر ہو تو فوراً ہی زبان سے جواب دینا چاہئے تاکہ ترک واجب کے گناہ سے بچا جاسکے (اصلاحی خطبات جسٹس (ر) مولانا تقی عثمانی)

(جاری ہے)

ملیحہ احمد

اصلی نام...... عقیلہ انجم لیکن آنچل میں عقیلہ شمائل عقیلہ رضی...... پیار کے تو بہت سے نام ہیں لیکن مجھے پنکی سب سے زیادہ پسند ہے یہ میرے پیارے چاچو جی نے رکھا ہے۔ تاریخ پیدائش 30 اکتوبر 1993ء اور شہر پنسیرہ۔ ستارے پر یقین نہیں' کاسٹ کی میں جٹ ہوں۔ 6 بہنیں اور 3 بھائی اور میرا نمبر دوسرا ہے۔ تعلیمی قابلیت' ایف اے۔ صبح تہجد ٹائم یا فجر کی اذان کے بعد نماز پڑھتی ہوں پھر تلاوت قرآن کرتی ہوں' اس کے بعد گھر کا کام کرتی ہوں۔ فیورٹ کلر بے بی بلیو' بلیو' وائٹ اور ریڈ پسند ہیں۔ بلیو چوڑیاں زیادہ پیاری لگتی ہیں۔ کس دن کا انتظار ہے؟ جس دن اللہ مجھے اور میرے گھر والوں کو اپنے گھر کی زیارت کروائے۔ میوزک ذرا بھی پسند نہیں اور نہ ہی مجھے میوزک کی سمجھ آتی ہے۔ خوشی کا اظہار اپنوں کے گلے لگ کر اور دادی جان کی پیشانی چوم کر کرتی ہوں۔ دماغ گھومتا ہے جب کوئی چیز وقت پر نہ ملے کوئی جھوٹ بولے الزام لگیں۔ غصے میں کچھ بھی نہیں سامنے والے کو (دو چار سناتی ہوں) یا پھر آرام سے کمرے میں جا کر لیٹ جاتی ہوں' خاموش ہو جاتی ہوں۔ کوئی لڑکا مسلسل گھورے تو جلدی سے چہرہ دوسری سائیڈ پر کر لیتی ہوں اور آیتہ الکرسی کا ورد جاری رکھتی ہوں' جب تک وہ غائب نہ ہو جائے۔ بہترین تحفہ دعائیں' ان کی ضرورت انسان کو ہر قدم پر ہوتی ہے اس کے بعد قرآن' اسلامی کتابیں یا پھر پرفیوم اور یہ ہی تحفے میں اپنوں کو دیتی ہوں۔ نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت کر کے دوسروں کی مدد کر کے بڑوں کی محفل میں بیٹھنے سے بڑا سکون ملتا ہے۔ لباس شلوار قمیص' بڑا سا دوپٹہ اور ساڑھی پسند ہے۔ اچھی عادت یہ ہے کہ میں نماز کی بہت پابند ہوں' دوست اور گھر والوں کی ضرورت کا خیال رکھتی ہوں۔ سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرتی جب تک خود جان نہ لوں' ہر کام جلدی سیکھ لیتی ہوں' ہر کام میں ماہر ہوں۔ کڑھائی' سلائی لے کر خشاش دو نے تک ہر کام میں اول ہوں۔ بُری عادت...... گاؤں میں حجاب نہیں کرتی' غصہ بہت جلدی آتا ہے۔ ناراض جلدی ہو جاتی ہوں' ایک بار اعتبار ٹوٹ جائے پھر اعتبار نہیں کرتی' لڑاکا بہت ہوں' شرارتی تو حد سے زیادہ۔ انسان سے نہیں انسان کے کردار سے نفرت ہے' جھوٹے' لالچ' حسد کرنے والوں اور چغل خور سے دور رہتی ہوں۔ کھانے میں آئس کریم' چاول' کھیرا' کدو' سموسے۔ ناول نگاروں میں اقراء صغیر' عمیرہ احمد' نادیہ فاطمہ رضوی' تحسین انجم انصاری' نازیہ کنول نازی' ام مریم' عائشہ نور محمد' سباس گل' عشنا کوثر' ڈاکٹر تنویر' سمیرا شریف طور' عابدہ سبین' سیدہ غزل زیدی' صائمہ قریشی' افشاں جی۔ باقی سب ناول نگار بھی پسند ہیں جو آنچل میں لکھتے ہیں۔ دوستوں کی بہت لمبی لائن ہے کیسی ایک کا نام لکھ کر دوسرے کو ناراض نہیں کر سکتی' مجھے اپنے دوستوں سے بہت پیار ہے سب سے بیسٹ دوست میری ماں ہیں بہت مخلص اور پیار کرنے والی۔ اب ایک پیغام کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں' کبھی کسی کا دل نہ دکھانا' کبھی کسی کی باتوں میں آ کر اپنے پیاروں کو نہ کھونا اپنے وطن اور دین کا خیال رکھنا' اپنے

بڑوں کی عزت کریں اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

رابعہ لاریب

پیارے آنچل کے تمام قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پُر خلوص سلام۔ تو جناب میں 22 جنوری کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ آپ سب کی پیاری سی بہنا رابعہ لاریب' سرگودھا کی رہنے والی ہوں۔ مطالعہ کرنے اور لکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے' پوزیشن ہولڈر ہوں۔ میٹرک میں سائنس سبجیکٹ رکھے پھر والدین کی فرمائش پر ایف اے میں اکنامکس رکھی جبکہ میرا اپنا ارادہ ایف ایس سی کا تھا پھر سوچا دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہونی چاہیے سو ترجمہ تفسیر میں ایڈمیشن لے لیا اور سیکنڈ پوزیشن حاصل کی اب بی اے اکنامکس کا ارادہ ہے۔ فارغ بیٹھنے والی نہیں ہوں اسی لیے میں نے رابعہ لاریب کے نام سے ایک اکیڈمی کھول رکھی ہے اور گھریلو کام کاج کے ساتھ میں اپنا مدرسہ فاطمتہ الزہراں بھی چلا رہی ہوں جس میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہم ماشاء اللہ سے نو بہن بھائی ہیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں شکیلہ' نبیلہ' رضیہ' رفیعہ' بشریٰ' سارہ' سدرہ شوخی اور پھر میں شہزادی (ہاہاہا) پھر میرا پیارا بھائی مسعود۔ اب بات ہوجائے خامیوں اور خوبیوں کی ویسے یہ تو میری فرینڈز ہی بہتر بتا سکتی ہیں بقول فری کے میں اپنی باتیں کسی سے شیئر نہیں کرتی اور خوبیاں یہ ہیں کہ کم بولتی ہوں' زیادہ مسکراتی ہوں اور کسی سے جلدی فرینک نہیں ہوتی۔ فرخندہ عرف فری' غزالہ عرف جیا' کرن جبیں' فائزہ' کرن لطیف اور سائرہ میری پیاری فرینڈز مجھے کبھی اداس نہیں ہونے دیتیں۔ میرا آنچل سے رشتہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہوا ہے آنچل کی تو بات ہی کیا ہے' آنچل پڑھ کر میں کچھ دیر کے لیے زندگی کی تلخیوں کو بھول جاتی ہوں اور جناب حساس طبیعت کی مالک ہوں' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں' منافقت سے نفرت ہے پُرخلوص اور اچھے لوگ پسند ہیں' خوب صورت مناظر بہت پسند ہیں۔ بارش بہت پسند ہے' پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اللہ رب العزت ہمیں اپنے نبی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں' آمین۔ بریانی میری فیورٹ ڈش ہے میٹھے میں رس ملائی اور کسٹرڈ بہت پسند ہے۔ چاکلیٹ اور آئس کریم کی دیوانی ہوں اب بات ہوجائے ان کی جن کے دم سے میری زندگی میں رونق ہے میری پیاری امی جان' ابو جان آئی لو یو۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کے سروں پر ہمارے والدین کا سایہ تاقیامت قائم رکھنا' آمین' گانے سننا پسند نہیں۔ پسندیدہ مشغلہ پینٹنگ ہے' فری کہتی ہے کہ رابی تم ایک دن ضرور ایک اچھی پینٹر بنو گی' دیکھتے ہیں کب؟ ہاہاہا۔ میرے پیارے بھانجے اور بھانجیاں جن کے دم سے ہماری زندگی میں رونقیں ہیں' ان کے نام بتائے دیتی ہوں۔ بہزاد' آئشہ' آمنہ' ام حبیبہ' نورالعین' ذونیرہ' ریان' عبیرہ' حماد' ملائقہ' عنائیہ' کنز الایمان' حوریہ عرف عائشہ میں ان سب سے بہت پیار کرتی ہوں۔ آخر میں کبھی کسی کا دل مت دکھایئے گا کیونکہ ٹوٹے ہوئے دل کبھی جڑا نہیں کرتے' اللہ حافظ۔

بشریٰ رانا

السلام علیکم! میرا نام بشریٰ رانا ہے اور میں ایف ایس سی پری انجینئرنگ کے پہلے سال میں ہوں‘ ہم چھ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ رانا صاحب کا بہنوں میں نمبر پانچواں ہیں اور دونوں بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں‘ ایک ہی چاچو ہیں اور ہم سب اکٹھے ہی رہتے ہیں یعنی ان کی فیملی بھی۔ اب بات ہوجائے میری پسند کی تو مجھے دنیا جہاں کے ناول‘ ڈائجسٹ اور کتابیں پڑھنے کا شوق ہے‘ سبزی تو میں کوئی سی بھی نہیں کھاتی چاول اچھے لگتے ہیں اس لیے گھر میں ہفتے میں تین بار چاول بنتے ہیں۔ چائے پینے کا تو پوچھو ہی نہیں‘ سردی ہو یا گرمی تینوں ٹائم دو دو کپ لازماً پیتی ہوں (اور درمیان میں بھی پی لیتی ہوں) امی کہتی ہیں کھانے کی جگہ چائے ہی پی لیا کروں۔ عموماً لڑکیاں کہتی ہیں کہ چائے پینے سے رنگ کالا ہوجاتا ہے لیکن میرا رنگ تو بہت ہی سفید ہے کبھی بھی کالا نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ کلر میں مجھے سفید کلر اور بے بی پنک‘ شوز میں سلیپرز‘ رنگز‘ ایئر رنگز‘ چھلے‘ چین اور سر پر ڈھیر ساری پنز لگانے کا شوق ہے اپنے بہن بھائیوں کی چیزیں اٹھا کر چھپا دینا‘ چھتوں اور گلیوں میں گھومنا بندر کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں لگانا اور جلدی جلدی اونچا بولنا تو میرے موسٹ فیورٹ مشغلے ہیں اور اس کے علاوہ بچوں سے چیزیں چھین کر کھانا بھی کبھی خود کو بُرا نہیں لگتا۔ اکثر جب میں بولتی ہوں تو میرے گھر والے مجھے خاموش کروادیتے ہیں۔ ڈائجسٹ میں سب سے زیادہ آنچل اچھا لگتا ہے‘ ہمارا سارا محلہ اپنا ہے مطلب میرے ابو کے کزنز میں آگے ان کے بچے اس لیے ہم ایک ہی محلے میں ہیں۔ ہمارے خاندان میں ماشاءاللہ لڑکیوں کی تو بہت ہی فراوانی ہے‘ ہم کزنیں ڈائجسٹ ایسے چھین کے پڑھتے ہیں جیسے بلی چھچھڑوں پر پڑتی ہے۔ بارش میں نہانا اور چاندنی رات میں خصوصاً سردیوں میں واک کا مزہ تو بس کوئی مجھ سے پوچھے۔ مجھے لڑکا بننے کا بہت شوق ہے جس کی وجہ سے میں پینٹ تو اپنی لیکن شرٹ بھائیوں کی پہنتی ہوں اور اس کے بدلے میں مجھے بھائی روز دو تین ہیٹ بھی کمر پر مفت میں دیتے ہیں لڑکوں کی طرح اکثر بال بھی کٹواتی ہوں۔ طوطے اور چوزے پالنے کا شوق ہے۔ آرمی میں جانے کا بہت شوق ہے بس میری ایک ہی وش ہے شہید ہونے کی۔ غصہ نہیں آتا لیکن جب بھائی کہتا ہے کہ شکل دیکھی ہے آرمی میں جانے کی تو پوچھو نہ غصے میں لال ٹماٹر بن جاتی ہوں۔ ریسلنگ شوق سے دیکھتی اور کرکٹ میں شوق سے کھیلتی ہوں اس کے علاوہ جوڈو کراٹے سیکھنے کا بھی بہت شوق ہے۔ نفرت مجھے دوغلے بندوں سے ہے اس کے علاوہ حساس بہت ہوں‘ ٹی وی پر کشمیر اور جہاں جہاں بھی ظلم ہورہے ہیں دیکھ کر بہت روتی ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور ہاں یہ دعا تو لازمی کریئے گا اللہ مجھے شہادت نصیب فرمائے‘ اللہ حافظ۔

کرن ملک

السلام علیکم! قارئین ودآل اسٹاف آف آنچل‘ امید واثق ہے بفضل خدا سب خیریت وعافیت سے ہوں گے اور اصل نام کرن شہزادی ہے لیکن مجھے

کرن ملک کہلوانا اچھا لگتا ہے۔ یکم جنوری کو گھر میں بلکہ پورے خاندان میں پہلی بیٹی ہونے کا اعزاز کے ساتھ دیدار رخ روشن کروایا جبکہ پھوپو کہتی ہیں کہ میں دسمبر میں پیدا ہوئی۔ ویسے میں برتھ ڈے یکم جنوری کو ہی مناتی ہوں۔ آنچل سے رشتہ کچھ اس طرح استوار ہوا جب میں 6th کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی' عالیہ میری فرینڈ جو کہ مجھ سے بڑی تھی مجھے آنچل کی اسٹوریز رات کو سناتی تھی میں اس سے پوچھتی کہ آپ کو اتنی اسٹوریز کیسے آتی ہیں وہ کہنے لگی کہ میں ڈائجسٹ سے پڑھتی ہوں جب میں آٹھویں میں آئی تو عالیہ نے ٹیچنگ اسٹارٹ کردی اور پھر اس کے پاس مجھے کہانیاں سنانے کا ٹائم نہ ملتا پھر اس نے کہا کہ اب خود پڑھ لیا کرو اس طرح میرا آنچل سے بندھن جڑا۔ اب عالیہ کے دو بچے ہیں افلاطون قسم کے اور کیوٹ بھی' وہ پڑھنے نہیں دیتے تو اب میں اسے سناتی ہوں۔ جی جناب اب میرے بارے میں جانیئے' کھانے پینے کا کچھ خاص شوق نہیں ویسے چاول جیسے بھی ہوں شوق سے کھالیتی ہوں۔ بنانی ہر چیز آتی ہے تقریباً سب سے اپنی تعریف سنی سوائے امی کے' امی کی نظر میں تو میں کبھی بھی سگھڑ نہیں ہوسکتی۔ تنہائی پسند ہوں' جب تنہا بیٹھنے کو دل چاہتا ہے تو اندھیرے سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ رات کے پچھلے پہر چاند سے باتیں کرنا اور آغوش نیند اتر جانا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ سردیوں کی شامیں اور گرمیوں کی صبح پسند ہے' موسم بہار پسند ہے۔ ڈریسنگ میں لانگ شرٹ اور پاجامہ زیب دیتا ہے' فنکشنز کے لحاظ سے ساڑھی بھی اچھی لگتی ہے کلر پنک اور میرون فیورٹ ہیں۔ پہلے بہت خاموش طبع تھی لیکن اب محفلوں میں بیٹھنے اور ہلہ گلہ کرنے لگتی ہوں' حقیقت پسند اور حساس بہت ہوں' چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرتی ہوں۔ پتا نہیں اب یہ خامی ہے یا خوبی' آنسو ہر وقت پلکوں کی باڑ میں سجے ہوتے ہیں کوئی بات ہوئی پٹاخ سے باہر۔ اچھے برے کی بالکل پہچان نہیں۔ اکثر دھوکا کھایا ہے حال دل کسی سے شیئر نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی ایسا دوست ملا جس سے شیئر کروں۔ فرینڈ انعم سے تھوڑا بہت کرلیتی ہوں۔ آؤٹنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہوں' قدرتی نظارے اٹریکٹ کرتے ہیں' شمالی علاقہ جات سیر کرنے کا شوق ہر وقت سوار رہتا ہے۔ غصہ جلدآ جاتا ہے جیسے آتا ہے ویسے ہی بھاگ بھی جاتا ہے۔ جھوٹ سے شدید نفرت ہے' بچپن کی لائف اچھی لگتی ہے' کھانا کھیلنا اور سوجانا کیا مزے ہوتے ہیں۔ موڈ کے مطابق میوزک سنتی ہوں شاعری کا کچھ خاص شوق نہیں البتہ سیڈ شاعری ڈائری میں رقم ہے۔ مجھے کتابی دنیا بہت اچھی لگتی ہے' آنچل سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا' اللہ کرے تاحیات ہماری اصلاح کرتا رہے۔ مجھے لوگوں کی امارات اور شان وشوکت متاثر نہیں کرتی' حسن اخلاق اور نیک سیرتی سے کوئی بھی اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے' بچپن میں بارش میں نہاتی تھی۔ رائٹرز میں رفعت سراج' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف' عائشہ نور' عمیرہ احمد اور نمرہ احمد فیورٹ ہیں۔ حج کرنے کی دلی خواہش ہے دیکھو کب پوری ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ پاکستان کو اقبال کے خواب اور قائداعظم کی سوچ جیسا بنادے' آمین' اللہ حافظ۔

فاخرہ گل

ہنی نور گجرات سے پوچھتی ہیں کہ آپ کرن اور آنچل کے علاوہ کون سے ڈائجسٹ میں لکھتی ہیں؟

سوئٹ ہارٹ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ میں زیادہ اور مستقل نہیں لکھ پاتی ہوں مگر پھر بھی میں نے پاکیزہ، دلکش، کرن، نازنین آنچل میں لکھا ہے۔ حنا میں بھی ایک دو افسانے پبلش ہونے تھے شعاع اور خواتین کی مدیرہ کا محبت بھرا اصرار بھی ڈیڑھ سال سے میرے ساتھ ہے اور اب یقیناً وعدہ نبھانے کا وقت قریب ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی وہاں بھی کچھ لکھنا ہے اس کے علاوہ کچھ انٹرنیشنل میگزین میں سوشل ایشوز پر مضامین بھی لکھتی رہتی ہوں اور پوئٹری تو پھر ساتھ ہے ہی۔

پھر آپ پوچھتی ہیں کہ آپی آپ اپنے ناولز کے ہیروز کے نام کہاں سے لیتی ہیں؟

ڈیئر میرے کسی بھی ناول یا افسانے میں موجود نام بہت زیادہ انوکھے نہیں ہوتے بلکہ ہمارے یہ ارد گرد موجود لوگوں سے ہوتے ہیں اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بہت زیادہ سوچنا پڑا ہو البتہ میرے ناول "میرے ہمنوا کو خبر کردو۔" میں شاہ زین کا نام مجھے میرب عباسی نے تجویز کیا تھا سو میں نے وہی رکھا اس کے علاوہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔

آپ کے باقی جوابات یقیناً دوسرے صفحات پر مل گئے ہوں گے بہت ساری دعاؤں اور محبت کا دلی شکریہ۔

صباحت رفیق چیمہ......لوپا نوالہ سے لکھتی ہیں۔

آپی مجھے نہیں پتا کہ میں نے آپ کے کتنے ناولز پڑھے ہیں مجھے رائٹرز کے نام اور ناولز کے نام یاد نہیں رہتے لیکن مجھے آپ کا ناول میرے ہمنوا کو خبر کردو کبھی نہیں بھولے گا۔ سب سے زیادہ اٹریکٹ مجھے ندی کے کردار نے کیا تھا جس طرح اس نے اتنا کچھ برداشت کیا صرف اس لیے کہ اس نے ایک دوستی کی آفر قبول نہیں کی تھی۔ اس جرم میں ندی جیسا تو نہیں لیکن اتنا ہی تکلیف دہ وقت میں بھی گزار چکی ہوں مگر میں اپنے اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹی مگر اب میں الحمدللہ بہت ریلیکس ہوں اور اپنے ناولز میں اس قدر حقیقت بیان کرنے پر آپ کو سیلوٹ کرتی ہوں میں بھی جلد ہی آپ کی فیلڈ میں قدم رکھنے والی ہوں اور چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پلیز ویلکم کریں یہ میرا سوال نہ سہی لیکن ایک خواہش ضرور ہے امید ہے آپ اسے پورا کریں گی۔

پیاری صباحت یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ بھی قلم قبیلے میں شامل ہونے والی ہیں جان کر بے حد خوشی ہوئی ویسے بھی آج کل جبکہ ہمارے معاشرے میں مطالعے کی عادت کم سے کم ہوتی جا رہی ہے ایسے میں ضرورت ہے ایسے لکھنے والوں کی جو اپنے منفرد طرز تحریر اور دلچسپ اسلوب سے ایک بار پھر مطالعہ کی لگن کو مزید جگا سکیں اور اپنے قلم سے ایسا اصلاحی ادب تخلیق کریں جو قارئین کی زندگی میں معمولی ہی سہی مگر کسی مثبت تبدیلی کی وجہ بن جائے۔ بہت مبارکباد اور دعائیں۔

سارقہ فاطمہ تلہ گنگ سے لکھتی ہیں۔

سوال نمبر ۱:۔ میں نے اب تک آپ کو جتنا جانا ہے اس کے مطابق آپ بہت ہنسنے ہنسانے والی اور خوش مزاج شخصیت کی مالک ہیں کیا حقیقت میں اپنے نزدیک رہنے والوں اور روزانہ ملنے جلنے والوں سے بھی آپ اسی انداز میں ملتی ہیں یا یہ انداز صرف دور کے لوگوں کے لیے ہے؟

ڈیئر سارقہ آپ نے اپنے تفصیلی خط میں خود ہی لکھا ہے کہ آپ مجھے پچھلے چار سال سے جانتی ہیں تو کیا خیال ہے اتنے سالوں تک کوئی بناوٹی لہجہ اپنا سکتا ہے کیا، پاس رہنے والے ہوں یا دور مگر یہی میرا فطری انداز ہے میں گھر میں بچوں کے ساتھ بھی اسی طرح ہنستی بولتی رہتی ہوں اور مجھے ماں کے ساتھ ساتھ فرینڈز میں بھی کاؤنٹ کرتے ہیں۔ میں بہت زیادہ دیر تک سیریس نہیں رہ پاتی، ابھی پاکستان آنے سے دو ہفتے پہلے کسی چیز سے مجھے الرجی ہو گئی اور اس حد تک ہو گئی تھی کہ منہ کھل نہیں پاتا تھا اور مسلسل چار دن تک میں اسٹرا کی مدد سے صرف اور صرف جوس اور دودھ وغیرہ ہی پیتی رہی۔ بات بھی بمشکل کر پاتی تھی اور جب ڈاکٹر کے پاس گئی تو بجائے میں اس سے کہتی کہ ڈاکٹر میں پچھلے چار دن سے ٹھیک سے بات نہیں کر پا رہی یا چار دن سے میں نے کچھ کھایا نہیں میں نے ڈاکٹر سے ملتے ہی کہا "میں بہت سخت پرابلم میں ہوں پچھلے چار دن سے نہ اسمائل کر پا رہی ہوں نہ ہنس پا رہی ہیں۔" اور اس بات پر ڈاکٹر بھی بہت ہنسا تھا۔ اور ویسے بھی ہر ایک سے مسکرا کر ملنا اور میٹھی بات کرنا ہمارے دشمنوں کو کم اور دوستوں کو بڑھا دیتا ہے (اور بعض اوقات دشمنوں کو جلا بھی دیتا ہے ہاہاہا)

سوال نمبر ۲:۔ آپ کی زندگی کا کوئی ایسا دکھ جس پر اب ہنسی آتی ہو؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کلاس فائیو کے بعد نیو اسکول میں ایڈمیشن لیا ایف جی گرلز ہائی اسکول حیدر آباد میں کلاس سکس

میں میرا پہلا دن تھا مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی کہ کچھ لڑکیاں بہت بڑی تھیں۔ اب میں ٹھہری امی کے سکھائے ادب وآداب کے دائرے میں معصوم سی بچی سوامی نے تو یہی سکھایا تھا کہ اپنے سے بڑوں کو آپی یا باجی ہی کہنا چاہیے ان کے نام لینا بری بات ہوتی ہے اس لیے میں ان چند بڑی ''باجیوں'' کو واقعی ہی باجی کہنے لگی جس پر شدید قسم کا ردعمل آیا اور انہوں نے سخت مائنڈ بھی کیا ساتھ ہی میری بھی عمر پوچھی اور میں جو دو سال میں چار کلاسز پاس کرنے کی وجہ سے پوری کلاس میں چھوٹی تھی میری عمر بتانے پر سب بہت ہنسی کہ یہ تو ابھی سے عمر چھپا رہی ہے اور ان کی اس بات نے مجھے کچھ دن نہیں بلکہ کئی مہینے دکھی رکھا۔ ان کی خواہش کے عین مطابق میں پھر ان کے نام لینے لگی تھی مگر بات بات پر وہ یہ کہنا نہیں بھولتی تھیں کہ تم خود کو چھوٹا ثابت کرنا چاہتی تھیں یہ بات صرف اسٹوڈنٹس میں بھی اگر ٹیچرز تک جاتی تو یقیناً میری گواہی ہوجاتی لیکن تب اتنی سمجھ نہیں تھی اس لیے خود کو ان کے برابر ظاہر کرکے ان سے جان چھڑائی کیونکہ ہائیٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے برابر ہی تھی اور یہی میری زندگی کا باقاعدہ دکھ تھا جس پر اب مجھے ہنسی آتی ہے اب یہ الگ بات ہے کہ الحمدللہ چند ہی مہینوں بعد میری پروگریس اور محنت کو دیکھ کر ٹیچر نے کلاس مانیٹر بنادیا نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ایکٹیو ہونے کی وجہ سے سب ہی ٹیچرز تعریفیں کرتیں اور میٹرک کلاس میں ہیڈ پریفیکٹ کا چارج سنبھالا بخوبی نبھایا اور میٹرک کے بورڈ کے ایگزام میں پورے حیدرآباد ڈویژن میں سیکنڈ پوزیشن بھی حاصل کی اب وہی تینوں لڑکیاں میری دوست بننے کی کوشش کیا کرتیں جو فرسٹ ڈے میرے باجی کہنے پر چراغ پا ہوئی تھیں۔

ویسے آپس کی بات ہے کہ کچھ لوگوں کو آپی، باجی، وغیرہ کہنے سے فشار خون بلند ہوتا کیوں محسوس ہوتا ہے اور یہی آپا، باجی یا آنٹی اگر پہلی ملاقات میں کہہ سن لیا جائے تو بس اگلی تمام متوقع ملاقاتیں سرد مزاج گرم کیوں ہونے لگتا ہے کچھ سمجھ آئے تو مجھے بھی بتایئے گا۔

شاہدہ خالق نے کراچی سے پوچھا ہے کہ آج کل بہت سی رائٹرز ٹی وی کے لیے بھی لکھ رہی ہیں آپ کے کیا ارادے ہیں؟

ڈیئر شاہدہ آپ کی نیک خواہشات اور دعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔ ٹی وی کے لیے ان شاء اللہ ضرور لکھوں گی لیکن ابھی شاید وقت نہیں ہے آج کل تھوڑا بہت جو ٹائم ملتا ہے وہ ڈائجسٹ میں ہی لکھ رہی ہوں کچھ بچوں کی بھی روٹین اس طرح کی ہے کہ ٹائم نہیں نکال پارہی لیکن ان شاء اللہ ایک دو سال تک اگر زندگی رہی تو ضرور کوشش کروں گی کہ وقت نکال پاؤں اور ہاں مجھ سے ملنے کے لیے پریشان نہ ہوں جب بھی گجرات آنا ہوا میں حاضر ہوں۔

فاطمہ ابڑو سکھر سے لکھتی ہیں کہ آپی میں بہت دن سے سوچ رہی تھی کہ ایسے کون سے سوالات پوچھوں جو اور کسی نے بھی نہ پوچھے ہوں اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ سوال آپ سے اس عدالت میں کوئی بھی نہیں پوچھے گا تو میرا پہلا سوال ہے کہ آپ کو مختلف ڈائجسٹ سے کتنا اعزازیہ ملتا ہے اور آپ اس کا کیا کرتی ہیں؟

پیاری فاطمہ، آپ کا دعویٰ واقعی درست ہے کیونکہ اعزازیے کے متعلق تو آج تک میرے ہزبینڈ نے بھی نہیں پوچھا اور نہ ہی وہ میری پہلی تحریر سے لے کر اب تک کسی بھی تحریر کے اعزازیے کے متعلق جانتے ہیں اور بائی ڈیئر ویسے بھی یہ باتیں ہر ادارے کی پرسنل ہوتی ہیں اور پروفیشنلزم اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ان باتوں کو ڈس کلوز کیا جائے البتہ کیا کرتی ہوں کا جواب ہے کہ میری تمام تحریروں سے ملنے والا معاوضہ سو فیصد فی سبیل اللہ خرچ ہوتا ہے اور یہ یقین ہے کہ اگر کم لکھنے کے باوجود اللہ نے اتنی عزت دی ہے تو اس میں ان سب لوگوں کی دعائیں بھی شامل ہیں۔

سوال نمبر ۲:۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے آپ کے ہینڈ بیگ میں کون سی تین چیزیں لازمی ہوتی ہیں؟

بیگ میں موجود یہ تین چیزیں تو موسم پر منحصر کرتی ہیں آج کل کیونکہ گرمیاں ہیں تو پانی کی چھوٹی بوتل، روز واٹر کی اسپرے بوتل اور پرفیوم تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۳:۔ کوئی ایسا واقعہ جو شرمندگی کا باعث بنا ہو یا جسے سوچ کر شرمندگی ہوتی ہو۔

ہاں فاطمہ ایسا ہی ہے اور یہ واقعہ میرے ساتھ حال ہی میں پیش آیا جسے ایک بار پھر اب سوچنے پر شرمندگی ہورہی ہے۔

دراصل مجھے ہائی ہیل پہننا پسند ہے جب تک امی شاپنگ کرتی تھیں وہ زیادہ تر میرے لیے فلیٹ جوتے ہی خریدتی تھیں کہ ہائٹ بہت زیادہ نہ لگے لیکن میں ہیل میں خود کو زیادہ کمفرٹیبل محسوس کرتی ہوں اور شدید گرمی کے علاوہ اسی طرح کے شوز پہنتی ہوں اور یہی غلطی مجھ سے ہوئی جب میرے ہزبینڈ کے جاننے والی ایک فیملی عمرہ کرکے آئی میں پہلے کبھی ان کے گھر نہیں گئی تھی فرسٹ ٹائم ہی انہیں عمرے کی مبارک باد دینے گئی حسب معمول ہائی ہیل پہن تو گئی مگر یہ دیکھ کر مجھے انتہائی شرمندگی ہوئی کہ ان سب کا قد انتہائی درمیانہ تھا اور مجھے

ان سے ملنے کے لیے قدرے جھکنا پڑا جبکہ ان کی ایک بیٹی کو میں نے خود دانستہ اونچا ہوتے دیکھا تو باوجود اس کے کہ میں جان بوجھ کرایسے جوتے پہن کرنہیں گئی تھی اور نہ ہی خدانخواستہ میرا کوئی ایسا مقصد تھا لیکن اس وقت پتا نہیں کیوں مجھے بہت سخت شرمندگی ہوئی اور اب بھی وہ وقت یادآ رہا ہے تو اچھا فیل نہیں ہورہا۔ جتنی دیر وہاں بیٹھی رہی خود کو دل ہی دل میں ملامت کرتی رہی اور اب جب ان آنٹی کی ایک بیٹی کے تاثرات یادآتے ہیں تو بالکل اچھا نہیں لگتا اور بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔

شہلا رفیق کراچی سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے بعد پوچھتی ہیں کہ فاخرہ آپ نے آنچل میگزین میں اتنا کم کیوں لکھا ہے، اس کی کوئی خاص وجہ؟

ڈیئر شہلا میں نے صرف آنچل میں ہی نہیں بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ مجموعی طور پر ہی بے حد کم لکھا ہے جس کی ایک بڑی وجہ ماشاءاللہ عبدالرحمان اور محمد حمزہ ہیں جنہیں اسکول سے آنے کے بعد مکمل توجہ دینا میری پہلی ترجیح ہوتی ہے لیکن آپ کی یہ شکایت ان شاءاللہ بہت جلد دور ہوجائے گی بس دعا کیجیے گا خاص طور پر ماہنامہ آنچل ہی کی نیت سے چند اقساط پر ناول شروع کیا ہوا ہے لیکن وقت کی رفتار شاید بہت تیز اور میری مدہم ہونے کی وجہ سے اب تک میں ارسال نہیں کرسکی لیکن جس محبت سے اکثر قارئین نے اس بات کا شکوہ کیا ہے میری بھرپور کوشش ہوتی کہ جلد از جلد وہ لکھ کر ادارے تک پہنچادوں۔

آپ کا سوال نمبر 2 ہے کہ میں آپ کی تحریروں کو ہمیشہ تنہائی میں پڑھتی ہوں تاکہ آپ کے لفظوں میں چھپی حساسیت کو مکمل طور پر محسوس کرسکوں آپ اپنی تحریروں میں جذبات اور حساسیت کو جو مقام دیتی ہیں وہ بہت اچھا لگتا ہے لیکن آپ کی کہانی ''عمل محبت جزا محبت'' میں آنیکت جیسی پیاری لڑکی کے سوتیلے بھائی نے باپ کے مرنے پر جو رویہ اختیار کیا اس نے بہت دکھ دیا باوجود اس کے کہ اس کے باپ نے آنیکت کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا آپ اس بارے میں کیا کہیں گی؟

تھینکس ڈیئر شہلا کہ آپ اتنی باریک بینی سے مطالعہ کرتی ہیں۔ آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے واقعی آپ کو دکھ ہوا ہوگا خود مجھے بھی بہت دکھ ہوا تھا جب حقیقی زندگی میں کسی نے بتایا کہ ان کے بیٹے نے ماں کے جنازہ پڑھنے کو وقت کا ضیاع قرار دیتے ہوئے سگریٹ سلگا کر کہا آپ لوگ جنازہ پڑھو میں جب تک ایک سگریٹ پی لوں۔

یہ بات ایسی ہے شہلا کہ اس پر مجھے یقین کرنا بہت مشکل تھا لیکن جنہوں نے یہ بات شیئر کی وہ ان کے سگے رشتے داروں میں سے تھے سو یقین کرنا پڑا لوگوں کے رویے اس حد تک سفاک ہوچکے ہیں کہ دل کانپ جاتا ہے۔ ایسی ایسی باتیں لوگ شیئر کرتے ہیں کہ دکھ کے مارے (شاید آپ یقین نہ کریں) بعض اوقات میں پورا پورا دن کھانا نہیں کھا پاتی اور اللہ سے یہی سوال کرتی ہوں کہ مالک ہمارے دلوں سے تیرا خوف کیوں کم ہونے لگا ہے برائی کرتے ہوئے ایک کھٹکے سے ڈر جانے والا انسان حقیقی معنوں میں تجھ سے کیوں نہیں ڈرتا اور اگر ہم اس حد تک بے حس ہوچکے ہیں تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہدایت کا راستہ کیوں نہیں دکھادیتا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب ہماری آزمائش ہے اور بہرحال اس آزمائش میں خوف خدا رکھنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

ہماری نٹ کھٹ سی ستارہ امین کومل پیر محل سے پوچھتی ہیں کہ فاخرہ گل آپ میری ان چند قلم کار دوستوں میں شمار ہوتی ہیں جن کی تحریر میں دل سے پڑھتی ہوں جو بہت بااخلاق، پرخلوص اور صاف شفاف دل کی مالک ہیں جن کے ساتھ جب بھی بات ہو موڈ فریش ہوجاتا ہے اللہ جو آپ سے راضی ہو اور آپ ہمیشہ شاد وآباد رہیں۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے ناول ''خالہ سالا اور اور بروالا'' میں خالہ کا نام کیوں نہیں رکھا۔

آپ کی محبتوں کے لیے بہت بہت شکریہ، ناول میں خالہ کا نام کیوں نہیں رکھا، شاید اس لیے کہ اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی یہ کریکٹر ایسا تھا کہ اسے کسی نام کے ساتھ نتھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بات زیادہ تفصیل میں چلی جائے گی وقت ملا اور کبھی اسے کتابی شکل دی تو ساری صورت حال آپ پر واضح ہوجائے گی۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے شاعری کب شروع کی اور اب تک کتنی بکس آچکی ہیں؟

کومل ڈیئر شاعری تو میں نے بہت پہلے سے شروع کی ہے نثر سے بھی پہلے۔ میرا خیال ہے میں سیکنڈ ایئر میں تھی جب میں نے پہلی نظم لکھی اور وہ فوراً چھپ بھی گئی کتاب البتہ اب تک ایک آئی ہے جس کا نام ''سیاہ راتوں کے چاند میرے'' ہے اور اس پر افتخار عارف صاحب کی دی گئی رائے میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

فاخرہ آپی آپ اب پاکیزہ کے لیے کیوں نہیں لکھتیں؟

پاکیزہ میں نہ لکھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں اور نہ ہی ایسا ارادتاً یا جان بوجھ کر ہورہا ہے یہ ادارہ ہی میری پہچان کا باعث بنا تھا کہ

پہلی تحریر وہیں پبلش ہوئی تھی آپ نے احساس دلایا تو یقیناً جلد ہی وہاں بھی ایک بار پھر آپ کو کچھ پڑھنے کو ملے گا۔

آپ کا چوتھا سوال ہے کہ آپ کے فیورٹ ادیب، شاعر اور خاتون لکھاری کون ہیں؟

فیورٹ ادیب تو بہت سارے ہیں کس کس کا نام لکھوں ممتاز مفتی کی کئی باتوں سے اختلاف کے باوجود انہیں پڑھے بغیر رہ نہیں پائی اشفاق احمد کا زاویہ واحد ایسی کتاب ہے جسے میں نے پہلی مرتبہ آئی پیڈ خریدنے کے بعد اس میں سیو کیا تھا اور اب تک میرے پاس موجود ہے۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، لکھ کر دل میں گھر گئے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے ہیں۔ البتہ خاتون لکھاری میں ون اینڈ اونلی بانو قدسیہ ان کا لکھا ایک ایک لفظ بھی اگر کئی مرتبہ پڑھوں تو بور نہیں ہوتی۔ ان کا طرز تحریر انتہائی اثر انگیز ہونے کے باعث مجھے بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شاعروں میں امجد اسلام امجد، فیض احمد فیض اور افتخار عارف سر فہرست ہیں۔

آپ کا آخری سوال ہے کہ پاکستان سے باہر رہ کر آپ ہم سے زیادہ پکے سچے مسلمان اور پاکستانی اپنے وطن کے نمائندے ہیں باہر کیا صورت حال ہے کس نگاہ سے آپ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے یا آپ لوگوں کے ساتھ کس طرح کا رویہ رکھا جاتا ہے۔

ڈیئر ستارہ! میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ بیرون ملک مقیم پاکستانی زیادہ سچے مسلمان یا پاکستانی ہیں لیکن ہاں حساس ذرا زیادہ ہوتے ہیں خصوصاً اپنے ملک اور مذہب کے معاملے میں ہر باشعور انسان، بہترین محب الوطن اور اعلیٰ مسلمان ہوتا ہے لیکن ہاں اس کے لیے شعور کا ہونا لازم ہے۔ مجھے فخر ہے کہ بیرون ممالک میں ہم ایک محنتی اور مہمان نواز قوم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور اپنی محنت کے بل بوتے پر ہی ہمیں عزت کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے لیکن افسوس ہے ہمارے میڈیا پر جس نے کبھی بھی پاکستان کی مثبت تصویر پیش کرنے کی زحمت نہیں کی۔ ابھی ایک ڈیڑھ سال پہلے جب لاہور میں عیسائیوں کی بستی جلادی گئی تھی تب یہاں پر بھی بے حد غم و غصہ پایا جاتا تھا اور ایک دن ہماری کلاس کے دوران پروفیسر صاحبہ نے بڑی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے بات کی کہ پاکستان میں اقلیتوں کے کوئی حقوق نہیں ہیں نہ عبادات میں آزادی ہے اس سے تو بہتر ہے کہ تم لوگ ان سب کو ملک سے ہی نکال دو ہماری کلاس میں پاکستان سے تعلق رکھنے والی صرف میں ہی تھی اور گو کہ ان کی باتوں سے خون کا دورانیہ اس قدر بڑھا کہ چہرہ بھی سرخ ہوگیا لیکن کچھ بھی تھا وہ اس وقت استاد تھیں جن کا احترام بہر حال واجب تھا سو بڑے ہی پرسکون انداز میں بات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا کہ ہمارے ملک میں تو اقلیتوں کے عبادت خانے آزادانہ قائم ہیں اور لوگ اس میں عبادت کررہے ہیں۔ جبکہ یورپ جو انسانی حقوق کا علم بردار ہے وہاں مسجد بنانے تک کی اجازت نہ دے کر مذہبی تو ایک طرف بلکہ انسان کے بنیادی حقوق کی تلفی کی جارہی ہے البتہ شر پسند عناصر تو یہاں بھی ہیں اور وہاں بھی جن کے دل میں نہ مذہب کی محبت ہوتی ہے نہ ملک کی۔ اس طرح کی چند اور مثالیں دینے کے بعد میں نے ان کی معلومات بڑھانے کے لیے جب حکومتی اقدامات کا ذکر کیا جس میں ان مکینوں کو دی جانی والی رقوم وغیرہ کا ذکر تھا تو وہ حیران رہ گئیں۔ کیونکہ ان تک یہ خبریں تو پہنچتی نہیں تھی کہ اس واقعے کے بعد ملک میں ہنگامی بنیادوں پر کیا کیا اقدامات کیے گئے اور کس طرح فوری طور پر ان کی داد رسی کی کوشش کی گئی ان کو خواتین میڈیا پر نظر آنے والے مناظر دیکھ کر ہی آنکھیں پونچھتی رہی خصوصاً بوڑھے لوگ بے حد غم زدہ تھے۔ نہ صرف ملکی بلکہ عالمی میڈیا میں بھی پاکستان اور اسلام کے امیج کو اتنا برائٹ پیش نہیں کرتے اور تصویر کا ہمیشہ سیاہ رخ دکھاتے ہیں جس سے یقینی طور پر بین الاقوامی عوام کے ذہن متاثر ہوتے ہیں۔ مگر مجموعی طور پر ہم بھی اپنے کرداروں، اخلاق اور ایمان داری سے ان کے دماغ پر جو اثر چھوڑتے ہیں وہ میڈیا کے پھیلائے گئے تاثر سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔

صبا حسین، ہری پور سے لکھتی ہیں کوئی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو، کچھ ایسا جو نہ ملا ہو؟

ڈیئر صبا آپ کی اتنی بہت ساری دعاؤں کیلئے جزاک اللہ۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ زندگی میں ایسا تو آج تک کچھ بھی نہیں ہے جو میں نے سوچا یا چاہا ہو اور مجھے نہ ملا ہو، اللہ رب العزت کا بے شمار شکر ہے کہ اس نے ہمیشہ ہی مجھے مانگنے سے پہلے عطا کیا ہے کس چیز کے متعلق ہلکا سا شائبہ بھی ذہن میں خواہش بن کر اترنے لگے تو وہ چیز اللہ کی رحمت خاص سے میسر ہوجاتی ہے۔ اگلا وقت کیسا ہے یہ تو وہ پاک ذات ہی جانتی ہے لیکن تادم تحریر میں اپنے آپ کو الحمدللہ بے حد خوش قسمت تصور کرتی ہوں کہ آج تک کوئی ایسی چیز نہیں جو خواہش کے باوجود ملی نہ ہو، ویسے بھی صبا میں خواہشات کے پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں میرا ایمان ہے کہ اللہ میری چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو پورا بھی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مطمئن رہتی ہوں۔

آپ کا دوسرا سوال ہے کہ مستقبل میں کیا کرنا چاہتی ہیں کوئی ارادہ مقصد یا پلان؟

مستقبل کے لیے جو ارادہ کیا ہوا ہے اسے پورا ہونے میں شاید ابھی وقت لگے گا کیونکہ میں اپنے ملک میں ایک اسکول کھولنے کا ارادہ رکھتی ہوں جو جدید تعلیم کے تمام تقاضوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی پیمانے پر بھی پورا اترتا ہو، اسکول کھولنا میرا مستقبل کے حوالے سے خواب ہے جو اگر اللہ کی رضا ہوئی تو ان شاء اللہ ضرور پورا ہوگا لیکن ابھی نہیں، اس میں بھی بہت وقت باقی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی وضاحت کہ میں زیر تعلیم ڈاکٹرز کی طرح یہ نہیں کہوں گی کہ میں غریب بچوں کو مفت تعلیم دینے کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن ہاں یہ خیال ضرور ہے کہ اسکول میں ان بچوں کی پچیس فیصد کوٹہ ضرور رکھا جائے گا جنہیں بغیر کسی معاوضے کے باقی بچوں کے برابر کی تعلیم اور سہولیات دی جائیں۔ الختصر یہ کہ ارادہ تو ہے اب اگر اللہ نے کسی کی زندگی سنوارنے کے لیے مجھے وسیلہ بنانا چاہا تو وہ اس مقصد میں میرے تمام راستے آسان کردے گا۔

کراچی سے سدرہ مرتضیٰ پوچھتی ہیں کہ ماہنامہ آنچل میں شائع ہونے والا آپ کا افسانہ "فی سبیل اللہ" میں کا ٹاپک بہترین تھا اس کی انسپائریشن کہاں سے لی کوئی سچا واقعہ تھا یا محض خیالی۔

پیاری سدرہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے معاشرے میں دنیا بسانے والے سے زیادہ دنیا میں بسنے والوں کی خوشی کا خیال رکھا جاتا ہے اور پھر یہی وجہ ہے کہ دکھ بھی نصیب ہوتے ہیں۔ "فی سبیل اللہ" کے کردار بھی اسی دنیا میں ہمارے ارد گرد نظر آتے ہیں۔ یہ افسانہ لکھنے کا خیال مجھے ایک دن فیس بک کے میسجز چیک کرتے ہوئے آیا۔ جب میرے فرینڈز میں موجود ایک بہت پیاری لڑکی کا میسج پڑھا اس دن وہ بے حد ہرٹ تھی کیونکہ ان کے اپنے گھر میں اس شام وہی صورت حال درپیش تھی اس لیے اس نے مجھے میسج کر کے محلے میں موجود ایک گھر کے بارے میں بتایا اور یہ بھی لکھا کہ پلیز آپ اس پر ضرور کچھ لکھیں تاکہ سب لوگ پڑھیں اور اس طرح کرنا چھوڑ بھی دیں۔ سو اسی مقصد کے تحت میں نے بھی لکھا جسے الحمدللہ سب نے ہی بے حد سراہا، بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر معاملے میں نمود و نمائش سے بچائے آمین۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ محبت پر آپ کتنا یقین رکھتی ہیں آپ کے خیال میں ایک رائٹر کو کیا ہر کہانی میں محبت کو موضوع نہیں بنانا چاہیے، تاکہ ہم ریڈرز اس نفسا نفسی کے عالم میں محبت بانٹنا سیکھیں۔

ڈیئر محبت پر یقین بھلا کیسے نہ ہو کہ جب اس دنیا کا وجود ہی محبت ہے محبت کے بغیر تو رشتہ زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ اب وہ رشتہ چاہے دوستی کا ہی کیوں نہ ہو اور ویسے بھی رائٹرز کہانی کسی بھی موضوع پر لکھیں اس میں محبت کا عکس تو نظر آتا ہی ہے لیکن اگر محبت سے مراد ہے آپ کی مرد و زن کی محبت ہے تو بے شک اس موضوع پر بہت زیادہ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا، میرا خیال ہے کہ محبت کے ساتھ ساتھ ہمیں معاشرتی مسائل کو بھی اپنے قلم کے ذریعے اجاگر کرنا چاہیے ان سے نبٹنے یا دور رہنے کی تدبیر بھی ہلکے پھلکے انداز میں بتانی چاہیے کیونکہ میرا تو ماننا ہے کہ جس درخت کی نرم شاخیں آسانی سے ہر طرف مڑ جاتی ہیں بالکل ایسی طرح نوعمر لڑکیاں جو میٹرک یا ایف اے کے بعد یا دوران تعلیم بھی یا اگر ہمارا لکھا ہوا پڑھنے لگتی ہیں تو یہ ایک رائٹر پر بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے کہ پھر وہ ان کچے پکے ذہنوں کو اپنے قلم سے نکلے الفاظ کے ذریعے کس طرح ایک پختہ اور باشعور سوچ عطا کرتا ہے۔ اس عمر میں بچیاں جب آنکھوں میں اس افسانوی دنیا کے خواب سجانے لگتی ہیں تو تعبیر حاصل کرنے کی دھن میں خود کو اسی ناول یا تحریر کی ہیروئن ہی سمجھ رہی ہوتی ہیں جبکہ حقیقت سے کہیں زیادہ مختلف ہوتی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ قارئین کو ہرگز افسانوی دنیا میں دھکیلا نہ جائے محبت پر لکھا جائے مگر اعتدال کے ساتھ احتیاط کے ساتھ۔

آگے لکھتی ہیں کہ آپ کی کہانیوں میں آپ کا فیورٹ کردار کون سا ہے؟

سدرہ ڈیئر میری کہانیوں میں موجود ہنستے مسکراتے کردار مجھے اس لیے اچھے لگتے ہیں کہ ان کے مکالمے قارئین کو بھی فریش کردیتے ہیں البتہ کردار تو سارے ہی اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر کہانی کو اپنی پہلی کہانی سمجھ کر لکھتی ہوں اور ہر کردار پر بھرپور توجہ بھی دیتی ہوں۔

آپ کا اگلا سوال ہے کہ رائٹرز میں سب سے زیادہ دوستی کس سے ہے اور سب سے زیادہ مخلص کس رائٹر کو پایا؟

رائٹرز میں میری سب سے پہلی بات چیت سباس گل سے ہوئی تھی انتہائی مخلص، محبت کرنے والی اور پیاری سباس گل کے ساتھ اس رابطے کو شاید پانچ چھ سال گزر گئے ہیں مگر اب تک وہی پہلے روز والی اپنائیت موجود ہے حیاء بخاری بھی بہت اچھے اخلاق کی مالک اور خلوص سے بھرپور ہیں اس کے علاوہ تنزیلہ ریاض کے ساتھ بھی بہترین گپ شپ ہے۔ فرحانہ ملک کے ساتھ بھی بہت اچھی دوستی تھی اللہ اس کے درجات بلند کرے آمین۔ غرض یہ کہ بھی اچھی ہیں بس میرا رابطہ بہت زیادہ لوگوں سے نہیں ہے۔

اگلے سوال میں سدرہ پوچھتی ہیں کہ آپ کے ابو یا آپ

کے شوہر آپ کی تحریریں پڑھتے ہیں؟
نہیں سدرہ! میرے ہزبینڈ کو تو کتابوں کے مطالعہ کا کوئی خاص شوق نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہے البتہ ابو نے میری ایک تحریر "میں گلیاں دا روڑا کوڑا" پڑھی تھی جو قیام پاکستان سے متعلق تھی اور خوب سراہا بھی تھا باقی اسٹوریز تو میرا خیال ہے نہیں پڑھیں ہاں مگر ابو میری لکھی ہوئی نعتیں اور حمد یہ کلام ضرور پڑھتے ہیں اور خوب تعریف کرتے ہیں۔
نعت اور حمد لکھنے کا روحانی وصف مجھے ابو جی ہی کی طرف سے ملا ہے۔ ماہنامہ آنچل میں نعت اور حمد موجود ہو تو ابو خود فون کر کے مجھے بتاتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں۔
آپ کا آخری سوال یہ ہے کہ فیس بک نے جہاں ایک رائٹر کو اپنے فینز سے قریب کر دیا ہے وہیں کچھ فینز میں جیلسی بھی پیدا ہوئی ہے تو کچھ نئی پڑھنے والی بچیاں تنگ بھی کرتی ہیں اوٹ پٹانگ سوال بھیجتی ہیں آپ کا ایسا کیا تجربہ رہا؟
یہ سچ ہے کہ فیس بک نے رائٹرز اور فینز کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے۔ تنگ کرنا تو میں نہیں کہوں گی کیونکہ فرض کیجیے کہ آپ مجھے ان باکس کرتی ہیں کچھ پوچھتی ہیں تو آپ کو تو معلوم نہیں ہے کہ آپ سے پہلے بھی آٹھ دس لڑکیوں نے بالکل یہی میسج کیا ہے ہاں مجھے معلوم ہے کیونکہ میں نے وہ تمام پڑھے اس لیے اس میں میسج کرنے والا کا بھلا کیا قصور؟
بلکہ میں اس بات پر بہت زیادہ گلٹی فیل کرتی ہوں کہ ان میسجز کا جواب نہیں دے پاتی اور اکثر اوقات دیکھ بھی نہیں پاتی۔ کیونکہ میسجز کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے البتہ میری کوشش ضرور ہوتی ہے کہ مختصر ترین ہی سہی مگر تھوڑا سا جواب دے سکوں کہ اگر کوئی ہمیں میسج کر رہا ہے ہماری تعریف کر رہا ہے یا ہمارے بارے میں جاننے کی خواہش رکھتا ہے چند لمحے کے لیے ہماری آواز سن کر اتنا خوش ہوتا ہے تو یہ ہمارے لیے شکر گزاری کا وقت ہے ناں کہ دنیا میں موجود اربوں کھربوں کی آبادی میں اللہ کی پاک ذات نے ہمیں ایک نامعلوم انسان کی حیثیت نہیں دی بلکہ ایک منفرد شناخت دی ایک قابل عزت ہنر عطا فرمایا اور اس طرح کہ چند لوگ ہمیں جاننے لگے تو پھر سدرہ آپ ہی بتائیے کہ رب کائنات کی اس عنایت پر سر جھکا کر اس کا شکر ادا کیا جائے یا چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا جائے اور میں تو آج آنچل کے ان صفحات کے ذریعے ان لوگوں سے معافی چاہتی ہوں جن کے میسجز کا ریپلائی نہیں کر پائی یا بعض اوقات پڑھ نہیں پائی مجھے امید ہے کہ آپ سب سمجھدار ہیں اور وقت کی کمی کے مسئلے کو سمجھتے ہوئے دل میں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں رکھیں گے کیا خیال ہے پھر ہو جائے ایک اسمائل۔
اور ہاں سدرہ آپ کی لکھی ہوئی ڈھیر ساری دعائیں جو آپ نے میرے، بچوں گھر والوں اور میرے لیے لکھی ہیں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام دعاؤں کو نہ صرف آپ کے بلکہ جو بھی یہ سطور پڑھ رہا ہے ان کے حق میں دگنی کر کے قبول فرمائے آپ کی اور باقی تمام دوستوں کی دعائیں، تعریفیں اور بیسٹ وشز میرے لیے ایک سرمایہ ہیں۔ یہاں پر صرف اس لیے نہیں لکھتی کہ اس کالم کا اصل مقصد آپ کے سوالات اور میرے جوابات ہیں۔ اگر وہ سب یہاں لکھنا شروع کر دوں تو یہ کالم مہینوں کی طوالت اختیار کر جائے گا۔ جو شاید مناسب معلوم نہ ہو لیکن آپ سب کی لکھی ہوئی دعاؤں کا ایک ایک حرف، حوصلہ افزائی، تعریف سب میں نے بڑی توجہ اور دھیان سے پڑھی ہے بے حد جزاک اللہ۔
ہماری آپ کی بہت فیورٹ اور سینئر رائٹر اقبال بانو آپا وہاڑی سے پوچھتی ہیں کہ فاخرہ آج کل لوگ پاکستان میں رہ کر بیرون ملک کے بارے میں بات کرتے ہیں وہاں کی اسٹوریز لکھتے ہیں اور تم دس بارہ سال سے اٹلی میں رہ رہی ہو مگر تم نے آج تک ایسا کیوں نہیں سوچا کہ بیرون ملک یا اٹلی کے بارے میں کوئی خوب صورت سی کہانی لکھو؟
اقبال آپا کا شمار ہماری ان سینئر رائٹرز میں ہوتا ہے جو نئے آنے والوں کے لیے اندھیرے رستوں میں ہاتھ میں چراغ لے کر کھڑا ہونا اپنی ذمہ داری تصور کرتے ہیں جو آج کے اس نفسانفسی کے دور میں بھی دوسروں کو پیچھے چھوڑنے کے بجائے ان کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ کھڑا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے اور بے حد خوشیوں سے نوازے آمین۔
پیاری آپا میں نے آج سے شاید سات آٹھ سال پہلے ایک کہانی ماہنامہ آنچل میں ہی لکھی تھی "لکھے پڑھے ہوتے اگر" کے عنوان سے کہانی کا موضوع رومانوی نہیں تھا مگر ان نوجوانوں کے لیے تھی جو پڑھنے لکھنے پر توجہ دینے کے بجائے بس باہر جانے کو ہی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں پاکستان سے ان نوجوان کے اٹلی پہنچنے اور وہاں ان پڑھ ہونے کی وجہ سے درپیش مسائل سامنے رکھ کر اس میں ایک سماجی نکتے کو اٹھایا تھا لیکن اب آپ نے اس طرف توجہ دلائی ہے تو ان شاء اللہ ضرور اس پر بھی کچھ لکھوں گی بس آپ کی دعا چاہیے۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مناالینا
عشنا کوثر سردار
READING
Section

خود اپنی آگ میں جلتا کہاں سے
پرائی آگ میں جلتا رہا میں
میری تو جیت بھی ہار ہی تھی
خود اپنے آپ سے لڑتا رہا میں

”مجھے نہیں معلوم تھا اگر محبت دل میں گھر کرتی ہے تو اپنے پنجے اس طرح مضبوطی سے گاڑھ دیتی ہے کہ جب جانے لگتی ہے تو سارا وجود اور اس کی ساری توانائی اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ میں کچھ گمان کچھ بدگمانی میں محبت کے پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میں نہیں جانتا اگر وہ بے بسی تھی یا کچھ اور مگر میں اس لمحے میں قید ہو کر رہ گیا' اور محبت کہیں بہت دور نکل گئی۔ جیسے کوئی راستہ بھول جائے' ہاں شاید محبت رستہ بھول ہی گئی تھی اور حد تو یہ تھی کہ مجھے بھی کچھ ازبر نہ تھا۔“ اشعال حیدر نیم تاریکی میں اس کے سامنے بیٹھا بول رہا تھا۔ اور وہ سب خاموشی سے سننے کے بعد حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”محبت ان لمحوں میں ہوتی ہے جب سانس ساکن ہوتی ہے' وہ لمحہ جب وقت رکتا ہے اور ہر شے تھم جاتی ہے' پتہ نہیں واقعی تھم جاتی ہے یا یہ فقط ایک احساس ہوتا ہے مگر مجھے لگا تھا ہے دنیا رک گئی ہو اور میں لمحوں کی گنتی کرتا رہا' اعداد و شمار میں کوئی غلطی نہ ہو جائے' سو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی گنتی کئی بار کی' مگر اس کے باوجود لگتا ہے کہیں کچھ رہ گیا ہے۔ جو باقی ہے' جو شمار نہیں ہوا۔“

”اور تمہیں واقعی دانیہ سے محبت تھی؟“ وہ بولی تو اسے اپنا لہجہ خود اجنبی لگا تھا۔ اشعال حیدر نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا' اسے اپنے سوال کے پوچھے جانے پر خود شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔ برلن کے اس ریسٹورنٹ میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ وہ شام بہت عجیب سی تھی یا اسے عجیب سی لگ رہی تھی۔

”ایلیاہ میر' آئی کانٹ بلیو تم اب بھی اتنی ہی بدھو ہو' لیکن تم اپنے نام کا ایک ہی ماسٹر پیس ہو۔ تم جیسا کوئی نہیں..... تم یونیک ہو۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا تمہیں پانچ سال پہلے جس حالت میں کیمپس میں چھوڑوں گا تم مجھے اسی حالت میں واپس بھی ملو گی۔“ وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے مسکرایا۔ اور وہ خجل سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس کی طرف سے نگاہ ہٹا کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔ برلن شہر میں زندگی رواں دواں تھی اور وہ نہیں جانتی تھی آج ایک لمحے میں ہر طرف زندگی رواں دواں تھی تو وہ ایک لمحے میں قید ہو جائے گی۔ وہ خود کو بہت نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی جیسے اس اچانک ملاقات پر وہ حیران نہیں' سر راہ تو کوئی بھی مل سکتا ہے؟ وہ بہت پرسکون انداز میں مسکرائی تھی۔

”تغیر اور تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں اشعال حیدر مگر شاید تم وہ آنکھ نہیں رکھتے جو ان تبدیلیوں کو ڈھونڈ سکے۔ پانچ سال قبل جب ہم کیمپس ختم کر کے اپنے اپنے عزائم لے کر بچھڑ رہے تھے تو کیا پتا تھا کل ہم دوبارہ بھی ملیں گے؟“ وہ مسکرائی۔ ”دیکھو آج برلن کی اس بھیگتی شام نے ہمیں اچانک یہاں اس جگہ ملا دیا۔ تم شاید نہیں جانتے مگر ان پانچ سالوں میں بہت سے لمحے آئے اور ان لمحوں میں زندگی بہت بدل گئی اور بدل تو تم بھی گئے ہو اشعال حیدر۔ کل کا وہ لاابالی سا لڑکا آج کا ایک مشہور بزنس ٹائیکون اور مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا جس سے آج میں ملنے جا رہی ہوں وہ تم ہو۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

”ایلیاہ میر' مت کہو یار تم اب بھی اتنی ہی بے خبر رہتی

ہو۔ ہر طرف سے' تم جانتی ہو جب ہم کیمپس میں تھے تو مجھے تب بھی تمہیں دیکھ کر اتنی ہی حیرت ہوتی تھی۔"

"ہاں جانتی ہوں اور تم تب بھی یہی کہتے تھے ایلیاہ میر اتنی بے خبر نہ رہا کرو کسی دن کھو جاؤ گی اور تمہیں دنیا کا کوئی مائیکروسکوپ ڈھونڈ نہیں پائے گا۔" وہ مسکرائی۔

"اور تم واقعی کھو گئیں......" اس کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولا اور اس کے انداز میں حیرت تھی۔ "تم ایسے کیسے کھو گئیں ایلیاہ میر؟ تم نے تو کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا' مجھے اندازہ نہیں تھا تم ایسے گم ہو جاؤ گی۔" وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا اور وہ پرسکون انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"میں کھوئی نہیں تھی' کچھ بزی ہو گئی تھی۔ کھونے والے کو خبر نہیں ہوتی کہ ان کے تعاقب میں کتنی آوازیں آتی ہیں' میں بھی کھونا نہیں چاہتی تھی' شروع کے دنوں میں سب کے ساتھ رابطے میں بھی تھی مگر پھر اچانک زندگی بدل گئی۔" وہ کہہ کر لب بھینچ گئی تھی۔ تبھی وہ چونکا تھا۔

"تمہاری شادی ہو گئی؟" ایلیاہ میر نے سر ہلکے سے انکار میں ہلایا اور مسکراتے ہوئے اشعال حیدر کو دیکھا۔

"شادی تو تم کر رہے تھے نا؟ پوری طرح تیار تھے۔ بس گھوڑے پر چڑھنے کی کسر باقی تھی۔ پھر اچانک کیا ہوا؟ دانیہ خان نے اچانک سے ارادہ کیسے بدل لیا؟ محبت کرتے تھے نا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت ایسے اچانک سے کیسے اڑنچھو ہو سکتی ہے؟" ایلیاہ میر نے کہا اور وہ ایسے سوالوں سے بچنے کی سعی کرنے لگا۔ اس کا وزیٹنگ کارڈ بغور دیکھتے پھر بڑبڑایا۔

"تمہارے وزیٹنگ کارڈ پر تو مسٹر کامران جتوئی درج ہے؟ یہ کون ہے؟" اشعال حیدر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مسٹر کامران جتوئی ہمارے فنانس ہیڈ ہیں۔ ان کی وائف کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تو ایمرجنسی میں انہیں ہاسپٹل جانا پڑ گیا' کمپنی کا سی ای او ہونے کے ناطے یہ ذمے داری میری بنتی تھی سو مجھے اس میٹنگ کے لئے آنا پڑا۔ مجھے نہیں معلوم تھا یہاں آپ ہوں گے۔" وہ مسکرائی۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے بھی حیرت ہوئی۔ ویسے کافی بدل گئی ہو تم۔" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"بدل گئی ہوں؟" وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"یو مین کچھ اور عجیب ہو گئی ہوں؟" وہ مسکرائی۔

"شاید....." اشعال حیدر نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔

"ویسے جیسی آج ہو ویسی اگر پانچ سال قبل کیمپس میں ہوتیں تو کچھ عجیب نہیں تھا کہ مجھے تم سے محبت ہو جاتی۔" وہ مسکرا دیا۔ اور ایلیاہ میر نے بس اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

"ایسے خاموشی سے کیا دیکھ رہی ہو؟ تمہیں یقین نہیں ہے کہ کیا مجھے تم سے محبت ہو سکتی تھی؟" وہ مسکرایا۔ اور ایلیاہ میر کو وہ وہی پانچ سال قبل والا اشعال حیدر لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ویسی ہی شرارت تھی اور وہی لاابالی' وہ بے فکر تھا جیسے اسے زمانوں سے کچھ سروکار نہ تھا اور وقت پر جیسے اس کا کل اختیار تھا۔ وہ جانے کیوں مسکرا دی۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس کے مسکرانے پر وہ بولا۔

"تمہارا انداز آج بھی اتنا ہی بے فکر ہے جیسے تمہیں زمانوں سے کوئی سروکار نہیں اور جیسے وقت پر تمہیں مکمل اختیار ہے! اشعال حیدر مگر شاید زندگی کلیوں' مفروضوں پر نہیں گزرتی' اعداد و شمار کبھی کبھی کام نہیں آتے اور تدبیریں رائیگاں جاتی ہیں۔ ضروری نہیں جیسا ہم سوچیں ویسا ہو بھی' کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جیسا قیاس کیا ہو اور تب شاید بہت حیرت ہوتی ہے۔" ایلیاہ میر مسکرائی۔ جیسے وہ اسے جتا رہی تھی کہ پل کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا پھر مسکرا دیا۔

"اگر میں تمہیں پرپوز کرتا تو کیا تم انکار کر پاتیں؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ جیسے اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسی بات کرے گا۔ اور اشعال حیدر ایسے مسکرایا جیسے کوئی کسی کو چاروں شانے چت کرنے پر مسکراتا ہے۔ ایلیاہ میر نظر چرا کر سامنے پڑی فائل کو کھول کر دیکھنے لگی۔ جیسے اس تذکرے کو خیرباد کہہ دینا چاہتی ہو اور اس لمحے کے

تسلسل کو توڑ دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ اس کی جانب بغور دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"دم گرو قت کی نبض تھم جائیں تو تم کسی لمحے کے تسلسل کو توڑ نہیں پاؤ گی ایلیاہ میر' مگر میں نے زمانوں کو کبھی اپنی گرفت میں لینے کی نہیں ٹھانی۔ شاید میں چاہتا تھا کہ تم اگر جو بے خبر ہو تو غافل رہو۔ کیونکہ کبھی کبھی تغافل کارآمد ہوتا ہے باخبر ہونے سے کہیں زیادہ۔" وہ مسکرا رہا تھا اور وہ جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ نگاہ جھکائے فائل کو گھورے جارہی تھی۔

"ایلیاہ میر تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟" اشعال حیدر اچانک فائل اس کے سامنے سے اٹھا کر یوں ہی دیکھنے لگا' انداز سرسری تھا مگر وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ایلیاہ میر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی پر اعتماد نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرائی۔

"دو پرانے دوست جب ملتے ہیں تو باتیں کبھی ختم ہونے میں نہیں آتیں' مگر میں چاہتی ہوں اب ہم کام کی بات بھی کرلیں۔ تمہاری کمپنی پچاس کروڑ یورو کی انویسٹمنٹ کرنے کے لیے انٹرسٹڈ ہے نا؟ ہم اس کے متعلق بات کرلیتے ہیں۔" وہ اپنی طرف سے مکمل پراعتماد دکھائی دینے کی کوشش کرتی ہوئی بولی مگر وہ جانے کیوں مسکراتا رہا۔

وہ شام کچھ عجیب سی تھی۔ مسلسل بھیگتی ہوئی شامیں تو کئی بار دیکھیں تھیں اس نے برلن میں مگر اس شام میں جیسے کوئی اسرار تھا' کوئی بھید تھا' وقت کیسا اسم کرنے پر تلا تھا...... یا اپنے اندر کیا اسرار رکھتا تھا' وہ نہیں جانتی تھی مگر اس شام جب وہ میٹنگ برخاست کرکے لوٹی تو بہت الجھی ہوئی تھی۔

❁......○......❁

وہ اشعال سے زندگی میں کبھی ملنا نہیں چاہتی تھی' کچھ ایسا ہی قصد کیا تھا اس نے' جب وہ کیمپس میں بچھڑ رہے تھے تو اس نے یہی ٹھانی تھی کہ وہ ان لمحوں کو کبھی واپس نہیں چاہے گی' کبھی ان کے پلٹنے کی خواہش نہیں کرے گی' مگر وقت عجیب ہے' کبھی کبھی حیران کن موڑ پر وقت کی نبض تھم

جاتی ہیں اور اس سے آگے آپ سوچ بھی نہیں پاتے۔ وہ ڈنر کی ٹیبل پر بے دھیانی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی جب ممی نے اسے گھورا۔

"ایلیاہ' تم اپنا ڈنر ٹھیک سے نہیں کر رہیں؟" ممی کے کہنے پر وہ چونکی اور سر نفی میں ہلایا۔

"کیا ہوا' تم ٹھیک تو ہو؟" ممی نے اسے تشویش سے دیکھا۔ تبھی ان کو مطمئن کرنے کے لئے وہ مسکرائی۔

"مجھے زیادہ بھوک نہیں ہے ممی' شام میں میٹنگ تھی' چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس کھا لیے تھے' آپ بلاوجہ فکر مت کیا کریں۔" اس نے چمچ بھر کر منہ میں ڈالا۔

"بریانی کافی اسپائسی پکائی ہے۔ حمیدہ کے ہاتھ کی تو نہیں لگتی۔"

"ثنا آئی تھی۔ اسی نے مدد کی تھی حمیدہ کی۔"

"ثنا آئی تھی اور ڈنر کیے بنا چلی گئی؟" وہ چونکی۔

"اس کی ساس سیڑھیوں سے پھسل جانے کے باعث زخمی ہوگئی تھیں' سو اسے جانا پڑا' شادی کے بعد یہی تو ہوتا ہے۔ لڑکیوں کی اپنی زندگی' میکے میں ٹائم گزارنا جیسے ناممکن ہوجاتا ہے۔"

"اٹس آل رائٹ ممی! آپ ہی تو کہتی ہیں لڑکیوں کی اصل زندگی شادی کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔" وہ مسکرائی۔ "بائے داوے ثنا کی ساس زیادہ زخمی تو نہیں ہوئیں؟"

"نہیں' پاؤں میں موچ ہے مگر تم جانتی ہو ثنا جب بھی یہاں آتی ہے' پیچھے سے ایسی کوئی بلا ضرور آتی ہے۔ میں تو اپنی بچی سے بات کرنے کو ترس جاتی ہوں۔"

"تو آپ مجھ سے بات کرلیا کریں نا۔"

"تمہارے پاس کہاں وقت ہوتا ہے ایلیاہ۔ جانے کون سی گھڑی تھی جب میں نے تمہارے بیٹا ہونے کی خواہش کی تھی۔ تم تو بیٹا بن گئیں مگر میں نے اپنی ایک بیٹی کو کھودیا۔" ممی بہت افسردہ دکھائی دی تھیں۔ ایلیاہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایسے مت کہیں ممی' میں نے وہی کیا جو اس گھر کی

سب سے بڑی بیٹی کا فرض تھا۔ بیٹا' بیٹی سب ایک جیسے ہوتے ہیں ممی' اولاد پر اپنے والدین کی ذمے داری اس طرح عائد ہوتی ہے چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اگر آج کوئی بیٹا بھی ہوتا تو وہ بھی بابا کی وفات کے بعد اپنی ذمے داریوں کو پورا کررہا ہوتا۔ ثناء' دعا' پریشے مجھ سے چھوٹی تھیں جن پر ذمے داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔ مگر مجھے خوشی ہے میں نے اپنی ان ذمے داریوں کو پورا کیا' آج اپنے گھروں میں خوش ہیں اور......!"

"اور تم ایلیاہ...... تمہاری زندگی کا کیا؟ تمہارے بابا کی اچانک ڈیتھ کے بعد جو بوجھ تمہارے کاندھوں پرآن پڑا اس سے تمہاری اپنی زندگی ختم ہوگئی۔ مجھے قلق تھا کوئی بیٹا نہیں' ماں ہمیشہ بیٹے کی خواہش کرتی ہے اور میری بھی یہ خواہش تھی مگر آج مجھے افسوس ہے' مجھے ایسی خواہش کرنا نہیں چاہئے تھی۔ قدرت نے مجھے جتادیا' بیٹا اہم نہیں' اولاد نیک ہونا چاہیے۔ بیٹی ہو یا بیٹا اپنی ذمے داریوں کو بس اٹھانا جانتا ہو تم نے جو کیا ہے شاید کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی نہیں کرتا۔" ممی کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔ ایلیاہ میر نے ان کے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے تھے۔

"سب اچھے سے ہوگیا ہے ممی' آپ کو کس بات کا افسوس ہے اب؟" وہ ممی کو کھانا کھلانے لگی تھی۔

"تمہارا گھر آباد نہیں ایلیاہ! مجھے اس بات کا افسوس ہے۔ ان پانچ سالوں میں تم نے خود کو اپنی خوشیوں کو جس طرح اگنور کیا ہے مجھے اس کا افسوس ہے۔ جس طرح تم نے سب کی خوشیوں کے لیے خود کے آرام وسکون کو تج دیا مجھے اس کے لیے افسوس ہوتا ہے۔ میرے لیے میری چاروں بیٹیاں برابر ہیں' مگر میری خواہش ہے میں تمہیں اپنے گھر کا دیکھوں۔ جس طرح دعا' پریشے اور ثنا خوش ہیں۔" ممی نے اس کا ہاتھ روکا اور وہ خوامخواہ مسکرادی۔

"میں خوش ہوں ممی' میں آپ کے ساتھ ہوں۔ شادی کا کیا ہے' ہوجائے گی۔ شادی ہونا کیا مشکل ہے؟" وہ ممی کا موڈ بدلنے کو کہہ رہی تھی۔

"نانو کہاں ہیں؟ ابھی ہوتیں تو کہتیں تانیہ پتہ' بیٹیوں کی اتنی پروا نا کیا کر تیرے آنگن کی چڑیاں ہیں۔ دیکھنا اڑ جائیں گی اپنے آپ ایک دن۔" وہ نانو کے انداز میں بولی اور ممی مسکرادی تھیں۔

❖......○......❖

اس شخص کے سامنے آ کھڑے ہونے کو وہ کوئی معمول واقعہ قرار دے کر بھول جانا چاہتی تھی مگر وقت اس کی نفی کرنے پر لگا تھا۔ وہ آفس میں تھی جب اشعال حیدر کی کال آئی۔

"کیا ہم Heising میں مل سکتے ہیں؟" اس کے پوچھنے پر وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ پائی۔ تبھی وہ پھر بولا۔

"اوکے میں انتظار کررہا ہوں۔" وہ حتمی طور پر فیصلہ سناتا ہوا بولا۔

"اشعال حیدر! ابھی مجھے بہت کام ہے اور......!"

"مجھے امید ہے تم ضرور آؤ گی اور میں تمہیں لینے آرہا ہوں؟" مگر وہ انکار سننے کو تیار نہیں تھا۔ ایلیاہ میر کو وہ چویشن بہت مشکل لگ رہی تھی۔

"اشعال' کام زیادہ ہے اور...... ہم کل مل لیتے ہیں۔ ایسا کیا ضروری ہے؟ اگر پروجیکٹ کو لے کر کوئی مسئلہ ہے تو میرے منیجر سے مل لو۔" وہ بولی تبھی وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

"آل رہیٹ! میں تمہارے آفس آجاتا ہوں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا تھا۔

"نہیں!" وہ تیزی سے بولی۔ "اوکے ٹھیک ہے میں Heising آجاتی ہوں۔" اس نے کہا اور اشعال حیدر مطمئن ہوگیا۔

"گڈ گرل...... میں انتظار کررہا ہوں۔" کال کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔

ایلیاہ میر کتنی دیر خاموشی سے فون کو دیکھتی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھی اور وہ اسے اطمینان سے دیکھتا ہوا مسکرارہا تھا۔

"ایلیاہ میر تم آدم بے زار تو ہمیشہ سے تھیں آئی نو' مگر اب کیا بات ہے خود سے بھی کترا کر گزرنے لگی ہو؟" اور

اس نے فوراً سر انکار میں ہلایا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے اشعال حیدر۔ میں آفس میں تھی' یہ کیا بچپنا ہے؟ ہم بھی بعد میں بھی مل سکتے تھے۔ اتنا ضروری نہیں تھا ابھی ملنا۔" وہ ڈانٹتی ہوئی بولی مگر وہ اس کی ڈانٹ سن کر مسکرا دیا۔
"ایلیاہ میر! اتنی الجھنوں میں کیوں گھر رہی ہو...... مدعا کیا ہے؟ یہ الجھنیں پہلے سے ہیں یا ان کی وجہ میرا آنا بنا ہے؟" وہ جیسے اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"میری الجھنوں کا باعث تم نہیں ہو اشعال حیدر' میرے زمانوں کا تمہارے زمانوں سے کوئی واسطہ یا کوئی سروکار نہیں۔" وہ پراعتماد انداز میں بولی۔
"تمہارے زمانوں کا واسطہ میرے زمانوں سے نہیں ہوسکتا ایلیاہ میر کیونکہ تم اپنے زمانوں کو پوٹلی میں باندھ کر الماریوں میں بند کردینے کی قائل ہو۔ اگر کوئی ربط بن بھی سکتا تو تم وہ ربط بننے نہیں دیتی۔ جس طرح تم نے اتنے سالوں تک خود کو سب سے لاتعلق رکھا وہ تمہارے اندر کے خوف کو ظاہر کرتا ہے۔ میں وہ خوف تمہاری آنکھوں میں دیکھ سکتا ہوں ایلیاہ میر۔" وہ اسے جتاتے ہوئے بولا۔ ایلیاہ میر کے پاس جیسے اس لمحے کوئی الفاظ نہیں تھے۔ اشعال حیدر کی طرف سے نگاہ پھیر کر اس نے ایک گہری سانس لے کر جیسے خود کو مطمئن کیا تھا اور پھر بولی تھی۔
"اشعال حیدر تم جس وقت کی بات کررہے ہو وہ زمانے بہت پیچھے چھوٹ گئے ہیں کہیں' میں ان زمانوں میں پلٹ کر واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی کیونکہ ان زمانوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔" وہ مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔
"تمہیں ڈر لگتا ہے اگر تمہارے گزرے دن تمہارے آج کے دروازے پر دستک دیتے ہیں؟ کس بات سے خوف زدہ ہو ایلیاہ میر؟" وہ جانے کیا جتانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ پراعتمادی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"میرے گزرے دنوں میں ایسا کچھ نہیں ہے اشعال حیدر جس کا ملال یا کوئی پچھتاوا مجھے ہو۔ مجھے پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے ڈر نہیں لگتا مگر میں اپنے آج میں جینا چاہتی ہوں۔ جو لمحے گزر جاتے ہیں ان کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ میرا لمحہ موجود میرا سب کچھ ہے۔ میرا یقین' میرا اثاثہ بس یہی ہے۔" وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اشعال حیدر اسے خاموشی سے کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔
"تم بدل گئی ہو ایلیا میر! تمہیں جھوٹ بولنا آ گیا ہے۔ تم ہواؤں سے چھپنے کا فن سیکھ گئی ہو' ہواؤں کی مخالفت کرنے لگی ہو۔ تمہیں ہواؤں کے مخالف چلنا آ گیا ہے۔ تم خود نہیں جانتی مگر تم اب رخ بدل کر چلنے لگی ہو۔" وہ اس کی طرف سے دھیان پھیر کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔
اشعال حیدر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ تبھی وہ پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ پھر آہستگی سے بولی۔
"یہاں برلن میں کیا شے کھینچ لائی تمہیں؟ تم تو غالباً انگلینڈ میں تھے نا؟ کہیں تم یہاں دانیہ خان کو تلاشنے تو نہیں آئے؟" وہ جیسے اس کی بولتی بند کردینا چاہتی تھی۔ اپنی دانست میں اس نے اشعال حیدر کی کمزور نبض پر ہاتھ رکھا تھا۔ مگر دوسری طرف ری ایکشن بہت مختلف تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا' جیسے اس کے کہے کی نفی کررہا ہو۔
"تمہیں دانیہ خان کے بارے میں باتیں کرنا اچھا لگتا ہے نا؟ تم اب بھی خود سے زیادہ دانیہ خان کے بارے میں سوچتی ہو مجھے یہ جان کر حیرت نہیں ہے ایلیاہ میر کیونکہ میں جانتا ہوں تمہیں عادت ہے خود سے آنکھیں بند کرکے چلنے کی۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔
"دانیہ خان تمہیں بھی تو اتنی ہی عزیز تھی نا؟ بلکہ تمہارے دل کے تو کچھ زیادہ قریب تھی وہ؟ تھی کہ نہیں؟" وہ مسکرائی۔
"ویسے کبھی کبھی میں ان دنوں کو سوچتی اور مسکراہٹ اپنے آپ میرے لبوں پر آجاتی تھی' کچھ زیادہ بے وقوف تھے ہم۔" وہ ہر شے معمول پر ظاہر کرنے پر بضد تھی۔
"ہم نہیں' تم......" وہ جتاتے ہوئے بولا اور اس کے مسکراتے لب ایک لمحے میں بھینچ گئے تھے۔ ایک سایا سا چہرے پر آ کر گزر را تھا اور وہ اپنا دھیان پھیر کر دوسری سمت

دیکھنے لگی تھی۔

"تمہارا چہرہ اب بھی ویسا ہی کھلی کتاب ہے ایلیاہ میر' اس کے تمام اوراق پلٹنے بنا میں اب بھی سب ایک لمحے میں پڑھ سکتا ہوں اور بتا سکتا ہوں کہ کس صفحے پر کیا درج ہے۔ تمہیں عادت ہے خود کی نفی کرنے کی۔ یہ بات تم خود بھی جانتی ہو مگر مانتی نہیں۔" جانے کیا ہوا تھا کہ وہ ایک لمحے میں بیگ کاندھے پر ڈالتی ہوئی اٹھی مگر اس سے قبل کہ وہ سرعت سے وہاں سے نکل جاتی اشعال حیدر نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میرا دم یہاں گھٹ رہا ہے اشعال حیدر۔ میں کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔" وہ جیسے یہاں سے اچانک چلے جانے کا ریزن بتا رہی تھی۔

"اوکے ٹھیک ہے ہم باہر چلتے ہیں۔" وہ رقم پلیٹ میں رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ وہ اس خنک شام میں خاموشی سے چل رہی تھی۔ اشعال حیدر اس کے ساتھ خاموشی سے چلتا ہوا اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اس لمحے میں بس خاموشی تھی اور خاموشی میں جیسے بہت سے بھید تھے مگر وہ دونوں خاموش تھے۔ اشعال حیدر جیسے اس خاموشی کا سبب جانتا تھا تبھی اس خاموشی کے جمود کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔

"تم دانیہ خان کے ساتھ کیوں نہیں ہو اشعال حیدر؟" اس نے یک دم پوچھا بنا اس کی طرف دیکھے۔ اشعال حیدر کے لیے یہ سوال غیر متوقع تھا۔ وہ سمجھا تھا وہ کوئی اور بات کرے گی یا خاموشی کو برقرار رکھے گی مگر وہ دانیہ خان کی بات کر رہی تھی۔ اشعال حیدر نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اشعال حیدر کی خاموشی پر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس کی طرف سے نگاہ پھیر کر اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

"تم تو بہت بولنے کے عادی تھے نا اشعال حیدر...... آج کیا ہوا؟ تمہارے لیے لفظ کبھی کم نہیں پڑتے تھے پھر آج تم وہ بولنے کا ہنر کہاں گنوا آئے؟ دانیہ خان کے چلے

جانے کا صدمہ ہے یا کوئی اور بات؟" اس نے چھیڑا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی مگر وہ کچھ نہیں بولا۔ ایلیاہ میر اس کی طرف سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیکھنے لگی تھی۔ اندر جیسے بہت گھٹن تھی۔ اس نے کھل کر سانس لی تھی۔ تبھی اچانک بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ قدم قدم چل رہی تھی۔ بارش کے ہونے پر دونوں نہیں چونکے تھے۔ نا ان کے چلنے کے معمول میں کوئی تبدیلی آئی تھی۔

"تم شاید بدل گئے ہو اشعال حیدر۔ تمہیں بولنے کا وصف نہیں رہا۔ دانیہ خان کیوں گئی ویسے؟ تم نے اسے جانے کیوں دیا؟ تم تو اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں رکھتے تھے نا؟ پھر کیا ہوا ایسے کیسے جانے دیا تم نے اسے؟ مجھے واقعی حیرت ہے اشعال اگر میں نہ کہوں تو یہ جھوٹ ہوگا۔ دانیہ خان کو تمہارے ساتھ آج نہ دیکھ کر مجھے سچ میں حیرت ہوئی۔ مجھے لگا تھا اگر کبھی زندگی میں تم سے سامنا ہوا تو تم دانیہ خان کا ہاتھ تھامے کھڑے دکھائی دو گے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"اور تم اسی لیے پلٹ کر پیچھے دیکھنا نہیں چاہتی تھیں؟" وہ یک دم اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"دانیہ خان یہاں نہیں ہے سو اس کے بارے میں بات کرنا معنی نہیں رکھتا' رائیٹ؟" اس پر اپنی نظر جماتے ہوئے وہ بولا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے چل رہی تھی جب ایک تیز رفتار گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی دکھائی دی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کسی حادثے کا باعث بنتی اشعال حیدر نے اسے تیزی سے تھام کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ سنبھل نہیں سکی تھی۔ تیزی سے آتی گاڑی زن سے ان کے قریب سے گزر گئی تھی مگر اس گاڑی کے شور سے کہیں زیادہ شور اسے اپنے اندر محسوس ہوا تھا۔ اس کے سینے پر سر رکھے وہ کتنی دیر تک گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

اس کی مخصوص خوش بو اس کے نتھنوں میں گھستی محسوس ہوئی تھی۔ شاید کہیں اس کی دھڑکنوں کا شور بھی سنائی دیا تھا مگر اس شور سے کہیں زیادہ شور اس کے اپنے اندر تھا۔ اس خنک شام میں اچانک ہی کوئی الاؤ دہکا تھا۔ بارش میں کسی شعلے نے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا اور وہ آنکھیں کھول کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ نظروں میں سرد مہری تھی اور وہ نگاہ چرا گئی تھی۔ وہ اس شخص کی آنکھوں میں جیسے ایک پل کو بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ سرعت سے اس سے دور ہوئی تھی اور عجلت سے انداز میں نظریں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ بارش تیز ہونے لگی تھی۔ بوندوں کا تسلسل بڑھنے لگا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ایک دوسرے سے اجنبی بنے کھڑے رہے تھے۔ جیسے کوئی واسطہ نہ ہو' نا کوئی رابطہ' دونوں بھیگ رہے تھے۔

"سو ویئر وی ور؟ (So where we were)"

وہ جیسے اس لمحے کے سرد پن یا طلسم کو توڑتا ہوا بولا تھا۔ لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی...... اور وہ ایک نگاہ اسے دیکھ کر سامنے دیکھتے ہوئے دوبارہ چلنے لگی تھی۔ اشعال حیدر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

تیز بارش میں بھیگنے کے باعث اس کا وجود کپکپا رہا تھا یہ اس کے اچانک پاس آنے کا اثر تھا یا کچھ اور مگر وہ جیسے اس لمحہ اس سے بات کرتے یا اس کی سمت دیکھنے سے کترا رہی تھی۔ جیسے کسی لمحے نے اس کو اپنے اندر قید کر لیا ہو۔ اس کا چہرہ عجیب سے اثرات رکھتا تھا اور اشعال حیدر اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس چہرے کو سطر سطر پڑھ لینا چاہتا ہو یا وہ اسے دیکھتے رہنا چاہتا ہو۔ اس چہرے سے اس کی نگاہ بندھ سی گئی تھی۔

"کوئی لمحہ گرفت میں لینے والا ہوتا ہے نا؟" اس نے پوچھا تھا مگر ایلیاہ میر نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز ہی کیا تھا۔

"ایلیاہ میر! زندگی میں بہت سی جگہ ہم اپنے رویوں پر حیران رہ جاتے ہیں۔ تم پوچھ رہی تھیں دانیہ خان کیسے چلی گئی؟ اور انکشاف یہ ہوا تھا کہ مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔" وہ بولا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں اس سے محبت نہیں تھی؟ یا اسے تم سے محبت

نہیں تھی؟" وہ جیسے وضاحت چاہ رہی تھی۔

"سب جانتے ہیں اشعال حیدر اس رشتے کی حقیقت کیا تھی؟ دانیہ خان ملی تھی مجھے، پچھلے برس، میں زیورخ میں ایک کانفرنس اٹینڈ کرنے گئی تھی۔ وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ تھی۔ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ پچیس منٹ تک ہم ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر ان پچیس منٹوں میں ایک بار بھی تمہارا ذکر نہیں آیا اور جب میں نے ان کی جوڑی کو سراہا بھی اس نے کہا تھا۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتی تھی۔ تم اس کے لیے غلط انتخاب تھے۔ اور شاید کوئی بے وقوفی......" وہ بولی اور وہ ہنس دیا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"ہاں شاید...... بے وقوفی...... مجھے بھی اس کا اندازہ بہت بعد میں ہوا۔ محبت ایسے نہیں ہوتی ایلیاہ میر، نہ محبت ایسی ہوتی ہے۔ میں شاید جانتا بھی نہیں تھا محبت کیا ہوتی ہے۔ اس محبت میں ہم کبھی نہیں رہے۔ محبت کبھی ہمارے ساتھ چلی نہ اس نے کوئی بات کی۔ دانیہ خان سے اس بات کا انکشاف میں نے ہی کیا تھا۔ جب وہ مجھ سے ہماری شادی کی بات کر رہی تھی، مجھے لگا تھا جیسے کوئی اجنبی میرے سامنے بیٹھا ہو اور میں اس کے ساتھ دو قدم بھی نہ چل سکتا ہوں۔ کجا اس کے ساتھ پوری عمر جینا؟ سو میں نے قدم روک لیے تھے۔ وقت کی نبضیں روک دی تھیں۔ وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ میری طرف شکوہ کرتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے امید تھی میں اسے روک لوں گا، یا ابھی کہوں گا کہ یہ مذاق تھا، مگر میں نے اسے نہیں روکا۔ اسے جانے دیا...... اور وہ پلٹ پلٹ کر میری طرف بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ مگر میں پلٹ کر مخالف سمت میں چلنے لگا تھا۔ شاید محبت ہمیشہ ہمارے مخالف سمت چلنا پسند کرتی ہے اور میں اس مخالف سمت چلنے والی محبت کا تعاقب کرنے لگا تھا۔ میں جیسے اس مخالف سمت میں چلنے والی ہوا کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ہوا کبھی ہاتھ نہیں آتی، سو میرے ہاتھ بھی خالی رہے تھے۔ کون سا لمحہ اور اک کا تھا، میں نہیں جانتا تھا، مگر میرے قدم رکے نہیں تھے۔ مجھے یوں بے سمت چلنا اچھا لگنے لگا تھا، میں تنہا چل رہا تھا۔ کوئی میرے ساتھ نہیں تھا۔ مگر شاید کہیں محبت میرے ساتھ چل رہی تھی...... تھوڑی دوری پر، مگر بہت سے راستے میرے ساتھ چل رہے تھے اور محبت ان سب سمتوں میں جیسے منقسم ہو رہی تھی۔ روشنی آس پاس پھیل رہی تھی اور میں چلتا گیا اگر بے سمت بھی تھا سب کچھ، تو میں خوش تھا تنہا بھی تھا تو کوئی ملال نہیں تھا اور......!" وہ بول رہا تھا جب وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی، پھر مسکرا دی۔

"داستانیں مت سناؤ اشعال حیدر...... اگر دانیہ خان تمہیں نہیں چھوڑتی تو آج تم اس کے ساتھ ہوتے۔ بہت دیوانے تھے تم اس کے لیے، یاد ہے جب اس نے تمہاری پہنائی ہوئی ایمی ٹیشن رنگ پول کے پانی میں پھینک دی تھی؟ تم نے بنا کچھ سوچے سمجھے اس پول کے پانی میں چھلانگ لگا دی تھی۔ حالانکہ وہ دسمبر کی خنک ترین شام تھی مگر تمہیں جیسے پروا نہیں تھی۔ تم اتنے ہی پاگل تھے نا؟" وہ جتاتے ہوئے بولی اور وہ ہنس دیا۔

"اور تمہیں معلوم ہے وہ نقلی رنگ نہیں تھی۔ وہ اصلی ڈائمنڈ رنگ تھی۔ تبھی تو میں نے پول کے یخ ٹھنڈے پانی میں سوچے سمجھے بنا چھلانگ لگا دی تھی۔ تم خود سوچو اگر دانیہ خان کو بتا دیتا کہ وہ اصلی ڈائمنڈ رنگ ہے تو وہ اسے کبھی پانی میں پھینکتی؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایلیاہ میر نے کپکپاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ پھر نگاہ ایسے بے یقینی سے اس کی سمت سے پھیری تھی جیسے اسے اس پر اعتبار نہ ہوا اور اشعال حیدر نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تبھی اس نے اپنا کوٹ اتار کر ایلیاہ میر کے شانوں پر ڈالا تھا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے البش ٹری کے نیچے آن کھڑے ہوئے تھے۔ تیز بارش اور ہوا کی وجہ سے بہت سے سفید پھول ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے تھے۔ اس خاموشی میں کیا بھید تھا۔

"ایلیاہ میر! آئی ایم سوری!" چپ کا سکوت ایک لمحے

میں ٹوٹا تب اشعال حیدر کی طرف سے معذرت کے لفظ آئے تھے۔ ایلیاہ میر نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں میں کیا تھا؟ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہ پھیر گئی تھی۔

"مجھے واپس جانا ہے! اتنی دیر ہوگئی ہے۔ موسم خراب ہے اور ممی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ یک دم بول کر پلٹنے لگی تھی۔ مگر اشعال حیدر نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ پھر بولا تھا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں ایلیاہ میر! جو بھی ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اندازہ ہے، بہت غلط ہوا ہے اور......!"

"ہم پھر بات کریں گے اشعال حیدر، مجھے جانا ہے، آئی ہیو ٹو گو!" وہ جیسے اس کی سننا نہیں چاہتی تھی۔

"ہم اچھے دوست ہیں کل کی طرح آج بھی۔ تم چاہو تو گھر آسکتے ہو۔ ممی کو تم سے مل کر اچھا لگے گا۔" وہ جیسے چیزوں کو معمول پر ظاہر کرنے کے جتن کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایلیاہ میر نے اپنا ہاتھ آہستگی سے اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور پلٹ کر چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ اشعال حیدر اسے جاتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

❖......O......❖

بہت دنوں کی بات ہے
فضا کو یاد بھی نہیں
یہ بات آج کی نہیں
بہت دنوں کی بات ہے
کئی باتیں تھیں، کئی تذکرے تھے
گئے دنوں کے سارے رنگ تھے
مگر وہ اپنی آنکھیں بند کر لینا چاہتی تھی
شباب پر بہار تھی
فضا بھی خوش گوار تھی
نجانے کیوں مچل گیا
میں اپنے گھر سے چل پڑا
کسی نے مجھ کو روک کر
بڑی ادا سے ٹوک کر
کہا تھا لوٹ آئیے
میری قسم نا جائیے!!

"مجھے تم سے محبت ہے اشعال حیدر...... بہت بہت زیادہ!" اس کی اپنی مدھم سرگوشی اس کے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"جانے کب سے! نہیں جانتی! مجھے اندازہ بھی نہیں، کیسے...... مگر اس محبت کی جڑیں بہت دور تک میرے اندر تک پھیلنے لگیں، بہت محبت ہے اشعال حیدر...... بہت بے حد...... بے تحاشا!" اس کا کپکپاتا لہجہ...... اس کی سماعتوں میں گونجنے لگا تھا۔

مگر مجھے خبر نہ تھی
ماحول پر نظر نہ تھی
نا جانے کیوں مچل گیا
میں اپنے گھر سے چل پڑا
میں شہر سے پھر آ گیا
خیال تھا کہ پا گیا
اسے جو مجھ سے دور تھی
مگر میری ضرور تھی

"تم نے کہا تھا نا کہہ دو گی تو موسم رک جائیں گے؟ سب رنگ مٹھی میں ہوں گے...... یہی شرط تھی نا؟ سو کہہ دیا، اب تم خاموش کیوں ہو؟ یہ خاموشی کس لیے اشعال حیدر؟ اس چپ میں کیا بھید ہیں؟ مجھے اس چپ سے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ خاموشی اتنی بڑھ کیوں رہی ہے؟ اس کا سکوت میں اپنے اندر کیوں محسوس کر رہی ہوں؟ اگر یہ محبت ہے تو اتنا ڈر کیوں ہے اس میں؟ کس بات کا ہے یہ خوف؟ کیا میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی یا پھر کیا؟ اس کی اپنی آواز اس کے اطراف گونج رہی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی برقرار رہی اور پھر اس کی ہنسی نے خاموشی کا سکوت توڑ دیا تھا۔

"ایلیاہ میر کیا بچپنا ہے یہ؟ آر یو کریزی؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور پھر لائٹس جلی اور سب کلاس میٹ، دوست وہاں تھیٹر روم میں آگئے تھے۔ سب مسکرا

رہے تھے ہنس رہے تھے۔ اور وہ ساکت کھڑی تھی۔
دانیہ خان مسکراتی ہوئی اشعال حیدر کے ساتھ آن رکی تھی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اشعال حیدر مسکرا رہا تھا۔ اور وہ ساکت کھڑی تھی۔
"تم جانتی ہو ایلیاہ میر' اشعال حیدر صرف ایک لڑکی سے محبت کرسکتا ہے اور وہ دانیہ خان ہے۔ تو تم نے اس کی باتوں میں آ کر ایسی بے وقوفی کرنے کی سوچی بھی کیوں؟ تم جانتی ہو نا اشعال حیدر کو عادت ہے مذاق کرنے کی؟ وہ ان باتوں کو سیریس کہاں لیتا ہے۔ اسے محبت ہے تو صرف دانیہ خان سے۔ اور اس سے یہ اگلوانا بھی آسان نہیں تھا۔ اشعال حیدر اتنی ٹیڑھی کھیر ہے یہ میں ہی جانتی ہوں۔" وہ مسکرا رہی تھی اور ایلیاہ میر کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی تھیں' سارے منظر لحہ بھر میں دھندلانے لگے تھے۔
"آہ ایلیاہ میر' تھیٹر کرتے کرتے تمہیں اچانک سے یہ شوق کیا آ گیا؟ تم اشعال حیدر کی باتوں میں آ کیسے گئیں؟ کیمپس کے تھیٹر میں کسی ڈرامے میں کام کرنا' ڈائیلاگز بولنا اور بات ہے اور اشعال حیدر کا دل جیتنا اور بات...... اور تم تو جانتی ہو اسے محبت نہیں ہو سکتی۔" اور اس پر منوں پانی آن پڑا تھا۔ کیسی شرمندگی سی شرمندگی تھی کسی نے اس کا انکار کیا تھا۔ اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ اس کا مذاق بنایا تھا۔ خود اپنے سامنے نہیں' سب کے سامنے...... کئی چہرے تھے جو اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ مذاق اڑا رہے تھے اس پر ہنس رہے تھے۔ اشعال حیدر کے لیے مذاق تھا یہ۔
اس کی محبت...... اس کے جذبات' اس کے لیے سب مذاق تھا۔ یہ تھا اس کا دوست...... اس کا سب سے قریبی دوست' کیسا مذاق بنایا تھا اس نے اس کا۔ اس کے اکسانے پر وہ اس تھیٹر میں آئی تھی۔ اس کے کہنے پر اس نے اس پلے میں حصہ لیا تھا۔ اس کے کہنے پر اس نے وہ ڈائیلاگز بولے تھے وہ محبت جو اس کے لیے اس کے دل میں تھی۔ وہ خاموشی کو توڑ کر پہلی بار اس سکوت سے باہر آئی تھی' مگر کیا قدر رہی تھی؟ اس کے لیے سب مذاق تھا......
اور کتنی بڑی انسلٹ ہوئی تھی اس کی۔ وہ ساکت سی کھڑی تھی۔ اس کی کیسی تضحیک کی گئی تھی۔ کتنی بے عزتی ہوئی تھی اس کا وقار...... اس کی انا...... اس کا نسوانی وقار...... سب جیسے مٹی میں رل گیا تھا۔ سب کو چپ کرنے کو وہ چیخی تھی۔
"شٹ اپ! ایسا کچھ نہیں ہے' میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ اشعال حیدر جیسے پلے بوائے سے محبت کرنے کی غلطی کروں۔ اشعال حیدر سب سے قریب میرے ہے' میرا سب سے اچھا دوست ہے' تو کیا میں اسے جانتے بوجھتے ایسی حماقت کر سکتی ہوں؟ جب کہ میں جانتی ہوں کہ وہ دانیہ خان کے ساتھ ہے۔ اشعال حیدر نے مجھ سے کہا تھا' ہمیں پلے کے لیے ریہرسل کرنا ہے' اور اس نے اسکرپٹ میرے ہاتھ میں دیا تھا۔ وہ اسکرپٹ تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایلیاہ میر اتنی بے وقوف نہیں اپنے اس دوست کا اعتبار کرے اور محبت؟ آہ نو' آئی کانٹ لو یو پرسن۔ مجھے سرے سے محبت پر یقین ہی نہیں۔ کجا اس پلے بوائے سے محبت کرنا۔" وہ اپنا مان رکھنے اپنا وقار بحال کرنے کو مسکرائی تھی۔
اشعال لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اور دانیہ خان اشعال حیدر کو دیکھنے لگی تھی۔
"اشعال حیدر...... تم سے محبت کبھی نہیں کر سکتی ایلیاہ میر' اس زندگی میں تو نہیں' شاید یہ تمہارا خواب رہے یا حسرت' مگر ایلیاہ میر اتنی بے وقوف نہیں ہے۔" وہ مسکرائی' اسی پراعتماد انداز سے۔ وہ اپنا وقار بحال کرنے میں کامیاب رہی تھی۔ اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا خود پر۔ وہ اتنی ہی خود اعتمادی سے کھڑی تھی۔ وہی تمکنت تھی اس میں۔
"منہ دھو رکھو اشعال حیدر' مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے نظر باز ہو کہ اپنی دوست پر بھی نظر رکھو گے؟" وہ مسکرائی۔
"کھیل ہی کھیلنے ہیں تو ڈھنگ سے تو کھیلو' تمہیں تو کھیلنا بھی نہیں آتا اشعال حیدر۔ ایسے فضول بچکانہ کھیل تو بچے بھی نہیں کھیلتے۔ یہ امید نہیں تھی تم سے۔" وہ مسکرائی اور پھر اعتماد سے چلتی ہوئی اس کے پاس سے ہو کر وہاں سے نکل گئی۔
وہی حسین شام ہے!

بہار جس کا نام ہے
چلا ہوں گھر کو چھوڑ کر
نا جانے جاؤں گا کدھر
کوئی نہیں جو روک کر
کوئی نہیں جو ٹوک کر
کہے کہ لوٹ آیئے
میری قسم نہ جایئے
میری قسم نہ جایئے!!

''ایلیاہ میر!'' وہ کوریڈور میں اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کی مگر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اشعال حیدر دوڑتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''ایلیاہ میر' میں......!!''

''شٹ اپ اشعال حیدر' ایک لفظ بھی مت کہنا۔ نہیں سننا چاہتی میں تمہیں۔ مجھے نہیں پتہ تھا تم نے یہ پلان بنایا ہے ورنہ میں کبھی تمہارے ساتھ اس پلے میں کام کرنے کی حامی نہیں بھرتی۔ کیا سمجھتے ہو؟ بہت توپ چیز ہو؟ کہاں کے ہیرو ہو؟ اگر تم کہیں کے پرنس بھی ہوتے تو ایلیاہ میر تمہیں نہیں چنتی! تم بہت بے تکی اور بچکانہ حرکتیں کرتے ہو اشعال حیدر' تمہیں دوست ہونے کے ناطے ہر بار رعایت نہیں دی جاسکتی۔ کیا ثابت کرنے چلے تھے...... کیا ہو تم اشعال حیدر؟ تم سوچ بھی کیسے سکتے ہو مجھ جیسی لڑکی کو تم سے محبت ہوسکتی ہے؟ وہ سب اسکرپٹ تھا' اشعال حیدر اور وہ تمہارا رچایا گیا ایک بچکانہ کھیل۔ آئندہ ایسے بچکانہ کھیل پلان کرنے سے پہلے سوچ لینا۔ ہر لڑکی دانیہ خان کی طرح بے وقوف نہیں ہوتی؟ تم جیسے دوست سے بہتر ہے میں ایک دشمن پال لوں۔'' کہتے ہی وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی اور اشعال حیدر اسے جاتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

تیز بارش کی بوچھاڑ اندر آرہی تھی۔ بادل گرج تھے' ممی نے نجانے کب اندر آکر روم کی کھڑکیوں کو بند کیا تھا۔ وہ چونک کر ممی کو دیکھنے لگی تھی۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم ایلیاہ؟ کئی بار فون کیا تمہارا فون سوئچڈ آف تھا اور آفس سے پتہ چلا کہ تم میٹنگ کے لیے گئی ہو؟ موسم اتنا خراب تھا میرا تو دل ہولا جارہا تھا۔'' ممی اس کے سامنے آرکی تھیں۔

''سوری ممی' سیل فون کی بیٹری ڈیڈ تھی اور مجھے اندازہ نہیں تھا' اتنا وقت لگ جائے گا۔ آپ نے ڈنر کیا؟'' ممی اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے لیے کافی بنانے لگی تھیں۔

''یہ کیا تم نے چینج نہیں کیا؟ ابھی تک اسی طرح گیلے کپڑوں میں ہو۔ چلو اٹھو فوراً چینج کر کے آؤ۔ بیمار پڑ جاؤ گی۔'' مگر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ کافی کا کپ اٹھا کر سپ لیا تھا۔ پھر ممی کی طرف دیکھا۔

''میں اشعال حیدر سے ملی تھی ممی!''

''اشعال سے؟ اشعال یہاں' برلن میں کیسے؟'' وہ چونکی پھر مسکرائی تھیں۔

''وہ یہاں بزنس کے سلسلے میں آیا ہے۔ ہماری کمپنی میں انوسٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''اچھا' یہ تو اچھی بات ہے۔ وہ تو کافی نان سیریس ٹائپ لڑکا تھا نا۔ پانچ سال میں کتنا بدل گیا سب کچھ۔ دانیہ خان سے شادی ہوگئی اس کی؟ دانیہ بھی ساتھ ہے اس کے؟'' ممی نے پوچھا۔

''نہیں ممی...... دانیہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ میں نے نہیں پوچھا اس سے کہ شادی ہوئی یا نہیں۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے وہ گھر آسکتا ہے۔''

''یہ تو اچھا کیا تم نے۔ لیکن تم اتنی تھکی ہوئی کیوں لگ رہی ہو...... کیا ہوا؟'' ممی نے اسے جانچا۔

''کچھ نہیں ممی...... آج کل کام کچھ زیادہ ہے سو!'' اس نے بات بنائی' پھر کافی کا کپ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' کہتے ہی وہ اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔

❖......○......❖

وہ شاید جیسے کوئی اشارہ چاہتا تھا۔ ممی نے فون کر کے اسے انوائیٹ کیا اور اگلے ہی دن وہ ڈنر کے لیے ان کے گھر میں تھا۔ نانو اور ممی کے ساتھ گپیں مارتا ہوا' وہ وہی پرانا اشعال حیدر لگ رہا تھا۔ جیسے پانچ سال کا کوئی گیپ آیا ہی

نہیں۔ جیسے اس کا اس گھر کے لوگوں سے کوئی رشتہ ٹوٹا ہی نہیں تھا۔ یونیورسٹی میں تھے تو سبھی فیلوز کے ساتھ وہ تقریباً ہر روز آن دھمکتا تھا اور فیلوز نہ بھی آتے تو وہ آن موجود ہوتا۔ کبھی اسے نانو کے ہاتھ کا بنا کدو کا حلوہ کھانا ہوتا اور کبھی اسے ممی کے ہاتھ کی چائے اور سموسے کھینچ لاتے۔

"تمہیں کوئی کام نہیں ہے ہر روز آن دھمکتے ہو؟" وہ چڑ کر کہتی تھی۔

"ہاں نہیں ہے کام۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کی پلیٹ میں سے کھانے لگتا تو وہ گھورنے لگتی تھی۔

"تمہیں خود تو کوئی کام ہے نہیں، آ کر مجھے بھی ڈسٹرب کرتے ہو۔" وہ چڑ کر کہتی۔

"اوہ تو تمہیں میرا آنا ڈسٹرب کرتا ہے؟" وہ شرارت سے مسکراتا۔ "اچھا کیا ہوتا ہے؟" وہ چھیڑنے لگتا۔

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ...... میرا ٹیسٹ اتنا خراب نہیں ہے۔ منہ دھو رکھو۔ تم جیسے فلرٹ ٹائپ بندے سے سو قدم دور ہو کر چلنا پسند کروں گی میں۔ پرلے درجے کے دل پھینک ہو۔ اس روئے زمین پر آخری آپشن بھی بچے تب بھی میں تمہارے لیے نہیں سوچنا چاہوں گی اشعال حیدر۔" وہ گھورتے ہوئے جتاتی اور کتاب لے کر اٹھ کھڑی ہوتی۔ مگر وہ ہاتھ تھام لیتا، وہ غصے سے پلٹ کر دیکھتی۔

"تمہیں اچھا لگتا ہے اپنے اس فیانسی کے خواب دیکھنا؟" وہ مسکرا کر کہتا۔

"ہی از ناٹ مائی فیانسی بٹ ایک پروپوزل ہے وہ بس۔ ابھی کچھ فائنل نہیں ہوا اور تمہیں کیوں پیٹ میں درد اٹھ رہا ہے اگر میں کسی کے خواب دیکھتی بھی ہوں تو؟ تم جاؤ نا اپنی دانیہ خان کے پاس۔ جاؤ اس کا دماغ کھاؤ۔"

"اوہ جیلسی، اتنی جلن؟" وہ چھیڑتا، وہ غصے سے گھورتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچتی۔

"سنو دوست ہو اس لیے برداشت کر رہی ہوں ورنہ اٹھا کر باہر پھینک آتی۔" وہ بنا پروا کیے اسے ہاتھ تھام کر سکون سے بٹھاتا اور آرام سے اس کی پلیٹ میں سے نگٹس اٹھا کر کھانے لگتا۔

"اتنا نمکین کھاتی ہو اسی لیے موڈ اتنا خراب رہتا ہے تمہارا۔ تھوڑا میٹھا بھی کھایا کرو۔ نانو کدو کا حلوا اچھا بناتی ہیں، اور گلاب جامن بھی۔ تم کہو تو تمہارے لیے کبھی کہہ کر بنوا دوں؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا، وہ گھورنے لگتی۔

"اشعال حیدر! تم جیسا ڈھیٹ شخص کبھی نہیں دیکھا میں نے۔ اس عمر میں نانو کو پریشان کرتے ہو تم۔ کوئی کام نہیں کرواتا ان سے۔ یہ کوئی کام کرنے کی عمر ہے ان کی؟ تم جب آتے ہو ادھر ادھر کی فرمائشیں کر کے ناک میں دم کر دیتے ہو اور وہ نانو بچاری تمہارے لیے......"

"اچھا جلن کم ہوئی ہے یا بہت زیادہ؟" وہ اس کی بات کاٹ کر پرسکون انداز میں پوچھتا۔ وہ چونک کر دیکھتی۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اور وہ اس کی کیفیت سمجھ کر مسکرا دیتا۔

"مس ٹیوب لائٹ آئی ٹاکنگ اباؤٹ دانیہ خان...... جلن ہوتی ہے نا؟"

"شٹ اپ اشعال حیدر تم کتنے اری ٹیٹنگ ہو اگر تم دوست نہ ہوتے تو قسم سے تمہیں کبھی برداشت نہیں کرتی۔" وہ نگاہ پھیرتے ہوئے کہتی۔

"مگر مجھے جلن ہوتی ہے۔" وہ نگٹس کھاتے ہوئے اطمینان سے کہتا۔ وہ چونک کر دیکھتی۔

"تمہارے دماغ کی بتی ہمیشہ اتنی ہی دیر سے جلتی ہے کیا؟ اس افلاطون کی بات کر رہا ہوں جس کا پروپوزل تمہارے لیے آیا ہے۔" وہ جتاتا۔

"تمہیں اس سے کیوں جلن ہوتی ہے؟" وہ چونک کر اسے دیکھتی پھر اس کے شرارت سے بھرے انداز پر اسے مزید گھورتی۔

"مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش مت کیا کرو۔ اٹھا کر سمندر میں پھینک آؤں گی کسی دن۔" وہ دھمکی دیتی۔

"یار کتنی دھمکیاں دیتی ہو تم۔ پچاس کلو سے زیادہ وزن نہیں ہے تمہارا، مجھ جیسے اونچے لمبے انسان کو کیسے اٹھا سکتی ہو تم؟ ہاں اگر تمہارا موڈ ہو تو میں اپنے بازوؤں میں اٹھا کر تمہیں سمندر کنارے واک کروا سکتا ہوں۔" وہ شرارت سے مسکراتا۔ وہ ہاتھ کا مکا بنا کر اسے انتہائی غصے سے دیکھتی

پھر اٹھ کر وہاں سے نکل جاتی۔ وہ روز اس پر بگڑتی مگر وہ بنا پروا کیے روز آن دھمکتا تھا۔
"تم اس گدھے سے شادی کرو گی؟" وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی جب وہ اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ پلٹ کر اطمینان سے اسے دیکھتی۔
"تمہارا پرابلم کیا ہے اشعال حیدر؟ مجھے خبر بھی نہیں ہے اور تم ہر دن ایک نئی نیوز کے ساتھ آن دھمکتے ہو؟ اب کیا سن کر آئے ہو؟ میری شادی کی ڈیٹ فکس تو نہیں کروا آئے؟" وہ پرسکون انداز میں اسے دیکھتی۔
"یار ٹیوب لائٹس ناٹ فیئر' اتنی جلدی شادی کا موڈ ہے تمہارا؟ ابھی تو میں اپنے قدموں پر بھی کھڑا نہیں ہوا۔ اب کہیں تم مجھے کڈنیپ کر کے زبردستی شادی مت کر لینا۔" وہ اپنے نام کا ایک تھا۔ وہ گھورتی رہ جاتی تھی مگر اس پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔
"وہ تمہارے ساتھ بالکل سوٹ نہیں کرے گا۔ مانا دماغ سے ٹیوب لائٹ ہو مگر اب ایسی گئی گزری بھی نہیں ہو۔ آئی مین ٹھیک ٹھاک ہی لگتی ہو دیکھنے میں۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا۔
"یہ رشتہ میری مرضی سے نہیں ہو رہا ڈیڈ کے دوست کا بیٹا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ڈیڈ کیا فیصلہ کرتے ہیں لیکن ڈیڈ جو بھی سوچیں گے میرے لیے بہتر ہوگا۔ زندگی مذاق نہیں ہے اشعال' ڈیڈ دل کے پیشنٹ ہیں میں ان کی کوئی بات رد نہیں کر سکتی۔ ڈیڈ کو بہت خواہش تھی بیٹے کی' جب میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی تب سے۔ جب انہوں نے نیا بزنس شروع کیا ان کے دماغ میں تھا کہ بیٹا ہوگا اور یہ بزنس آگے جا کر وہ سنبھالے گا۔ مگر جب بیٹے کی جگہ میں اس دنیا میں آئی تو ڈیڈ نے بالکل بھی ری ایکٹ نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے ایک بیٹے سے زیادہ پیار دیا اور میں اپنے ڈیڈ کی بیٹی نہیں بیٹا ہوں۔ میں کبھی ان کو کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔ میں ابھی سے ان کے ساتھ ان کا بزنس دیکھ رہی ہوں۔ ان کا پورا خیال رکھ رہی ہوں۔ وہ مجھے آنکھیں بند کر کے کنویں میں چھلانگ لگانے کو کہیں گے تو آئی ول ڈو اٹ۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا اور وہ پلٹ کر مضبوط قدموں پر چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔
"ایلیاہ' دیکھو بیٹا چائے کا پانی کھول رہا ہے۔" ممی کی آواز اسے ان بیتے دنوں سے واپس کھینچ لائی تھی۔ وہ جلدی سے چائے کی پتی ڈالنے لگی تھی۔
"آج کتنے دنوں کے بعد گھر گھر لگ رہا ہے نا؟ ہم تو جیسے مشینی زندگی جیتے چلے جا رہے تھے۔ لگی بندھی روٹین کے ساتھ۔ کتنے دنوں بعد دل سے کھل کر مسکرائے' اس گھر میں ہنسی کی آواز گونجی۔ تم کہہ رہی تھیں اشعال بدل گیا ہے وہ تو ویسا کا ویسا ہے۔" ممی مسکرا رہی تھیں۔ وہ جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔
"ممی میرے سر میں کچھ درد ہے آپ پلیز' اس چائے کو دیکھ لیں۔" کہتے ہی وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔
"ایلیاہ نے خود پر زندگی کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ شہاب میر کی موت کے بعد اس نے اس کے حصے کا سارا بوجھ اپنے کاندھوں پر لے لیا۔ شہاب میر اسے اپنا بیٹا کہتا تھا اور وہ بیٹا بن گئی۔ تینوں چھوٹی بہنوں کی شادیاں کیں' شہاب کے بزنس کو آگے بڑھایا۔ ماں کا ہم سب کا خیال رکھا مگر وہ خود اپنے آپ کو بھول گئی۔ خود اپنی زندگی داؤ پر لگا دی اس نے۔ اپنی منگنی ختم کر دی' وقت آگے بڑھ گیا مگر جیسے اسے پروا تک نہیں۔ سب کی دیکھ بھال اسی طرح کرتی ہے وہ۔ سب کا خیال ویسے ہی رکھتی ہے مگر خود اپنی فکر کرنا بھول گئی ہے۔" وہ راہداری سے گزر رہی تھی جب نانو کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔
وہ جانے کیوں بجائے اپنے کمرے میں جانے کے اس طرف آ گئی تھی۔ نانو اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔ وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ پھر مسکرایا تھا۔
"تم نانو کو اتنا تنگ کرتی رہی ہو؟" وہ اس کی خبر لینے لگا تھا۔ وہ اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جیسے وہ کمزور پڑنا یا خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"تم نے ہی تو سب کیا ہے!" وہ جیسے بہت کچھ جتا رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہو کر دیکھنے لگی تھی۔

"نانو بتاؤ اس کے سامنے...... یہ آپ سے روز فرمائشیں کرکے کدو کا حلوہ اور گلاب جامن بنوانی رہی ہے نا؟" وہ اپنی ازلی شرارت سے بول رہا تھا' نانو مسکرا دی تھیں۔

"میں تمہاری طرح اتنا میٹھا نہیں کھاتی۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"ہاں جانتا ہوں' تبھی اتنی کڑوی باتیں کرتی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا بچوں تم بیٹھو باتیں کرو میں ذرا نماز پڑھ لوں۔" نانو ان دونوں کی باتوں پر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

نانو کے جانے کے بعد اشعال حیدر نے اسے بڑے آرام سے دیکھا۔ وہ پلٹ کر جانے لگی' جب اشعال نے کلائی تھام لی تھی۔ وہ چونکی پھر پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ نظروں میں کوئی شناسائی نہیں تھی۔ جیسے وہ اس سے آج پہلی بار ملی ہو۔

"مجھے ہر بار کیوں لگتا ہے ایلیاہ شہاب میر کہ تم مجھ سے پہلی بار ملی ہو؟ تمہارے چہرے پر ہر بار پہلے سے زیادہ اجنبیت کیوں ہوتی ہے؟ اور یہ آنکھیں جیسے یکسر انجان بن جاتی ہیں۔ جیسے انہوں نے کوئی سرگوشی سنی نا ہو؟ ایسا کیا کرتی ہو تم ایلیاہ شہاب میر یہ جو دسوسے تمہاری آنکھوں میں تیرتے ہیں یہ کوئی ان کہی سرگوشی ہیں یا ان کے مفہوم ان باتوں سے بھی گہرے ہیں۔ جنہیں میں سمجھنے کے جتن آج تک کرتا آیا ہوں؟ اور یہ بھید ہر بار پہلے سے سوگناہ کیسے ہو جاتے ہیں؟" وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا' بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا۔ وہ نظر چرا گئی تھی۔ وہ اس کے مقابل کھڑا تھا۔ اس کو اپنا آپ پسپا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

"ایلیا میر' دسوسے ٹھیک نہیں' انہیں رکھنے سے یہ بڑھتے ہیں اور ان کا سوگناہ یا ہزار گنا ہونا خوابوں کے تسلسل کو عمل میں آنے ہی نہیں دیتا۔ زندگی کے لیے' ان دسوسوں کا ختم ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی جگہ خوابوں کو ملے۔ زندگی میں زندگی کا بہاؤ بہت ضروری ہے اور تم تمام دروازے بند کرتی آئی ہو۔" وہ جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ وہ جیسے الجھن میں گھری کھڑی تھی۔

"ان باتوں کا کیا مطلب نکلتا ہے اب اشعال حیدر؟ تمہیں نہیں لگتا تم فضول باتیں کر رہے ہو۔ جن کا کوئی سر پیر نہیں۔ زندگی کی سمجھ بوجھ تم سے زیادہ ہے مجھے۔ تم نے زندگی کو مذاق بنایا ہے ہمیشہ اور ساری باتوں کو مذاق میں اڑایا ہے' تم زندگی کو اتنے سریس انداز میں ڈسکس کرتے اچھے نہیں لگتے۔ جسے خود زندگی کا پتہ نہ ہو وہ دوسروں کو نشان دہی کرتا اچھا نہیں لگتا۔" وہ جیسے حقائق بتا رہی تھی۔ مگر وہ اسی طور بغور اسے دیکھتا رہا تھا۔

ایلیاہ میر نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا مگر اس نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔ وہ الجھ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"شادی کرو گی مجھ سے ایلیاہ میر؟" وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتا ہوا بولا۔ وہ جیسے ساکت سی رہ گئی تھی۔

"میں تمہارا ہاتھ تھام کر زندگی کے راستوں پر آگے بڑھنا چاہتا ہوں ایلیاہ شہاب میر...... پھر وہ راستے چاہے طویل ہوں یا مختصر اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تم اپنی زندگی میرے ساتھ گزارنا چاہو گی؟" وہ پوچھ رہا تھا اور وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

"ایلیاہ میر رشتوں کی ابتدا کیسے ہونا چاہیے نہیں جانتا میں' مگر اس رشتے کی داغ بیل میں اپنے پورے دل سے ڈال رہا ہوں۔ جو چیزیں خود سے بنائی جاتی ہیں انہیں آپ کبھی توڑ نہیں سکتے اور یہ رشتہ میں بنانا چاہتا ہوں۔ زندگی کی یا اس کے تمام اسرار و رموز کی خبر چاہے نہ ہو مجھے مگر اتنا معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ دل یو میری می؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور وہ یک دم ہی سر انکار میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں...... کبھی نہیں......!" بہت مدھم لہجے میں کہہ کر وہ یک دم پلٹی اور وہاں سے نکل گئی۔ اشعال حیدر اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

aanchal.com.pk

رنگ رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے افق

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

نومبر ۲۰۱۵ء کے شمارے کی ایک جھلک

روپ بھروپ اس دنیا میں لوگوں کے کئی روپ ہوتے ہیں' ہر روپ دوسرے سے جدا اور نرالا ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے دنیا کو جان لیا ہے' سمجھ لیا ہے' جو بھی دنیا کے روپ کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے سامنے ایک نیا بہروپ سامنے آجاتا ہے۔ اس رنگ بدلتی دنیا کا احوال' نئے افق کے کہنہ مشق لکھاری محمد سلیم اختر کے قلم سے ایک طویل ناول قلندر ذات: یہ کہانی ایک ایسے مرد آہن کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا جو اپنے تئیں دنیا تسخیر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

نا معتبر: زندگی کے معتبر اور نا معتبر راستوں میں الجھی ہوئی زندگیاں بسا اوقات اپنی ہویت سے بھی انکار کردیتی ہیں۔ جو کچھ کھلی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے، وہ بھی جھوٹ اور افسانوی منظر محسوس ہوتا ہے اور جو دکھائی نہیں دیتا، اس پر دل یقین کی تمام تر دولتیں لٹانے پر کمر بستہ ہوتا ہے۔ یہ داستان بھی زندگی سے نبرد آزما شعلہ رو انسانوں کو درپیش آنے والے واقعات کے گرد دیوانہ وار رقص کرتی ہے۔ وہ دو مذاہب کے بیچ لٹکتے ہوئے زندگی گزار رہی تھی اور مایوس ہوئی تو روشنی کی کرن چمک اٹھی۔ اردو ادب کے معتبر قلم کار کے قلم سے ایک نامعتبر مخلص کا احوال۔

بے نام چہرہ: مرزا ناصر بیگ چغتائی آج کل صحافت کے میدان میں این بی سی کے نام سے مشہور ہیں، انتہائی سنجیدہ اور بردبار شخصیت کے مالک مانے جاتے ہیں اور ہیں بھی لیکن ہم انہیں اس وقت سے جانتے ہیں جب وہ کھلنڈرے نوجوان اور یونیورسٹی میں بائیں بازو (ترقی پسند) کے سرگرم کارکن کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انہوں نے صحافت کا آغاز روزنامہ مساوات کراچی سے کیا۔ اسی دوران موصوف ماہ نامہ نئے افق اور ماہنامہ نیا رخ سے وابستہ ہوئے اور محترم اظہر کلیم کی سرپرستی میں بڑی شاہکار کہانیاں قارئین کو دیں۔ ان کے لکھنے کا سلسلہ 1988ء تک جاری رہا۔ اس دوران وہ روزنامہ امن چھوڑ کر جب جنگ، جیو اور پھر اب تک سے وابستہ ہوئے تو لکھنے لکھانے کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ آج کل آپ بول چینل سے وابستہ ہیں مگر ہم آج تک یہ طے نہیں کرسکے ہیں کہ آپ صحافی اچھے ہیں یا لکھاری۔ اس ماہ انہوں نے بے حد اصرار پر ایک خوب صورت تحریر انگریزی ناول کا ترجمہ عنایت کیا ہے اسے پڑھ کر آپ خود کہہ اٹھیں گے الیکٹرانک میڈیا نے ہم سے کتنا خوب صورت لکھاری چھین لیا ہے۔ اک حسینہ کا فسانہ پر درد، اس نے بچپن میں اپنے والدین کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

❖......○......❖

ایلیاہ میر Branden Burg Gate پر تھی شام کی روشنی میں سارا ماحول جیسے سنہری کرنوں کی لپیٹ میں تھا۔ اسے خبر نہیں ہوئی تھی وہ کب اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' وہ عجیب دیوانگی آنکھوں میں لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ برینڈن برگ گیٹ سے ٹکرا کر منعکس ہونے والی روشنی جیسے ساری کی ساری اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نظروں میں نہ کوئی شکایت' نہ کوئی شکوہ' نہ سوال تھا' وہ عجیب بے تاثر سی لگ رہی تھی۔

"ایلیاہ میر اتنے دن سے تم میرا سامنا کیوں نہیں کر رہیں تھیں؟ اس میں کیا اسرار ہے؟ تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے چہرے سے سب راز چرا لوں گا" تمہارے دل کو سب اگلنے پر مجبور کردوں گا؟ یا پھر تمہیں خود پر کنٹرول نہیں رہے گا؟ کس بات کا خوف ہے یہ ایلیا شہاب میر؟" وہ اس کی سمت بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ اس لمحے میں کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی فوراً بولی۔

"مجھے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اشعال حیدر تم نے جو پوچھا تھا میں نے اس کا جواب تمہیں دے دیا تھا اسی روز...... اور اس کے لیے ہمارے درمیان کچھ بھی ڈسکس کرنے لائق ہے نہیں۔ ہم اچھے دوست تھے اشعال حیدر' میں چاہتی ہوں وہی تاثر باقی رہے۔ اگر کل کہیں اتفاق سے سرراہ یا کہیں دانستہ ہم ملیں تو ہم میں وہ مروت باقی رہے۔ رشتوں میں مروت رہنا ضروری ہے۔ یہ اسلوب تمہیں آنا چاہئیں اشعال حیدر...... اگر نہیں آتے' تو سیکھ لو۔ جو رشتہ تھا ہم میں وہ اسی طور باقی رکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے لیے یہی کافی ہونا چاہیے کہ میں وہ رشتہ ختم نہیں کررہی۔ ہم آج بھی ملے ہیں تو وہ ایک تاثر باقی رہنا چاہیے۔ میں کوشش کررہی ہوں تم سے رواداری برتنے کی۔ میانہ روی رکھنے کی' کب...... کہاں...... کیا ہوا میں کچھ یاد نہیں کرنا چاہتی نہ ہی میں تم سے کوئی نیا رشتہ استوار کرنا چاہتی ہوں۔" وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔ وہ بغور تکتا ہوا مسکرا دیا۔

"تمہاری آنکھوں سے روشنی پھوٹ رہی ہے ایلیاہ میر' جو میری روح میں جذب ہورہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ تم جو سب کہہ رہی ہو اس کی حقیقت کچھ نہیں...... خود سے جھوٹ بولنے کی مشق کرنا چاہیے تھی تمہیں شاید کوئی فیورل جاتی مگر تمہاری آنکھیں تمہارے خلاف بول رہی ہیں۔ خود کو روکنے سے پہلے اپنی ان آنکھوں کو منع کرو کہ مجھ سے راز کی باتیں نہ کہیں۔ تمہاری قلعی کھل رہی ہے۔ تمہیں خود کو مضبوط کھڑا کرنے کا ضبط ہے اور اس کے لیے چاہے سب ڈھے جائے۔"

"ہاں ہے مجھے خبط تو پھر...... تم کیا کررہے ہو اشعال حیدر؟ ایک رشتہ نہیں بن سکا سو تم کہیں اور ٹرائی کرنے آ گئے۔ دانیہ خان نے ٹھکرا دیا تمہیں اور تمہیں میری یاد آ گئی۔ کیا سمجھتے ہو میری تلاش میں نکل کر کوئی احسان کیا تم نے؟ اتنی بے وقوف نہیں ہوں اب یہ بھی نہ جان پاؤں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انگلینڈ میں ہزاروں کمپنیز چھوڑ کر تمہیں یہاں برلن میں ہی انویسٹمنٹ کرنا یاد کیوں آئی؟ تم جانتے تھے میں یہاں ہوں۔ دانیہ خان نے بتایا تھا نا تمہیں؟" وہ جیسے ہر بات کھل کر کرنا چاہتی تھی۔ تبھی پر اعتماد انداز سے بول رہی تھی۔

"ہاں بتایا تھا' دانیہ خان نے...... میں نے خود پوچھا تھا اس سے۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"دانیہ نے مجھے نہیں ٹھکرایا...... میں نے اسے شادی کے لیے منع کیا تھا۔ مجھے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا تھی۔ میرا حق ہے اپنی مرضی سے اپنی زندگی کے فیصلے لینے کا۔ اگر اسے انکار کیا تو کیا غلط کیا؟" وہ بنا کمزور پڑے مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

"جھوٹ کہہ رہے ہو تم اشعال حیدر' محبت کرتے تھے تم اس سے پاگل تھے اس کے عشق میں اس روز تم نے ہی بتایا تھا نا کہ اس کی رنگ اصلی تھی؟ جو اس نے سوئمنگ پول کے پانی میں اچھال دی تھی اور جسے نکالنے کے لیے تم نے سخت

خنک موسم میں بنا سوچے سمجھے پانی میں چھلانگ لگادی تھی؟ فکر تمہیں اس ڈائمنڈ رنگ کی نہیں تھی اشعال حیدر' تمہیں فکر اس رشتے کی تھی' اس ایک رشتے کو بچانا چاہتے تھے تم جو تمہارے اور دانیہ خان کے درمیان تھا۔ تم اس سردی میں کپکپاتے ہوئے اس پول کے پانی سے باہر آئے تھے تو وہ رنگ تمہارے ہاتھ میں تھی اور تم کن نظروں سے دانیہ خان کو دیکھ رہے تھے جیسے اس سے درخواست کررہے ہو کہ اس رشتے کو بچالو۔ اسی شام تم نے وہ رنگ دانیہ خان کی انگلی میں واپس پہنائی تھی اشعال حیدر' صرف اس رشتے کو بچانے کے لیے تم دانیہ خان کے سامنے سرنگوں ہوئے تھے اور کیا جتانا چاہتے ہو تم؟ میں اس لمحے وہاں موجود تھی خود دیکھا تھا میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے کتنی محبت تھی' اور......!" وہ روانی سے بول رہی تھی۔

"اور تمہیں وہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ محبت اچھی نہیں لگی تھی؟ کیونکہ وہ دانیہ خان کے لیے تھی؟ اگر تمہارے لیے ہوتی تو؟" ڈھلتے سورج کی کرنوں کے سنہری رنگ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے جب وہ اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے بولا اور وہ خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ پورے ماحول میں جیسے ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔ تبھی وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"مجھے کچھ جتانے کی ضرورت نہیں پڑی ایلیاہ میر' تم نے خود کہہ دیا' تمہیں اس لمحے وہ محبت اچھی نہیں لگی تھی کیونکہ وہ تمہارے لیے نہیں تھی؟ اور اگر میں کہوں کہ تمہیں حسد تھا یا وہ جلن تھی۔" وہ منوانے پر تلا تھا۔

"نہیں......!" وہ روانی سے بولی۔ "میں نے کبھی حسد نہیں کیا......اور مجھے ضرورت بھی کیا تھی' کیوں جیلسی فیل کرتی میں؟" وہ اپنا اعتماد بحال رکھنا چاہتی تھی۔ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ اشعال حیدر کی نظروں کی گرفت میں تھی' تبھی اسے صفائیاں دینے کی ضرورت تھی شاید۔

"تم ہمیشہ غلط سوچتے آئے ہو اشعال حیدر۔ کھیل کھیلنا بہت پسند رہا ہے تمہیں' جال بننے میں ماہر ہو تم' مان لو کہ بچپنا بہت زیادہ رہا ہے تم میں اور اسی بچپنے نے تمہیں وہ کھیل کھیلنے پر مجبور کیا۔ اپنی دوست کا مذاق بنایا تم نے۔ خود ہنسے اور دنیا کو بھی موقع دیا۔ تمہیں تو اتنا بھی سنس نہیں تھا دوستی کے کیا تقاضے ہوتے ہیں۔ کسی اور رشتے کو کیا سمجھو گے تم......اس روز جب تم یہ ثابت کرنے کے جتن کررہے تھے کہ میں تمہاری محبت میں پاگل ہوں اس شام ہی میں نے تمہیں جان لیا تھا' اس سے پہلے بیوقوف تھی۔ تم پر اعتبار کرتی تھی' تمہیں اپنا اچھا دوست سمجھتی تھی مگر......! تم دوستی کے بھی لائق نہیں تھے۔ محبت تو بہت دور کی بات تھی۔" وہ کھرے لہجے میں بول رہی تھی۔ مگر وہ پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"وضاحتیں دلیلوں کو اور بھی کمزور کرتی ہیں ایلیاہ میر۔ مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں' ہاں میں نان سیریس تھا۔ نہیں سمجھتا تھا رشتوں کو ان کی امپورٹنس کو' مگر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اور......!"

"اور کچھ نہیں اشعال حیدر......وہ رشتہ ختم ہوگیا' دوستی تھی تو کالعدم ہوگئی......اور اگر......!"

"محبت تھی تو......؟" اشعال حیدر اس کی بات کاٹ کر بولا۔ وہ چپ ہوگئی تھی۔ پھر اعتماد کے ساتھ بہت آہستگی سے سرانکار میں ہلادیا تھا۔

"محبت نہیں تھی اشعال حیدر......محبت کبھی نہیں ہوئی! اور ہوگی بھی نہیں۔" وہ پریقین اور پراعتماد انداز میں کہہ کر پلٹی تھی جب اشعال حیدر نے اسے فوراً کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔ لمحہ بھر کو کچھ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ آنکھیں بند کرتی تیز تیز سانس لیتی رہی تھی۔ وہ شاید بہت تھک گئی تھی۔ سستا رہی تھی۔ کوئی تھکن اتار رہی تھی یا کوئی غصہ......یا پھر یہ کوئی وقتی بہاؤ تھا۔

اشعال حیدر کی دھڑکنوں کو اپنی سماعتوں میں سنتے ہوئے اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولی اور سر اٹھا کر اشعال حیدر کو دیکھا وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سفر...... یہ جنوں سب تمہارے لیے ہے ایلیاہ

میر۔“ اس نے مدھم سی سرگوشی اس کی سماعتوں کی نذر کی.....وہ سر اٹھائے اسے ساکت سی دیکھنے لگی تھی۔

”مان لو میں نے تمہاری سمت‘ تمہارے لیے تمام سفر کیا۔ اس سفر میں کوئی اور شریک نہیں تھا۔ بس تم تھیں اور میں تھا۔ اور جب تم نہیں تھیں تو صرف میں تھا اور میرا جنون تھا اور جنون اکساتا رہا تھا‘ تمہاری جانب سفر کرنے پر اکساتا رہا تھا۔ تمہاری طرف دھکیلتا رہا تھا۔ تم میرے اردگرد دائرہ بنا آئی تھیں جیسے..... میں اسی احاطے میں سرگرداں تمہارا تعاقب کرتا رہا..... بس یہی اور کچھ نہیں.....“ وہ مدھم سرگوشیاں کررہا تھا اس کی سماعتوں میں..... ایلیاہ میر کو اس کے لب اپنے بالوں پر ہلتے ہوئے محسوس ہورہے تھے اور اس کی دھڑکنوں کا شور خود اس کی سماعتوں میں تھا۔ اتنا سکوت اور کتنا شور..... اس نے ایسے لمحے کو پہلے نہیں جیا تھا۔ ایسے تجربات سے پہلے نہیں گزری تھی۔

”تم سے محبت ہے ایلیاہ میر! اس شام بھی میں دانیہ خان سے محبت جتانے کے لیے نہیں کودا تھا پول کے سرد پانی میں‘ میں تمہاری آنکھوں میں کچھ ڈھونڈتا رہا تھا۔ تمہاری نظروں میں صرف سرد پن تھا۔ میرے اندر الاؤ دہک رہے تھے میں شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ جل رہا تھا‘ مگر تمہیں اندازہ بھی نہیں تھا۔ تم نے سمت بدل لی تھی۔ انگیجمنٹ کرلی تھی..... اور میں کہیں خود سے بچھڑ گیا تھا۔ بس یہی ہوا تھا اور اس کے بعد سکوت تھا۔ محبت نہیں رہی تھی۔ مگر ہر طرف تھی۔ جابجا بکھری تمہاری محبت..... میری محبت اور ان سب سمتوں میں سے ہزار سمتیں نکل کر تمہاری طرف جاتی تھیں۔ ہر طرف..... ہر سمت..... بس محبت تھی اور تم.....! تم نے مجھے کسی اور طرف دیکھنے نہیں دیا ایلیاہ میر‘ میرے لیے وہ شام ادراک کی تھی جب تمہاری آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے تھے جب سب ہنس رہے تھے وہاں تھیٹر میں‘ اس شام..... جب تم نے کہا کہ تمہیں محبت نہیں..... اس شام..... میرے اندر محبت نے ہر سو اپنا پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد میں سب پریٹنڈ کرتا رہا‘ حیلے بہانوں سے خود سے الجھتا رہا۔ میرے لیے یہ کھیل کھیل نہیں رہا تھا۔ تمہیں ہرٹ کرنے کے بعد..... تمہارا مذاق بنانے کے بعد تم سے بھی کچھ نہیں کہہ پایا مگر تم میرے چار سو ہی تھیں۔“ وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کررہا تھا‘ جب وہ یک دم اس سے دور ہوئی تھی۔ اسے بغور تکتی ہوئی اس سے چند قدم تفاوت پر کھڑی ہوئی تھی..... آہستگی سے سر انکار میں ہلایا تھا..... شاید اس کی آنکھوں میں نمی بھی تیر رہی تھی۔ مگر وہ فوراً پلٹی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا تھا۔

❖.....○.....❖

”میں نہیں جانتی تم دونوں کے بیچ کیا ہوا..... مگر ایلیاہ ایسی لڑکی نہیں جو معمولی باتوں کو دل میں جگہ دے۔ تم جانتے ہو اس نے اپنی انگیجمنٹ کس لیے توڑی تھی؟“ نانو نے کافی کا سپ لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ اشعال حیدر سر انکار میں ہلانے لگا تھا۔ تبھی نانو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”کالج کے شاید کسی فرینڈ نے شرارت میں کوئی وڈیو کلپ اپ لوڈ کردیا تھا اور ایلیاہ کو ٹیگ بھی کردیا تھا وہ وڈیو حارث نے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید اس کا انتظار بھی کرتا مگر اس واقعے کے بعد شاید دوریاں بڑھ گئیں اور سچویشن اتنی اختیار سے باہر ہوئی کہ ایلیاہ نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر حارث کے ہاتھ میں رکھ دی۔ ایلیاہ میں برداشت کرنے کی ہمت اور صلاحیت بہت زیادہ ہے‘ مگر کچھ چیزیں برداشت سے باہر ہوتی ہیں شاید..... اس کے بعد ایلیاہ نے بھی اپنی زندگی کے بارے میں نہیں سوچا۔ نہ پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ حالانکہ حارث نے کئی بار معافی مانگی‘ رابطہ کیا‘ تعلقات بحال کرنے کی درخواست کی‘ مگر ایلیاہ کے نسوانی وقار اور انا پر بہت بڑی چوٹ تھی جیسے اعتبار ٹوٹا تھا اور اس کے بعد رشتہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ایلیاہ نے تینوں بہنوں کی شادیاں کی تھیں‘ انہیں اپنے گھروں کا کیا تھا‘ اب بھی حارث فون کرتا ہے کبھی تو ایلیاہ اپ سیٹ ہوجاتی ہے۔“ نانو نے بتایا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

”تمہیں کیا ہوا؟“

"نانو مجھ سے زیادہ بے وقوف شخص دنیا میں نہیں ہوگا شاید ایلیاہ کو میری وجہ سے میری چھوٹی سی شرارت کی وجہ سے اتنا سفر کرنا پڑے گا' یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ نانو تھیٹر میں ڈرامہ کی ریہرسل تھی اور میں نے اور اسمارٹ بنتے ہوئے یوں ایک شرارت کردی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا ایلیاہ اتنی ہرٹ ہوگی اور کوئی ہمارے ہی ٹولے کا ایڈیٹ اسے سوشل نیٹ ورک پر اپ لوڈ بھی کردے گا۔ سوچو تو اچھا نہیں ہوا۔ ایلیاہ کی انگیجمنٹ ختم ہوگئی' مگر ایک طرح سے یہ میرے حق میں اچھا ہوا......

اب مجھے سمجھ نہیں آرہا' اس ویڈیو کلپ اپ لوڈ کرنے اور ٹیگ کرنے والے کو تھینکس کہوں یا اس کو ڈھونڈوں اور اس کی کلاس لوں۔" وہ عجیب شش وپنج میں دکھائی دیا تھا۔ مگر ایسا کرتے ہوئے وہ بہت معصوم لگا تھا۔ نانو نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"میں اندازہ نہیں لگا پارہی کہ تم نے ٹھیک کیا یا غلط مگر مجھے لگتا ہے جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی اسی میں تھی۔ اگر تمہیں ایلیاہ سے سچ میں کوئی انسیت ہے تو اس کا اعتماد بحال کرو وہ بہت حساس ہے' کہنے کو وہ مذاق تھا مگر اس کے اثرات گہرے تھے اس کی ریسپیکٹ کو دھچکا لگا' تمہارے لیے اسے جتانا ضروری ہے کہ اس کی عزت ووقار' انا تمہارے لیے اہم ہے' تم اس سب کی عزت کرتے ہو لڑکیاں حساس ہوتی ہیں۔ ان کی فیلنگز کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔" نانو نے پیار سے سمجھایا۔

"مگر میں کیا کروں نانو آپ کی اس پیاری' چہیتی نواسی نے مجھے ریجیکٹ کردیا ہے' صاف انکار کیا ہے منہ پر۔ اس کے بعد کیا صورت حال نکل سکتی ہے؟" وہ خاموش ہوکر نانو کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ نانو نے اس کا شانہ تھپتھپایا' تبھی وہ بولا تھا۔

"میں خالی ہاتھ لوٹنے کے لیے نہیں آیا نانو' غلطیوں کو سدھارا جاسکتا ہے اور میں اپنی کوتاہیوں پر پشیمان ہوں اور پورے دل سے چیزوں کو بنانے کی ٹھان کر آیا ہوں۔ میں تھکوں گا نہیں نا پیچھے ہٹوں گا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا اور نانو نے تائید میں سر ہلایا تھا۔

❖......○......❖

وہ عزم کرکے آیا تھا مگر شاید اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ایلیاہ میر کی خاموشی اسے پسپا کرنے کے درپے تھی۔ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا وہ نہیں جانتا تھا' مگر اس روز وہ اسے حارث کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ میں کونے کی ٹیبل پر اس کے سامنے بیٹھی تھی اور حارث جانے کیا کہہ رہا تھا کہ وہ ہنس رہی تھی۔ مگر اس ہنسی سے اس کے چہرے پر کوئی طمانیت نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں کیا تھا کہ اشعال حیدر کو اپنے اردگرد شور سنائی دیا تھا' عین اسی لمحے ایلیاہ میر کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ بدستور ساکت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایلیاہ میر لب بھینچ کر اس کی طرف سے نگاہ پھیر گئی تھی اور اشعال حیدر کے اندر یہاں وہاں دور تک دھوسے پھیلنے لگے تھے۔ ایک اضطرابی کیفیت نے سب اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ اور وہ پلٹ کر چلتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ اس شام بہت دیر تک وہ یونہی چلتا رہا تھا۔ خنکی نسوں میں خون منجمد کردینے کو تھی۔ مگر اسے جیسے کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانے کب تک یونہی چلتا رہتا کہ اس کا سیل فون بجا تھا۔ ایلیاہ کی ممی کی کال تھی۔

"اشعال بیٹا کہاں ہو تم؟ تمہاری نانو کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے۔ ایلیاہ کا نمبر نہیں لگ رہا۔ شاید بیٹری ڈیڈ ہے۔ تم پلیز جلدی سے گھر آؤ انہیں ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا۔" وہ عجلت سے کہہ رہی تھیں اور پھر فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ اشعال حیدر نے کیب روکی اور فوراً وہاں پہنچا تھا۔

نانو کا شوگر لیول یک دم ہی بڑھ گیا تھا۔ ان کی حالت غیر تھی۔ اس نے اسی کیب میں اٹھا کر انہیں ڈالا اور بروقت ہاسپٹل پہنچایا تھا اور جب تک نانو کی حالت بہتر نہیں ہوئی وہ وہیں موجود رہا تھا۔ جانے کتنے لمحے گزرے تھے اشعال حیدر کا دماغ ماؤف تھا۔ نظروں کی سامنے ایلیاہ میر کا چہرہ تھا بس۔ وہ کھلکھلاتا چہرہ' چاہے اس کی ہنسی میں سکوت تھا۔ مگر وہ کس کے ساتھ تھی اور پریٹنڈ کررہی تھی کہ وہ خوش ہے اور

اشعال حیدر کے اندر خاموشیاں بڑھنے لگی تھیں۔
ڈاکٹر نے نانو کی حالت خطرے سے باہر قرار دی تھی۔ ان کا شوگر لیول نارمل ہوگیا تھا اور وہ ان کے پاس آ گیا تھا۔ نانو نے اس کا ہاتھ تھاما اور مسکرادی تھیں۔
"کیا ہے نانو؟ اتنی جواں عمری میں ہیں آپ پھر بھی اتنا پریشان کرتی ہیں...... اچھا لگتا ہے آپ کو...... مانا خوب صورت لڑکیوں کا ستانا بھی اچھا لگتا ہے مگر کبھی کبھی جی بہت اوب بھی جاتا ہے۔" وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا اور نانو مسکرا رہی تھیں۔
"ستر برس کی ہوگئی ہوں میں۔ تجھے اب بھی خوب صورت لڑکی لگتی ہوں۔"
"میرے لیے تو آپ ایور گرین رہیں گی نانو۔ سچ میں آپ خوب صورت ہیں۔ یہ آج کل کی لڑکیاں تو بس ڈائٹنگ کی ماری ہوتی ہیں۔ آج کل کی لڑکیوں میں وہ خوب صورتی کہاں؟" وہ نانو کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ تبھی نانو نے پوچھا تھا۔
"ایلیاہ نہیں آئی؟"
"آپ کی نواسی بہت بڑی بزنس ٹائیکون بن گئی ہے ہوگی بزی موٹی موٹی فائلوں کے ساتھ...... یہ بتائیں کس بات کی ٹینشن لی جو شوگر لیول اس خطرناک حد تک بڑھا لیا؟ مانا خوب صورت لڑکیوں میں ایک چاشنی اور مٹھاس ہونا چاہیے مگر اب اتنی بھی نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ نانو نے اس کے شولڈر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔
"مجھے گھر لے چل' ایلیاہ کو دیکھنے کو بہت دل کررہا ہے۔" وہ جانے کس سوچ میں تھیں۔ اشعال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
"اشعال بیٹا' حارث نے ایلیاہ کو ایک بار پھر پرپوز کیا ہے اور ایلیاہ نے اس کا پرپوزل قبول بھی کرلیا ہے۔ میں جانتی ہوں ایلیا یہ سب کیوں کررہی ہے' مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔" جب گھر کے راستے میں تھے تبھی نانو نے کہا تھا اور وہ ساکت سا نانو کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
"تمہیں یہ ڈر ہے کہ ہار جاؤ گے؟" نانو نے اس کو بھانپتے ہوئے کہا۔ اس نے پرسکون انداز میں سر انکار میں ہلا دیا۔
"مجھے کوئی ڈر نہیں ہے نانو' نہ ہارنے کا نہ پسپا ہونے کا۔ مجھے یقین ہے ایلیاہ میرا آخر میں میرے ساتھ ہوگی۔" وہ یقین سے کہہ رہا تھا۔
"ایسی غلط فہمی کیوں ہے تمہیں؟ جانتے ہو حارث کی فیملی کل آرہی ہے اور باقاعدہ پھر سے منگنی کی رسم کی بات چل رہی ہے۔ وہ لوگ جلد رشتہ پھر سے پکا کرنے کے بعد شادی کی بات کرنا چاہیں گے۔ ایلیاہ سے زیادہ اچھی لڑکی انہیں کبھی مل ہی نہیں سکتی۔ اتنے بڑے بزنس اور پراپرٹی کی اکلوتی وارث ہے وہ۔ ایسی لڑکی کون ہاتھ سے جانے دے گا؟ اور یہ حارث تو ہمیشہ کا لالچی ہے' پہلے بھی اس نے رشتہ اسی لیے جوڑا تھا اور پھر ٹوٹنے پر بھی ہمیشہ ایلیاہ کے سر پر مسلط رہا' اور اب آخر کار اس نے اس سے ہاں اگلوالی' چاہے جیسے بھی۔ مگر ایلیاہ اس رشتے پر رضامند ہے' وجہ کچھ بھی ہو۔ چاہے یہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو مگر ایلیاہ ضد میں سب کرے گی' میں جانتی ہوں اسے۔" نانو فکرمندی سے کہہ رہی تھیں' وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
"اشعال بیٹا کچھ بھی کرو' مگر یہ سب ہونے سے روک لو۔" نانو جیسے درخواست کررہی تھیں۔ اشعال انہیں کوئی تسلی نہیں دے پایا تھا۔ مگر ایک بے چینی اس کے اندر پھیلنے لگی تھی۔

❖......○......❖

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی۔ خنکی اور بڑھ گئی تھی مگر وہ بہت اطمینان سے داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھی کافی کے سپ لے رہی تھی۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ نا تو اسے اشعال حیدر کے قدموں کی چاپ سنائی دی نا اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اطمینان سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
"ایلیاہ میر دور جانے کے اور بھی راستے ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں تم آنکھیں بند کرکے جو راہ پہلے قدموں کے سامنے آئے اس پر چلنا شروع کردو؟" وہ بولا اور ایلیاہ میر

چونک کراس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو اس کی سمت خاموشی سے تکتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

"کسی سے دور جانا ہو تو اس کے لیے خودکشی ضروری نہیں، حارث کو چننا بے وقوفی ہے۔ تمہارے جیسی عقل مند لڑکی ایسا فیصلہ لے سکتی ہے؟ میں سوچنے سے قاصر ہوں۔ اگر اس رشتے میں کوئی صداقت ہوتی تو وہ اس طرح ختم نہیں ہوتا۔ جو رشتے دل سے بنتے ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔ پھر کوئی دور جائے یا پاس چلا آئے۔ چاہے صدیوں کی دوری آجائے یا میلوں کی تفاوت، دل سے دل ملے رہتے ہیں۔ یہ بات تمہیں جتانے کی ضرورت نہیں پڑنا چاہیے۔" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا اور آنکھوں میں ایک جنوں مگر سب سے بڑھ کر جو تھا وہ اس کا اعتماد تھا اور اس کا ٹھہراؤ...... جیسے اسے کوئی فکر نہیں، نہ کوئی ڈر...... اور ایلیاہ میر کو یہ بات بہت کھلی تھی تبھی وہ سکون سے مسکرائی تھی۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی اشعال حیدر؟ حارث آفندی ہر طرح سے ایک پرفیکٹ میچ ہے۔ لونگ اور کیئرنگ ہے، تمہیں معلوم ہے میرے سر میں درد تھا اور وہ اپنی اہم ترین میٹنگز کینسل کر کے آ گیا اور مجھے چائے پر لے گیا۔ وہ اتنا خیال کرتا ہے میرا اور......!" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اور تمہیں اس سے محبت نہیں ہے ایلیاہ میر۔ خود کو اس غلط فہمی سے باہر نکالو اور سچ کا سامنا کرنا سیکھو۔ اگر وہ رشتہ اتنا پائیدار ہوتا تو ختم نہیں ہوتا۔ جو چیزیں اس طرح ختم ہو جائیں ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ وہ رشتہ اتنا ہی بے معنی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔ جانے کیا جتانا چاہتا تھا وہ اسے مگر وہ پرسکون انداز سے مسکرائی اور اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔ اس کی تیسری انگلی میں ایک جگمگاتی رنگ تھی۔

"یہ کل پہنائی اس نے مجھے۔ میں خوش ہوں اشعال حیدر...... تم اچھے دوست ہو میرے میں چاہتی ہوں تم تب تک یہاں رکو جب تک میری انگیجمنٹ کی رسم نہ ہو جائے۔" وہ اس کی پرسکون دنیا کو جیسے تہس نہس کر دینا چاہتی تھی۔

تبھی اشعال حیدر نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما اور بغور دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"تم چاہے کتنے بھی طوفان لے آؤ، کتنے بھی حیلے بہانے کر لو، چاہے ہواؤں کے رخ بدل دو، تم اپنی محبت کو میری طرف قطرہ قطرہ بہنے سے نہیں روک سکتیں۔ یہ بہاؤ مسلسل ہے ایلیاہ میر اور تمہارے اختیار سے باہر ہے اس پر قابو پانا اور فصیلیں اٹھانا، تم محبت کو میرے مخالف سمت چلنے پر مجبور نہیں کر سکتیں نہ اپنے دل کو میرے خلاف کر سکتی ہو۔" وہ پراعتماد دکھائی دیا تھا۔

ایلیاہ میر ساکت سی اس کی سمت تکنے لگی تھی پھر اچانک اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ یوں کھینچ لیا جیسے وہ انگاروں کی لپیٹ میں ہو۔

"ان آنکھوں کی خاموشیاں صرف میں پڑھ سکتا ہوں ایلیاہ میر، چاہے تم چہرہ پھیر لو یا اپنی آنکھیں مجھ سے میری سمت سے غافل کر لو، چاہے یہ آنکھیں مجھے دیکھیں یا بے خبر ہو جائیں مجھ سے ان کا واسطہ ختم نہیں ہوتا، نہ وہ ربط ٹوٹتا ہے۔ تم جانتی ہو یہ ربط کیا ہے؟ یہ محبت ہے ایلیاہ میر، تم مانو یا نہ مانو مگر تمہارے میرے درمیان محبت کا ایک ربط ہے اور فاصلوں کو ہمیشہ محدود کرتی آئی ہے۔ چاہے تم اس ربط کو توڑنے کی کتنی بھی کوشش کر و یہ ربط ٹوٹتا نہیں، نہ وہ تسلسل ختم ہوتا ہے۔" وہ جیسے اسے کمزور کر رہا تھا، مگر وہ مسکرا دی تھی۔

"تم خوابوں کی دنیا میں رہتے ہو اشعال حیدر، اگر خود نہیں رہتے تو بھی تمہیں لڑکیوں کو اس خوب صورت دنیا میں لے جانا، وہاں کی سیر کرانا بہت اچھا لگتا ہے، تمہیں اچھا لگتا ہے جب بہت سی نظریں تمہارے زاویے سے دیکھتی ہیں، تمہارے نظریے سے سوچتی ہیں اور تمہاری دنیا میں تمہارے وجود کا تعاقب کرتی ہیں۔ وہ لمحہ تمہارے لیے بھرپور ہوتا ہے، بے پناہ خوشی کا؟" وہ اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرائی تھی۔ پھر اسی اعتماد سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"اشعال حیدر، میں ان بے وقوف لڑکیوں میں سے

نہیں ہوں جو تمہاری دنیا میں تمہارا تعاقب کرتے کرتے گم ہو جائیں اور تم ان کا تذکرہ کل بیٹھ کر اپنے انتہائی فضول سے دوستوں میں کرو ہنسو اور مذاق اڑاؤ۔ یہی کرتے آئے ہو نا تم اب تک؟ تمہیں تو اتنا بھی اندازہ نہیں کہ وقت کتنا گزر گیا اور اب تمہارے یہ سارے اسم کارگر نہیں رہے...... کم از کم میں کھلی آنکھوں سے تمہاری بنائی گئی دنیا کی سچائی ضرور دیکھ سکتی ہوں۔ مجھے تمہارے بنائے گئے حیرت کدے میں نہیں رہنا۔ نا اس جادوئی دنیا کی سیر کرنا ہے' میرا ہاتھ پکڑ کر اس جادوئی دنیا میں لے جانے کی کوشش مت کرو اشعال حیدر' تمہاری کی جانے والی ہر کوشش عبث ہو گئی کیونکہ میں خوابوں کی زندگی نہیں جیتی...... نہ مجھے تمہاری باتوں کا طلسم پاگل کرتا ہے نا تمہارا جادو مجھے یا میری عقل کو اندھا کرتا ہے۔ میرے ساتھ یہ کھیل کھیلنا بند کرو......" وہ جتاتے ہوئے بولی مگر اشعال حیدر اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

"تم کچھ بھی کہو ایلیاہ میر' تمہاری آنکھوں کو تمہاری مخالفت کی عادت ہو گئی ہے۔ تمہیں خبر بھی نہیں اور یہ آنکھیں مجھے چپکے چپکے بتا رہی ہیں کہ ان کی روشنی میری تلاش میں سرگرداں رہی ہے۔ تب بھی میں پاس تھا اور تب بھی میں کہیں نہیں تھا۔ یہ روشنی مجھے تلاشتی رہی تھی۔ ایک پل میں اب بھی اس کی حقیقت کھل جائے گی اگر میں ان نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو جاؤں' یہ روشنی ایک لمحے کو بھی اگر مجھے نہیں دیکھے گی تو اندھیرے نگلنے لگیں گے اسے۔ تجربات کر کے سیکھنا بے وقوفی ہو سکتی ہے ایلیاہ میر' اس روشنی کو اپنے اندر دفن مت کرو...... کیونکہ میں تمہیں ان اندھیروں کے حوالے نہیں کر سکوں گا۔ میں چاہتا ہوں یہ روشنی بڑھتی رہے اور تمہارا وجود روشن رہے۔ یہ روشنی محبت کی ہے ایلیاہ میر' کتنے جتن کرو گی' کتنی تدبیریں...... اور اگر بہت اعداد و شمار کر کے آخر میں خسارہ رہا تو تم کسے الزام دو گی؟ اس کے لیے قصوروار کسے ٹھہراؤ گی؟" وہ اس کے اندر کا سکون متزلزل کر رہا تھا۔

ایلیاہ میر اس کی سمت خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ ان آنکھوں میں بے چینی تیر رہی تھی مگر اس سے بھی کہیں زیادہ سکوت تھا اور اس سکوت میں محبت تھی۔ بیاں اور لا بیانی کے درمیان' محبت خاموش کھڑی تھی۔ اگر کچھ تھا بھی تو ایلیاہ میر اس کی نفی کرنا چاہتی تھی۔

"رات دانیہ خان سے بات ہوئی تھی اشعال حیدر' اس کی شادی ختم ہو گئی ہے۔ تمہارا ذکر متواتر کر رہی تھی وہ' بہت دکھی ہے وہ' رشتے ٹوٹنے کی چبھن بہت جان لیوا ہوتی ہے شاید۔ وہ بہت بکھری دکھائی دے رہی تھی۔ ہم نے ایک گھنٹے تک بات کی' میں نے اسے حوصلہ دیا۔ مگر وہ تمہارا پوچھتی رہی' تمہیں اس سے بات کرنا چاہیے اشعال حیدر۔ اس نے خود کہا کہ وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے' آج کل میامی میں ہے۔" وہ ہمدردی جتاتی ہوئی بولی تو وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

ایلیاہ میر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ اشعال حیدر نے شہادت کی انگلی اس کے دل پر رکھی پھر مدھم سرگوشی میں بولا تھا۔

"تم یہاں سے آنے والی آوازوں پر کان بند کرنا چاہتی ہو ایلیاہ میر' تم جانتی ہو تم ناکام ہو' مگر تم اس غلطی کو دہراتے رہنا چاہتی ہو۔ مجھے دانیہ خان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں وہ باب اپنے ہاتھوں سے خود بند کر چکا ہوں...... کیونکہ میں جانتا ہوں دانیہ خان وہ کتاب نہیں ہے جسے میں سطر سطر پڑھتے رہنا چاہوں اور ہزار بار پڑھنے کے بعد بھی نہ تھکوں اور تم جانتی ہو میں کس چہرے کو سینکڑوں بار پڑھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ تمہیں بھی تو خبر ہو گی نا کیونکہ تمہاری آنکھیں بھی تو وہی درخواستیں کرتی ہیں اور تمہاری خاموشی کو توڑنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں مگر تم پھر سے وہ فصیلیں اٹھانا چاہتی ہو۔ تم کیوں نہیں چاہتیں میں ان طوفانوں سے نمٹوں اور ان کا رخ موڑ دوں؟ تمہیں یقین ہے نا میں ہر ناممکن کو ممکن کر پاؤں گا؟" وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانک رہا تھا۔ ایلیاہ میر نے ایک لمحے میں اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ دھڑکنوں کا شور کچھ بڑھ گیا تھا۔ سارا وجود جیسے مشکلوں میں گھر گیا تھا۔ وہ

فوراً اٹھی۔ ارادہ وہاں سے ہٹ جانے کا تھا مگر کلائی اشعال حیدر کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اشعال حیدر اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔

''اس روشنی کو میری سمت بہنے دو ایلیاہ میر...... ان دھڑکنوں کی نفی مت کرو۔ ورنہ اس روشنی کے اختتام پر صرف ایک خاموشی ہوگی اور اس سکوت میں زندہ رہنا بہت کٹھن ہوگا۔'' وہ جیسے درخواست کر رہا تھا۔ ان آنکھوں میں کچھ تھا۔ ماحول میں بہت اضطرابیت تھی۔ بوندوں کے گرنے کا تسلسل جاری تھا۔ بارش کی آواز کچھ کہہ رہی تھی، مگر وہ جیسے کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ اشعال حیدر کی جنوں خیزی حد سے سوا تھی۔

''مت کرو ایسے ایلیاہ میر۔'' مدھم لہجے میں اس نے جیسے التجا کی تھی۔ ایلیاہ میر نے اس کی سمت سے نگاہ پھیر لی تھی۔ اس کے ہاتھ کی گرفت سے ہاتھ نکالنا چاہا تھا۔ مگر تبھی جانے کیا ہوا تھا۔ اشعال حیدر نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

بارش کا شور بڑھنے لگا تھا اور اس شور میں دھڑکنوں کا شور بھی صاف سنائی دے رہا تھا۔ دھڑکنوں میں واضح ارتعاش تھا۔ کانوں میں شور بڑھنے لگا تھا۔ وہ آنکھیں میچے کھڑی اس بات کا تعین نہیں کر پائی تھی کہ کس کی دھڑکنوں کا شور زیادہ تھا۔ وہ اس کا خود کا دل تھا یا صرف اشعال حیدر کا دل ہی اس دیوانگی سے دھڑک رہا تھا۔ کانوں میں دونوں آوازیں مدغم تھیں۔ اشعال حیدر کے وجود کی تپش اس کی دھڑکنوں کا شور...... جیسے اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ اس کے سینے پر سر رکھے کھڑی وہ جیسے ایک مکانیت میں گری تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے وجود کو پرے دھکیل دیتی یا پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھتی اور اس گستاخی پر سرزنش کرتی۔ وہ جیسے لمحوں کے تسلسل کی گرفت میں تھی۔ نہیں جانتی تھی کیا تھا یہ وہ اس کے قرب میں راحت محسوس کر رہی تھی۔ بہت پروٹیکٹو محسوس کر رہی تھی۔ اشعال حیدر نے اپنے بازوؤں کا گھیرا اس کے گرد باندھ دیا تھا۔

''تم سے بہت محبت ہے ایلیاہ میر! بہت بہت زیادہ! تم اگر اپنے گرد کوئی قلعہ بنا لو ہزار قفل لگا لو ساری چابیاں کسی دور گہرے سمندر میں پھینک آؤ تب بھی میں تم سے تم تک کا سفر کروں گا۔ میں وہ چابیاں ڈھونڈ کر سارے قفل کھول لوں گا۔ ساری فصیلیں گرادوں گا اور سب دروازے چاک کردوں گا۔ پھر کبھی بند نہ ہونے کے لیے۔ میری محبت ایسی ہے ایلیاہ میر! اتنی زور آور...... طاقت ور، نہ بھٹکنے والی، نہ کھونے والی...... نہ جھکنے والی، نا روٹھنے والی...... بے حساب محبت! جلاتی، گھیراؤ کرتی، لمحہ لمحہ ساتھ چلتی محبت، یہ محبت کبھی زوال پذیر نہیں ہوگی ایلیاہ میر! کبھی کم نہیں ہوگی۔'' وہ مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش سے ایلیاہ میر کو اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ اس تپش میں خود کو جلتا ہوا محسوس کرنے لگی تھی۔ اس برستی بارش میں خنک موسم میں ایک الاؤ اسے جیسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ اس کی سماعتوں میں اشعال حیدر کی محبت بول رہی تھی۔

''ایلیاہ شہاب میر' آئی ایم سوری، بہت برا ہوں میں...... نہیں ہو پایا مجھے ادراک...... شعور نہیں تھا...... بے وقوف تھا میں...... مگر اس کے باوجود...... بے حساب محبت کرتا ہوں میں تم سے! یہ محبت سونے نہیں دیتی مجھے، جاگتا رہا ہوں میں، جب سے تم نے دوریوں کو درمیان میں رکھا مجھے کچھ سجھائی نہیں دیا، نہ کچھ جانا...... نا سمجھا' بس اتنا یاد تھا کہ تم ساتھ نہیں ہو اور تمہیں ساتھ کرنا ہے تمہارے ساتھ چلنا ہے، تمہیں منانا ہے، ہزار منتیں کرنا ہے۔ غلطیوں، کوتاہیوں کی معافی مانگنا ہے، سب باتوں کا ازالہ کرنا ہے اور میں نے باقی کے تمام سفر موقوف کردیے اور فی الفور تمہاری طرف قدم بڑھانے لگا۔ بہت ادھورا تھا تمہارے بنا...... بہت ادھورا ہوں جب سے تم ساتھ نہیں ہو!''

اشعال حیدر کا جلتا بجھتا لہجہ اس کی سماعتوں میں تھا۔ وہ جیسے الاؤ کا حصہ ہونے لگی تھی۔ تبھی اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

ان دونوں کی دیوانگی جھٹلائی نہیں جاسکتی تھی۔ وہ جنوں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا مگر ایلیاہ کی سماعتوں میں اس شام تھیٹر میں ہنسی کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ جہاں وہ ان سب

کے ساتھ کھڑا اس پر ہنس رہا تھا۔ اس کا مذاق اڑا رہا تھا' جانے کیا ہوا تھا' ایلیاہ میر نے دونوں ہاتھوں سے یک دم اسے پرے دھکیلا تھا' آنکھوں کی نمی رخساروں پر چمکنے لگی تھی۔

''مجھے تم سے محبت نہیں ہے اشعال حیدر!'' وہ خود اپنی نفی کرتی ہوئی چیخی تھی۔ ''نہیں ہے تم سے محبت...... کبھی بھی نہیں تھی...... نہ کل...... نہ کبھی اور نہ ابھی! میرا تعاقب کرنا بند کردو۔ نہیں چاہیے مجھے یہ محبت' نہیں ضرورت مجھے تمہاری' نہیں کرتی میں تم سے محبت۔'' وہ آنسوؤں کے ساتھ بولی اور پھر یک دم ہی پلٹ کر تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اشعال حیدر اس بارش کے شور میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

❖......○......❖

ممی نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ایلیاہ میر کافی کے سپ لیتی نیوز پیپر دیکھتی خود میں گم تھی یا پھر خود کو مصروف رکھ کر وہ ممی کے مطلوبہ سوالوں کے جوابات دینا نہیں چاہتی تھی۔ ممی نے ٹوسٹ پر بٹر کی تہہ لگا کر چیز لیئر رکھتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا۔

''تم واقعی حارث آفندی سے شادی کرنا چاہتی ہو ایلیاہ؟'' ممی کا سوال غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ ان سوالوں کے لیے پہلے سے پری پیئرڈ تھی تبھی سر ہلا دیا تھا۔ انداز بے فکر تھا۔

جیسے وہ خود سے بھی جھوٹ بولتے رہنا چاہتی تھی۔ ممی نے بریک فاسٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا تمہارا یہ فیصلہ ٹھیک ہے ایلیاہ! حارث کو تم ایک چانس دے کر دیکھ چکی ہو۔ کتنے موقعے اور دینا چاہتی ہو تم اسے؟ اور تمہیں شادی ہی کرنا ہے تو پھر حارث آفندی ہی کیوں...... وہ کوئی اور بھی تو ہوسکتا ہے نا؟'' ممی نے جتانے کو کہا تھا۔ ایلیاہ میر منہ تک لے جاتا ٹوسٹ والا ہاتھ روک کر ماں کو دیکھنے لگی تھی۔

''ممی یہ اتنا بڑا مسئلہ کیوں بن گیا ہے؟ آپ نے ہی تو کہا تھا میں نے یہ انگیجمنٹ توڑ کر غلط کیا اور جب غلطی کو سدھار رہی ہوں تو آپ اسے غلط انتخاب قرار دے رہی ہیں...... آپ کو ہی شوق تھا نا میری شادی کا...... اب جب ہاں کردی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟ ممی وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے۔ حارث نے مجھ سے خود کہا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہے اور......!'' ٹوسٹ کی بائیٹ لے کر نگلتے ہوئے وہ روانی سے بول رہی تھی جب ممی نے کہا۔

''اپنی غلطی پر شرمندہ تو اشعال حیدر بھی ہے نا؟'' ممی کا سوال اسے ساکت کر گیا تھا اور ایلیاہ میر ممی کی طرف سے نگاہ ہٹاتے ہوئے پرسکون دکھائی دیتی ہوئی ٹوسٹ کی بائیٹ لینے لگی تھی۔

''وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہے ایلیاہ' اپنی غلطی کا احساس اسے بھی ہے تو کیا اس کے لیے تمہارے پاس کوئی دوسرا موقع نہیں؟'' ایلیاہ نے پرسکون انداز میں ماں کو دیکھا تھا۔ وہ شاید لاجواب ہوگئی تھی مگر خود کو بہت نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

''ایلیاہ' اشعال سے زیادہ بہتر لڑکا تمہیں کہیں نہیں مل سکتا۔ تم غلطی کرو گی اگر اسے ایک اور موقع نہیں دو گی۔ وہ تمہاری تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ تمہارے لیے یہاں آکر بیٹھ گیا ہے۔ اسے کوئی کام نہیں کیا' دنیا کا فارغ انسان ہے وہ کیا' آج کل کون کسی کو اپنا ایک لمحہ بھی دیتا ہے؟ اشعال حیدر کے لیے صرف تم اہم نہیں ہو ایلیاہ' وہ تمہاری فیملی کو بھی وہی امپورٹنس دیتا ہے تمہیں معلوم ہے اس روز جب تمہاری نانو کی طبیعت خراب تھی تو میں نے تمہارے سیل فون پر کال کی تھی' مگر جب نمبر بند ملا تو دوسری کال میں نے حارث آفندی کو کی تھی' مگر وہ ٹال گیا تھا۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے میری آواز سنائی نہیں دے رہی۔ یا لائن کلیئر نہیں اور اس کے بعد تیسری کال میں نے اشعال حیدر کو کی تھی۔ جسے میں نے تیسرا آپشن بنایا تھا وہ یہاں سب سے پہلے پہنچا تھا' اگر وہ تمہاری نانو کو بروقت ہاسپٹل نہ پہنچاتا تو کچھ بھی ہوسکتا تھا۔'' ممی کے کہنے پر وہ خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ جیسے اس کے پاس ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

"جنہیں ہم آخر سمجھیں جب وہی اول بن کر سامنے آئیں تو حیرت ان اول بن کر سامنے آنے والوں پر نہیں ہوتی' ان پر ہوتی ہے' جنہیں آپ اول سمجھے بیٹھے تھے اور وہ اول تھے ہی نہیں۔ قصور اس میں اپنی عقل کا ہوتا ہے ایلیاہ میر' مجھے اندازہ ہے میں جس رشتے کو فوری طور پر اہمیت دے رہی تھی وہ رشتہ اس اہمیت کے قابل نہیں تھا۔ اشعال حیدر کو اتنا چھوٹا مت کرو ایلیاہ میر' یہ صرف تمہاری سوچ ہے۔ حقیقتاً وہ اتنا چھوٹا نہیں ہے۔" ممی کہہ کر اٹھ گئی اور ایلیاہ میر ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔

❖......O......❖

اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ وہ زیادہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر سوچ کا ہر زاویہ جانے کیوں جا کر اشعال حیدر پر ختم ہو رہا تھا۔ وہ خود اپنے خیالوں کو جھٹکتی رہی تھی۔ اسے ایک اہم فائل چاہیے تھی تبھی اس نے ڈرائیور کو حارث آفندی کے آفس کی طرف موڑنے کی تلقین کی تھی۔ تبھی اس کا سیل فون بجا تھا۔ دانیہ خان کا نمبر اسکرین پر تھا۔ اس نے کال پک کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

"ایلیاہ میر! کہاں ہو تم؟ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتی۔ مگر میں ایک بات کو لے کر بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں' میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے اشعال حیدر کو چھوڑا' حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے شادی کے لیے دباؤ ڈالا تبھی اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ وجہ تم تھیں' وہ تم سے محبت کرتا تھا اور اس کا ادراک اس کو تب ہوا تھا جب تم اس سے دور چلی گئی تھیں۔ میں اب بھی اشعال حیدر سے محبت کرتی ہوں ایلیاہ میر' مگر میں چاہوں بھی تو اس کی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی' یہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

"تم کیا بات کر رہی ہو دانیہ؟ میں شادی کر رہی ہوں۔ حارث آفندی سے' تم اشعال حیدر کی زندگی کا حصہ بن سکتی ہو' یہ ممکن ہے کیونکہ میں کبھی اشعال حیدر کی زندگی کا حصہ نہیں رہی۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"غلط فہمی نہیں ایلیاہ۔ میں تمہیں کسی سنگین غلطی سے بچانا چاہتی ہوں۔ اگر مجھے حق ہوتا تو اشعال حیدر صرف میرا ہوتا' مگر وہ میرے لیے نہیں اور تم میری بات سمجھ نہیں رہی ہو۔ اس نے تین برس قبل مجھ سے آخری بار بات کی تھی' اس کے بعد وہ مجھ سے رابطے میں نہیں مگر تب وہ تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اس کا جنوں دیکھا تھا ایلیاہ...... اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی' مجھے شرمندگی تھی کہ تم سے جھوٹ بولا' میں وہی کلیئر کرنا چاہتی تھی۔" دانیہ خان نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ یہ سب اس کی حمایت کیوں کر رہے تھے۔ سب اس کا ذکر کیوں کر رہے تھے؟ وہ جس ذکر سے کنی کترا رہی تھی' ہر زبان پر وہی ذکر عام تھا۔

حارث آفندی کا آفس آ گیا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی تو وہ چونکی تھی پھر دروازہ کھول کر اتری اور عمارت میں داخل ہو گئی۔ لفٹ سے حارث آفندی کے آفس تک آنے تک صرف ایک ذکر اس کے ذہن میں تھا۔ صرف ایک نام تھا بس' اس نے سر جھٹکتے ہوئے جیسے اس ذکر کو ذہن سے نکال پھینکنے کی کوشش کی اور حارث کے روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہونا چاہا تھا' مگر قدم وہیں ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حارث آفندی اپنی پرسنل اسسٹنٹ کے ساتھ بزی تھا۔ دروازہ کھلنے پر وہ چونکا تھا۔ ایلیاہ میر کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کی پرسنل اسسٹنٹ کچھ دور ہوئی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جسے اس نے چنا تھا۔ جسے دوسرا موقع دیا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ حارث آفندی اس کی اچانک آمد پر حیران تھا' تبھی فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے پلٹی اور عمارت سے نکل آئی تھی۔ کچھ سچ کتنے کڑوے ہوتے ہیں اس کا ادراک اسے ہو گیا تھا۔

❖......O......❖

"مواقع ان لوگوں کو دینا چاہیے جو اس کے مستحق بھی ہوں۔ غلط لوگوں کو مواقع دے کر خود کو الزام دینا یا قصوروار ٹھہرانا دانش مندی نہیں۔" نانو نے اس کا سر پیار سے تھپکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ نانو کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ خود کے غلط ثابت ہونے پر شرمندہ تھی۔ ممی اور نانو کی تو خیر تھی'

مگر اشعال حیدر...... اس سے زیادہ وہ سوچ نہیں سکی تھی۔
اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اگر وہ کوئی نہیں تھا‘ یا اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی یا کوئی وابستگی نہیں تھی تو پھر وہ اس کے سامنے شرمندہ ہونے کا سوچ کر ہی کیوں ڈر رہی تھی......
اسے یہ احساس کیوں ہو رہا تھا کہ اس کے غلط ثابت ہونے پر وہ کوئی اطمینان ظاہر کرے گا یا اسے اس کی ہار یا پسپا ہونے کو طمانیت دے گا۔ اسے لگ رہا تھا ابھی وہ چلتا ہوا آئے گا اور اس کے مدمقابل کھڑا ہو کر پورے ازلی اعتماد سے مسکرائے گا اور جتائے گا کہ دیکھو ایلیاہ میر تم نے جو فیصلہ کیا تھا اس نے تمہیں پسپا کر دیا۔ اس نے رنگ اتار کر نانو کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔
”حارث آئے تو اسے یہ لوٹا دیجیے گا۔ میں اس سے ملنا یا اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی۔“ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔
سوچیں بہت الجھی ہوئی تھیں۔ اس نے کھڑکی کھول کر اندر کی کثافت کو کچھ کم کرنا چاہا۔ باہر آؤٹ ڈور لیونگ ایریا میں وہ ممی کے ساتھ بیٹھا کافی کے سپ لیتا شاید کوئی اہم بات ڈسکس کر رہا تھا۔ ایلیاہ کا کمرہ عین اس ایریے کے سامنے تھا‘ مگر وہ شاید اس طرف دانستہ نہیں دیکھ رہا تھا۔
ایلیاہ میر بے خبر کھڑی اس کی طرف جانے کیوں دیکھے گئی تھی۔ شاید ذہن ٹھیک سے بیدار نہیں تھا۔ یا پھر وہ اپنے حواس کو اختیار میں کر ہی نہیں پا رہی تھی یا پھر بے دھیانی میں ہی...... مگر وہ اشعال حیدر کی طرف تکے گئی تھی۔
یہ وہ شخص تھا جس نے اس کا مذاق بنایا تھا۔ اس کی محبت کو روندتے ہوئے گزر گیا تھا۔ خود تو ہنسا تھا‘ دوسروں کو بھی موقع دیا تھا کہ اس کا مذاق اڑائیں۔ اس کا وقار...... اس کی عزت...... اس کا کردار...... اس کا تشخص‘ اس شخص نے سب جیسے مسخ کر دیا تھا۔ وہ اس پر اعتبار کر بیٹھی تھی اور اس کے لیے تو سب مذاق تھا۔
”تمہیں محبت ہو گئی ہے کیا؟ اتنی کھوئی کھوئی کیوں رہنے لگی ہو ایلیاہ میر؟“ وہ جب بہت دنوں تک اس کے سامنے نہیں آئی تھی تو وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا اور ایلیاہ شہاب میر کے پاس ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔
”کیا معاملہ ہے ایلیاہ...... تمہاری انگیجمنٹ ہوئی ہے نا؟“
”میں یہ نہیں چاہتی!“ وہ فوراً بولی تھی۔
”مگر کیوں...... تمہیں کسی اور سے محبت ہے؟“ وہ مسکرایا تھا۔ ”کہیں وہ میں تو نہیں؟“
”ڈونٹ بی اسٹوپڈ اشعال حیدر۔ تم جیسے بندے سے محبت نہیں ہو سکتی۔“ وہ انکاری تھی۔
”جھوٹ بول رہی ہو تم......“ وہ اسے رد کرتا ہوا بولا تھا۔
”میں جھوٹ نہیں بول رہی......“
”کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟“ وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست تکتا ہوا مسکرایا تھا۔
”شٹ اپ اشعال‘ کچھ بھی بولتے ہو۔“ وہ منکر تھی‘ جانے لگی تو اشعال نے کلائی تھام لی تھی۔
”تم خود کھو گی ایلیاہ شہاب میر! یاد رکھنا...... یہ محبت تمہیں اتنا بے بس کر دے گی کہ تم خود مجھ سے کہو گی...... اور......!“ وہ جیسے اسے اکسا رہا تھا‘ وہ ساکت سی دیکھنے لگی تھی۔
”اور......؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے تکتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔
وہ نہیں ملتا ایک بار ہمیں......!!
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں......!!
”زندگی ایک بار ہے ایلیاہ میر! ایک بار جیتے ہیں‘ محبت سے ہاتھ کھینچنا پچھتاؤوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اگر کسی سے محبت ہے تو کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں...... ہو سکتا ہے وہ بھی اسی بات کا منتظر ہو کہ تم پہلا قدم لو...... آگے بڑھو...... اور وہ پذیرائی کرے؟“ وہ ان آنکھوں میں جھانک رہا تھا...... اور وہ ہاتھ چھڑا کر یک دم ہی پلٹی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔ دل اس ساتھ پر بہت دیر تک تیز تیز دھڑکتا رہا تھا۔ وہ دھڑکنوں پر اختیار نہیں رکھ پا رہی تھی...... نہ سوچ پر کوئی بندھ باندھ پا رہی تھی۔ سوچ کا ہر زاویہ اس شخص پر جا کر رک رہا تھا اور اس نے اس شام ریہرسل کے دوران جب اسکرپٹ

لکھنا تھا تو جانے کیوں وہ سب لکھ دیا تھا جو نہیں لکھنا چاہیے تھا' اسکرپٹ اس کا لکھا تھا' ایک ایک لفظ اس کے دل کی آواز تھا' اور جب ریہرسل میں اس نے وہی اسکرپٹ لفظ بہ لفظ کہہ بھی دیا تو کیسا مذاق بنا تھا اس کا......!!

وہ لمحہ بھلائے نہیں بھلاتا' کتنی انسلٹ ہوئی تھی' سب نظریں اس پر تھیں اور ہر کوئی اس پر ہنس رہا تھا۔ اشعال حیدر نے کہا تھا ہاتھ بڑھاؤ گی تو پذیرائی ہوگی اور اس شام وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اشعال حیدر خود پرست شخص تھا' وہ کسی سے محبت نہیں کرسکتا تھا...... ہر بات اس کے لیے مذاق تھی...... اس کا نسوانی وقار بری طرح مجروح ہوا تھا۔ یہ تھا اشعال حیدر...... جو اسے اکسا رہا تھا' سب کہنے پر' اور جب اس نے کہا تو اس نے ایلیاہ میر کو سب کے سامنے تماشا بنا دیا تھا۔ وہ دن تھا جب اس نے اس کے بارے میں سوچا تھا...... اور اس کے بعد ہمیشہ اس کی نفی کی تھی' حارث سے انگیجمنٹ کرلی اور کبھی پلٹ کر بھی دوبارہ اس راہ کو نہیں دیکھا' وہ جب سب پیچھے چھوڑ آئی تھی تو راستے یک دم ہی اس کے تعاقب میں آنے لگے تھے۔ کوئی اسرار تھا یا کوئی بھید...... یا محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے...... جب کوئی ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو دوسرا بے خود سا اس کی سمت کھنچنے لگتا ہے...... یہ محبت کا کوئی کلیہ تھا یا جو بھی مگر اس کی نظریں دیکھ رہی تھیں اشعال حیدر اس کی سمت متوجہ تھا۔ بے خود سا دیکھ رہا تھا۔ ممی اس آؤٹ ڈور ایریے سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ وہ اکیلا وہاں بیٹھا تھا۔ یک دم ہی بارش ہونے لگی تھی۔ اشعال حیدر کی نظروں کا تسلسل نہ رکنے والا تھا' تبھی اس نے کھڑکی بند کردی تھی اور پلٹ کر روم سے نکل آئی تھی۔

''ایلیاہ بی بی' ممی آپ کو باہر بلا رہی ہیں۔ اشعال حیدر صاحب کے ساتھ آؤٹ ڈور ایریا میں بیٹھی ہیں۔'' خدیجہ نے کہا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا تھا۔ خدیجہ نے اس کی طرف چھتری بڑھا دی تھی۔ ایلیاہ نے تھامی اور باہر آگئی تھی۔ بارش تیز تھی تبھی اس نے چھتری کھول کر تھام لی اور اس طرح چلتی ہوئی اس Timber Frame سے بنے آؤٹ ڈور ایریا میں آگئی تھی جو خوب صورتی سے ڈیکوریٹڈ تھا۔ اشعال حیدر بدستور وہاں موجود تھا۔ اسے دیکھ کر کھڑا ہوا تھا۔ ایلیاہ میر نے کورڈ پلس کے نیچے کھڑے ہوکر چھتری کو بند کیا اور اس آؤٹ ڈور ایریا میں داخل ہوگئی تھی۔ ممی وہاں نہیں تھیں اور اسے اس بات کی حیرت تھی۔

''ممی کہاں ہیں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔ اشعال بنا جواب دیئے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔ وہ مقابل آن کھڑی ہوئی اور تنک کر بولی تھی۔

''ممی کہاں ہیں؟ انہوں نے یہاں بلایا تھا مجھے اور......!'' اشعال حیدر نے اس کے لبوں پر شہادت کی انگلی رکھ دی اور اس سے آگے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔ سرد موسم کے باعث اس کا وجود کانپنے لگا تھا۔

''ایلیاہ میر میں جادوگر نہیں ہوں کہ کسی کو بھی غائب کردوں۔ آنٹی کسی کام سے اندر گئی ہیں۔'' ایلیاہ میر نے ہمت کرکے اس کے ہاتھ کو اپنے لبوں سے ہٹایا اور پلٹنے لگی تھی جب اشعال حیدر نے اسے کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کا سر اس کے سینے سے آن ٹکرایا اور وہ اس کے بازوؤں میں تھی...... اشعال حیدر نے اس کے گرد

اپنا حصار باندھ دیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ نظروں میں غصہ تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے اشعال حیدر؟" وہ گھورتے ہوئے خود کو اس کے بازوؤں کے حصار سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ مگر وہ حصار اتنا مضبوط تھا کہ توڑنا یا باہر نکلنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ تھک کر گھورنے لگی تھی۔

"مجھے تم سے جن باتوں کی امید نہیں ہوتی ہے تم وہی کرتے ہو ہمیشہ اشعال حیدر۔ یہاں جھوٹ بول کر کیوں بلایا؟ اور یہ کیا حرکت ہے؟" وہ ڈپٹتے ہوئے گھورنے لگی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔ اتنی قربت تھی، اس کی دھڑکنوں کا شور وہ صاف سن پا رہی تھی بارش کی آواز کے ساتھ اس کی خاموشی بھی جیسے بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ اس پر اس کی نظریں...... جو ہمیشہ اسے مشکل میں ڈال دیتی تھیں۔ وہ اب بھی اس کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹا گئی تھی۔ تبھی وہ بغور تکتے ہوئے اس کے چہرے سے بالوں کی لٹ ہٹاتے ہوئے بولا۔

"نظر چرا لینے سے کیا کچھ چھپا پاؤ گی ایلیاہ میر...... تمہیں خبر نہیں ہے مگر تمہاری یہ آنکھیں مجھ سے سب کہتی ہیں جو تم نہیں کہنا چاہتیں...... یادانستہ چپ کی مہریں لبوں پر لگائے ہوئے ہو۔ میں جانتا ہوں اس انکار کے پیچھے ایک واضح ہاں ہے...... ایک اقرار ہے...... تمہیں غصہ ہے تو نکالوں مجھ پر...... تم ان چیج می...... ہٹ می...... نکل آنے دو اس غصے کو باہر...... مگر اس محبت کو اس طرح اپنے اندر مت دباؤ، میں اپنے کیے کی معافی مانگ چکا ہوں اور کیا چاہتی ہو تم؟ کسی کوتاہی یا غلطی کی سزا سزائے موت ہوسکتی ہے...... تو مار دو مجھے، کسی طرح تمہاری اس کھوکھلی انا کو سکون تو ملے گا نا؟"

"میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اشعال!" وہ اپنے اطراف سے اس کے بازوؤں کا گھیرا توڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"ول یو میری می ایلیاہ میر!" وہ اپنی گرفت اور مضبوط کرتے ہوئے بولا۔ اور وہ ساکت سی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے عقیدت سے ایلیاہ میر کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کردی اور وہ گنگ رہ گئی تھی۔

"میں اور آنٹی یہی بات کر رہے تھے ایلیاہ! میں نے اپنے پیرنٹس کو کل یہاں بلوالیا ہے، میں چیزوں کو اور بکھرنے نہیں دینا چاہتا۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... اور تم بھی یہ مزید ڈرامہ بند کرو، پانچ سال ویسٹ کروائے ہیں تم نے میرے اور نہیں کرنے دوں گا۔ تمہیں ابھی معاف نہیں کرنا تو شادی کے دس سال بعد معاف کردینا...... بٹ شادی ابھی ہوگی ایک ہفتے بعد...... کل ہم انگیجمنٹ کریں گے۔"

"وہاٹ......؟" وہ چونکی۔ "اتنی جلدی؟" وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔

"ایکچوئیلی مسئلہ یہ ہے کہ میں سچا پکا مومن ہوں۔ دیسی لڑکا، تمہاری بدگمانی اتنی تفاوت سے دور نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے کچھ قربت ضروری ہے اور وہ قربت شادی کے بعد ہی نصیب ہوسکتی ہے۔" وہ شرارت سے مسکراتا ہوا بولا۔ ایلیاہ میر اس کی سمت دیکھ نہیں سکی تھی۔

"میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے...... زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا نکاح کے بعد...... تمہاری جیسی خود پسند لڑکی کو جھیلنے کی ہمت اور کون کرسکتا ہے؟ یہ اشعال حیدر ہی ہے جو ایسا کرسکتا ہے۔ سو آرام سے ہاں کہہ دو......" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ ایلیاہ میر نے گہری سانس لی اور پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا مگر اس انکار کی نفی اگلے ہی لمحے ہوگئی تھی جب اس نے اپنا سر اشعال حیدر کے فراخ سینے پر رکھ دیا تھا۔ بارش کی آواز اس خاموشی کو توڑنے لگی تھی۔ محبت کی سرگوشیاں ہر طرف پھیلنے لگی تھیں۔ اشعال حیدر نے اس کے گرد بازوؤں کا گھیرا اور بھی تنگ کردیا تھا۔ خاموشی سب کہہ رہی تھی۔ وہ بھی جو وہ دونوں اس لمحے کہنے سے گریز کررہے تھے۔ ایلیاہ میر کو ایک طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

موم کی محبت
راحت وفا

زندگی چاہیے محبت میں
گھڑی دو گھڑی کی بات نہیں
آپ سے کوئی بھی نہیں پہلے
آپ کے بعد کوئی ذات نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صبیح احمد کی وفات کا سن کر شرمین ششدر رہ جاتی ہے۔ جبکہ صبیح احمد کا وکیل شرمین کو صبیح احمد کی جائیداد کے کاغذات کے بارے میں بتا کر انہیں لے جانے کا بھی کہتا ہے لیکن شرمین فی الوقت معذرت کر لیتی ہے۔ وہ اذان سے صبیح احمد کی وفات کا ذکر نہیں کرتی۔ زینت آپا شرمین کو کھانے پر مدعو کرتی ہیں لیکن شرمین عین وقت پر معذرت کر کے ایک طرف زینت آپا کو مایوس کرتی ہے تو دوسری طرف بوبی کو بھی اشتعال دلاتی ہے۔ بوبی زینت آپا کو دھمکی دیتا ہے کہ واپس ملک سے باہر چلا جائے گا جس پر زینت آپا کوئی توجہ نہیں دیتی ہیں۔ نمی صفدر کو فون کر کے عبدالصمد کے زخمی ہونے کی اطلاع دیتی ہے جس پر صفدر بے تابی سے زیبا کے پاس آتا ہے اور اولاد کی محبت سے مجبور ہو کر اسے سخت سست سنا کر عبدالصمد اور زیبا کو اسپتال لے جاتا ہے اور وہی سے اپنے نئے گھر لے آتا ہے پوتے کو دیکھ کر جہاں آرا بیگم بھی پہلی بار زیبا کو اپنے غصے کا نشانہ بناتی ہیں۔ شرمین آفس سے اذان کو اسکول لینے کے لیے نکلی تو راستے میں گاڑی خراب ہونے کے باعث اس کی ملاقات عارض سے ہو جاتی ہے عارض اسے ساتھ چلنے کو کہتا ہے لیکن وہ معذرت کرتی رکشہ میں سوار ہو جاتی ہے۔ عارض کے دل میں ایک بار پھر شرمین کے لیے محبت کے دیپ جل اٹھتے ہیں وہ شرمین سے مل کر پچھلی تمام باتوں کی وضاحت کے ساتھ معافی بھی مانگنا چاہتا ہے لیکن اب شرمین محبت کی صدا پر کان سختی سے بند کر لیتی ہے۔ عارض کے لائے گئے پھول بھی شرمین قبول نہیں کرتی۔ عارض کے دل میں صبیح احمد سے نہ ملنے کا ملال موجود رہتا ہے۔ صفدر اب زیبا کو عبدالصمد کی وجہ سے برداشت کرتا ہے اور مسلسل اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناتا رہتا ہے۔ جس پر زیبا گھر سے جانے کی بات کرتی ہے مگر صفدر زیبا کو کمرے میں بند کر دیتا ہے۔ سجنا عارض کی محبت میں گرفتار ہو کر اسے فون کرتی ہے۔ جس پر عارض سخت رد عمل کا اظہار کرتا سعید صاحب (منیجر) کو کال کر کے سجنا کو اپارٹمنٹ سے نکالنے کے ساتھ مالی مدد کے لیے بھی کہتا ہے۔ زینت آپا کی خراب طبیعت کے باعث شرمین زینت آپا کے گھر آتی ہے بوبی زینت آپا کی خراب طبیعت کا قصوار شرمین کو ٹھہراتا ہے۔ جس پر شرمین اس کی جھوٹی محبت کی تصویر دکھا کر وہاں سے جانا چاہتی ہے لیکن بوبی اسے بھولی کے برابر کھڑا کرتا ہے شرمین صدمہ کا شکار ہو کر وہاں سے نکل آتی ہے۔ آغا جی عارض کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ سجنا کو بھول کر شرمین سے معافی مانگ لے۔ عارض آغا جی کو سچ بتانے سے فی الحال قاصر رہتا ہے۔ عارض صفدر سے مل کر اسے شرمین سے بات کر کے راہ ہموار کرنے کے لئے کہتا ہے جس پر صفدر عارض کو سمجھا کر شرمین سے بات کرنے کے لئے ہامی بھر لیتا ہے۔ صفدر کے لیے ایک طرف اس کی بیوی کا گناہ گار تو دوسری طرف اس کا محسن دوست جس نے ہر مشکل گھڑی میں اس کا ساتھ دیا تھا اسے بیوی کی ہر بات غلط ماننے پر اکسا رہے تھے مگر صفدر عارض کے ماضی سے ناآشنا بھی نہیں ہے اس الجھن کو سلجھانے میں وہ اپنی نفرت کا نشانہ زیبا کو بناتا ہے۔ زیبا اب اپنا یقین دلاتے تھک چکی ہے وہ صفدر کی زندگی سے نکل جانا چاہتی ہے لیکن اچانک ڈور بیل پر زیبا دروازہ کھولتی ہے اور خراب طبیعت کے پیش نظر مقابل کے سامنے زمین پر گر کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

بے ہوش زیبا کو ہوش دلانے میں عارض صفدر کے ساتھ مصروف تھا اسے صفدر نے گود میں اٹھا کر اپنے بیڈ پر لٹایا۔ عارض نے پانی کا گلاس اس کو دیا پانی کے چھینٹے مارو، صفدر نے ایسا ہی کیا، جہاں آرا بوکھلاہٹ میں اس کے چہرے پر آیتیں پڑھ کر پھونکنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سہلا رہی تھیں۔

"صفدر، بھابی کو اسپتال لے چلتے ہیں یہ تو بالکل زرد ہورہی ہیں۔" عارض کی پیشکش پر صفدر نے غور سے زیبا کا چہرہ دیکھا پھر عارض کی نگاہوں میں کچھ تلاش کرنا چاہا مگر وہاں تو دور دور تک انجان سی معصومیت کے سائے تھے، وہ بالکل نارمل تھا البتہ زیبا کی وجہ سے وہ کچھ فکر مند سا ہوگیا تھا اور کچھ گلٹ محسوس کررہا تھا کہ وہ طبیعت خرابی کے باعث دروازے تک آئی اور پھر بے ہوش ہوگئی۔ اسے باہر گیٹ پر پوچھ لینا چاہیے تھا، وہ تو حال دل سنانے اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے آیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہوگا زیبا نے نیم وا آنکھیں چھت پر مرکوز کیں اور بہت بیزاری کا ثبوت دیا۔

"تھینک گاڈ بھابی کو ہوش آ گیا۔" عارض نے خوش ہوکر کہا تو صفدر نے فوراً زیبا کو دیکھا وہ عارض کی طرف دانستہ متوجہ نہیں ہورہی تھی۔

"ہاں، اللہ کا شکر ہے بیٹا میں تمہارے لیے چائے بنواتی ہوں۔" جہاں آرا نے عارض سے کہا۔

"ارے نہیں خالہ جان آپ بھابی کو جوس وغیرہ بنوا کر دیں میں پھر آ جاؤں گا۔" اس نے زیبا کے آرام کی خاطر کہا۔

"نہیں بیٹھو تم، بلکہ امی چائے کے ساتھ کباب فرائی کرائیں۔" صفدر نے اسے اور امی کو ایک ساتھ کہا دراصل وہ نہیں چاہتا تھا کہ عارض بنا بات کیے جائے کب سے لاوا پک رہا تھا۔ آج اتفاق سے وہ آ گیا تھا تو صفدر کی خواہش تھی کہ زیبا کی موجودگی میں پوچھے...... جانے...... امی تو اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

"نہیں یار، چائے ادھار رہی پھر آ جاؤں گا، میں تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے آ گیا تھا، پھر سہی۔" عارض اٹھ کھڑا ہوا۔

"دل کا بوجھ بڑھ جائے تو آدمی اس کے وزن سے سر تک زمین میں دھنس جاتا ہے۔ بانٹ لو مجھے بھی کچھ شیئر کرنے دو۔" صفدر نے ایک نظر زیبا پر ڈالی اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ مناسب وقت نہیں بھابی کا خیال رکھو۔" عارض بڑے نارمل انداز میں کہہ کر چلا گیا۔ صفدر چاہ کر بھی نہ اسے روک سکا اور نہ پوچھ سکا زیبا کو گھور کر دیکھا اور پھر اس پر ہی برس پڑا۔

"کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرہ ٹل نہیں سکتا، اگر تم پارسا ہو تو کیوں عارض کو دیکھتے ہی بے ہوشی کا ڈرامہ رچالیا۔ بچی تھیں تو اس کا گریبان پکڑتیں دو ہی باتیں ہیں زیبا بیگم یا تو آپ نے جھوٹ کا بھانڈہ پھوٹنے کے خوف سے ڈرامہ کیا یا پھر کوئی اور وجہ تھی مگر عارض گناہ گار نہیں۔"

"میں نے ڈرامہ کیا اور آپ کا دوست پارسا ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں ورنہ کوئی اپنے گناہ گار کو سامنے آنے کے باوجود یوں جانے دیتا ہے۔" وہ بڑی بے رحم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں اس کی وجہ سے بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔" وہ پوری قوت سے چلائی۔

"ہنہہ کیا ایکٹنگ ہے میں تو حیران ہوں کہ فلمی چویشن بنانے کی تم تو چیمپئن ہو۔"

"آپ پوچھ لیتے آپ نے کیوں نہیں پوچھا؟"

"کیوں...... کیوں پوچھتا میں وہ مجھے کسی طرح سے بھی مجرم نہیں لگتا اس کی زبان پر بھابی، بھابی تھا نگاہوں میں احترام تھا کوئی احساس ندامت نہیں تھا ارے مجرم تو تم تھیں جو اسے دیکھ کر خوف سے بے ہوش ہوگئیں۔"

"بس کریں صفدر پلیز۔" وہ رودی۔

"آنسو بہانے کی ضرورت نہیں، تم سچی ہو تو پوچھو گی میرے سامنے۔"

"رہنے دیں۔" آپ کو پھر بھی دوست ہی پیارا ہوگا میں تو ویسے ہی بہت بری ہوں آپ کی نظروں میں دکھ یہ ہے کہ آپ مجھے نہ آزاد کرتے ہیں اور نہ جینے دیتے ہیں۔"

''اور کیسے جیتے ہیں؟ زندگی تو میری موت سے بدتر ہے۔'' وہ غصے سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔

''یاالٰہی، میرا قصور معاف کردے میری خطا کو درگزر فرمادے صفدر کے دل میں رحم ڈال دے آمین۔'' دعا سسکیوں کے ساتھ کمرے میں سنائی دی۔ جہاں آرا کا دل دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے کانپ اٹھا۔ انہیں آخری جملہ صاف سنائی دیا تھا۔ صفدر کے حوالے سے وہ نادم سی ہو کر واپس پلٹ گئیں۔ زیبا کو آنسو دینے والا صفدر اتنا بے رحم ہے کہ وہ رحم مانگ رہی تھی۔ وہ بہت دکھی اور شرمسار ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

❁......◉◉......❁

وہ آفس نہیں گئی تو بوبی گھر پہنچ گیا۔

وہ ملازمہ سے اپنے کمرے کی صفائی کرا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اذان کے دھلے ہوئے کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی پکانا اور اذان کو پک بھی کرنا تھا اور اس سے بھی بڑا مرحلہ جو ذہن میں چٹکیاں بھر رہا تھا وہ نئی ملازمت تلاش کرنا تھا بوبی کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

''بوبی آپ کو یہاں آنے کی اجازت نہیں۔''

''شرمین، پلیز میری بات سن لو۔'' وہ ہکلایا۔

''میرے پاس وقت ہے نہ ضرورت کہ میں آپ کو سنوں۔'' وہ کام میں مصروف رہی۔

''تم بتاتی کیوں نہیں کہ یہ بچہ کس کا ہے؟''

''یہ بچہ نہیں میرا بیٹا ہے اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی آج پھر یہ سوال کرنے کی۔''

''کیونکہ میں جاننا چاہتا ہوں، پھر سوچ سکتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں، تمہیں کچھ بھی بتانے کی میں پابند نہیں۔''

''دیکھو، میں نے غلط کہہ دیا مگر میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ بڑی روانی میں کہہ گیا وہ ایک لمحہ اسے دیکھتی رہی اور پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں اتنی چغد، دل پھینک اور احمق ہوں کہ تمہاری فضول باتوں کا اثر لوں گی۔''

''پلیز۔''

''پلیز، جاؤ یہاں سے۔''

''میں شرمندہ ہوں۔''

''مت کوئی بات کرو، جاؤ۔''

''شرمین میں محبت کرتا ہوں، بس۔''

''ہنہہ محبت۔'' وہ ہنسی۔

''بلیومی۔''

''جانتے ہو عورت کو محبت سے زیادہ عزت کی ضرورت ہوتی ہے محبت کا اظہار تو کسی خاص لمحے میں ہوتا ہے جبکہ عزت تو ہر لمحہ درکار ہوتی ہے۔ مجھے تمہاری کسی بات پر اب یقین نہیں آسکتا۔'' وہ دوٹوک لہجے میں کہہ کر وارڈ روب بند کر کے کچن کی طرف چل دی وہ بھی ڈھیٹ بن کر پیچھے آگیا۔

''اس بچے کی وجہ سے ایسا کر رہی ہو نا۔''

''ہاں۔''

''بتاتی کیوں نہیں۔''

''پلیز جاؤ، مجھے کھانا پکانا ہے۔''

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ جاؤ، پھر نہ آنا۔"

"اور آفس۔"

"میں نے آفس بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"پاگل ہوگئی ہو، پلیز آفس نہ چھوڑو میری منت ہے۔"

"فی الحال جاؤ میں نے زینت آپا کے کہنے پر شروع کیا تھا ان سے ہی واسطہ ہے۔" وہ پیاز چھیل کر آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ وہ چند لمحے رکا رہا پھر چلا گیا۔ اسے افسوس ہوا کیونکہ وہ ایسی نہیں تھی، زینت آپا کے احسانات یاد تھے اسے مگر بوبی کی ناسمجھی نے حالات کس نہج پر لاکر کھڑے کردیے تھے کہ اب وہ سب بھولنا چاہتی تھی۔ حالات کی خرابی میں اگر ستر فیصد بوبی کا ہاتھ تھا، تو تیس فیصد مرحوم صبیح احمد کا بھی تھا جو اذان کی صورت اسے نہ حل ہونے والا سوالنامہ دے گئے تھے۔ ایسی بڑی ذمہ داری جسے نبھانے کے لیے اسے تنہا رہنا تھا۔ کوئی اس کا پرسان حال نہیں بن سکتا تھا۔ زندگی بند گلی میں ہراساں تھی۔ نہ خوف ختم ہورہا تھا نہ سکون میسر تھا نجانے آنکھوں کے گوشے کہاں سے آئے پانی کو بہانے لگے۔

"خیر، یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے بڑا اجر رکھا ہے۔ اس میں کہ بن مانگے ملنے والی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو، بے شک یہ شکر کی عادت ہی ہے جو تم پر پڑنے والی مصیبتوں کا راستہ روکتی ہے۔ بے شک اللہ تو مہربان ہے میں تیری شکر گزار ہی رہنا چاہتی ہوں تو نے مجھ پر خوشی کا نیا در کھولا ہے۔ اذان بھیجا ہے، میں بند دروازے کے سامنے کیوں روؤں، جبکہ تیرا کرم ہے۔" اس نے اچھی طرح دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں اور پھر قوی اعصاب کے ساتھ کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی۔

❁ ......❂❂...... ❁

حاجرہ بیگم نے نماز عصر ادا کی ہی تھی کہ ننھی چائے کے دو کپ لیے ان کے پاس آگئی حاجرہ بیگم نے بھانپ لیا کہ وہ یقیناً زیبا کی ہی کوئی بات کرنے آئی ہے۔

"بیٹا اسے سمجھاؤ کہ لڑکی جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتی ہے تو اس کے مقام میں، اس کی ذمہ داری میں اور اس کے فرائض میں تبدیلی آجاتی ہے۔ وہ اب ایک ماں، بہو اور بیوی بھی ہے یہاں سے عورت کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے وہ عورت کی ذمہ داریوں سے بھاگ نہیں سکتی۔" وہ بولتے بولتے رکیں ننھی نے چائے کی چسکی لی اور کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، زیبا کو میں بھی یہی سمجھاتی ہوں مگر اب وہ فون پر بضد ہے کہ اسے لینے جاؤں۔“
”ہرگز نہیں بالکل اس کی ضد پر غور نہیں کرنا۔“ انہوں نے سختی سے کہا۔
”لیکن وہ ڈسٹرب ہے۔“
”بلاوجہ ہے اتنی چھوٹی سی فیملی ہے چاہنے والی ساس ہے۔“
”اسے صفدر بھائی سے مسئلہ ہے صفدر بھائی بھی تو اس کو پریشان کرتے ہیں۔“ اس نے دبے دبے لہجے میں بتایا۔
”کرتا ہے مرد کرتے ہیں عورت تبدیل کرتی ہے، اسے پیار نہ کرتا تو عبدالصمد کی اتنی فکر کر کے دوڑا نہ آتا۔“
”بس ان کو بھی کچھ پرابلم رہتا ہے زیبا کو انہیں بھی سمجھنا چاہیے۔“ نمی کو زیبا کی صفائی میں ہولے سے منہ کھولنا پڑا۔
”کچھ بھی ہے اسے کھونٹ کے رہے گھر بدلا ہے اسے سجائے سنوارے۔“
”میں ملنے تو چلی جاؤں نا۔“
”کل جانا، رہنے دو رات وہیں۔“
”چلیں ٹھیک ہے۔“
”بیٹا مجھے تم سے بھی کچھ کہنا ہے۔“
”جی خالہ حکم کریں۔“
”بیٹا زندگی کا سفر نئے سرے سے شروع کرو یوں خود کو تباہ نہ کرو۔“
”خالہ بس اب مرد ذات پر اعتبار کرنا ہی نہیں چاہتی، آپ نے ماں کی کمی پوری کردی، زیبا بہن سے بڑھ کر ہے اور کچھ نہیں چاہیے۔“ اس نے خالی کپ ٹرے میں رکھا۔
”پیاری بیٹی، زیبا اپنے گھر کی ہے میری زندگی چراغ سحری ہے۔ تمہیں سہارے کی ضرورت ہے یہ وقت قیمتی ہے ابھی وقت ہے تمہارے پاس میں کسی سے بات کروں کیا؟“
”خالہ میں اس کے لیے تیار ہی نہیں ہوں۔“
”ذہن بناؤ میں فکر مند ہوں۔“
”ٹھیک ہے خالہ سوچوں گی اب یہ بتائیں رات کے کھانے کے لیے کیا پکاؤں۔“
”کچھ بھی پکالو جو آسانی سے پک جائے۔“
”ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔“
”زیبا کا فون اٹینڈ ہی نہ کرنا۔“ انہوں نے پھر یاد دلایا اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور آگے بڑھ گئی حاجرہ بیگم ماں تھیں انہیں رات دن بس زیبا کی فکر ہی کھائے جارہی تھی۔ کسی صورت اس کا گھر ٹوٹتے برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

❀......❀❀......❀

زیبا کی طبیعت بحال تھی۔ ایک چولہے پر دودھ ابالنے کے لیے رکھا اور دوسرے پر ہنڈیا چڑھائی مگر ذہن میں بھی ہنڈیا پک رہی تھی کہ سب کیا ہے؟ کیا عارض اس طرح اداکاری کرسکتا ہے؟ اس نے ذرا بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ میرا مجرم ہے وہ جان بوجھ کر انجان اور معصوم فرشتہ بنا رہا، صفدر مجھے ہی کو قصاب کی نظر سے دیکھتے رہے اس طرح تو صفدر سچے اور حق بجانب ثابت ہوگئے مجھ پر نہ انہیں پہلے بھروسہ تھا اور نہ اب ہوگا۔ یاخدا میں کیا کروں، کیا مجھے ہی عارض کا مکروہ چہرہ بے نقاب کرنا ہوگا؟ صفدر کو یقین دلانے کے لیے خود یہ قدم اٹھانا ہوگا، اگر پھر بھی عارض مکر گیا تو میں کیا بگاڑلوں گی، میرے پاس تو کوئی ثبوت ہی نہیں، میرا تو اپنا شوہر میری بات کا اعتبار نہیں کرتا، میں کیا کروں؟“ وہ بظاہر ٹماٹر کاٹ رہی تھی مگر دوسری طرف دودھ ابل کر دیگچی سے باہر آ گیا تھا پریشر ککر زوروشور سے سیٹی بجا رہا تھا ایسے میں صفدر کچن کے سامنے سے گزرتے ہوئے رکا اور اندر آ گیا۔
”جب یادوں سے باہر نکلا کرو تو کچن میں آیا کرو۔“ اس نے تیر چلایا۔ وہ چونکی اور چولہے بند کر کے جلدی جلدی ڈسٹر سے چولہا صاف کرنے لگی۔

”اب کوئی نیا راستہ تلاش کروا پنی صفائی میں۔“
”اس کی ضرورت نہیں، بس نہ مجرم سے کچھ پوچھنا ہے اور نہ اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہے۔“
”تو پھر۔“
”بس آپ مجھے آزاد کردیں مجھے جانا ہے۔“ اس نے ٹماٹر کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ تو اس نے یک دم اس کی کلائی کو مضبوطی سے پکڑ کر کچن سے باہر گھسیٹا ٹماٹر کی پلیٹ فرش پر گر کے چکنا چور ہوگئی۔
”تو جاؤ، نکلو یہاں سے جانے میں دیر کیسی؟“ اس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے منہ سے کف اڑ رہا تھا وہ چڑیا کی طرح خوف زدہ سی لرزنے لگی۔
”چھوڑیں پلیز صفدر چھوڑیں مجھے۔“ وہ چلا رہی تھی مگر وہ ایک نہیں سن رہا تھا۔
”جانا ہے تو جاؤ شوق پورا کرو ابھی اسی وقت جاؤ۔“ اس نے کمرے میں دھکا دیا خود اس کا بیگ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا وہ ہراساں سی رو رہی تھی۔ جہاں آراان کا شور سن کر کمرے میں آ گئیں۔
”یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟“
”امی...... یہ...... یہ آپ کی چہیتی بہو جانا چاہتی ہے تو جائے ابھی جائے۔“ وہ بہت جذباتی ہو کر بولتا چلا گیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا جہاں آرا متعجب سی ہو کر آنسو بہاتی زیبا کو دیکھنے لگیں۔
”امی وہ میں نے ابھی جانے کا نہیں کہا۔“ اس نے وضاحت کرنی چاہی۔
”کیوں، کیوں آخر تم یہاں سے بھاگنا چاہتی ہو، یہاں اپنے گھر سے آخر جانا ہی کیوں چاہتی ہوں مسئلہ کیا ہے تمہارا؟“ جہاں آرا کو بھی غصے میں پوچھنا پڑا۔
”امی میں نے ان کے طنزیہ جملے پر کہا تھا اور وہ خود یہی چاہتے ہیں۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔
”بس کرو، بہو، پہلے میں صفدر کو ہی غلط سمجھتی تھی مگر تمہارا دل یہاں نہیں لگتا۔“ جہاں آرا سنا کر باہر چلی گئیں تو وہ اس ذلت پر، اس تضحیک پر بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی، صفدر نے کس بری طرح اس کی کلائی پر ہاتھ کا دباؤ دیا تھا کہ سرخ نشان پڑ گیا تھا۔ اپنی بے بسی پر، اپنی اس ذلت پر صرف رو ہی سکتی تھی۔ صفدر کی چالاکی ہی تو تھی کہ اس نے اس کے ایک جملے پر اتنا شدید ردعمل ظاہر کیا، کیوں آخر کیوں؟ کاش وہ پوچھ سکتی۔

❁ ...... ❁❁ ...... ❁

ایک سڑک سے دوسری اور دوسری سے تیسری یوں بے دھیانی میں سڑکوں سڑک گاڑی چلاتے ہوئے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا، غم و غصے نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی منجمد کر دی تھی۔ جتنا غصہ زیبا پر نکالا تھا اس سے کئی گنا اس کے اندر ٹکریں مار رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟ ایسا کیا کہہ دیا تھا اس نے کہ وہ سننا نہیں چاہتا تھا یا شاید اس کے دل میں کوئی جھری بن گئی تھی کوئی ایسی باریک سی دراڑ بن گئی تھی جو اسے ابھی دکھائی تو نہیں دے رہی تھی البتہ اس کا ہلکا سا شائبہ ضرور اسے آج محسوس ہوا تھا جبکہ اس کے عارض پر لگائے گئے الزام سے ہی وہ دلی طور پر رنجیدہ تھا۔ مضطرب تھا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا دل عارض کے لیے آئینے کی مانند صاف شفاف تھا۔ زیبا کی بات پر نہ یقین تھا اور نہ بھروسہ پھر ایسے ناقابل اعتبار رشتے کی کیا حیثیت تھی۔ دونوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا جس کے تحت زیبا جانا چاہتی تھی تو اس میں حرج ہی کیا تھا؟
”صفدر تم خود بھی تو یہی چاہتے ہو اسے اپنی زندگی سے دھتکارنا، نکالنا اس کی کوئی حیثیت اور اہمیت ہی کیا جو حسن سلوک اس کے ساتھ روا رکھتے ہو اس کے بعد وہ کیا کہتی، شاید یہی تقاضہ کرتی لیکن اس تقاضے کے پیچھے کیا ہے؟ عارض کی طرف سے ملنے والا نارمل رویہ شاید ایسا ہی ہے زیبا کی یہ شکست ہے اسی لیے وہ بھاگنا چاہتی ہے۔“ کبھی کبھی انسان اپنے اندازوں کے ساتھ اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ اکثر اس کے اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں یہ اس کے ذہن کی سوچ تھی زیبا تو خود اس کی طرح اندازے لگانے میں مصروف تھی۔
”کچھ بھی ہے صفدر زیبا کا جانا یقینی ہے اب تم چاہ کر بھی اسے روک نہیں سکتے کیا تم اسے روکنا چاہتے ہو؟“ اس نے آنکھیں

موند کر گاڑی کی پشت سے سر ٹکا کر کچھ دیر خود سے سوال کیا اور پھر ایک طویل سرد آہ کے سوا کوئی جواب اندر سے نہ آیا تھک کر گاڑی واپسی کے لیے موڑی اور شدید سر درد کے ساتھ جب لوٹا تو وہ صوفے پر پیر سمیٹے سو رہی تھی عبدالصمد تو دادی کے پاس ہی تھا اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ جس کی کلائی ابھی تک سرخ تھی وہ ماتھے پر رکھا تھا تکیے سے سلوٹ زدہ لباس میں الجھے الجھے بالوں کے ساتھ اس کے برتاؤ کی کہانی سنا رہی تھی۔ اس نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور واش روم کی لائٹ آن کر کے اندر چلا گیا اسی اثنا میں اس نے اپنا آنچل سر سے پاؤں تک تان لیا۔ وہ باہر نکلا تو پھر ضبط نہ کر سکا۔

"منہ چھپانا تھا تو اس وقت چھپاتیں جب کالک لگی تھی۔" وہ سن کر ہولہ ہوگئی۔

"تمہیں تو جانا تھا گئیں کیوں نہیں؟" اس نے پھر نشتر زنی کی تو وہ بولنے پر مجبور ہوگئی۔

"جی تو چاہتا ہے کہ دنیا سے ہی چلی جاؤں۔"

"مجھے قبر میں اتارنے سے پہلے یہ فیصلہ کیا ہوتا؟" وہ اس کے قریب کھڑے ہو کر بولا تو وہ اٹھ بیٹھی۔

"اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔" غیر ارادی طور پر وہ کہہ بیٹھی تو وہ جذباتی ہوگیا۔

"اتنی خیر خواہ میری جانتی ہو تم نے کیا دیا ہے مجھے ایسی پیاس جو ہر رات مجھے بے قرار کرتی ہے جان لیوا کہرام جو مجھے بے چین رکھتا ہے جانتی ہو قربت کی پیاس کیا ہوتی ہے لیکن تم کیا جانو، تم نے تو مجھ سے کسی جنم کا بدلہ لیا ہے۔" وہ اسے سرتاپیر سلگتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ندامت سے نظریں چرا گئی کچھ نہ بولی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر بولنے لگا۔

"شادی یہ ہوتی ہے کاش مجھے اندازہ ہوتا مگر اندازہ ہوتا ہی کیسے تم نے اس رشتے کی بنیاد رکھی ہی دھوکے پر تھی دھوکے نے میری پیاس کو نفرت میں بدل دیا جانے کیسے ایک لمحے کی غفلت میں عبدالصمد آ گیا۔"

"تو آپ کو بہت پچھتاوا ہے۔"

"پچھتاوے کی فہرست لمبی ہے مجھے تم نے اور دیا ہی کیا ہے؟"

"مانتی ہوں اسی لیے تو آپ کی زندگی سے جانا چاہتی ہوں۔"

"ہنہہ میرے دوست کے سر الزام دھر کے مجھے ایک نیا پچھتاوا دے کر کہ میں اپنا عزیز دوست کھو کر عمر بھر خود سے نظر بھی نہ ملا سکوں۔" اس نے طنز کیا۔

"الزام نہیں ہے۔"

"تو کیوں نہیں اس کا سامنا کر کے کہا۔ وہ یہاں بیٹھا رہا اور تم بے ہوش بنی رہیں۔"

"حیرت تو یہی ہے کہ وہ کتنا چالاک مجرم ہے۔"

"بہرکیف میرے دوست پر الزام تراشی کرنا چھوڑ دو۔"

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں اپنی بے گناہی کا داغ مٹانا چاہتی ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا اور پھر کچھ دیر بعد چلایا۔

"ملو، ضرور ملو، بس جھوٹ ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔"

❋......❋❋......❋

اذان کو اسکول چھوڑ کر وہ گھر آئی تھی۔ مگر پورچ میں زینت آپا کی گاڑی دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس کا پورشن لاک تھا زینت آپا چھوٹے سے لان میں پڑی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ شیر دل بابا ان کے ساتھ تھے۔

"آپا آپ نے کیوں زحمت کی، طبیعت کیسی ہے آپ کی؟" وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"طبیعت کی فکر بیٹی کو نہیں سو ناراض بیٹی کو منانے آنا پڑا۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر شکوہ کیا۔

"شرمین بیٹا، بیگم صاحبہ کو آپ کی ضرورت ہے خدارا ان کا خیال کریں۔" شیر دل بابا نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بابا آپ ڈرائیور کے پاس جائیں میں آتی ہوں۔" زینت بیگم نے انہیں دانستہ باہر جانے کا کہا۔

"آئیں اندر بیٹھتے ہیں آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوگا۔" اس نے سہارا دے کر اٹھایا اور پھر انہیں لیے کمرے کی طرف لاک

کھولا آرام سے بٹھایا۔ کمرے میں اذان کی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں زینت بیگم دیکھ کر بڑی اپنائیت سے بولیں۔
"اتنا حوصلہ، اتنا صبر اور اتنی محبت کہاں سے لائی ہو، اذان کو جو محبت اس کی اپنی ماں بھی نہ دے سکی وہ تم دے رہی ہو، حوصلہ تو دیکھو کہ صبیح احمد کا دیا ہر دکھ بھول گئی۔"
"آپا اللہ مہربان ہوتا ہے نا وہ نارسائی کے دکھ محبت کے پھائے رکھ کر بھلا دینے کے وسیلے بنا تا ہے۔ اب صبیح احمد کہیں نہیں ہیں اذان اپنا وجود اور اپنا احساس رکھتا ہے اس کی ذات میں، میں اپنی نامکمل ہستی کو بھول گئی ہوں۔" وہ اذان کے کپڑے کتابیں سمیٹتے ہوئے بولی۔
"بچے تو معصوم ہوتے ہیں پیار چھین لیتے ہیں۔"
"آپا مجھ سے زیادہ تو مظلوم اذان ہے، جو زندہ ماں کو مردہ اور مردہ باپ کو زندہ سمجھتا ہے۔"
"ہمنہہ، لیکن شرمین، زندگی اس کے علاوہ بھی ہے۔"
"آپا اب کچھ بھی نہیں، عارض کا باب اس نے خود بند کیا، بوبی کی کتاب میں بند کر کے آئی تھی۔"
"میں ان دونوں کی بات نہیں کر رہی، صرف تمہاری کر رہی ہوں زندگی ایسے بسر نہیں ہوتی۔"
"اب بسر کرنے کا جواز ہے میرے پاس محبت کی اب ایک ہی صورت سچی نظر آ گئی ہے مجھے، باقی تو سب محبت کا چہرہ مسخ کرتے آئے ہیں۔"
"مگر اذان کو باشعور ہونے پر یہ جھوٹ پسند نہیں آئے گا۔"
"آپا محبت کی شدت چیزوں کا حلیہ بدل دیتی ہے، اذان کو اتنی محبت دوں گی کہ اسے نفرت یاد ہی نہیں آئے گی۔" وہ وثوق سے بولی۔
"لیکن اپنی زندگی، اپنا قیمتی وقت۔" انہوں نے پوچھا۔
"میں آپ کے لیے چائے اور ناشتہ بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے ان کی بات ٹالی۔
"ضرورت نہیں، میں تم سے منت کرنے آئی ہوں۔"
"آپا، پلیز شرمندہ نہ کریں۔"
"آفس چلو او آفس چھوڑنے کی اجازت نہیں تمہیں۔"
"آپا میں بوبی سے الجھنا نہیں چاہتی آپ کو اس کا اندازہ ہے۔"
"وہ کینیڈا جانے کا پروگرام بنا چکا ہے۔"
"یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔"
"پھر تم آفس دیکھو پلیز۔"
"اور آپ۔"
"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ چپ ہو گئی۔

❁......❁❁......❁

وہ ناشتے کے لیے میز پر پہنچا تو آغا جی نے کوئی نوٹس نہ لیا وہ اپنی سوچ میں گم تھے۔ غیر معمولی سنجیدگی اور پریشانی محسوس کر کے عارض نے پوچھا۔
"بابا، خیر تو ہے۔"
"ہر مرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دے سکتا ہے، میں نے بھی بیوی کے جانے پر یہی غرور کیا تھا لیکن غرور کا سر تو نیچا ہوتا ہے۔" انہوں نے چائے کی پیالی کے کناروں پر دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ٹھٹکا اور سمجھ گیا کہ یقیناً اس سے وابستہ کوئی بات ہے۔
"کیا ہوا؟"

''باپ کبھی ماں نہیں بن سکتا، محبت، لاڈ، روپیہ پیسہ اور عیش آرام دے کر صرف اپنے آپ کو تسکین دیتا ہے۔ ماں کی محبت بھری تنقید ممتا بھری غصیلی نگاہیں اور طمانچہ نہیں دے سکتا۔''

''بابا، بات کیا ہے؟''

''کچھ نہیں، کف افسوس مل رہا ہوں۔''

''سمجھائیں تو۔''

''میں رات کی فلائٹ سے نیویارک جا رہا ہوں۔'' انہوں نے غیر متوقع بم دھماکہ کیا تو وہ سمجھ گیا کہ یقیناً سنجنا کے حوالے سے کچھ ہوا ہے۔

''بابا کیا بات ہے۔''

''وہی بات ہے جس کا ڈر تھا۔'' وہ غصے سے کہہ کر اٹھے اور وہاں سے چلے گئے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ جلدی سے موبائل فون قمیص کی جیب سے نکالا اور معید صاحب کا نمبر ملایا مگر فون پر معذرتی ٹیپ چل رہا تھا کہ عارضی طور پر بند ہے۔ وہ پریشان سا بنا ناشتہ کیے اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا ذہن الجھ گیا۔ اصل مسئلہ کیا تھا، یہ جاننا ضروری تھا آغا جی تو سخت برہم تھے ان سے اس وقت بات کرنا فضول تھا ویسے بھی وہ فیکٹری جا چکے تھے پھر معید صاحب کا فون ملانے کی کوشش کی مگر بے سود، پھر ذہن میں آیا کہ بابا سے ہی پوچھا جائے فون پر بات نہیں ہو سکتی تھی اس لیے جلدی سے تیار ہونے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔ باہر آیا تو صفدر کمرے میں موجود تھا۔

''اوہ تھینک گاڈ، اس وقت مجھے تمہاری بہت ضرورت تھی۔'' عارض اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

''خیریت۔''

''میں بہت پریشان ہوں۔'' وہ تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

''میں بھی بہت پریشان اور فکر مند ہوں۔'' صفدر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں؟''

''کچھ کھونے کے ڈر سے۔'' صفدر نے کہا۔

''ایسا ہی ڈر مجھے لگ رہا ہے بابا بہت خفا ہیں مجھ سے۔'' عارض نے کہا تو وہ جلدی سے بولا۔

''خیریت۔''

''بتاتا ہوں بس میری بے وقوفی کی وجہ سے۔''

''تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔'' صفدر نے سنجیدگی سے کہا تو عارض نے بھولپن سے اثبات میں گردن ہلا کر تائید کی۔

''خیر کیا مسئلہ ہے؟'' صفدر نے پہلے اس سے پوچھا۔

''وہ بس میرا اندازہ ہے کہ سنجنا نے کچھ گڑبڑ کی ہے بابا نیویارک جا رہے ہیں اتنا اچانک کہ......!'' وہ بتا تا رہا مگر اسی وقت اس کا سیل فون بج اٹھا۔

''جی بولیں سہیل صاحب۔'' اس نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''کیسے اب بتا رہے ہیں، کہاں ہیں، میں اسپتال آ رہا ہوں۔'' اس نے ٹکڑوں کی صورت ایک جملہ مکمل کیا اور سخت پریشانی میں بولا۔

''صفدر بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے انہیں اسپتال لے گئے ہیں۔''

''اوہ، چلو آؤ۔'' صفدر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، بابا میری وجہ سے ٹینس تھے۔'' اس کا گلہ رندھ گیا۔

''اوہ، ایسا نہیں ہو گا اللہ خیر کرے گا، چلو ہمت کرو۔'' صفدر نے اسے گلے لگا کر تھپکی دی۔

دونوں تیزی سے باہر نکلے چوکیدار نے گیٹ کھولا اور صفدر نے تیزی سے گاڑی نکالی۔ عارض کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ بہت پریشان لگ رہا تھا صفدر نے اس کو دیکھا اور پھر اسے تسلی دی۔

"اللہ خیر رکھے گا ان شاء اللہ۔"

"میں نے، میں نے بابا کو صدمہ پہنچایا ہے۔" وہ روتے ہوئے بولا۔

"چلو بابا ہیں تمہارے، معافی مانگ لینا۔"

"گاڑی تیز چلاؤ یار۔" اس نے بے چینی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ تو صفدر نے اسپیڈ میں کچھ اضافہ کردیا وہ آغا جی کے لیے دل ہی دل میں دعا کررہا تھا جانتا تھا کہ عارض کی کل کائنات وہی ہیں اور ان کی زندگی صرف اس میں ہے۔ وہ چاہنے والے شفیق باپ ہیں عارض کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ سوچتے ہوئے اسپتال کی پارکنگ میں گاڑی پارک کی تھی۔

❀......❀❀......❀

آغا جی کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ انہیں سی سی یو میں رکھا گیا تھا کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اڑتالیس گھنٹے انتہائی اہم تھے ان کی صحت یابی کے لیے عارض تو جیسے پتھر کی مورت بن گیا تھا۔ صفدر نے اسے سنبھال رکھا تھا۔ بار بار وہ سسک اٹھتا، اپنے آپ کو کوسنے لگتا۔

"سب میری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ رو دیا تو صفدر نے اسے بہت نرمی سے کہا۔

"خود کو الزام نہ دو دکھ بیماری اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔"

"نہیں بابا بہت خاموش اور غصے میں تھے وہ اچانک سے نیویارک کیوں جارہے تھے یہ میری وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

"وجہ کیا ہوگی تم کیا سمجھتے ہو؟" اسپتال کے کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اس لیے بڑی مدہم آواز میں صفدر نے پوچھا۔

"نہیں معلوم، بٹ سمتھنگ رانگ۔"

"اس لڑکی کا مسئلہ۔"

"شاید کیونکہ باقی تو سب وائنڈ اپ ہی ہوگیا ہے۔"

"پھر اسے کیوں لٹکا رکھا ہے۔"

"وہ خود لٹکی ہوئی ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"یار پھر کیا ہے؟"

"لیکن بابا کا غصہ بے وجہ نہیں ہے، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"منیجر صاحب کو فون کرو۔"

"فون بند ہے۔"

"اس لڑکی کو فون کرو۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"پھر انکل کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرو، مگر کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔"

"صفدر میں سچ میں بہت برا ہوں، سب ہی ناخوش ہیں۔" وہ رنجیدہ سا بولا۔

"کچھ برائیاں انسان عادتاً کرتے ہیں، تم برے نہیں ہو، مگر انجانے میں شاید کچھ برا کر بیٹھتے ہو۔"

"میں بابا کی تکلیف کا باعث بنا۔"

"باپ بیٹے میں یہ سب چلتا ہے لیکن تم نے اور کسی کو تکلیف دی ہے تو وہ شیئر کرلو ذہن ہلکا ہوجائے گا۔" صفدر نے دانستہ ایسا موضوع چھیڑا۔

"ہاں شرمین، شرمین کو شاید میں نے رنج پہنچایا ہے۔"

"شاید۔" صفدر نے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں کیونکہ میں نے اس کی خوشی کی خاطر ایسا کیا۔"
"تو ٹھیک ہے پھر کس بات کا غم ہے۔"
"بابا کی خواہش ہے۔"
"اور تمہاری۔"
"میں تو یہ حق کھو چکا ہوں۔"
"عارض کوئی اور بھی ایسی حسینہ تھی جو تم پر اپنا سب نچھاور کر گئی ہو۔" ایک دم ہی صفدر نے دل کی پھانس نکالی۔
"نہیں، میں نے بے شمار لڑکیوں سے فلرٹ کیا، مگر تکلیف صرف شرمین کو دی وہ بھی محبت میں۔"
"آپ کے پیشنٹس کو ذرا سا ہوش آیا ہے آنکھوں سے وہ اشارہ سا دے رہے ہیں۔" نرس نے آ کر انہیں اطلاع دی تو وہ لمحہ بھی ضائع کیے بغیر بے تابی سی آئی سی یو کی طرف بھاگے۔ مگر دونوں میں سے صرف عارض کو اندر جانے کی اجازت ملی، صفدر نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور تسلی دے کر بھیجا، خود باہر ہی رک کر اللہ سے دعا کرنے لگا۔
مگر چند منٹ بعد ہی عارض بھیگی پلکوں کے ساتھ باہر آ گیا کہ انہوں نے دوبارہ آنکھیں نہیں کھولیں تاہم ڈاکٹرز نے دعا کرنے کو کہا ہے۔
"چلو کوئی بات نہیں ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔" صفدر نے دلاسہ دیا اور دونوں بنچ پر ٹک گئے۔

❁ .... ❁ ❁ .... ❁

وہ عارض سے آدھے گھنٹے کی اجازت لے کر صرف چینج کرنے کے لیے گھر آیا پینٹ شرٹس میں مسلسل دو دن گزر گئے تھے، بہت ان ایزی محسوس کر رہا تھا مناسب تھا کہ شلوار قمیص پہن آئے سو گھر پہنچا تو حسب معمول امی کو روتا دھوتا دیکھ کر سمجھ گیا کہ زیبا چلی گئی ہو گی مگر عبدالصمد کو بھی ساتھ لے گئی یہ بات اسے پسند نہ آئی دل شاید اب عبدالصمد کی طرف کھنچا تھا غصہ آ گیا۔
"اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ عبدالصمد کو لے گئی۔"
"عبدالصمد صرف اس کا بیٹا ہے تمہارا نہیں۔" جہاں آرا نے طنزیہ کہا تو وہ کچھ جز بز سا ہوا۔
"یہ کس نے کہا؟" اس نے ہکلا کر پوچھا۔
"مجھے کیا معلوم تھا کہ زندگی کی شام اسی الجھن میں گزرے گی بیٹا یہ سکھ دے گا۔" وہ تاسف سے بولیں۔
"میں نے کیا کیا ہے؟"
"ارے اور کیا کرو گے، ایک بیوی کو ٹھیک سے نہ رکھ سکے۔"
"امی میں تھک گیا ہوں، روز کی بک بک سے لے گئی ہے تو لے جائے۔" وہ سخت جھنجلا کر بولا۔
"مجھے عبدالصمد یہاں چاہیے وہ جو چاہتی ہے ویسا کرو، مگر میرا پوتا مجھے لا کر دو۔" انہوں نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔
"امی، فی الحال میں سخت پریشان ہوں آپ کو پتا ہے نا کہ دو دن کے بعد اسپتال سے گھر آیا ہوں صرف کپڑے تبدیل کرنے۔" اس نے تفصیل سے کہا۔
"اب کیسے ہیں عارض کے والد صاحب۔"
"ابھی خطرے میں ہیں دعا کریں۔"
"تم نہا دھو کر تازہ دم ہو جاؤ میں چائے بناتی ہوں۔"
"جی بنا دیں اور ہاں اب آپ زیبا اور عبدالصمد کو بھول جائیں۔" اس نے رک کر کہا۔ تو وہ صدمے سے بولیں۔
"ارے توبہ، اللہ نہ کرے۔"
"امی، میں پہلی فرصت میں زیبا کو اس کی مرضی کے مطابق چھوڑ دوں گا۔" اس نے انتہائی سنجیدگی اختیار کی۔
"ہوش میں تو ہو۔"
"اس کی یہی مرضی ہے۔"

”خبردار جو جلد بازی کی۔“ وہ دھاڑیں۔
”بس ذرا اسپتال سے آغا جی گھر چلے جائیں تو اسے آزادی کا پروانہ بھیج دوں گا۔“
”مجھے عبدالصمد چاہیے۔“ وہ رونے لگیں۔
”وہ چھوٹا ہے ماں سے نہیں لے سکتے۔“ وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ تو جہاں آرا بیگم زاروقطار رونے لگیں روتے ہوئے اس کے پیچھے آئیں۔
”تم اس سے بات کرو، جاؤ۔“
”نہیں اب زیبا خود بھی بلائے گی تو بھی نہیں جاؤں گا، ختم سب رابطے رشتے ختم۔“ اس نے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے کہا۔
”ارے کیسے ختم؟“
”امی پلیز آپ کی وجہ سے میں نے اسے کئی دن برداشت کرلیا اب تو بس ایک آخری سوئی رہ گئی ہے اس کے بعد دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔“ وہ یہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا اور جہاں آرا بےبسی سے آنسو بہاتی ہوئی باہر آگئیں انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ صفدر کو سمجھانا اب فضول ہوگا۔

❀......❀❀......❀

اسے زینت آپا نے فون پر بتایا کہ بوبی کینیڈا چلا گیا ہے۔ اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ اتنے عرصے میں وہ بوبی کے مزاج اور طور اطوار سے واقف ہوگئی تھی۔ اسے نہ صدمہ ہوا اور نہ خوشی البتہ زینت آپا کی افسردگی کی خاطر اسے تسلی آمیز کلمات کہنے پڑے۔
”آپا وہ لاابالی ہے آپ پریشان نہ ہوں، جلد آجائے گا۔“
”نہیں پہلے تو وہ تمہاری وجہ سے آیا تھا اب تو تم بھی......“ انہوں نے تاسف سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
”چھوڑیں آپا میں کہیں بھی نہیں تھی، سب جذباتیت تھی آپ ہمت سے کام لیں۔“
”شرمین اذان کو لے کر میرے پاس آجاؤ۔“
”نہیں آپا آپ میرے پاس آنا چاہیں سو بسم اللہ مگر اب میں اپنی جگہ پر خوش ہوں۔“
”آفس تو دیکھ لو......یا پھر......!“
”یا پھر؟“
”اسے نیلام کردو، میں بیماری کے ساتھ نہیں سنبھال سکتی۔“
”اوہو، آپا ٹینشن نہ لیں میں صفدر بھائی سے بات کرتی ہوں شاید کوئی بھروسے کا آدمی مل جائے یا صفدر بھائی آفس سنبھال لیں۔“
”تو......تم......!“
”آپا میں اس بار یہ حوصلہ نہیں کرسکتی۔“ اس نے صاف انکار کردیا تو زینت آپا نے رقت آمیز لہجے میں اچھا کہہ کر فون بند کردیا۔ اس نے چند منٹ سوچا اور پھر صفدر کا نمبر ملا لیا۔ وہ اسپتال میں ہی تھا۔ اس نے کوئی دوسری بات نہیں کی آغا جی کی سیریس کنڈیشن کا تذکرہ کرکے بات کو اگلی فرصت کی گھڑی پر ٹال دیا۔ وہ بھی پریشان ہوگئی۔ مزید آغا جی کے حوالے سے بات کی تو اس نے آنے کا کہہ دیا۔ غلط تھا یا درست مگر وہ کہہ بیٹھا وہ سن کر چپ ہوگئی نہ انکار کیا اور نہ اقرار......فون بند ہوگیا تو وہ فکرمندسی باہر برآمدے میں کھڑی ہوگئی۔ آغا جی اس کے لیے ہمیشہ شفیق اور مہربان رہے محبت سے ملنا، ماتھا چومنا اور دعائیں دینا وہ ضروری سمجھتے تھے۔ عارض سے نفرت اور ان سے محبت دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں عارض کی وجہ سے بھی ان سے اسے نفرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ عارض کی بےوفائی کا ذمہ دار اسی کو سمجھتی تھی، اس میں کوئی اور قصوروار نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ دل کھنچا جارہا تھا آغا جی کی تیمارداری کرنے یا نہ کرنے کی کشمکش میں وہ ٹہلنے لگی تبھی اذان وہیں آگیا۔
”ماما مجھے میتھس کا ہوم ورک کرادیں۔“

''ہمنہہ......ہاں۔'' وہ چونکی۔
''ماما، بابا یاد آ رہے ہیں۔'' اذان نے بے ساختہ سی معصومیت سے پوچھا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔
''بولیں نا ماما۔''
''یہ کیا سوال ہوا۔'' اس نے ہنس کر ٹالا۔
''مجھے بابا بہت یاد آ رہے ہیں، فون پر بھی بات نہیں کرتے۔'' وہ بہت افسردگی سے بولا تو اسے بہت پیار آیا اسے بانہوں میں بھر لیا۔
''وہ مصروف ہوں گے بیٹا۔''
''نہیں ماما آپ ناراض ہیں اس وجہ سے۔''
''میں، میں تو ناراض نہیں ہوں وہی ناراض ہو گئے ہیں۔'' کہتے کہتے اس کا حلق تر ہو گیا۔
''بابا......بابا کو میں ایک منٹ میں منا سکتا ہوں۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔
''چلو اندر چلیں ہوم ورک بھی کرانا ہے اور پھر......!'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔
''اور پھر مجھے کسی کی تیمارداری کے لیے جانا ہے۔''
''کس کی؟''
''بس ماما آپ نہیں جانتے تم۔''
''اور میں......''
''آپ......آپ شبانہ آنٹی کے پاس رہنا میں جلد آ جاؤں گی۔''
''مجھے بھی لے چلیں۔''
''بیٹا بچے اسپتال نہیں جاتے۔''
''ٹھیک ہے۔''
''چلو اب ہوم ورک ختم کرو شاباش۔'' اس نے کہا تو وہ کاپی پر جھک گیا۔

❁......◈◈......❁

جس وقت وہ اسپتال پہنچی صفدر لیبارٹری سے آغا جی کی رپورٹس لینے گیا ہوا تھا۔ عارض سی سی یو کے باہر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ ملگجے سے شلوار سوٹ میں، بہت کمزور اور پریشان سا اسے دیکھ کر حیران ہوا اور پھر ہولے سے اپنائیت کا احساس دینے کے لیے مسکرا کر بولا۔
''تم......!''
''اب کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے سیدھا سا سوال کیا۔
''بس ابھی کچھ خاص فرق نہیں۔''
''اللہ رحم کرے گا ان شاء اللہ۔''
''شکریہ۔''
''کس بات کا؟''
''آنے کا۔''
''بیمار کی تیمارداری کا ثواب ہے۔''
''یونہی سہی......لیکن۔''
''لیکن، کچھ نہیں آپ کے والد جان کر نہیں بلکہ بیمار جان کر آئی ہوں۔''
''شرمین مجھے تھوڑا سا وقت چاہیے پلیز۔''

”کس لیے۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
”تاکہ کچھ واضح ہوسکے۔“
”کچھ بھی ابہام نہیں ہے۔“
”ہے، میں نے کچھ جانے انجانے میں ایسا کیا ہے۔“ وہ نادم تھا۔
”کیا ہوگا مگر مجھے فرق نہیں پڑتا۔“
”میں ایسی آگ میں جل رہا ہوں جو شاید میں نے خود جلائی ہے۔“ وہ جذباتی ہوا تو اسے کہنا پڑا۔
”یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں۔“
”جانتا ہوں مگر تم پھر ملو یا نہ ملو۔“
”کیوں آپ نے کوئی نیا کام تو نہیں کیا۔“
”مجھے صفائی کا موقع دو پلیز۔“
”میں پھر آجاؤں گی ابھی چلتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھی۔
”شرمین پلیز۔“
”جی۔“
”کچھ دیر رک جاؤ۔“
”میں آغا جی کے لیے آئی تھی وہ بہتر ہو کر روم میں آجائیں پھر آجاؤں گی۔“ وہ صاف کہہ کر پلٹی تو سامنے سے صفدر بھائی آگئے۔
”شرمین، بہن، کیسی ہو؟“
”میں ٹھیک ہوں، پھر آجاؤں گی۔“
”رکو، میری بات سنو۔“ وہ کچھ فاصلے پر ہو کر اسے قریب بلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔
”جی۔“
”میری منت ہے اس کو ایک بار کچھ کہنے کا موقع دو۔“ صفدر بھائی نے کہا۔
”اس کی ضرورت اب نہیں رہی۔“
”پلیز، میرے کہنے پر۔“
”صفدر بھائی۔“
”پلیز۔“
”آج تو یہ مناسب نہیں۔“
”باہر جا کر سن لو۔“
”نہیں، میں کچھ سننا ہی نہیں چاہتی۔“
”پلیز، ناراضی چھوڑو۔“ صفدر نے منت کی۔
”میں ناراض نہیں ہوں، بات کر رہی ہوں، صورت دیکھ رہی ہوں اور کیا کروں؟“
”میرا دوست ٹوٹ رہا ہے۔“
”آپ کو دوست پر اعتبار بہت ہے۔“
”ہنہہ اس لیے میں خود کسی مشکل میں ہوں۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔
”عارض کی وجہ سے؟“
”ہاں لیکن اس پر اعتبار بہت ہے۔“ صفدر نے کہا تو وہ طنزیہ ہنس کر بولی۔

"آپ سادہ دل ہیں آپ کو عارض پر اعتبار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ رشتے نبھانا نہیں جانتا، یہ رشتوں سے کھیلتا ہے۔" شرمین عارض کو گھورتی ہوئی چلی گئی صفدر اور دور کھڑے عارض نے اسے جاتا دیکھا پر آواز نہ دے سکے۔

❁......❁❁......❁

واپس آ کر بھی وہ مضطرب تھی۔

اذان کو کھانا دے کر ٹی وی پر کارٹون چینل لگا کر چائے کا کپ لیے باہر لان میں آ گئی۔ چھوٹے سے باغیچے میں اس وقت سناٹا تھا پھولوں کی مہک تھی اداس سی رات آگے کو بڑھ رہی تھی۔ اسے عارض کی صورت یاد آ گئی تو پرانا قصہ جاگ اٹھا جنوری کی شدید سردی میں وہ اسے ملنے گئی تھی تو وہ اسی طرح بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ بیمار بیمار سا کمرے میں بند تھا اس نے اسے دیکھتے ہی جملہ کسا تھا۔

"یہ کس کے عشق میں مجنوں بنے ہو؟" تو اس نے اس کی کلائی تھام کر اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"اس جان آرزو کی چاہ میں دیوانے ہو گئے ہیں۔" وہ گلابی پڑ گئی تھی۔

"میں کہاں چلی گئی تھی کہ آپ نے جوگ لے لیا۔"

"یار پورے ہفتے ترسایا تڑپایا ہے تم نے۔"

"اوہ ہنہہ چھوڑو دم نکل جائے گا۔" وہ کسمسا رہی تھی۔

"ہفتے کی کمی تو پوری کر لوں۔"

"عارض پلیز کوئی آ جائے گا۔" وہ زور آزمائی کر رہی تھی۔

"میں تم سے ہفتہ تو دور کی بات ایک پل نہیں رہ سکتا۔"

"سوری، زینت آپا کی طبیعت خراب تھی نا۔"

"شرمین آئی لو یو سوچ تم میری جان ہے۔"

"اتنا پیار۔" اس نے جھوم کر پوچھا اور اس نے لہرا کر گردن ہلائی تھی۔

"ہنہہ عارض صاحب آپ کا وہ انداز اب بھی میری نگاہوں میں ہے کتنا بڑا جھوٹ بولا تھا کتنی سچائی کے ساتھ اور اب پھر رسم پارسائی دکھانا چاہتے ہو، کیا واضح کرنا چاہو گے محبت، محبت کہنے والے نے لمحوں میں چند جملے لکھ کر محبت کی تذلیل کر دی، کاش تم نے محبت کی ہی نہ ہوتی، مجھے یہ حوصلہ تو رہتا کہ میں ہی لائق محبت نہیں، اب کیا صفائی دو گے، کیا ہے تمہارے پاس اور اب میں کیونکر صفائی چاہوں گی، کیسے سوچ لیا کہ اب تک کوئی گنجائش باقی ہے کوئی نہیں ہے عارض، اب کچھ بھی کہنا اور بتانا بے کار ہے تم نے خود ہی تو مجھے اپنا فیصلہ سنایا تھا تمہاری شدید محبت کو یاد کروں یا تمہارے نوکیلے لفظوں کو سوچوں۔

"تم نے وہاں جا کر اچھا نہیں کیا، کیا ضرورت تھی؟ آغا جی سے تمہارا کیا رشتہ وہ عارض کی وجہ سے ہی تھے اور وہ کون سا ہوش میں تھے اب ہرگز نہیں جاؤں گی نہ جاؤں گی اور نہ عارض سے سامنا ہو گا۔" اس نے خود کو مطمئن کیا مگر ایک عجیب سا اضطراب بدن اور روح میں ہلچل مچا رہا تھا۔ تجھ سے ملنا خوشی کی بات سہی تجھ سے مل کر اداس ہونا عجیب سی بات ہے۔

ٹھنڈی چائے کا کپ وہیں پڑا رہ گیا۔ وہ بھٹکی ہوئی ذہن کے گوشوں میں سر ٹکراتی یادوں سے نجات نہ پا سکی تو اندر آ گئی۔ اذان ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا اس کے سر کے نیچے تکیہ سیدھا کر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ سب کچھ بھول گئی۔ اس کی معصوم سی صورت میں اس کی باقی زندگی کا مقصد عیاں تھا۔ اس نے سب کی جگہ چھین کر اپنے معصوم سے وجود کی محبت اس کے چاروں اطراف پھیلا دی تھی۔ اس کے سوا اب کچھ باقی نہیں تھا اس کے برابر لیٹ کر وہ پرسکون سی ہو کر سو گئی۔

❁......❁❁......❁

وہ آنکھیں موندے جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

اسپتال کی کینٹین میں معمول کے مطابق چہل پہل تھی۔ صرف وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے تھے۔ گھر سے ملازم ہاٹ کیس میں کھانا لایا تھا مگر اسے احساس تک نہیں ہو رہا تھا کہ بھوک کس چیز کا نام ہے، خالی پلیٹس رکھے دونوں چپ تھے۔

مگر آغا جی کا موبائل فون بجنے لگا تو اس نے آنکھیں کھولیں دل نہ چاہا فون کاٹ دیا، مگر وہ پھر بجنے لگا تو اس کے ہاتھ سے صفدر نے فون لے لیا اور اٹینڈ کرلیا۔

"جی کون؟"

"سوری آغا صاحب بیمار ہیں۔"

"آپ مسز معید ہیں۔" صفدر نے تیسرا جملہ منہ سے نکالا تو عارض ٹھٹکا۔

"اوہ سیڈ، میں ان کے بیٹے سے بات کرتا ہوں۔"

"جی...... جی...... کچھ کرتے ہیں۔"

"جی میں آغا صاحب کو بتاؤں گا۔"

"او کے......!" صفدر نے فون بند کر کے خاصی فکرمندی اور تشویشناک تاثرات کا اظہار کیا۔

"کون تھا؟" عارض نے پوچھا۔

"مسز معید تھیں رو رہی تھیں معید صاحب لاک اپ میں ہیں، کوئی ان کا اتا پتا نہیں چل رہا انہیں آغا جی سے بات کرنی ضروری ہے۔" صفدر نے بتایا تو وہ حیران رہ گیا۔

"وہاٹ معید صاحب لاک اپ میں، پر کیوں؟"

"کوئی وجہ ہوگی آغا جی شاید جانتے ہوں۔"

"شاید نہیں یقیناً وہ جانتے ہیں تبھی تو جا رہے تھے۔"

"مگر کیوں؟"

"صفدر مجھے لگتا ہے کہ سنجنا کے چکر میں ایسا ہوا ہے۔"

"کیسا چکر؟"

"فون ملا کر پوچھتا ہوں۔" عارض نے آغا جی کے فون پر وہی نمبر ڈائل کیا جس سے کال آئی تھی۔ مگر فون آف تھا کئی بار ملانے کے بعد وہ پریشان ہو کر چلایا۔

"او شٹ۔"

"وہ خاتون چاہتی ہیں کہ آغا جی فوری طور پر کوئی قانونی مدد کا بندوبست کریں۔"

"اب کیا کیا جائے۔"

"اگر مسئلہ سنجنا کا لگتا ہے تو فون کرتے رہو مسز معید سے تفصیل معلوم کرو۔"

"یا اللہ، یہ کس جرم کی سزا ہے۔" وہ سر تھام کر رہ گیا۔

"ہاں سزا تو ہے جرم یاد کرنے کی ضرورت ہے۔" صفدر نے دھیمے سے کہا تو وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر یاد کرنے لگا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی صفدر کو دوست سے بے پناہ محبت تھی اس لیے اس وقت وہ اس کے لیے بے چین تھا افسردہ تھا اور دکھ بانٹنے کے لیے موجود تھا۔

اپنی گھریلو الجھن بھول کر صرف اس کے پاس موجود تھا۔ حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ وہ اس سے زیبا کے متعلق پوچھتا، مگر جانے کیوں، کس وجہ سے وہ اب تک اس سے نہ پوچھ سکا تھا شاید اس لیے کہ اس کی نظر میں زیبا جھوٹی تھی، فریبی تھی، اس کے دوست پر الزام تراشی کر رہی تھی۔ یہی بات سچ تھی کہ اسے زیبا سے زیادہ دوست پر اعتبار تھا اپنا ہر دکھ بھول کر اس کے ساتھ تھا حق دوستی کا تقاضا یہی تھا جو وہ نبھا رہا تھا۔ اس کی خاطر تو وہ دل ہی دل میں شرمین کو راضی کرنے کی منصوبہ بندی بھی کر رہا تھا جانتا تھا کہ عارض نے اچھا نہیں کیا لیکن وہ اسے شرمین سے محروم ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

❀......❀❀......❀

وہ اذان کو ناشتہ کرا رہی تھی۔ چھٹی کا دن تھا اس لیے ذرا دیر سے ہی دونوں اٹھے تھے۔ فون کمرے میں بج رہا تھا وہ اذان کو کچن

میں ہی چھوڑ کر اندر آ گئی، صبیح احمد کے وکیل کا فون تھا۔
"ہیلو۔"
"السلام علیکم میڈم۔" دوسری طرف سے وکیل صاحب نے کہا۔
"جی وعلیکم السلام۔"
"میڈم پلیز سینڈ می یور ایڈریس ناؤ۔"
"فار وٹ؟"
"آپ کو کچھ چیزیں پہنچانی ہیں۔"
"مطلب۔"
"دو بڑے ڈبے مجھ تک پہنچے ہیں وہ صبیح احمد کے بعد شاید وہاں کے کسی دوست نے بھیجے ہیں۔"
"اوہ اچھا اوکے میں ایڈریس سینڈ کرتی ہوں لیکن پلیز ایک بات کا خیال رہے آپ اذان کے ساتھ صبیح احمد کی وفات کا ذکر نہیں کریں گے اسے احساس تک نہ ہو۔"
"یعنی آپ نے اسے نہیں بتایا۔" دوسری طرف سے حیرت کا مظاہرہ ہوا۔
"یہی اذان کے لیے مناسب لگا۔"
"اوکے، پھر شام میں ملتے ہیں۔"
"جی، ان شاء اللہ۔" اس نے کہا فون آف ہو گیا تو اس نے ایڈریس ٹیکسٹ کر دیا، میسج سینڈنگ رپورٹ بھی آ گئی لیکن وہ چند لمحے اپنے قدموں پر ہی جمی رہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گا؟ کہیں کوئی ایسی چیز نہ نکل آئے جو اذان کے لیے دکھ کا باعث بنے یا جس کی وجہ سے وہ اسے جھوٹا سمجھ کر نفرت کرنے لگے۔
"یا خدا کہیں سب کچھ الٹ پلٹ نہ ہو جائے۔" وہ بڑبڑائی۔
"ماما، ماما جی۔" کچن سے اس کی آواز آئی جیسے نقرئی گھنٹیاں کانوں میں گونج اٹھیں اس کی محبت بھری پکار پر دوڑی بھاگی۔
"جی........جی........میرے بچے۔" شدت جذبات سے اسے سینے سے لگا کر بے ساختہ چومنے لگی۔
"آپ نے ناشتہ ٹھنڈا کر دیا۔"
"سوری۔"
"کس کا فون تھا۔"
"کسی آفس سے تھا۔" وہ ہکلا سی گئی۔
"آج تو چھٹی ہے ماما۔"
"ہاں، وہ میں نے جاب کے لیے اپلائی کیا ہے نا۔"
"ماما ہم آج کہیں باہر جائیں گے۔" اس نے فرنچ ٹوسٹ کھاتے ہوئے پوچھا۔
"ہمنہہ بالکل، لیکن پہلے سارے کام ضروری ہیں۔"
"اوکے۔"
"چلو دودھ کا گلاس ختم کرو۔"
"ٹھیک۔" اذان نے کہا اور دودھ پینے لگا جبکہ وہ اس کو پیار سے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ یہ اتنی پیاری محبت میرا سرمایہ حیات ہے یہ مجھ سے کبھی دور نہ ہو۔
اذان دودھ کا خالی گلاس رکھ کر کمرے میں چلا بھی گیا وہ اسی جگہ بیٹھی رہی تھی وکیل صاحب کہیں کوئی مشکل پیدا نہ کر دیں۔ اذان بدگمان نہ ہو جائے، سب کچھ سوچ کر منہ سے فقط یہ نکلا پھر چائے ختم کر کے کچن کے جس جس سامان کی خریداری کرنی تھی اس کی فہرست بنانے لگی۔ ملازمہ آ گئی تو اسے کام سمجھا کر کمرے میں آ گئی۔

آغا جی پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی۔

وہ موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف لوٹ آئے، انہیں روم میں شفٹ کردیا گیا۔ مگر سخت آرام کی تاکید بھی کی گئی۔ ہر قسم کی الجھن اور پریشانی سے محفوظ رکھنے کو کہا گیا ابھی وہ اس قابل نہیں تھے کہ بات چیت کرسکتے ہلکی سی آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر غنودگی طاری ہوگئی۔ عارض کی آنکھیں انہیں اس حال میں دیکھ کر بھیگی جارہی تھیں۔ صفدر کچھ دیر کے لیے گھر گیا تھا اب صرف وہ ان کے قریب بیٹھا تک رہا تھا فون سائلنٹ تھا۔ مسز معید بار بار فون ملا رہی تھیں۔ مگر اسے کافی دیر بعد احساس ہوا تو فون لے کر کمرے سے باہر آگیا۔

''جی۔''

''مجھے آغا صاحب سے بات کرنی ہے خدارا کرادو۔'' دوسری طرف سے بھاری سی آواز میں مسز معید نے کہا۔

''مسز معید آغا صاحب اسپتال میں ہیں وہ بات نہیں کرسکتے آپ مجھے بتائیں کیا مسئلہ ہے؟''

''آپ ہی تو فساد کی جڑ ہو آپ کو کیا بتاؤں، اور آغا صاحب رہیں اسپتال میں، میرے وفادار شوہر کو جیل میں سڑنے کے لیے چھوڑ کے وہ خوش تھوڑا رہیں گے۔'' مسز معید بہت غصے میں بولتے چلی گئیں۔

''دیکھیے مجھے آرام سے بتائیں غصہ نہ کریں۔''

''آپ کی سمجھ میں کہاں آئے گا آپ تو اس منحوس سجنا کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر چلے گئے اور اسے فلیٹ بھی دے گئے تاکہ نشے کا کاروبار کرے اور آپ کو بھی حصہ پہنچائے مگر میرے شوہر اس میں آپ کے شریک نہیں تھے انہیں جیل سے نکلواؤ۔'' وہ بولیں تو عارض کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ دماغ ماؤف ہوگیا، کوئی جواب بن نہ پڑا۔

''وہ...... وہ لڑکی تو بھاگ گئی کہیں، پولیس نے میرے شوہر کو دھرلیا۔'' مسز معید نے کہا وہ تب بھی خاموش رہا دوسری طرف سے آواز آتی رہی پھر تھک کر خاموش ہوگئی، وہ بند فون سمیت باہر بینچ پر گر سا گیا۔

''اتنا بڑا فریب، سجنا نے مجھے دھوکہ دیا، میری عقل نے دھوکہ کھایا میری وجہ سے معید صاحب جیل میں ہیں اور میرے بابا اس صدمے کو برداشت نہ کرسکے۔'' وہ خود پر ملامت کرتا بڑی دیر وہیں بیٹھا رہا بالکل دیوانوں کی مانند، ہونقوں کی طرح ایک ہی سمت گھورتے ہوئے۔

بے بسی کے عالم میں وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ صفدر سے شیئر کرلے یا پھر بابا کے ٹھیک ہونے تک انتظار کرے مگر دوسری طرف معید صاحب اور ان کی فیملی کا مسئلہ تھا اور پھر پولیس اپارٹمنٹ گھیرے ہوگی، اسے مجرم سمجھا جارہا ہوگا پولیس چین سے نہیں بیٹھی ہوگی۔

''ہا اللہ اخبارات میں کتنی بدنامی ہوئی ہوگی، محض میری نادانی کے سبب۔'' اس نے غصے سے اپنے بال اپنی ہی مٹھیوں میں بھر کر نوچنے شروع کردیے۔

❀......◉◉......❀

صفدر ذرا دیر کو سویا تھا۔ اسپتال کی بے آرامی اور تھکن سے برا حال ہوگیا تھا۔ اس لیے امی کو کہہ کر سویا تھا کہ جگانا نہیں لیکن موبائل فون سائلنٹ کرنا بھول گیا تھا سو اس پر زیبا کے نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے دو بار لائن ڈسکنکٹ کی مگر وہ شاید ٹھان چکی تھی کہ بات کرکے رہے گی سو ملاتی رہی چوتھی بار اسے جھنجلا کر فون ریسیو کرنا پڑا۔

''بولو کیا قیامت آگئی ہے؟'' وہ برس پڑا۔

''قیامت تو میری زندگی میں کب کی آچکی ہے۔'' دوسری طرف سے زیبا نے اس سے بھی بڑھ کر حملہ کیا۔

''بے کار باتیں میں سننا نہیں چاہتا۔''

''کام کی بات میں کرنے آئی تھی، وہ بھی نہیں سنی۔'' طنزیہ پوچھا گیا۔

''صبر کرو وہ تو سن لی گئی ہے۔''

”مجھے آپ کے دوست اور اپنے مجرم کا پتا چاہیے۔“
”کیوں پتا بھول گئیں اگر وہ تمہارا مجرم ہے تو تمہیں اس کا پتا معلوم کیوں نہیں؟“ اس نے سخت کڑوے لہجے میں کہا۔
”آپ کو حقیقت جاننی ہے یا نہیں۔“
”اگر میرے لیے میرے دوست پر کیچڑ اچھال رہی ہو تو نہیں۔“
”مگر میں بے سکون نہیں رہنا چاہتی آپ کا انصاف دیکھنا ہے۔“
”شاید دونوں صورتوں میں تمہارا ہی نقصان ہو۔“
”مجھے تب بھی اس سے ملنا ہے۔“ بہت مضبوط اور توانا لب ولہجہ تھا۔
”فی الحال ممکن نہیں۔“
”کیوں؟“
”اس کے والد صاحب اسپتال میں ہیں، یہ وقت مناسب نہیں۔“ اس نے ڈپٹ کر کہا۔
”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“
”پڑتا ہے وہ پریشان ہے اسپتال میں ہے۔“ اس نے دانت کچکچائے۔
”وہ اس سے بھی زیادہ پریشان ہوگا۔ میں اس کی زندگی اجیرن بنادوں گی۔“ زیبا انتقام کی آگ میں جلنے والی بھری ہوئی شیرنی لگ رہی تھی۔
”ارے جاؤ، اگر اپنی جوانی سنبھال کر رکھتیں تو یہ مسئلہ ہی نہ ہوتا۔“ اس نے تذلیل کی انتہا کردی۔
”بس بہت کہہ دیا آپ نے آپ میرا فیصلہ کردیں اور اپنے دوست کا پتا بتادیں۔“ وہ رقت آمیز آواز میں چلائی۔
”بتادوں گا اور تمہارا قصہ بھی ختم ہوجائے گا تھوڑا صبر کرو۔“ اس نے بھی ضد میں دہرایا، مگر فون بند ہوجانے کے بعد جیسے وہ بیکل ہوگیا۔ زیبا کی مہک چاروں طرف سے آنے لگی۔
”یہ بار بار تمہارا جدا ہونے کا فیصلہ تکرار مجھے مضطرب کیوں کرنے لگی ہے۔“ اس نے فون گھورتے ہوئے اس کو مقابل سمجھ کر پوچھا نیند غائب ہوگئی سگریٹ سلگائی اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔
”صفدر زیبا اتنی مصر ہے تو کہیں سچ مچ عارض ہی اس کا گناہ گار تو نہیں وہ سچی نہ ہوتی تو کیوں ملنا چاہتی اگر وہ سچی ثابت ہوگئی تو عارض کا مقام کیا ہوگا؟ کیا دوست جدا ہوجائے گا؟ اور پھر زیبا، زیبا بھی تو چلی جائے گی۔ صفدر تمہارے پاس کیا بچے گا؟ اس کی زندگی بے بسی کے مقام پر آگئی تھی۔ زیبا بھاگتی ہے اب مگر شاید وہ اس کے قدموں سے اس گھر کو آباد رکھنا چاہتا ہے اگر ایسا ہے تو پھر اسے بڑھ کر تھام کیوں نہیں لیتا، اسے کس نے روک رکھا ہے، صرف روایتی جذباتی مرد کی انا، ضد، غیرت نے...... چاہ کر بھی اسے معاف نہیں کر پا رہا تھا۔ اب تو اور بھی مشکل بڑھادی گئی تھی عارض کی شکل میں اس کے عزیز از جان دوست کی شکل میں اس کے لیے بھی معاملہ وہی تھا کہ چاہ کر بھی اس سے پوچھ نہیں سکتا تھا اسے کھو نہیں سکتا تھا، حالات ہی کچھ سے کچھ ہوگئے تھے۔
”تو پھر زیبا کو آزاد کردو۔“ ذہن نے کہا تو وہ طویل سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

❁......❁❁......❁

”جو باتیں سننے والوں کو ایک عرصہ اذیت میں مبتلا رکھتی ہیں ان کے کہنے والے بڑے مزے سے اپنی زندگیوں میں مگن رہتے ہیں۔“ زیبا نے منھی کی بات کا جواب بڑے تحمل سے دیا جب سے فون پر صفدر سے بات کی تھی وہ بات بات پر رو رہی تھی منھی نے کمرہ بند کر کے اسے گھیر لیا تو وہ اتنا ہی کہہ سکی۔
”زیبا، خوش تو صفدر بھائی بھی نہیں ہیں اور کسی فیصلے پر پہنچنے کی ہمت بھی شاید نہیں ہے ان میں۔“ منھی نے اپنی دانست میں صفدر کے لیے کہا۔
”ہنہہ، بہت باہمت ہیں وہ اپنے دوست کا معاملہ نہ ہوتا تو کب کا فیصلہ کرچکے ہوتے۔“
”خیر یہ تو اب کی بات ہے۔“

”نہیں، انہیں مجھ سے ہی دشمنی اور نفرت ہے، اپنے دوست پر اعتبار، اسی لیے اس کے گریبان پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔“ وہ افسردگی سے کہہ کر عبدالصمد کے کپڑے تہہ کر کے رکھنے لگی۔

”سوچ لو کیا واقعی تم کو فیصلہ چاہیے۔“

”نہیں اور کوئی حل۔“

”ان پر زور نہ دو خود فیصلہ کرنے دو۔“ نبھی نے مشورہ دیا۔

”آج نہیں تو کل فیصلہ یہی کریں گے پھر جلدی کیوں نہیں اور میں کم از اس درندے کو بے نقاب کر کے سکون حاصل کرنا چاہتی ہوں مجھے معلوم ہے وہ نہیں پوچھیں گے میں خود ملوں گی۔“

”کس سے؟“ نبھی نے تعجب سے کہا۔

”اس وحشی سے جو صفدر کا دوست بھی ہے۔“

”کیسے؟“

”ابھی تو مجھے پتا نہیں معلوم لیکن معلوم ہو جائے گا۔“

”میرا خیال ہے صفدر بھائی کے ساتھ جا کر ہی ملنا بہتر ہوگا۔“

”اگر وہ چاہیں گے تو فی الحال وقت مناسب نہیں۔“

”ٹھیک ہے صبر سے کام لو ابھی تو خالہ بہت ناراض ہیں کھانا بھی نہیں کھا رہیں۔ انہیں سمجھانا مشکل ہے اور عبدالصمد کو دیکھا تم نے وہ اپنی دادی کو مس کر رہا ہے۔“

”سب کچھ بجا لیکن رشتے ختم ہونے کے قریب ہوں تو بھلانے بہتر۔“ زیبا نے بہت آہستگی سے کہا۔

”ویسے ایک بات ہے صفدر بھائی نے کیا کبھی تمہیں پیار سے نہیں دیکھا۔“ نبھی نے پوچھا۔

”نہیں معلوم، اب ان سے کنارا کرنا ہے تو کیا ذکر کرنا۔“

”تو تم ان سے محبت کرتی ہو نا۔“ نبھی نے دل کے تار چھیڑ دیے۔

”مگر میری محبت پہلی رات سے اب تک مردہ ہے سانس نہیں لے سکی۔ اعتبار کھو بیٹھی اور نفرت بن گئی بس۔“ اس نے کہا اور عبدالصمد کے رونے کی آواز سن کر باہر نکل گئی۔

نبھی اپنی پیاری سہیلی کی اس المیہ اسٹوری پر دکھی سی ہو کر خود بھی باہر آ گئی اور کچن کا رخ کر لیا۔ خالہ حاجرہ کے لیے دودھ گرم کیا اور نمکین بسکٹ اور دودھ لے کر ان کے پاس چلی گئی، وہ زیبا سے ناراض تھیں اپنے کمرے میں بند بستر پر پڑی تھیں۔

❁......❁❁......❁

”اوہ...... تبھی مسز معید اس قدر پریشان تھیں اور آغا جی اسی لیے فوری طور پر جانا چاہتے تھے۔“ صفدر نے اس کی بات سن کر کہا۔

”میں نے ہی یہ سب کیا ہے مجھے یقین نہیں آ رہا وہ میرے ساتھ دھوکہ کر سکتی ہے یار، وہ میری اپارٹمنٹ میں نشے کا کاروبار کرنے لگی وہ تو بے سر و سامان تھی پھر سب کیسے؟“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بقول آغا جی کے تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی ہو، کسی کے کہنے پر خاص مقصد کے تحت تمہارے قریب آئی ہو۔“ صفدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اب تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے لیکن قریب میں نے اسے آنے نہیں دیا اس نے اپنے حوالے سے من گھڑت کہانیاں سنائی تھیں قریب آنے کی بہت کوشش بھی کی۔ لیکن مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔“

”لیکن اس پر یقین کرے گا کون، یہ یقین دلانے میں بہت سا وقت اور بہت سا پیسہ لگے گا اور بدنامی الگ۔“

”مجھے بدنامی سے زیادہ معید صاحب کی فکر ہے وہ ہمارے وفادار ملازم ہیں، وہاں ان کا کوئی نہیں، پولیس ان پر تشدد کر رہی ہوگی۔“

”وہاں ایسا نہیں ہوتا اصل پوچھ گچھ ہی ہوتی ہے مگر جیل تو جیل ہوتی ہے ویسے بھی دور بیٹھ کر ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہاں کے

حالات کیا ہوں گے۔"
"اب کیا، کیا جائے؟"
"سوچتے ہیں کسی وکیل سے مشورہ کرتے ہیں۔"
"مجھے شرمین کی آہ لگی ہے، میں نے اس کا دل دکھا کر گناہ کیا۔" وہ رونے کے قریب تھا۔
"گناہ کی تلافی یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ کا اعتراف کرلے اور جس کا گناہ گار ہو اس سے معافی مانگ لے۔"
"وہ میں کرنا چاہتا ہوں لیکن......!"
"لیکن کیا؟"
"شرمین معاف نہیں کرے گی اور ویسے بھی اس کی زندگی میں اب میری گنجائش کہاں؟"
"گنجائش کی بات الگ ہے پہلی ضرورت معافی کی ہے۔"
"وہ میں مانگ لوں گا آغا جی کی طبیعت سنبھل جائے تو......!"
"اچھی بات ہے کاش تمہیں شرمین بہن کا ساتھ نصیب ہو جائے۔" صفدر نے سچے دل سے کہا تو وہ بہت دنوں کے بعد مسکرا دیا۔
"میں اس کے بنا نہیں رہ پاؤں گا۔"
"یہ تو نہ کہو آخر کو رہ ہی رہے تھے۔"
"طنز نہیں میرے دوست۔"
"طنز نہیں ہے۔"
"پھر وکیل سے مشورہ کرو۔"
"ہمم، پتا کرتا ہوں لیکن بہتر تو یہ ہوتا کہ پہلے وہاں کی پچویشن پتا چلے اور آغا جی سے بہتر کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔"
"آغا جی تو ابھی اس قابل نہیں۔"
"اچھا میں کسی سے پوچھتا ہوں۔"
"کیا پولیس ہمیں ملوث سمجھ رہی ہوگی؟"
"ظاہر ہے اپارٹمنٹ جو ہمارا ہے وہاں سے لڑکی اور ڈرگز دستیاب ہونا یہی ہے۔"
"اوہ گاڈ، میں نے بابا کی بات مانی ہوتی۔"
"میرا خیال ہے اپنی پچھلی خطاؤں کی فہرست بناؤ اور پھر غور کرو۔" صفدر نے آغا جی کو دیکھنے کی غرض سے اٹھتے ہوئے کہا وہ بھی اس کے ہمراہ اٹھ کر چلا آیا کافی دیر سے وہ کمرے کے سامنے بیٹھے بات چیت کر رہے تھے آغا جی ابھی تک آنکھیں موندے ہوئے تھے، اس قابل نہیں تھے کہ ان کی آمد پر آنکھیں کھولتے نرس نے انہیں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق بولنے سے منع کیا تھا بس خاموشی سے دیکھنے کی اجازت تھی، وہ دونوں وہیں ان کے پیروں کی طرف کھڑے بس انہیں دیکھتے رہے عارض کی آنکھوں میں پانی بھرتا گیا تو صفدر نے اسے کندھا تھپتھپا کر تسلی دی۔

❁......❁❁......❁

اذان کی فرمائش پر اس نے میکرونی بنادی، خود سالن پکانے کے لیے فریزر سے چکن نکالی پیاز ٹماٹر نکالے چولہے پر دیگچی رکھی، اذان بڑے شوق سے کھانے میں محو تھا۔
"ماما، روز ایسی میکرونی بنایا کریں۔" وہ ایک دم بولا۔
"ہوں، لیکن بیٹا روز ایک ہی چیز نہیں کھاتے۔" اس نے جواب دیا۔
"لنچ کے لیے کیا پکائیں گی۔"
"بیٹا کچھ بھی پکادوں گی ابھی ذرا جلدی سے سالن پکانے دو۔"

"کہیں جانا ہے؟"
"آں نہیں تو وہ......!" وہ پلٹ کر بولتے بولتے چپ ہوگئی۔
"کوئی بات ہے؟"
"نہیں، بس آپ کو کچھ سمجھانا تھا۔" اسے وکیل صاحب کے حوالے سے ٹینشن ہورہی تھی۔
"کیا؟"
"یہی کہ کوئی مہمان آئے تو اس سے زیادہ باتیں نہیں کرتے۔" اس نے کہا۔
"ڈیڈی کہتے تھے کہ بات کرنے والے بچوں کو مہمان پسند کرتے ہیں۔"
"ڈیڈی کی بات چھوڑو۔" وہ بے ساختہ جلدی سے کہہ گئی مگر اذان ساکت سا اسے دیکھتا رہ گیا، اسے فوراً ہی غلطی کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولی۔
"میرا مطلب ہے ڈیڈی نے وہاں کے حوالے سے بات کی ہوگی یہاں مہمان مائنڈ کرلیتے ہیں۔"
"ماما، ڈیڈی سے بات کرنی ہے پلیز۔" یہ کہہ کر تو اذان نے اس کا دماغ ماؤف کردیا۔
"ہاں، وہ میں ناراض ہوں تو۔" وہ ہکلائی۔
"میرے لیے ماما۔"
"کیا......؟"
"ڈیڈی سے صلح کرلیں مجھے بات کرنی ہے۔" اس کی خوب صورت آنکھوں میں نمی لہرانے لگی شرمین کا کلیجہ پھٹنے لگا اسے باہوں میں بھر کے شدت محبت سے بھینچ لیا اس کے بال چومنے لگی۔
"اذان وہ وہاں نہیں ہیں۔"
"تو، کہاں ہیں؟" وہ گردن اٹھا کر بولا۔
"وہ شاید کسی اور ملک گئے ہیں کسی کام کے سلسلے میں۔" اس نے صفائی سے جھوٹ بول دیا، یہ جانتے بھی کہ جب اذان سچ جاننے کی عمر کو پہنچے گا تو کس قدر برا سمجھے گا۔
"آپ کو بتا کر۔"
"نہیں، وہ ان کے کسی دوست نے بتایا تھا۔"
"بہت برے ہیں ڈیڈی۔" وہ یہ کہہ کر اپنی پلیٹ پر جھک گیا شرمین کو ٹوٹ کر اس پر پیار آ گیا۔
"ایسے نہیں کہتے بیٹا آج ان کے دوست آرہے ہیں وہ یہ سنیں گے تو کیا کہیں گے؟"
کون؟"
"آپ نہیں جانتے ابھی آنے والے ہیں۔ آپ کمرے میں رہنا یا پھر ملنا ہے تو زیادہ سوال جواب نہیں کرنے۔"
"ٹھیک ہے، وہ کیوں آرہے ہیں۔"
"ڈیڈی نے کچھ سامان بھیجا ہوگا وہی دینے آرہے ہیں۔"
"ہمنہہ، اب سامان بھیجا ہے۔"
"کیا مطلب۔"
"انہیں اتنے دن سے یاد نہیں آیا کہ مجھے ڈال کو کیز اور کینڈیز پسند ہیں انہوں نے نہیں بھیجیں۔" وہ منہ پھلا کر بولا۔
"اتنی اچھی چیزیں یہاں مارکیٹ میں ملتی ہیں میری جان۔"
"پیسے بھیج دیے ہوں گے۔"
"آپ چھوڑو بس تیار ہوجاؤ، جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنا۔" اس نے اپنے تئیں اسے سمجھایا تاکہ وکیل صاحب کے سامنے یا ان کی کسی بات سے اسے صدمہ نہ پہنچے وہ اٹھ کر اندر چلا گیا تو وہ دانتوں میں انگلی دبائے اس سارے معاملے پر غور کرنے لگی۔

کیونکہ یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین لمحہ تھا جب وہ صبیح احمد کی بابت جھوٹ بول کر ننھے معصوم اذان کو بہلا رہی تھی۔ کٹھن دور سے گزرنا بہت تکلیف دہ تھا۔ دل دکھی اور روح گھائل تھی دل میں درد تھا اور ذہن میں یادوں کی پرچھائیاں وہ خود کو مشکل سے یہ یقین دلا رہی تھی کہ صبیح احمد دنیا سے رخصت ہو گئے اذان کو تو یقین دلانا چاہتی ہی نہیں تھی نہیں جانتی تھی کہ صحیح ہے یا غلط مگر ایسا کرنا ضروری تھا اذان کے لیے۔ صبیح احمد کی نہیں صرف معصوم اذان کے لیے، صبیح احمد تو کہیں چھپ گئے تھے۔ اذان کی ذات کے پیچھے، نہ ان سے محبت رہی تھی اور نہ نفرت، بس وہ ماضی کا حوالہ تھے شاید، لیکن اب نہیں معلوم تھا کہ وکیل صاحب کیا سامان لا رہے ہیں؟ اس میں کچھ ایسا تو نہیں جس سے اذان کے ذہن پر اثر پڑے، وہ چاہتی تو یہ تھی کہ وکیل صاحب نہ آئیں، مگر یہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ کیا سوچیں گے کہ اسے کیا اعتراض ہے، کیسا رشتہ ہے اس سے، رشتے کا بھرم بچانے کی خاطر انہیں آنے کی اجازت دی تھی اب صرف اذان کی فکر لاحق تھی۔ اسے کوئی صدمہ نہ پہنچے، یہی سوچتے ہوئے سالن تیار کر رہی تھی، کئی بار آنکھوں سے پانی بہا پیاز کی جلن تھی یا سینے کی جلن...... بس دل غم سے دوچار ضرور تھا اذان کے لیے صبیح احمد کی یادوں سے بچنا خود فریبی کے مترادف تھا۔

❁......❁❁......❁

ساڑھے چھ کا وقت تھا۔ جب وکیل صاحب مع ڈرائیور اس کے گھر پہنچے دو بڑے سائز کے گتے کے ڈبوں کے ہمراہ برآمدے میں ڈرائیور نے بند ٹیپ سے سیل ڈبے اس کے سامنے رکھے، تو وہ انہیں اپنے چھوٹے سے لان میں لے آئی، وہاں بیٹھ کر بات کرنا مناسب تھا مگر اذان کے اشتیاق نے اسے باہر پہنچا دیا شرمین نے جلدی سے مسکرا کر اسے کہا۔

”بیٹا، ہاتھ ملاؤ انکل سے۔“

”آپ تو بہت بڑے ہو گئے ہو اور، بہت پیارے بھی۔“ وکیل صاحب نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”آپ میرے ڈیڈی کا تحفہ لائے ہیں۔“

”وہ...... وہ یہ تو سرپرائز بند ہے ان ڈبوں میں۔“ وکیل صاحب سے جواب نہ بن پڑا تو وہ بوکھلاہٹ میں کہہ گئے۔

”اذان بیٹا آپ کمرے میں جا کر دیکھو میرا فون تو نہیں بج رہا۔“ شرمین نے اسے بہانے سے بھیجا۔

”ڈیڈی کو بتا دیجیے گا میں ناراض ہوں۔“ وہ جاتے وقت بولتا گیا، وکیل صاحب نے کچھ عجیب سی نگاہ سے دیکھا۔

”آپ محسوس نہ کریں اذان نہیں جانتا کہ صبیح احمد دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔“ شرمین نے بہت دھیرے سے کہا۔

”اوہ، مگر یہ تو بڑے مسائل کا ذریعہ بن جائے گا۔“

”ہاں لیکن اسے یہ صدمہ دینا بھی مناسب نہیں لگا، اور پلیز آپ بھی خیال رکھیے گا۔“ اس نے ان سے منت آمیز لہجے میں کہا۔

”جیسے آپ مناسب سمجھیں یہ پلیز اس انوائس پر ریسیونگ سگنیچر کر دیں۔“ انہوں نے ایک فائل اسے تھما دی۔

”آپ کے لیے پہلے چائے وغیرہ لے آؤں۔“

”کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔“ وہ بولے۔

”دراصل میرے پاس فل ٹائم ملازم نہیں ہوتا۔“

”ایک بات کہوں میڈم؟“ پچاس پچپن سالہ وکیل صاحب نے بڑے سلیقے سے پوچھا۔

”جی۔“

”آپ کے پاس اتنا سرمایہ ہے آپ اچھی رہائش گاہ ملازمین رکھ سکتی ہیں۔ اس چھوٹے پورشن میں کیوں؟“

”یہ کافی ہے ہم دو کے لیے اور پوری کوٹھی کافی بڑی ہے کرائے پر ہے آدھا پورشن باقی وہ سب اذان کا ہے۔“

”جی بہتر۔“

”ویسے اس میں آئی مین ڈبوں میں کیا ہو سکتا ہے۔“

”اندازہ نہیں، ان کی رہائش گاہ سے جمع کیا گیا ہوگا استعمال کی اشیا ہوں گی۔“ وہ بولے۔

”جی، ایسا ہی لگتا ہے۔“ اس نے تائید کی۔

”مجھے اجازت دیں۔“

"جی، شکریہ۔"
"کسی مشورے کی کسی بات کی کوئی مدد درکار ہو تو پلیز فون کر دیجیے گا۔" وہ جاتے ہوئے یہ کہہ گئے، وہ باہر گیٹ تک انہیں چھوڑنے گئی۔
واپس آئی تو برآمدے میں پڑے ڈبوں کے قریب جیسے قدم ٹھہر گئے۔ صبیح احمد کی نشانیاں ان ڈبوں میں بند ہوں گی، وہ زندگی میں تو نہ مل سکے مگر کیا خبر تھی کہ بعد مرنے کے ان نشانیوں میں انہیں سمیٹنا ہوگا، کس حوالے اور ہمت کی ضرورت ہوگی، اس میں ان کے من پسند پرفیوم کی خالی بھری بوتلیں ہوں گی کف لنکس ہوں گے خوب صورت خوش نما سگار ہوں گے کچھ ٹائیاں کچھ رومال اور بھی چھوٹی چھوٹی نفیس چیزیں، یا پھر اور کچھ وہ سرد لمبی سانس بھر کے سوچتے ہوئے اندر آ گئی جہاں اذان اس کی آمد کا منتظر تھا بے چین تھا ایکسائیٹڈ تھا وہ سمجھ گئی۔
"اذان آؤ بیٹا کھانا کھائیں پھر باہر چلیں گے۔" اذان سمجھ گیا کہ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتیں اس لیے چپ ہو گیا۔

❁.......❁❁.......❁

ڈاکٹر کی موجودگی میں آغا صاحب نے آنکھیں کھولیں، ڈاکٹر نے مسکرا کر اطمینان کا اظہار کیا، عارض اور صفدر کو ہدایت کی کہ ان سے زیادہ باتیں نہیں کریں خاموش رہنا ہے مگر بہت کوشش اب آغا صاحب خطرے سے باہر ہیں ڈاکٹر کہہ چلے گئے تو صفدر نے عارض کو خوش ہو کر مبارک باد دی۔
"اللہ کا شکر ہے۔" عارض نے کہا آغا جی کی نظروں کے عین سامنے وہ تھا انہوں نے ہولے سے پکارا۔
"عا......عا......عارض......!"
"جی جی بابا......بولیں پلیز۔" وہ فرط جذبات سے ان پر جھک گیا۔
"ص......صفدر......!" انہوں نے صفدر کو بلایا۔
"صفدر بابا بلا رہے ہیں۔" عارض نے صفدر سے کہا تو وہ جلدی سے ان کے قریب آ گیا۔
"جی آغا جی......بولیں......!"
"مو......معید......!" وہ بمشکل بولے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"آغا جی، پلیز آپ روئیں نا، میں سمجھ گیا ہوں۔" صفدر نے ان کی آنکھیں صاف کیں وہ اپنے وفادار ملازم کے لیے بے چین اور دکھی ہو رہے تھے۔
"وہ......پ......پاکستان۔" وہ پھر ٹوٹا پھوٹا سا بولے۔
"آغا جی، آپ ابھی آرام کریں ڈاکٹر نے ٹینشن سے منع کیا ہے۔" عارض نے انہیں سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئے مگر اس کوشش میں تھے کہ کچھ کہہ سکیں، بول سکیں۔
"آغا جی، ابھی آپ کوئی ٹینشن نہ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا، ہم آپ ساتھ ہیں آپ کے پاس ہیں۔" صفدر نے انہیں بہت نرمی اور اپنائیت سے سمجھایا مگر وہ مطمئن نہیں تھے۔
"معید صاحب۔" پھر ایک دم سے معید صاحب کو پکارا۔
"پلیز بابا......ہم انہیں آزاد کرا لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" عارض نے کہا، عین اسی وقت آغا جی کا موبائل فون بجنے لگا، عارض نمبر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ
READING Section

میری بند پلکوں پر ٹوٹ کر کوئی پھول رات بکھر گیا
مجھے سسکیوں نے جگا دیا، میری کچی نیند مٹ گئی
نہ خوشی نہ ملال ہے، سبھی کا اک مان ہے
تیرے سکھ کے دن بھی گزر گئے، میری غم کی رات بھی کٹ گئی

پہلے حصہ کا خلاصہ

جلال احمد کا شمار متوسط طبقے کے لوگوں میں ہوتا ہے احسن اور محسن ان کے بیٹے ہیں۔ احسن اپنی کزن نشاء کو پسند کرتا ہے جو اپنے والدین میں علیحدگی کے سبب انہی کے گھر میں پل کر بڑی ہوتی ہے۔ نشاء کے والد بلال احمد بیٹی کی ذمہ داری ساجدہ بیگم کو سونپ کر بیرون ملک سیٹل ہوجاتے ہیں اور وہیں شادی کرلیتے ہیں۔ محسن پیدائشی طور پر دمہ کا مریض ہوتا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس بھی جبکہ اپنے بھائی کے علاج کی خاطر احسن اسپشلائزیشن کے لیے ملک سے باہر جاتا ہے تاکہ ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کا علاج کرسکے جانے سے قبل وہ نشاء کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرکے نشاء کو انتظار کی گھڑی سونپ جاتا ہے۔ دوسرا گھرانہ سلیم احمد اور راحیلہ خاتون کا ہے جو حاکمانہ مزاج کی خاتون ہیں ثریا اور صبا بلال احمد کے بعد انہی کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ جاذب صبا کو پسند کرتا ہے لیکن راحیلہ خاتون کی روک ٹوک کے سبب اپنے جذبات کا کھل کر اظہار نہیں کرپاتا جبکہ نگار اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہے۔ خان جنید مشہور بزنس مین ہوتے ہیں لیکن اپنے معذور بیٹے کے سبب متفکر رہتے ہیں۔ جب ہی بیٹے کی ذمہ داری سنبھالنے کیلئے وہ صبا کا انتخاب کرتے ہیں۔ صبا اسے خود ترسی کی کیفیت سے نکالنے کی بھرپور سعی کرتی ہے۔ صبا کی صاف گو طبیعت کی بناء پر اپنی ممانی راحیلہ خاتون سے نہیں بن پاتی۔ دوسری طرف وہ اسے گھر سے نکالنے کے لیے آئے دن اس کے رشتے تلاشتی رہتی ہیں جبکہ صبا بھی جاذب کو پسند کرتی ہے لیکن جاذب کی بزدلانہ سوچ اسے متفکر کیے رکھتی ہے ثریا کی زبانی اسے اپنے باپ بلال احمد اور اپنی بہن نشاء کا پتا چلتا ہے تو وہ اس جگہ پہنچ کر ان کی تلاش شروع کردیتی ہے لیکن سوائے مایوسی کے اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ان حالات کی ذمہ دار وہ اپنی ماں کو ٹھہراتی ہے جبکہ ثریا بیگم اپنی صفائی میں کچھ بھی نہیں کہہ پاتیں۔ کالج کے باہر نشاء سے ایک انجان لڑکا بات چیت کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے نظر انداز کردیتی ہے اور کچھ دن کالج بھی نہیں جاتی تاکہ وہ اسے بھول جائے لیکن نشاء کا اندازہ اس وقت غلط ثابت ہوتا ہے جب اس شخص کا فون نشاء کے لیے آتا ہے ایسے میں وہ سخت اذیت میں مبتلا ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

☆☆☆

"اٹھو مونی دوا پی لو۔" نشاء نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا پھر محسن کو دیکھا اس نے آنکھوں پر سے بازو نہیں ہٹایا تھا۔

"جلدی اٹھو مونی، مجھے اور بھی کام ہیں۔" اس نے محسن کا ہاتھ ہلایا تب وہ بازو نیچے کرکے کہنے لگا۔

"اتنے سارے کاموں میں تمہیں مجھے دوا دینے کا یہ ایک کام کیسے یاد رہ جاتا ہے وہ بھی وقت پر۔ میرا خیال ہے اس پوری دنیا میں کوئی کام اتنی پابندی سے وقت پر نہیں ہوتا ہوگا جس پابندی سے تم مجھے دوا دیتی ہو۔"

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ' یہ لو۔" اس نے پانی کا گلاس لے کر ٹیبلٹ حلق سے اتاری۔

"نہیں بتاؤ تو آخر کو انسان ہو بھول بھی سکتی ہو۔"

"میں سب کچھ بھول سکتی ہوں' مونی یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی لیکن ایک یہی کام نہیں بھول سکتی۔" وہ کہتے ہوئے کہیں کھو گئی تھی۔

"کیوں...... کیوں نہیں بھول سکتی۔" محسن نے جرح کی تو وہ چونک کر بولی۔

"تاکہ تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔"

"تم کیا سمجھتی ہو یہ دوائیں مجھے ٹھیک کر دیں گی۔ بے وقوف' دوا تو اس وقت سے میرے منہ کو لگی ہے جب میں نے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ اگر اس میں میرے لیے شفا ہوتی تو میں کب کا ٹھیک ہو گیا ہوتا۔" وہ قدرے تلخ ہوا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے مونی۔" اس کے خلوص میں یقین تھا۔

"اچھا...... وہ ذرا سا ہنسا پھر آزردگی میں گھر گیا۔" تم نے کبھی بجھتے ہوئے دیئے کو دیکھا ہے نشاء جسے کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہاتھ کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے میں اسی دیئے کی مانند ہوں۔"

"مونی' تم جانتے ہو ہم سب تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔" وہ اس کی بات سے سہم گئی۔

"ہاں' یہ محبتیں ہی تو مجھے زندہ رکھے ہوئی ہیں۔" محسن نے اس کا سہما ہوا چہرہ دیکھا تو مسکرا کر بولا۔ "بے وقوف ہو تم' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھ رہی ہو پہلے سے کتنا بہتر ہو گیا ہوں۔ یقین کرو میں خود اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرتا ہوں۔ پتا ہے صبح جب میں واک کرتا ہوں تو پہلے چند قدم کے بعد ہی تھک جاتا تھا لیکن اب میں لان کے کتنے چکر لگا لیتا ہوں۔"

"سچ...... وہ خوش ہوئی۔"

"بالکل سچ' اور ہاں میں نے سنا ہے چچا جان آرہے ہیں۔" محسن نے بات بدلی۔

"ہاں ٹھیک سنا ہے تم نے۔" وہ سرسری سا بولی۔

"پھر تو تم ان کے ساتھ چلی جاؤ گی۔" محسن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"نہیں میں کیوں جاؤں گی' ویسے بھی ابو جی یہیں آرہے ہیں۔ یہیں رہیں گے۔" اس نے فوراً کہا تو وہ مایوسی سے بولا۔

"میرا نہیں خیال کہ چچا جان زیادہ دن یہاں رہ سکیں گے۔"

"وہ یہاں رہیں یا کہیں بھی میں بہرحال یہیں رہوں گی' سنا تم نے اور اب پلیز تم آرام کرو۔ بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مجھے کھانا پکانا ہے۔ فارغ ہو جاؤں گی تو تمہارے پاس آکر بیٹھوں گی۔"

"کوئی اچھی سی کتاب ضرور لیتی آنا۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آئی تو لاؤنج میں ساجدہ بیگم مل گئیں اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"محسن کو دوا دے دی۔"

"جی۔"

"بخار تو نہیں ہے اب اسے۔"

"نہیں تائی امی' اب تو کافی بہتر نظر آرہا ہے۔" اس نے اپنے تئیں خوش خبری سنائی لیکن ساجدہ بیگم کا وہی سپاٹ چہرہ دیکھا تو چپ چاپ وہاں سے کھسک آئی۔ وہ ان ہی کی گود میں پروان چڑھی تھی پھر بھی انہیں سمجھ نہیں سکی تھی۔ پتا نہیں انہیں اظہار کرنا نہیں آتا تھا یا وہ اظہار کرنا نہیں چاہتی تھیں کہ کبھی کوئی غم کوئی خوشی یا کسی اور بات کا ردعمل ساجدہ بیگم کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ جب ہی انہیں ماں کا درجہ دینے کے باوجود وہ ان کے بہت زیادہ قریب نہیں ہو سکی تھی۔ بلکہ اندر سے ہمیشہ کچھ خائف سی ہی رہی تھی گو کہ ساجدہ بیگم بے سبب کسی بات پر روک ٹوک نہیں کرتی تھیں۔ اس گھر میں اسے مکمل آزادی حاصل تھی' بلکہ جب سے اس نے لڑکپن کو خیرباد کہا تھا تب سے زیادہ تر کام اس کی مرضی اور پسند سے ہوتے تھے اس کے باوجود کہیں کوئی کمی ضرور تھی۔ جس سے اس کی شخصیت دب کر رہ گئی تھی۔ نہ وہ اعتماد جو اسکول اور کالج میں پڑھنے والی لڑکیوں کو حاصل

ہوتا ہے اور نہ وہ بے ساختگی جو اس عمر کی لڑکیوں کا خاصا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایسی جھجک جس نے اسے حد درجہ لحاظ اور مروت بخش کر ایک طرح سے حکم کا غلام بنا دیا تھا۔ وہ سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اس نے انکار کرنا سیکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ یہاں خوش تھی اور ہمیشہ یہیں رہنا چاہتی تھی۔ جب ہی اپنے ابوجی کے آنے کا سن کر اور یہ سوچ کر کہ کہیں وہ اسے اپنے ساتھ تو نہیں لے جائیں گے' وہ پریشان ہو جاتی تھی۔ اسے اس گھر سے' اس گھر کے مکینوں سے بہت پیار تھا۔ احسن نے اسے اپنی محبتوں کے حصار میں لیا تھا تو محسن اسے سگے بھائیوں کی طرح پیارا تھا۔ وہ شروع ہی سے کمزور تھا۔ ایک تو دمے کا مرض لے کر پیدا ہوا تھا' پھر چھت سے گرنے کے باعث اس کی بیک بون متاثر ہوئی تھی جس سے وہ طویل عرصہ بیڈ پر رہا تھا۔ جلال احمد نے اس کے علاج میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی جس سے وہ چلنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن جو پیدائشی سانس کا مرض تھا' اس کے سبب وہ اکثر ہی کسی نہ کسی بیماری کا شکار رہتا اور یقیناً اس میں قوت مدافعت کی زبردست کمی تھی جو معمولی سا بخار بھی ہفتوں اسے بستر پر لٹائے رکھتا تھا۔ ساجدہ بیگم اس کی تیمارداری کرتے کرتے نڈھال ہو جاتیں پھر بھی اس نے کبھی انہیں محسن کی بیماری کے دنوں میں چین سے بیٹھتے نہیں دیکھا تھا اور پھر وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں تھا اس لیے اس کے کچھ کام ساجدہ بیگم نہیں کر سکتی تھیں ایسے میں احسن اپنے سب کام چھوڑ کر اس کے پاس چلے آتے اور پھر رفتہ رفتہ احسن نے محسن کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ اسے نہلانا' کپڑے بدلنا' بستر صاف رکھنا اور فارغ وقت میں اسے پڑھانا۔ شروع میں وہ احسن کو یہ سارے کام کرتے دیکھتی رہتی تھی' پھر آہستہ آہستہ ان کے ساتھ شریک ہو گئی۔ اس کے بیڈ پر چادر بچھا دیتی' کمرہ صاف کر دیتی' کیاری سے پھول توڑ کر گلدان میں سجا دیتی اور جو کام محسن کہتا وہ خوشی خوشی کر دیتی۔ اور اب تو احسن اس سے وعدہ لے کر گئے تھے وہ کیسے اس سے غافل ہو سکتی تھی۔ جلدی سے کھانا پکا کر پھر اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

......☆☆☆......

احسن کے جانے سے وہ اداس تو تھی لیکن وہ جلدی جلدی فون کر کے اسے بہلا لیا کرتا تھا' یوں زندگی پھر ایک نئی ڈگر پر چل نکلی تھی کہ اس کے ابو بلال احمد اپنی بیوی لبنیٰ اور بیٹی مریم کے ساتھ آ گئے۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ان سب کو گاڑی سے اترتے پھر جلال احمد کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اگر بلال احمد اکیلے آتے تو شاید وہ بے اختیار ان کے سینے میں جا چھپتی لیکن اس دوسری عورت کی وجہ سے ایک جھجک مانع آ گئی اور وہ کچھ فاصلے پر رک کر صرف سلام کر سکی۔

''ارے نشاء بیٹا'' بلال احمد خود ہی آگے بڑھ آئے اور اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولے۔ ''کتنی بڑی ہو گئی ہے میری بیٹی۔ کون سی کلاس میں پڑھتی ہو بیٹا؟''

''جی گریجویشن کر رہی ہوں۔''

''اچھا' ویری گڈ۔ میرا خیال تھا ابھی آپ میٹرک میں ہو گی۔ خیر ان سے ملو......'' وہ پلٹ کر لبنیٰ کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے پوچھ رہے ہوں تم اپنے آپ کو کیا کہلوانا پسند کرو گی۔

''میں تمہاری مما ہوں' جیسے مریم کی مما ویسے تمہاری۔'' لبنیٰ نے ایک ادا سے کہا تب اس نے سرتاپا اسے دیکھا۔ باریک ساڑھی میں اس کا تراشا بدن جھلک رہا تھا۔ اور وہ کہیں سے بھی مریم کی مما نہیں لگ رہی تھیں۔

''مریم بیٹا اپنی بہن سے ملو۔'' بلال احمد کی آواز پر وہ چونک کر مریم کی طرف متوجہ ہوئی۔ کانچ سی موہنی صورت والی پندرہ سولہ سالہ مریم خود ہی اس کے قریب آئی تو اس نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

''بھئی یہ تفصیلی تعارف وغیرہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ آپ لوگ بیٹھو اور نشاء چائے وائے......'' جلال احمد نے سب کو بیٹھنے کا کہتے ہوئے آخر میں نشاء کو مخاطب کیا تو وہ جلدی سے بولی۔

''جی تایا ابو بس ابھی لاتی ہوں۔'' اور دس منٹ میں وہ چائے لے آئی تو محسن بلال احمد سے کہہ رہا تھا۔

''نشاء میرا بہت خیال رکھتی ہے چچا جان' مجھے دوا دینا تو کبھی بھولی ہی نہیں۔''

''بس کرو مونی تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔''

''یہ وہم نہیں حقیقت ہے کہ ٹھیک وقت پر تم دوا لیے میرے سرہانے موجود ہوتی ہو۔'' محسن نے کہا تو اب وہ ان سنی کر کے سب کو چائے سرو کرنے لگی۔ پھر رات کے کھانے کی تیاری میں وہ بوا کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے کچن میں آ گئی۔ اصل میں وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اپنے ابو جی کو دیکھ کر ان سے مل کر اسے خوشی ضرور ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی اسے اپنی ماں کا خیال بھی آ گیا تھا جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس نے سوچا ساجدہ بیگم نے تو کبھی بتایا نہیں لیکن وہ اپنے ابو جی سے اپنی ماں کے بارے میں ضرور پوچھے گی اور اس کے لیے اسے کچھ وقت انتظار تو کرنا تھا۔ ابھی تو وہ ان سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ بہرحال رات کا کھانا سب نے خوش گوار ماحول میں کھایا اس کے بعد ساجدہ بیگم کے کہنے پر وہ مریم کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ آپ کا کمرہ ہے۔ آپ یہاں سوتی ہیں؟'' مریم نے معصومیت سے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں اب ہم دونوں یہاں سوئیں گی۔ پھر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔ ''تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہوگی' آئی مین میرے ساتھ سونے میں؟''

''نہیں' شاید آپ کو پرابلم ہو۔'' مریم نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''یہ ہم کن تکلفات میں پڑ گئیں۔ ہم بہنیں ہیں' پہلی بار ملی ہیں' ہمیں اپنی فیلنگز شیئر کرنی چاہئے' سچ مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے۔ بیٹھے بٹھائے بہن مل گئی وہ بھی اتنی پیاری سی۔ تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟'' اس نے مریم کی ٹھوڑی چھو کر پوچھا۔

''اچھا لگ رہا ہے۔ آپ کی مما کہاں ہیں؟'' مریم نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی جس سے جانے کیا سمجھ کر مریم نے پھر پوچھا تھا۔

''آپ کو یاد ہیں آپ کی مما؟'' اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تو مریم آزردگی سے بولی۔

''مجھے بھی اپنی مما یاد نہیں ہیں۔''

''کیا.....؟'' وہ اچھل پڑی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا' یہ لبنیٰ آنٹی؟''

''لبنیٰ آنٹی میری اسٹیپ مدر ہیں' جیسے آپ کی۔'' مریم کے انکشاف پر وہ ششدر رہ گئی۔ یعنی اس کے ابو جی کی یہ تیسری شادی تھی۔

''آپ کو نہیں پتا؟'' مریم کی معصومیت فطری تھی۔ وہ کیا کہتی' اسے تو کچھ بھی پتا نہیں تھا اور شاید اسے فرق بھی نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ محبتوں میں پروان چڑھی تھی۔

''تمہاری مما کہاں ہیں؟'' اس نے سنبھل کر پوچھا۔

''میری مام کی ڈ-یتھ ہو گئی ہے۔ میں بہت چھوٹی تھی' شاید دو سال کی۔'' مریم نے بتایا تو وہ افسوس کے لیے الفاظ سوچنے لگی تھی کہ ایک دم خیال آیا محسن کو دوا دینی ہے۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کر بھاگی تھی۔

O......O......O

راحیلہ خاتون کو اچانک لاہور جانا پڑ گیا۔ ان کے بہنوئی کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ بہن نے رو رو کر انہیں بلایا تھا۔ تو نگار بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ جاذب انہیں ائرپورٹ چھوڑ کر واپس آیا تو اس کا خیال تھا وہ صبا کو آؤٹنگ پر لے جائے گا۔ کتنے دنوں سے وہ ناراض تھی' اس سے بات ہی نہیں کر رہی تھی' اسے منانے کا یہ اچھا موقع تھا۔ یہی سوچ کر وہ سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔

''سنو..... ناراض ہو۔''

''ناراض وہاں ہوا جاتا ہے جہاں منانے والے پر یقین ہو۔ یہاں تو بے یقینی ہی بے یقینی ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔

''بدگمان ہو رہی ہو۔'' وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''سوچتی ہوں' ہو جاؤں مکمل بدگمان ہو جاؤں تاکہ اپنی جنگ آسانی سے لڑ سکوں۔'' صبا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"جنگ کے لیے لڑنا ضروری تو نہیں ہے۔ بغیر لڑائی کے بھی جنگ جیتی جاسکتی ہے۔ تم نے سنا نہیں خاموشی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔"

"یہ بزدلوں کا ہتھیار ہے اور میں بزدل نہیں ہوں۔" وہ اس پر جتا گئی تھی۔

"جانتا ہوں اور مانتا بھی ہوں۔ اب خدا کے لیے اتنا مت سوچو مجھے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔" اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولی۔

"تو جاؤ جا کر آرام کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"یہی تو نہیں کرسکتا۔"

"تم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ صرف باتیں کرنی آتی ہیں تمہیں۔ عملی طور پر بالکل صفر ہو۔"

"اب تم زیادتی کررہی ہو صبا۔" وہ مسلسل تذلیل پر ناراض ہوا۔

"میری زیادتی تم نے فوراً محسوس کرلی اوروں کی نظر ہی نہیں آتی۔ یوں بن جاتے ہو جیسے کچھ دیکھا' سنا نہیں۔" صبا معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"جنہیں تم اوروں کہہ رہی ہو وہ میرے اپنے ہیں۔" وہ زچ ہوکر بولا۔

"تمہارے اپنے' امی کے اپنے اور میں......" وہ ایک لمحہ کو سوالیہ نشان بنی پھر بھاگ کر کمرے میں بند ہوگئی تو جاذب کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے' وہ اپنی جگہ ٹھیک تھی لیکن راحیلہ خاتون کو وہ کیسے سمجھاتا کیسے قائل کرتا جو صبا کا نام ہی نہیں سننا چاہتی تھیں۔ کچھ دیر کھڑا وہ اپنے آپ پر جھنجلاتا رہا پھر سلیم احمد کے کمرے میں آ گیا۔

"کیا کررہے ہیں ابو؟"

"کچھ نہیں بیٹا' چھوڑ آئے اپنی ماں کو؟" سلیم احمد نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔" وہ کچھ سوچ کر بیٹھا تھا کہ ثریا چائے لے آئی اور کپ سلیم احمد کو تھماتے ہوئے بولیں۔

"بھابی کے جانے سے کیسا سونا سونا لگ رہا ہے گھر۔"

"کبھی کبھی سونا پن بھی اچھا لگتا ہے۔" سلیم احمد نے چائے کا سپ لے کر کہا تو ثریا ایک نظر جاذب کو دیکھ کر بولیں۔

"نہیں بھائی مجھے تو گھبراہٹ ہوتی ہے۔"

"یعنی تم اپنی بھاوج کی کمی محسوس کررہی ہو۔" سلیم احمد کی مصنوعی حیرت پر وہ ہنسا تھا۔ جبکہ ثریا نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"بھئی ہمت ہے تمہاری۔" سلیم احمد ثریا کو سراہ کر کہنے لگے۔ "میں بہرحال بڑا سکون محسوس کررہا ہوں۔ کتنے عرصے بعد چین سے بیٹھنا نصیب ہوا ہے۔ تم بھی کچھ دن آرام کرلو' بہت کمزور ہوگئی ہو۔ ہنسا بولا کرو' بہت چپ چپ رہتی ہو' کیا سوچتی رہتی ہو۔"

"کچھ نہیں بھائی' بس صبا کی طرف سے تھوڑی فکر مند ہوں۔" ثریا نے کہا تو جاذب چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کیوں صبا کی کیا فکر ہے۔ ماشاء اللہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے' اتنی بڑی فرم میں جاب کررہی ہے اور کیا چاہیے۔" سلیم احمد اپنی دھن میں بولے۔

"میرا مطلب اس کی شادی سے ہے بھائی۔ نصیب سے اچھا رشتہ مل جائے تو اس کی شادی کردوں۔" ثریا کی وضاحت پر اس نے پہلو بدلا تھا۔

"ہوجائے گی شادی بھی۔ جب اللہ کو منظور ہوگا۔ تم فکر نہ کیا کرو۔" سلیم احمد نے تسلی دی پھر چائے کا آخری سپ لے کر کپ ان کی طرف بڑھا دیا جسے لے کر وہ چلی گئیں تو جاذب فوراً ہمت باندھ کر بولا۔

"ابو! ایک بات کہنی تھی۔"

"ہاں......" سلیم احمد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"وہ امی نے صبا کے رشتے کے لیے کتنے لوگوں سے کہہ رکھا ہے' مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس نے کہا تو سلیم احمد حیران ہوئے۔

"کیوں' اس میں کیا برائی ہے۔ رشتے اسی طرح ہوتے ہیں۔"

"وہ تو ہوتے ہیں' میرا مطلب ہے باہر کیوں رشتہ ڈھونڈا

جا رہا ہے۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں صبا سے۔" وہ ایک دم کہہ گیا۔

"او......" سلیم احمد سوچ میں پڑ گئے تو وہ انہیں پکار کر پوچھنے لگا۔

"ابو آپ کو تو اعتراض نہیں ہے ناں؟"

"بیٹا میرا اعتراض کرنا نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ساری بات تمہاری ماں کی ہے۔ تمہیں پتا ہے اس کے سامنے میں بھی کچھ نہیں بول سکتا۔" سلیم احمد نے اپنی کمزوری کا اعتراف کر کے اسے مایوس کر دیا تھا۔

"لیکن ابو آپ امی سے کہہ کر تو دیکھیں بلکہ انہیں منانے کی کوشش بھی کریں۔"

"کروں گا ضرور کوشش لیکن تم سن لو ہو گا وہی جو تمہاری ماں چاہے گی۔ ویسے چاہتا تو میں بھی یہی ہوں کہ صبا اسی گھر میں رہ جائے۔ اب دیکھو اللہ کو کیا منظور ہوتا ہے۔" سلیم احمد نے اپنی خواہش ظاہر کر کے اسے مایوسی سے نکال لیا تھا۔

O......O......O

وہ آئینے کے سامنے کھڑی جلدی جلدی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی کہ عقب سے جاذب آئینے میں اسے دیکھ کر شرارت سے گنگنانے لگا۔

"تالے لمی تے نالے کالی۔"

وہ جھٹکے سے اس کی طرف مڑی تھی۔

"اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو فوراً اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ کیونکہ میں کہیں سے بھی کالی نہیں ہوں۔"

"ہاہاہا...... جاذب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "یہ کہیں سے بھی میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا وضاحت کرو گی۔"

"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے اور یہ وضاحتیں تم اپنی اماں سے مانگا کرو ان کی سامنے تو جی امی، اچھا امی، سعادت مندی کے سارے ریکارڈ توڑ دیتے ہو۔" اس نے سلگ کر اس کی نقل بھی اتاری تھی۔

"یہ تم ہر وقت کاٹ کھانے کو کیوں دوڑتی ہو۔ کبھی پیار سے بھی بات کر لیا کرو۔ ایمان سے ترس گیا ہوں تمہارا وہ شہد جیسا لہجہ یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔" وہ بڑے موڈ میں تھا۔ آخر میں آہ بھر کر بولا۔ "کیوں اتنی کڑوی ہو گئی ہو تم؟"

"وقت...... حالات۔" وہ تلخ ہوئی۔

"کیا ہوا ہے سب کچھ ویسا ہی تو ہے۔ کچھ نہیں بدلا۔ صرف تم بدلی ہو۔"

صبا نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنا پرس اٹھایا اور تیز قدموں سے باہر نکل آئی اور اس سے پہلے کہ جاذب گاڑی لے کر اس کے پیچھے آتا وہ رکشہ میں بیٹھ گئی تھی۔ گو کہ وہ کنوینس کی یہ عیاشی افورڈ نہیں کر سکتی تھی لیکن ابھی وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شاید اس کا رویہ اس کے اندر اتنی ہمت پیدا کر دے کہ وہ راحیلہ خاتون سے بات کر سکے، یہی سوچ کر وہ خود پر بھی جبر کر رہی تھی، جس سے اس کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ بنٹی کی باتیں سنتے ہوئے بور ہو گئی تو اس سے کہنے لگی۔

"سنو، تم اگر بور ہوتے ہو تو اپنے پاپا کے ساتھ آفس آ جایا کرو۔"

"ایک دو بار گیا تھا۔" بنٹی نے منہ بنا کر کہا۔

"پھر اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں آفس تو اچھا ہے لیکن لوگوں کا بی ہیور مجھے اچھا نہیں لگا۔ یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں۔" بنٹی کی بات پر وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ایسا کیوں؟"

"پتا نہیں...... شاید اس کی وجہ سے۔" بنٹی نے وہیل چیئر پر ہاتھ مارا تو وہ سنبھل کر کہنے لگی۔

"یہ کوئی انوکھی چیز تو نہیں ہے، اصل میں تم بہت حساس ہو۔ کوئی بے دھیانی میں بھی تمہاری طرف دیکھتا ہو گا تو تمہیں یہی لگتا ہو گا کہ لوگ افسوس کر رہے ہیں یا ترس کھا رہے ہیں اور اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو تمہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"اگر آپ میری جگہ ہوتیں تو آپ کو پتا چلتا۔" بنٹی کی بات اس کے دل پر لگی تھی۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسے لگا جیسے دنیا میں کہیں سکھ ہے ہی نہیں۔ بس دکھ ہی دکھ...... دل پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا کہ پھر آفس میں بھی وہ کوئی کام نہیں کر سکی اور وقت سے پہلے ہی باس سے کہہ کر آفس سے نکل

آئی اور ابھی اسٹاپ پر پہنچی تھی کہ جاذب نے اس کے قریب گاڑی کو بریک لگائے تھے۔

"یا اللہ......" اس نے سر اونچا کر کے دور تک پھیلے آسمان کو دیکھا پھر خود ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تو جاذب نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ خاموش تھی تو جاذب بھی کچھ نہیں بولا۔ اسی خاموشی سے دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے۔

"میں دوپہر میں تمہیں فون کررہا تھا لیکن تمہارا اسیل آف تھا۔" جاذب نے بیٹھتے ہی پہلی بات کی۔

"ہاں، میں باس کے ساتھ میٹنگ میں تھی۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"اچھا...... کیسے ہیں تمہارے باس۔ آئی مین ان کی ایج؟" جاذب نے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں، یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یونہی......" جاذب نے انجان بن کر کندھے اچکائے۔

"یونہی تو میں نہیں بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" جاذب نے پھر کندھے اچکائے تو اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر چائے کا کپ اٹھا کر بولی۔

"جلدی چائے پیو اور چلو۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"فکر مت کرو۔ میں نے انہیں فون کردیا تھا۔" وہ گویا پوری پلاننگ سے آیا تھا۔

"فون تو میں بھی کرسکتی ہوں لیکن وہ اکیلی ہوں گی۔" اس نے احساس دلایا تو وہ یونہی بولا۔

"ہاں امی اور نگار بھی تو نہیں ہیں۔"

"سنو...... وہ چائے کا سپ لے کر بولی۔ "اگر نگار اور مامی جی ہوتیں تو ہم یہاں نہ بیٹھے ہوتے۔"

"اب تم فضول باتیں شروع کردو۔" وہ خفا سی ہوا۔

"سچ فضول ہی لگتا ہے۔"

"بہرحال میں نے سوچ لیا ہے کہ امی کے آتے ہی میں ان سے اپنی اور تمہاری شادی کی بات کروں گا۔ تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہیے۔" اس نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"اعتبار کیا ہے جب ہی تو تمہارے ساتھ آئی ہوں۔"

O......O......O

محسن نے ٹھیک کہا تھا چچا جان زیادہ دن یہاں نہیں رہیں گے۔ دوسرے دن ہی بلال احمد کے لیے اپنا گھر لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی چاہتے تو کہیں بھی کھڑے کھڑے گھر خرید سکتے تھے اور شاید وہ ایسا ہی چاہتے تھے لیکن جلال احمد نے سمجھایا کہ پہلے اپنا بزنس سیٹ کرلیں اس کے بعد اطمینان سے گھر خریدیں، یوں بلال احمد اپنا بزنس سیٹ کرنے میں لگ گئے اور وہ گو کہ اپنے طور پر فیصلہ کرچکی تھی کہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ اگر بلال احمد نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ انکار بھی نہیں کرسکے گی اس لیے فی الحال ان کے یہیں رہنے پر قدرے مطمئن ہوگئی تھی۔

اس کے معمولات وہی تھے۔ بس کسی کسی وقت مریم کو کمپنی دیتی تھی۔ مریم فطرتاً کم گو تھی جتنی دیر وہ اس کے پاس بیٹھتی تو وہی بولتی مریم خاموش رہتی تھی۔ وہ حددرجہ تنہائی کا شکار لگتی تھی۔ جبکہ لبنیٰ آنٹی مزاجاً اچھی خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ بھی دوستانہ ماحول اور نرمی سے بات کرتی تھیں۔ بس ان کی ایک عادت جو اس نے ابھی تک تو محسوس نہیں کی تھی اور اگر محسوس کی بھی تھی تو برا نہیں مانا تھا وہ ان کا ہر بات میں ٹوکنا تھا، خود جینز پہنتیں اور اسے دوپٹہ ڈھنگ سے اوڑھنے کو کہتی۔ غالباً ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جو دوسروں پر فتوے لگانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ اس وقت وہ ششدر رہ گئی جب وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"محسن تمہارا عم زاد ہے نشا، وہ تمہارے لیے نامحرم ہے اور تمہارا اکیلے اس کے کمرے میں جانا اچھی بات نہیں۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کررہی ہیں آنٹی۔" وہ تاسف سے بولی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی۔ تم میری نیت پر شک مت کرو۔" لبنیٰ نے اسی نرمی سے کہا تو وہ دکھ سے گویا ہوئی۔

"میں آپ کی نیت پر شبہ نہیں کررہی آنٹی لیکن یہ بھی تو

اردو ادب کا روشن ستارہ
رفعت سراج
اپنے سلسلے وار ناول
چراغِ خانہ
کے ہمراہ آنچل محفل کی شان بڑھانے آرہی ہیں
ہمیشہ کی طرح اچھوتے موضوع پر قلم بند کرتی رفعت سراج اس بار بھی
حالات کی ستائی لڑکی کو اس کی منزل تک کیسے پہنچاتی ہیں
یہ جاننے کے لیے زیادہ نہیں بس تھوڑا انتظار
کیونکہ بہت جلد ماہنامہ آنچل میں آرہا ہے چراغ خانہ
آپ بہنوں کی پرزور فرمائش پر
جلد ماہنامہ آنچل کے صفحات پر پڑھیں

دیکھیں کہ میں شروع سے یہاں رہی ہوں' تایا ابو اور تائی امی نے مجھے ماں باپ کی طرح پالا ہے اور مونی......'' اس کی آواز حلق میں دب گئی۔

''یہ سب ٹھیک ہے لیکن......''

''بس کریں آنٹی میں مونی سے غافل نہیں ہو سکتی' وہ ان کی بات کاٹ کر بولی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی اور محسن کے کمرے میں داخل ہوئی تو خاصی مضمحل تھی۔

''کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟'' محسن نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی پوچھا۔

''نہیں تو......'' وہ موڑھا کھینچ کر بیٹھی اور اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

''آنٹی سے لڑائی ہوئی ہے؟'' محسن نے پوچھا تو اس نے ایک دم سر اونچا کیا' جس پر وہ ہنس پڑا۔

''بھئی اس تمام عرصے میں تمہاری مجھ سے یا امی سے تو لڑائی ہوئی نہیں' اس لیے مجھے لینی آنٹی کا نام لینا پڑا۔''

''لیکن میری ان سے لڑائی نہیں ہوئی۔'' اسے کہنا پڑا۔

''لیکن ان کی کوئی بات بری ضرور لگی ہے۔ تم نہ بتانا چاہو الگ بات ہے ورنہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی ہی کوئی بات ہے۔'' محسن نے بغور اسے دیکھا اور اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگا۔

''سنو' تمہارا اور ان کا رشتہ ہی ایسا ہے اور ابھی تو ابتدا ہے آئندہ اور بہت ساری باتیں ہو سکتی ہیں لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا کرو ورنہ جتنا زیادہ محسوس کرو گی اتنی ہی تکلیف بڑھے گی۔'' نشاء کا دل چاہا صاف بات بتا کر پھر اس سے پوچھے کہ یہ بات نظر انداز کر دینے والی ہے لیکن اس کی دل آزاری کے خیال سے سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چائے پیو گے؟''

''اگر تم پیو گی تو لے آؤ۔'' اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر کچھ دیر بعد چائے لے کر آئی تو وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے مگ لیا' تب بھی بیٹھا نہیں یونہی ٹہل کر چائے پینے لگا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے بیڈ کے پاس جو کرسی رکھی تھی وہاں جا بیٹھی۔

''امی کیا کر رہی ہیں؟'' وہ رک کر پوچھنے لگا۔

''نماز پڑھ رہی ہیں۔ اب پلیز تم بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گے۔''

''میں تو پہلے ہی تھکا ہارا انسان ہوں مزید کیا تھکوں گا۔'' وہ خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھا تو کہنے لگا۔

''پتا ہے نشاء' کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہر وہ کام کروں' جس کے لیے مجھے سختی سے منع کیا گیا ہے۔''

''مثلاً' وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ ٹکا کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کبھی میرا دل چاہتا ہے میں خوب تیز بھاگوں' اتنا تیز کہ ساری تیز رفتار چیزوں کو پیچھے چھوڑتا جاؤں' کوئی آواز کوئی پکار مجھ تک نہ پہنچے۔'' سامنے دیوار پر نظریں جمائے وہ یاس بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور کبھی دل چاہتا ہے میں سگریٹ سلگا کر اتنا گہرا اور طویل کش لوں کہ میرے اندر باہر ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل جائے۔''

''بس کرو مونی۔'' وہ جھرجھری لے کر بولی۔ ''جانتے ہو سگریٹ پینے سے تمہاری کیا حالت ہو گی تھی۔''

''ہاں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''کھانسی کا شدید دورہ پھر میری سانس سینے میں دب کر رہ جائے گی اور اگر اسی حالت میں میری موت لکھی ہو گی تو مر جاؤں گا۔''

''خدا کے لیے مونی مت کرو ایسی باتیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''ایک دن تو ایسا ہونا ہی ہے۔ چاہے میں تیز نہ بھاگوں' سگریٹ نہ پیوں تب بھی۔''

''نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ تم بہت جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے اور اب تم دوا پینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' وہ اٹھنے کو تھی کہ بلال احمد اسے پکارتے ہوئے وہیں آ گئے۔

''آیئے چچا جان۔'' محسن اٹھنے لگا کہ انہوں نے روک دیا۔

''بیٹھے رہو بیٹا' کیسے ہو۔'' انہوں نے محسن کو بیٹھے رہنے

کا اشارہ کیا پھر اس سے مخاطب ہوئے۔
"تم یہاں کیا کررہی ہو؟"
"جی......" وہ واقعی حیران ہوئی کیونکہ اب سے پہلے تو کسی نے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی۔
"چلو مریم تمہارا انتظار کررہی ہے۔" بلال احمد نے گویا حکم سنایا۔ انداز ایسا تھا جیسے انکار سنتے ہی بھڑک اٹھیں گے اور وہ محسن کا خیال کرکے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آپ چلیں ابو۔ میں مونی کو دوا دے کر آتی ہوں۔"
"دوا میں خود لے لوں گا تم جاؤ۔" محسن اس سے زیادہ حساس تھا بلال احمد کا ناگوار لہجہ فوراً محسوس کرگیا۔
"تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے، کون سی دوا لینی ہے۔ میں دیتی ہوں۔" وہ میز کی طرف بڑھ گئی۔ بلال احمد نے اسے کپ میں دوا ڈالتے ہوئے دیکھا پھر اسے جلدی آنے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔
"لو مونی۔" اس نے کپ محسن کے سامنے کیا تو کچھ کہے بغیر کپ اس کے ہاتھ سے لے کر دوا حلق میں اتاری اور کپ اس کے ہاتھ میں تھما کر لیٹتے ہی بولا۔
"لائٹ آف کرتی جانا۔"
"مونی......" وہ بلال احمد کے سمجھ میں نہ آنے والے رویے کی معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن محسن نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تو وہ لائٹ آف کرکے کمرے سے نکل آئی۔ اس کا خیال تھا بلال احمد اب لبنیٰ کی زبان بولتے ہوئے اسے پتا نہیں کیا سمجھانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ اپنے بیڈروم میں جاچکے تھے۔ وہ شکر کرتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تو مریم سو چکی تھی۔ وہ اس کے برابر لیٹ گئی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی لبنیٰ آنٹی اور اب بلال احمد کا رویہ اس کے سامنے سوالیہ نشان بن گیا تھا۔

O......O......O

"وعدہ کرو نشاء میرے جانے کے بعد محسن کا خیال رکھو گی۔ خاص طور سے دوا کی طرف سے کبھی بے پروائی نہ ہو۔" اس شخص نے کہا تھا جو اس کے کومل جذبوں کو چھیڑنے اور بیدار کرنے کا ذمہ دار تھا اور جس کے حوالے سے وہ اب تک کتنے خواب سجا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے خوابوں کو تعبیر دینے سے پہلے وہ یہ ضرور پوچھے گا۔ تم نے محسن کا کتنا خیال رکھا اور وہ کہے گی اپنے آپ سے بڑھ کر، حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اب تک محسن کی طرف سے غافل نہیں ہوئی تھی لیکن اب جان بوجھ کر اسے غافل کیا جارہا تھا۔ یعنی وہ جب اس کے کمرے میں جانے لگتی، لبنیٰ راہ میں حائل ہوجاتی، کسی نہ کسی کام کے بہانے روک لیتی، وہ اکثر رک جاتی لیکن اگر محسن کی دوا کا وقت ہوتا تو وہ سہولت سے کہہ دیتی۔
"میں مونی کو دوا دے آؤں پھر آتی ہوں۔" اور وہ محسن کو دوا دے کر فوراً آ بھی جاتی تھی لیکن لبنیٰ کو پتا نہیں کیوں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ وہ اس بیمار شخص کو اتنی اہمیت دیتی ہے اور اس بات کو اس نے انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ شروع میں خود ٹوکا کہ محسن اس کا مسئلہ نہیں ہے جب اس نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تو غالباً اس نے بلال احمد سے کوئی ایسی بات کہی ہوگی جب ہی اس روز وہ اس سے کہنے لگے۔
"بیٹا محسن کو اپنا محتاج مت بناؤ۔ اسے خود بھی ہاتھ پاؤں چلانے دو ورنہ وہ زندگی بھر دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا رہے گا اور بیٹا تم کب تک اس کا ساتھ دو گی، ویسے بھی کچھ دنوں بعد ہم نئے گھر میں شفٹ ہونے والے ہیں۔ وہاں سے تم صبح شام اسے دوا دینے نہیں آسکو گی۔"
ان کی باتیں غلط نہیں تھیں لیکن بعد از وقت اگر یہی باتیں اسے پہلے سمجھائی جاتیں تو وہ یقیناً محسن کو خود اپنے آپ پر بھروسا کرنا سکھاتی۔ اب بھی وہ ایسا کرسکتی تھی لیکن اس کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا جبکہ بلال احمد کچھ دنوں بعد نئے گھر جانے کی بات کررہے تھے۔ وہ خاموش نہیں رہ سکی۔
"ابو آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ مونی میرا محتاج نہیں ہے۔ وہ جب بہتر حالت میں ہوتا ہے تو اپنا کام خود کرتا ہے، دوسری صورت میں بھی کوئی خاص طور سے مجھ سے نہیں کہتا۔ میں خود اپنی خوشی سے اس کے کام کرتی ہوں، کیونکہ یہ میرا فرض ہے، تایا ابو اور تائی امی نے جو کچھ میرے لیے کیا وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے ماں اور باپ وہی ہیں اور بیٹی ہونے کے ناتے کیا یہ میرا فرض نہیں بنتا کہ میں جب

کچھ کرنے کے قابل ہوئی ہوں تو ان کے کچھ کام کرسکوں۔ آخر انہوں نے بھی تو میرے لیے کیا ہے۔ میں کتنی سی تھی جب آپ نے مجھے ان کی گود میں ڈالا تھا۔" بلال احمد ذرا سا مسکرائے تو وہ حوصلہ پا کر کہنے لگی۔

"مجھے آپ سے یا کسی سے بھی کوئی گلہ نہیں، میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ جس طرح انہوں نے ماں باپ بن کر میری پرورش کی اس طرح میں بھی بیٹی ہونے کا حق ادا کروں اور میں آپ سے یہ بھی کہوں گی کہ مجھے یہاں سے لے جانے کا سوچنے سے پہلے آپ تایا ابو سے ضرور پوچھ لیں، اگر وہ خوشی سے اجازت دیں تو ٹھیک ورنہ آپ مجھے یہیں رہنے دیجیے گا۔"

"او کے بیٹا، او کے۔" بلال احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر کہنے لگے۔ "مجھے تمہارے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں اور میرا خیال ہے بھائی جان بھی خوشی سے تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"جی۔" اس نے سر ہلایا۔

"چلو اگر تم یہیں خوش ہو تو ٹھیک ہے۔"

"تھینک یو ابو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں اب جاؤں۔"

"محسن کی دوا کا وقت ہوگیا ہے۔ بلال احمد کے ہلکے پھلکے مذاق پر وہ ہنس پڑی۔ پھر محسن کو دوا دے کر اپنے کمرے میں آئی تو مریم گھٹنوں کے گرد بازو لپٹے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ قصداً اس کے سامنے دھم سے بیٹھی تو مریم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہر وقت کن سوچوں میں گم رہتی ہو؟" اس نے ٹوکا تو مریم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"لگتا ہے تمہیں یہاں آ کر اچھا نہیں لگا۔ اکیلی کمرے میں بیٹھی رہتی ہو کسی سے بات بھی نہیں کرتی۔" اس نے کہا تو مریم سادگی سے بولی۔

"مجھے عادت ہوگئی ہے اکیلے رہنے کی۔"

"تو بدلو اپنی عادت۔ اب تو تم اکیلی نہیں ہو۔ ایسا کرو مجھ سے دوستی کرلو اور اپنی ساری باتیں میرے ساتھ شیئر کیا کرو۔" وہ خلوص سے بولی تھی۔

"محسن بھائی کو کیا ہوا ہے؟" یہ اس کی بات کا جواب نہیں تھا۔

"اب کیا بتاؤں کہ کیا ہوا ہے لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گی۔ اب سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" وہ مریم کا گال تھپک کر لیٹ گئی لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ اس نے محسن کے کمرے کی کھڑکی تو بند کی نہیں، اور ان دنوں ہوا میں خاصی نمی تھی جو محسن کے لیے نقصان دہ تھی۔ اس لیے وہ فوراً اٹھ کر بھاگی تھی اور جب ہر طرف سے اپنا اطمینان کر کے وہ محسن کے کمرے سے نکل کر رہی تھی تب لابی میں لبنیٰ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور ایسی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی کہ وہ اندر تک کانپ گئی تھی۔

"تم اتنی رات کو محسن کے کمرے میں کیا کرنے گئی تھی؟" لبنیٰ کا چبھتا ہوا لہجہ اسے چھلنی کر گیا۔

"و...... وہ آنٹی مونی کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔"

"تو......؟"

"آپ کو نہیں پتا آنٹی نم ہوا مونی کے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔ آپ پلیز کچھ غلط نہ سوچیں، مونی میرا بھائی ہے۔" وہ کہہ کر تیزی سے اس کے قریب سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

O......O......O

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ صبا جانے کہاں اور کیا کر رہی تھی۔ ثریا نے سالن کی پتیلی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر چولہا آہستہ کیا اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔"

"کون ثریا بول رہی ہو؟" دوسری طرف راحیلہ خاتون تھیں۔

"جی بھابی! السلام علیکم! کیسی ہیں آپ اور آپ کے بہنوئی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ثریا نے سنبھل کر حال احوال کے ساتھ پوچھا۔

"ابھی میرے بہنوئی ہاسپٹل میں ہی ہیں، گھر آ جائیں

گے تب میں واپسی کا سوچوں گی۔'' راحیلہ خاتون نے کہا۔
''جی جیسے آپ کو مناسب لگے۔'' ثریا یہی کہہ سکتی تھیں۔
''اور ہاں ابھی میں نے یہ بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے کہ میرا بھانجا ہے عابد ماشاء اللہ انجینئر ہے اچھا کماتا ہے میں نے صبا کے لئے بات کی ہے۔'' راحیلہ خاتون کو وہاں بھی چین نہیں تھا ثریا پریشان ہوگئیں۔
''میری بہن تو نگار کے لیے کہہ رہی تھی لیکن میں پہلے صبا کی شادی کرنا چاہتی ہوں ورنہ لوگ کہیں گے میاں کی بھانجی تھی ناں اس لیے اس کا خیال نہیں کیا۔'' راحیلہ خاتون نے احسان کرتے ہوئے کہا تو ثریا جزبز ہو کر بولیں۔
''لوگ تو ہر حال میں کچھ نہ کچھ کہتے ہی ہیں بھابی آپ لوگوں کی پروا نہ کریں۔''
''لو تم بھی نیا سبق پڑھا رہی ہو لوگوں کی پروا نہ کروں تو گھر میں جو دو جوان لڑکیاں ہیں انہیں کون بیاہنے آئے گا۔ خیر تم صبا کو بتا دینا لڑکا انجینئر ہے۔ میں اس کی بات پکی کر کے آؤں گی۔'' راحیلہ خاتون نے اپنا فیصلہ سنا کر فون بند کر دیا تھا۔
ثریا صرف پریشان ہی ہو سکتی تھی۔ اس کے پاس اختلاف کا حق نہیں تھا۔ جب ہی مرے مرے قدموں سے کمرے میں آئی تھی۔ صبا اپنا سوٹ پریس کر رہی تھی۔ ثریا کچھ دیر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر خود پر قابو پا کر پوچھنے لگیں۔
''کہیں جا رہی ہو؟''
''ابھی تو نہیں جاذب نے کہا تھا شام میں......'' صبا اپنے کام میں مصروف رہ کر بول رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔
''جاذب کے ساتھ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔''
''جی......'' صبا نے نا سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھا تو وہ ضبط سے کہنے لگیں۔
''ہاں جاذب کا خیال چھوڑ دو کیونکہ اس کے ماں باپ کو تمہارا خیال نہیں ہے۔ انہیں بس یہ فکر ہے کہ تم جلد سے جلد یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔''
''جانتی ہوں لیکن جاذب تو ایسا نہیں چاہتا اور وہ اپنے ماں باپ کو منا لے گا۔'' صبا کے یقین پر ثریا نفی میں سر ہلانے لگیں۔
''مجھے نہیں امید۔''
''مجھے ہے۔'' صبا فوراً بولی۔ ''کیونکہ یہ دو چار دن کا نہیں پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ جاذب خواہ کتنا ماما جی سے دبتا ہو اپنی زندگی کا اہم فیصلہ صرف ان کی مرضی پر نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ضرور آواز اٹھائے گا۔''
''یہ تم سے جاذب نے کہا ہے؟'' ثریا کو یقین نہیں تھا۔
''جی اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ مامی جی کے آتے ہی ان سے بات کرے گا۔''
''وہ کیا بات کرے گا وہاں تمہاری مامی جی اپنے بھانجے سے تمہارا رشتہ طے کر رہی ہیں۔'' ثریا کو اپنی بیٹی کی امیدوں پر پانی پھیرتے دکھ ہوا تھا۔
''مامی جی کو وہاں بھی چین نہیں۔'' صبا نے زور سے استری پٹخی۔ ''میری طرف سے صاف انکار ہے۔ اور آپ بھی سن لیں امی بے شک میری شادی جاذب سے نہ ہو ساری عمر کنواری بیٹھی رہوں مامی جی کے کہنے پر ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ سمجھیں آپ۔'' صبا پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ثریا مزید پریشان ہوگئی۔ صبا کی ضدی طبیعت سے واقف تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیسے سمجھائے۔ اس سوچ میں کھڑی تھی کہ سلیم احمد کی آواز سن کر وہ جلدی سے کچن میں آ گئی اور چائے بنا کر ان کے کمرے میں لے آئی۔
''جاذب آ گیا؟'' سلیم احمد نے ان کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں بھائی ابھی تو نہیں آیا البتہ کچھ دیر پہلے بھابی کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے بتایا تو سلیم احمد چائے کا سپ لے کر پوچھنے لگے۔
''اچھا کیا کہہ رہی تھیں؟''
''بس خیریت اور...... وہ......'' وہ رک گئی تو سلیم احمد سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
''کیا وہ......؟''

"وہ بھابی اپنے بھانجے کا ذکر کر رہی تھیں کہہ رہی تھیں صبا کے لیے بات کی ہے۔" ثریا نے جھجک کر بتایا تو سلیم احمد افسوس سے گویا ہوئے۔

"اب میں کیا کہوں اس عورت نے صبا کی شادی کو ہوا بنا لیا ہے۔ جہاں جاتی ہے وہیں بات چھیڑ دیتی ہے جبکہ لڑکا گھر میں موجود ہے۔"

"جی؟" ثریا چونکی تھیں۔

"تو اور کیا تمہاری بھاوج فکر کرے تو نگار کی کرے صبا کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ صبا اس گھر میں رہے اور جاذب نے بھی مجھ سے کہا ہے۔ ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" سلیم احمد نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ اپنی خوشی چھپا نہیں سکی۔

"جی بھائی بچوں کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور سچ پوچھیں تو یہ میری بھی دلی خواہش ہے۔"

"ہوں سب کی خوشی اسی میں ہے۔ اب دیکھو تمہاری بھاوج کیا کہتی ہیں۔ ویسے میں انہیں منانے کی کوشش کروں گا۔ تم فکر مت کرو مان جائیں گی۔"

"اللہ کرے۔" ثریا نے دل میں دعا کی۔

☆☆☆

اس نے ثریا سے تو کہہ دیا تھا کہ وہ مامی جی کے کہنے پر ہرگز شادی نہیں کرے گی لیکن خود پریشان بھی ہو گئی تھی کیونکہ وہ اکیلی اس عورت سے نہیں لڑ سکتی تھی جو جانے کیوں اس سے اتنا خار کھاتی تھیں۔ حالانکہ وہ انہی کے سامنے اسی گھر میں پروان چڑھی تھی۔ بندہ کوئی جانور بھی پالتا ہے تو اس سے مانوس ہو جاتا ہے وہ تو پھر انسان تھی اور شروع میں تو وہ ہمیشہ راحیلہ خاتون کی ہر بات مانتی تھی ان کے کام بھی بلا چوں چرا کیا کرتی تھی پھر بھی ان کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی بلکہ راحیلہ خاتون اسے اپنے دل تو کیا گھر میں بھی جگہ دینے کو تیار نہیں تھیں۔ جیسے جیسے اسے یہ بات سمجھ آتی گئی وہ بھی نہ صرف ان سے اکھڑ گئی بلکہ ان سے ضد بھی باندھ لی تھی۔

"لائے ان کا بھانجا بارات سب کے سامنے تماشا بنوا دوں گی۔" وہ تلملا تلملا کر برتن پٹخ رہی تھی کہ جاذب کچن کے دروازے میں آ کر پوچھنے لگا۔

"تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟"

"نہیں اٹھا رہی تھی بس۔" وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"الٰہی خیر مزاج برہم لگ رہا ہے کیا ہوا ہے کچن کی گرمی ہے یا......؟"

"فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔" وہ دھاڑی۔

"چلو تو کام کی باتیں کر لیتے ہیں لیکن اس کے لیے ماحول خوش گوار ہونا چاہیے۔" جاذب نے فوراً کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

"ماحول خوش گوار تبھی ہو سکتا ہے جب ایک بات ہو۔ یہاں تو صبح کچھ ہوتا ہے شام کچھ۔"

"کیا مطلب اب کیا نئی بات ہوئی ہے۔" وہ سنجیدہ ہو کر آگے بڑھا۔

"اپنی امی سے پوچھو جو وہاں اپنے بھانجے سے میرا رشتہ طے کر رہی ہیں۔" اس نے پھر سلگ کر کہا تو جاذب زچ ہو کر بولا۔

"پاگل ہو تم۔ امی تو بس ایسے ہی۔"

"بس ایسے ہی۔" کسی دن بس ایسے ہی میری قسمت پھوٹ جائے گی۔" وہ غصے میں پھنکاری۔

"تمہاری قسمت صرف میرے ساتھ پھوٹے گی سمجھیں۔ میں ابو سے بات کر چکا ہوں۔" جاذب نے تیز ہو کر کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔

"کیا بات؟"

"بس رہنے دو تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے۔" وہ روٹھنے لگا۔

"اب زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔" وہ تیزی سے اس کے قریب آ گئی جیسے وہ نہیں بتائے گا تو اس پر جھپٹ پڑے گی۔

"یہاں نہیں باہر چلو آئی مین خوب گھومیں پھریں گے باتیں کریں گے۔" جاذب کو موقع مل گیا تھا۔

"نہیں اب میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ اسے دھکیل کر اپنے کمرے میں بند ہوئی تو پھر اگلی صبح ہی نکلی تھی۔ آفس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا' وہ چائے کا کپ لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی کہ آفس کے لیے نکلتا جاذب اسے بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔

"تم اتنے آرام سے بیٹھی ہو..... آفس نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں آج موڈ نہیں ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا تو وہ جتا کر بولا۔

"نوکری میں اپنا نہیں باس کا موڈ دیکھنا پڑتا ہے۔"

"پتا ہے' کیا ہوگا' زیادہ سے زیادہ نکال دی جاؤں گی۔" اس نے مزید بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں تمہیں کون سا گھر چلانے کی فکر ہے' جو نکالے جانے کا خوف ہو۔ یہ جھمیلے تو ہم مردوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔" جاذب نے آہ کھینچی تو وہ چڑ کر بولی۔

"بس زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آج گھر میں کچھ کام ہے جب ہی آفس نہیں جا رہی۔"

"تو یہ بات پہلے بھی کہہ سکتی تھیں۔" جاذب نے جل کر کہا تو وہ قصداً ہنس دی۔

"پھر تمہارے خیالات کا پتا کیسے چلتا۔"

"کون سے خیالات؟" وہ سمجھا نہیں۔

"کیوں؟ ابھی تم نے کہا نہیں کہ یہ جھمیلے تم مردوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے یعنی تمہاری نظر میں عورتیں ہر فکر سے آزاد پیدا ہوئی ہیں۔" اس نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"یہ لمبی بحث ہے اور ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں جاؤ' اللہ حافظ۔" اس نے فوراً ہاتھ ہلایا تو وہ جاتے جاتے پلٹا۔

"سنو' شام میں تیار رہنا' باہر چلیں گے۔"

"میں ابھی مامی جی کو فون کرتی ہوں۔" اس نے کہا تو وہ فوراً ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا' جس پر وہ ہنسی ضرور لیکن آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

O......O......O

"رات محسن بہت دیر تک کھانستا رہا۔" ساجدہ بیگم انتہائی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔ "میں اس کے کمرے میں گئی بھی لیکن اس نے مجھے بیٹھنے ہی نہیں دیا' بس ایک ہی ضد آپ اپنے کمرے میں جائیں۔"

"ہاں تو تم کیا کر سکتی تھیں۔ پریشان ہی ہوتیں۔" جلال احمد نے کہا تو وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تو کیا اپنے کمرے میں آ کر میں پریشان نہیں ہوئی۔ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ فجر سے کچھ پہلے محسن سویا' تب جا کر میری بھی آنکھ لگی۔ میں تو اس لڑکے کی طرف سے بہت فکرمند رہتی ہوں۔ سوچتی ہوں ہمارے بعد اس کا کیا ہوگا' احسن بھی چلا گیا۔"

"احسن ہمیشہ کے لیے نہیں گیا۔" جلال احمد ان کی آخری بات پر جھنجلا گئے تھے۔

"آ جائے گا' احسن' پھر نشاء ہے۔ ہم سے زیادہ تو وہ محسن کا خیال رکھتی ہے۔"

"ہاں لیکن کب تک' جب اس کی اور احسن کی شادی ہو جائے گی تو کیا اس کے بعد بھی وہ دونوں محسن...... محسن کریں گے۔" ساجدہ بیگم نے اپنے خدشے کو زبان دی تو جلال احمد کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"میرا خیال ہے احسن سے پہلے ہمیں محسن کی شادی کا سوچنا چاہیے۔"

"محسن کی شادی۔" ساجدہ بیگم حیران ہوئیں۔

"کیوں' تم ماں ہو تمہیں محسن کی شادی کا ارمان نہیں ہے۔" جلال احمد نے فوراً ٹوکا تو وہ افسردگی سے بولیں۔

"ارمان کیوں نہیں ہے' لیکن کوئی......"

"بھئی جو اس کی قسمت میں لکھی ہوگی مل جائے گی' تم اب پریشان ہونا چھوڑو۔" جلال احمد نے ان کی بات کاٹ کر تسلی دی۔

"محسن کی حالت دیکھتی ہوں تو دل دکھتا ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"ٹھیک ہو جائے گا۔ شادی کے بعد تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" جلال احمد جانے کیا سوچ کر مطمئن تھے لیکن

ساجدہ بیگم کی فکر کم نہیں ہورہی تھی۔
"ابھی آپ دیکھیں بلال اگر نشاء کو اپنے ساتھ لے گیا تو ہمارے لیے کتنی مشکل ہوگی۔"
"تم کیا چاہتی ہو؟" جلال احمد نے سوالیہ انہیں دیکھا تو وہ نیک نیتی سے کہنے لگیں۔
"سچ تو یہ ہے کہ میں بلکہ ہم سب نشاء کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ ایک دن بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ بلال کے ساتھ جائے۔"
"نہیں جائے گی۔" جلال احمد فوراً کہہ کر وضاحت دینے لگے "میرا مطلب ہے ابھی تو بلال یہیں ہے جب اپنے گھر شفٹ ہوگا تب دیکھیں گے۔"
"لیکن آپ ابھی اس کے کان میں ڈال دیں۔"
"ایسے نہیں بیگم' طریقے سے بات کرنی پڑے گی۔ ویسے میں کچھ اور سوچ بیٹھا ہوں۔" جلال احمد نے کہا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔
"کیا؟"
"بتاؤں گا۔ پر وقت آنے پر ہی بتاؤں گا۔"
"ابھی بتانے میں کیا حرج ہے؟"
"حرج تو کوئی نہیں۔ بس تم عورتوں کو کوئی بات آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔ سو مین میخ نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔ اس لئے صبر سے کام لو اور نشاء کو قابو میں رکھو۔" جلال احمد کی آخری بات پر وہ ٹھنک گئیں لیکن اب ان سے کچھ پوچھنا فضول تھا۔ البتہ سوچنے سے باز نہیں آئیں۔ ان کا ذہن الجھ رہا تھا کہ احسن کے نام پر چونک کر جلال احمد کو دیکھنے لگیں۔ وہ سیل فون کان سے لگائے احسن سے بات کر رہے تھے۔
"ہاں احسن' ہاں بیٹا محسن کافی بہتر ہے۔ تم نے جو میڈیسن بھیجی تھیں ان سے کافی فرق پڑا ہے۔" ساجدہ بیگم بیٹے سے بات کرنے کو بے چین ہوگئیں لیکن جلال احمد بولے جارہے تھے۔
"نہیں تمہارے چچا جان ابھی یہیں ہیں۔ گھر لے لیا ہے دیکھو کب وہاں شفٹ ہوں گے۔"
"ارے نہیں بیٹا نشاء کہاں جائے گی۔ نشاء محسن کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ بہت خیال رکھتی ہے محسن کا۔"
"نہیں...... نہیں تم فکر مت کرو۔ نشاء کہیں نہیں جائے گی۔" شاید لائن کٹ گئی تھی' جلال احمد نے سیل فون کو دیکھا پھر ساجدہ بیگم کو دیکھ کر کہا۔
"لائن کٹ گئی۔"
"کیسا ہے احسن۔ ٹھیک ہے ناں۔" ساجدہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا۔
"ہاں' ماشاءاللہ ٹھیک ہے۔"
"آئے گا کب؟"
"ہیں تم ابھی سے دن گننے لگیں۔" جلال احمد ہنسے تھے۔
"میں تو اس دن سے دن گننے لگی تھی جس دن وہ گیا تھا۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ محظوظ ہو کر بولے۔
"پھر تو تمہارے حساب سے اسے اب تک آجانا چاہیے۔" ساجدہ بیگم انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

......☆☆☆......

نشاء کو جلال احمد اور ساجدہ بیگم کے ساتھ بہت ساری باتیں کرنی تھیں۔ اسی غرض سے وہ ان کے پاس آبیٹھی تھی۔ اور ابھی سوچ ہی رہی تھی بات کہاں سے شروع کرے کہ لبنیٰ اور بلال احمد آگئے۔
"بھابی جان!" بلال احمد بیٹھتے ہی کہنے لگے۔ "گھر کی تھوڑی بہت سیٹنگ تو ہوگئی ہے' باقی وہیں رہ کر ہوجائے گی۔"
"ان کا مطلب ہے اب آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے گھر شفٹ ہوجائیں۔" لبنیٰ نے بلال احمد کی بات کو مزید بڑھایا تو ساجدہ بیگم کہنے لگیں۔
"اس میں میری اجازت کی کیا بات ہے۔ اگر تم لوگوں کی یہی خوشی ہے تو ہم سب تمہاری خوشی میں خوش۔"
"لیکن بھابی جان نشاء کو تو ہم آپ کی اجازت کے بغیر نہیں لے جاسکتے۔ اس کے لیے تو جیسا آپ اور بھائی جان کہیں گے' البتہ میری خواہش ہے کہ ابھی نشاء ہمارے ساتھ چلے۔" بلال احمد کی آخری بات پر نشاء نے ایک دم جلال احمد کو دیکھا لیکن وہ فراخدلی سے بولے۔

"ضرور، تمہاری خواہش ہے تو ضرور نشاء کو لے جاؤ، پھر واپس تو اسے یہیں آنا ہے۔" نشاء کا دل ڈوب کر ابھرا تھا اور یقیناً اسے اپنے چہرے پر اترتے رنگوں کا احساس بھی ہو گیا تھا جب ہی وہاں سے اٹھ آئی، اپنے کمرے میں آ کر بیگ میں چند جوڑے کپڑے رکھے پھر محسن کے کمرے میں آ کر اس سے کہنے لگی۔

"موٹی، میں ابو جی کے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"میں جانتا تھا، تم ان کے ساتھ چلی جاؤ گی۔" محسن افسردگی سے مسکرایا۔

"لیکن میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہی۔" وہ فوراً بولی۔

"بس ابو جی کی خواہش ہے کہ میں کچھ دن ان کے ساتھ رہوں۔"

"اچھی بات ہے، ضرور جاؤ تاکہ مجھے بھی کچھ دن دواؤں سے چھٹکارا ملے۔" محسن نے خوش ہو کر کہا۔

"جی نہیں تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا، کہ تم دوا پابندی سے لو گے۔"

"میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ابو جی کو منع کر دیتی ہوں۔" وہ جانے لگی تو محسن اس کے سامنے آ گیا۔

"ایک ہی صورت ممکن ہے، پہلے تم وعدہ کرو۔"

"اچھا بابا کیا وعدہ...... وعدہ، دوا میں کبھی ناغہ نہیں ہوگا۔ ویسے اب تمہاری ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے کیونکہ احسن بھائی آنے والے ہیں۔" محسن نے وعدے کے ساتھ بتایا تو وہ بے اختیار بولی۔

"کب؟"

"کب......!" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "اگلے مہینے تو ان کے امتحان ہیں اس کے بعد انہوں نے کہا ہے فوراً واپسی کا قصد کریں گے۔"

"اچھا۔" اس نے سر جھکایا تو جلال احمد کی بات یاد آئی۔

"پھر تو اسے یہیں آنا ہے......"

"کیا ہوا؟" محسن نے ٹوکا تو وہ مسکرائی۔

"کچھ نہیں۔ اچھا میں چلوں، ابو جی انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"پھر کب آؤ گی؟"

"آ جاؤں گی...... جلدی ہی۔"

"اچھا چلو اگر چچا جان جانے کے لیے تیار کھڑے ہیں تو میں ان سے مل لوں۔" وہ اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آیا تو جلال احمد اور بلال احمد برآمدے میں کھڑے تھے، ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر جلال احمد کہنے لگے۔

"بھئی بلال یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔" جلال احمد کی معنی خیز مسکراہٹ جانے کیا کہہ رہی تھی کہ وہ فوراً محسن کے پاس سے ہٹ کر اندر چلی گئی۔

بلال احمد کا نیا گھر بہت شاندار تھا، اس کے باوجود وہ زیادہ خوش نہیں تھی شاید اس لیے کہ فراغت اور تنہائی ایک ساتھ میسر آ گئی تھی اور جب یہ دونوں چیزیں یکجا ہو جائیں تو ذہن آپ ہی آپ مختلف خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے بس شروع کے چند دن ہی اس کی خلوتوں کو اس شخص کا خیال مہکاتا رہا جو جاتے جاتے اس کے دامن میں انمول کلیاں ڈال گیا تھا، جن کے عوض وہ اپنی ہر سانس اسے دان کر بیٹھی تھی، اس وقت بھی وہ انہی انمول کلیوں کی لڑیاں پرو رہی تھی کہ احسن کا فون آ گیا۔

"کیسی ہو نشاء؟" انہوں نے پوچھا تو خوش گوار احساس میں گھر کر وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"آپ؟"

"تمہیں تو لگتا ہے فرصت ہی نہیں ہے، کبھی دل نہیں چاہتا مجھ سے بات کرنے کو۔" انہوں نے ہلکا سا شکوہ کیا۔

"چاہتا ہے۔" وہ جھجک کر بولی۔

"پھر فون کیوں نہیں کرتی؟"

"آپ جو کر لیتے ہیں۔"

"تو تم اسی انتظار میں رہتی ہو۔ خیر نیا گھر مبارک ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ اپنے آپ صفائی پیش کرنے لگی۔

"جی وہ ابو جی کی خواہش پر میں ان کے ساتھ آ گئی۔"

"اچھی بات ہے، کچھ وقت تم ان کے ساتھ رہ لو پھر تو......" ان کی شرارت پر بند باندھنے کا ایک ہی طریقہ تھا اس

نے سیل فون آف کردیا تھا۔

O......O......O

بلال احمد چھ مہینے کی نشاء کو ساجدہ بیگم کی گود میں ڈال کر امریکا گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ سال بھر بعد ہی انہوں نے وہاں سارہ نامی لڑکی سے شادی کرلی تھی لیکن یہ دوسری شادی بھی انہیں راس نہیں آئی تھی۔ سارہ انہیں ایک بچی کا تحفہ دے کر ملک عدم سدھار گئی اور وہاں کوئی ایسا تو تھا نہیں جو بلال احمد ننھی مریم کو اس کی گود میں ڈال کر خود آزاد ہوجاتے' وہ فطرتاً صرف آزاد ہی نہیں عیاش طبع بھی تھے۔ شادی ان کی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک تو سوسائٹی میں اپنا امیج بنانے کی غرض دوسرے مریم کے لیے انہیں تیسری شادی کرنی پڑی تھی۔ لبنیٰ شروع میں ایک گھریلو لڑکی تھی' اگر اس نے مریم کو ممتا نہیں دی تو بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا تھا جب تک مریم اسکول جانے والی نہیں ہوگئی لبنیٰ گھر تک ہی محدود رہی بلکہ بلال احمد نے ہی اسے محدود رکھا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے کلب' پارٹیز اور خصوصاً بزنس میٹنگز میں اپنے ساتھ لے جانے لگے اور یوں رفتہ رفتہ لبنیٰ بھی ان کے رنگ میں رنگ گئی تو پھر مریم کو انہوں نے بورڈنگ میں ڈال دیا تھا۔

مریم فطرتاً بہت حساس تھی۔ آزاد ماحول اور مکس گیدرنگ کے باوجود وہ دبی اور خائف سی رہتی تھی۔ شاید اس لیے کہ نہ اسے ممتا کی گود کی نرمی گرمی ملی تھی اور نہ باپ کی وہ شفقتیں جو اسے لاڈ کرنا سکھاتیں' گو کہ بلال احمد اس کی ہر ضرورت اور خواہش بھی بنا کہے پوری کردیا کرتے تھے لیکن اسے نہ کسی چیز کی ضرورت تھی نہ خواہش' ایک انجانے خول میں بند وہ شاید خود کو تلاشتی رہتی تھی۔ جب ہی باہر کی دنیا میں اسے کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اس نے سینئر کیمرج کیا تھا کہ بلال احمد نے اچانک پاکستان جانے کا سوچ لیا' اور انہوں نے ہی اسے بتایا کہ پاکستان میں اس کی ایک بہن بھی ہے۔ مریم رشتوں سے ناآشنا تھی' بہن اسے اچھی ضرور لگی لیکن اپنے خول سے وہ پھر بھی نکل نہیں سکی تھی۔

بلال احمد نے اپنے گھر شفٹ ہونے کے بعد پہلا کام اسے کالج میں ایڈمیشن دلانے کا کیا تھا۔ اس کی پڑھائی میں دلچسپی بھی بس واجبی سی تھی۔ دیگر سرگرمیاں تو تھیں ہی نہیں۔ ٹی وی آن ضرور کرتی لیکن دیکھتی نہیں تھی۔ البتہ موبائل میں گیمز کھیلتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی شغل میں مصروف تھی کہ اس کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔ اسکرین پر ان نون نمبر دیکھ کر وہ حیران ہوئی کیونکہ اسے لبنیٰ اور بلال احمد کے علاوہ بھی کسی نے فون نہیں کیا تھا اور اس نے اپنا نمبر بھی کسی کو نہیں دیا تھا۔ سیل فون کی ٹون بند ہوئی پھر دوبارہ بجنے لگی تو اس نے کچھ الجھ کر کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔''

''سوری' میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' ادھر جانے کون تھا۔

''آپ کون؟'' اس نے پوچھا تو وہ آہ بھر کر بولا۔

''کیا ستم ہے' ہم نہیں گے حال دل آپ فرمائیں گے کیا۔''

''کون ہیں آپ؟'' اس نے نا سمجھتے ہوئے پھر پوچھا۔

''آپ نہیں جانتیں مجھے' لیکن میں آپ کو روز دیکھتا ہوں۔ اگر کسی دن آپ نظر نہ آئیں تو میرا سارا دن بور گزرتا ہے۔'' اس کی بات پر وہ مزید الجھی۔

''میرا نمبر کس نے دیا آپ کو؟''

''کسی نے نہیں۔ میں نے خود آپ کے سیل فون سے چرایا تھا۔ اب آپ سوچیں کب کیسے؟'' اس نے دلفریب ہنسی کے ساتھ لائن ڈراپ کردی' تو سیل فون کو دیکھتے ہوئے وہ واقعی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

O......O......O

ثریا نے جلدی جلدی چائے بنائی پھر کپ چھوٹی ٹرے میں رکھ کر کچن سے نکلی تھی کہ لاؤنج میں راحیلہ خاتون اور نگار کو کھڑے دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ وہ دونوں شاید ابھی ابھی آئی تھیں۔ نگار ہینڈ کیری کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا بات ہے' ہمیں دیکھ کر تمہارا رنگ کیوں فق ہوگیا۔'' راحیلہ خاتون نے اس پر نظر پڑتے ہی طنز کیا تو بولتے ہوئے وہ ہکلا گئی۔

”نہیں وہ اصل میں آپ اچانک......“

”جیسے اچانک جانا ہوا ویسے اچانک آ بھی گئی یا تم سمجھ رہی تھیں کہ اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گی۔“ راحیلہ خاتون نے صوفے میں دھنستے ہوئے ایک اور تیر چھوڑا۔

”اللہ نہ کرے بھابی میں ایسا کیوں سمجھوں گی۔ آپ کا گھر ہے اور سچی بات ہے آپ کے بغیر گھر بہت سونا لگ رہا تھا۔“ اس نے چائے کی ٹرے آگے بڑھ کر راحیلہ خاتون کے سامنے رکھ دی۔

”بس اب مسکا مت لگاؤ۔“ راحیلہ خاتون سر جھٹک کر پوچھنے لگیں۔ ”صبا کہاں ہے؟“

”جی آفس۔“

”بس اب گھر بٹھاؤ اسے۔ میں وہاں اس کی بات پکی کر آئی ہوں۔ ذرا میرے بہنوئی چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں تو پھر بارات لے آئیں گے۔“ راحیلہ خاتون نے کہا تو ثریا پریشان ہو گئی۔

”اتنی جلدی۔“

”ارے شکر کرو وہ مان گئے۔ یہاں تمہاری بیٹی تو کسی رشتے کو دوبارہ آنے جوگا نہیں چھوڑتی۔ اس لیے میں نے آنے جانے کا سلسلہ ہی نہیں رکھا۔ ڈائریکٹ شادی ہوگی۔“ راحیلہ خاتون چمک کر بول رہی تھیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے بھابی لیکن تیاری بھی تو۔“

”تمہیں کیا تیاری کرنی ہے جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے۔ میں کرلوں گی سب تم فکر مت کرو۔“ راحیلہ خاتون اس کی بات کاٹ کر بول رہی تھیں کہ جاذب کے آنے پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس پر واری صدقے ہونے لگیں۔

”ہائے میرا بچہ چند دن میں کیسا کمزور ہو گیا ہے پھوپی کھانا نہیں دیتی تھی کیا؟“

”ارے نہیں امی آپ کو تو وہم ہو گیا ہے ویسا ہی تو ہوں جیسا آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔“ جاذب ثریا کی موجودگی کے باعث بوکھلا گیا تھا۔

”خاک ویسے ہو آدھے بھی نہیں رہے۔ مجھے پتا تھا میرے پیچھے تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا جبھی میں بھاگی چلی آئی۔“ راحیلہ خاتون نے ایک ناگوار نظر ثریا پر بھی ڈالی تھی۔ وہ اپنی جگہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

”ہاں آپ کا تو اگلے ہفتے آنے کا پروگرام تھا پھر اچانک......“ جاذب کو ان کی اچانک آمد کا خیال آیا تھا۔

”تمہارے لیے آئی ہوں بیٹا وہاں بھی میں چین سے تھوڑی تھی۔ ہر وقت دھیان تمہاری طرف رہتا تھا اور تم تو مجھے یاد بھی نہیں کرتے ہو گے۔“ وہ ثریا کو دکھا کر دلار کر رہی تھیں۔

”یاد نہ کرتا تو روزانہ فون کیوں کرتا۔“ جاذب نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

”مذاق کر رہی ہوں مجھے پتا ہے میرا بیٹا مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ بہت خیال کرتے ہو تم میرا۔ اللہ تمہارے جیسا بیٹا سب کو دے۔“ وہ جذباتی ہونے لگی تھیں کہ جاذب کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔ جس سے ان کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

جاذب نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا۔ صبا کی کال تھی۔ وہ یقیناً اسٹاپ پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے ری پلے نہیں کر سکا موبائل آف کر کے دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے بے اختیار اس نے ثریا کو دیکھا تو وہ نا سمجھتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان ہو گئی تھیں کہ اگر راحیلہ خاتون واقعی صبا کی شادی طے کر آئی تھیں تو وہ صبا کو کیسے راضی کریں گی۔ پھر اب انہیں جاذب پر بھی غصہ آ رہا تھا جو ماں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا تھا۔ وہ اگر ان سے بات نہیں کر سکتا تھا تو اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ صبا کو اپنے انتظار میں بٹھائے رکھے۔ اس وقت وہ متضاد سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ صبا کی آواز پر چونک گئی۔

”السلام علیکم۔“ صبا نے سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام۔“ اس کا انداز ڈھیلا ڈھالا تھا۔ صبا نے فوراً محسوس نہیں کیا۔

”جاذب آ گیا امی؟“

”ہاں جلدی آ گیا تمہاری مامی جی آ گئی ہیں۔ شاید انہوں نے راستے ہی سے فون کر کے بلایا ہو۔“ ثریا نے بظاہر

سرسری انداز میں بتایا۔
"اوہ تو اس لیے اس نے میرا فون کاٹ دیا تھا۔" صبا سمجھ کر پوچھنے لگی۔ "ابھی کہاں ہے جاذی؟"
"وہیں تمہاری مامی جی کے پاس، تم جا کر سلام کر آؤ انہیں۔" ثریا نے زبردستی اسے بھیجا تھا، تو اس نے بھی لٹھ مارنے کے انداز میں سلام کیا تھا۔
"سلام مامی جی۔"
"آ گئیں آفس سے۔" راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔
"جی ابھی آئی ہوں۔ جلدی آ جاتی لیکن انتظار میں دیر ہو گئی۔" دوسری بات اس نے جاذب کو دیکھ کر کی تھی۔
"کس کے انتظار میں؟" راحیلہ خاتون کی پیشانی پر مزید بل پڑ گئے۔
"بس کے انتظار میں، لیکن بس کو نہ آنا تھا نہ آئی آخر مجھے رکشہ سے آنا پڑا۔" وہ ابھی بھی جاذب کو سنا رہی تھی۔
"کیا ضرورت تھی پیسے ضائع کرنے کی۔ کچھ دیر اور انتظار کر لیتیں۔"
"کچھ دیر کیوں مامی جی، میں ساری زندگی انتظار کر سکتی ہوں۔" اس نے جاذب کو بوکھلا دیا تھا اور شاید راحیلہ خاتون بھی تاڑ گئی تھیں جب ہی ٹوکا۔
"اچھا جاؤ، مجھے اپنے بیٹے سے بات کرنے دو۔"
"جی۔" وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔ "جاذی تمہارا سیل آف ہے کیا؟"
"پتا نہیں۔" وہ اپنی جیبوں پر ہاتھ مارنے لگا۔
"چیک کرو۔" اس نے کہہ کر کچن کا رخ کیا تھا۔

......☆☆☆......

وہ لائٹ آف کرنے لگی تھی کہ ثریا پر نظر پڑی جو جانے کن سوچوں میں گم تھی کہ چہرے پر تفکرات کا جال بن گیا تھا۔ اس نے بٹن سے انگلی ہٹائی پھر ثریا کے پاس آ بیٹھی۔
"کیا بات ہے امی، کیا سوچ رہی ہیں۔"
"کوئی ایک سوچ ہو تو بتاؤں۔" ثریا بے دھیانی میں بولی تھیں۔
"الٰہی خیر۔" اس نے ثریا کا ہاتھ پکڑا۔ "بتائیں کیا بات ہے؟" ثریا اسے دیکھنے لگیں بولی کچھ نہیں۔
"بتائیں ناں امی کس بات سے پریشان ہیں؟" اس نے اصرار کیا تو ثریا گہری سانس کھینچ کر بولیں۔
"سب سے زیادہ مجھے تم پریشان کرتی ہو۔"
"میں؟" وہ حیران ہوئی۔ "میں نے کیا کیا ہے اب؟"
"تم میری بات نہیں مانتی۔"
"خدا کے لیے امی، یہ سب باتیں چھوڑیں، مجھے اصل بات بتائیں۔" وہ زچ ہوئی۔
"اصل بات، پہلے وعدہ کرو کوئی شور ہنگامہ نہیں کرو گی۔ سکون سے میری بات سنو گی اور آرام سے سوچو گی۔" ثریا نے وعدے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔
"جب تک وعدہ نہیں کرو گی، میں کچھ نہیں بولوں گی۔" ثریا نے کہا تو ناچار اسے وعدہ کرنا پڑا۔
"ٹھیک ہے وعدہ، اب بتائیں۔" ثریا چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔
"بیٹا تم نے اور شاید میں نے بھی جاذب سے غلط امیدیں باندھ لی ہیں۔ وہ اپنی امی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اس میں ہمت ہی نہیں ہے اور صرف وہی نہیں تمہارے ماموں بھی کم ہمت ہیں۔ اور ہماری عافیت بھی اسی میں ہے کہ ہم راحیلہ بھابی کے سامنے سر جھکا دیں۔ وہ اگر اپنے بھانجے کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کر آئی ہیں تو......"
"امی ......" اس نے ایک دم ٹوکا تو ثریا بھی فوراً بولی تھیں۔
"تم نے وعدہ کیا ہے، سکون سے سنو اور آرام سے سوچو۔"
"مجھے اور کچھ نہیں سننا۔" وہ کھڑی ہوئی۔
"ٹھیک ہے مت سنو۔ مجھے بھی اور کچھ نہیں کہنا۔" ثریا نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تو وہ غصے میں لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ لیکن اب نیند کہاں آنی تھی۔ کتنی دیر کروٹیں بدلتی رہی اس کے اندر لاوا دہک رہا تھا۔ اس کا بس

نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔
جاذی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے کھولتے ذہن کے ساتھ سوچا اور پھر صبح کا انتظار نہیں کیا' اسی وقت اٹھ کر جاذب کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
''تم اس وقت؟''
''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اس کے پریشان ہونے سے مزید طیش میں آ گئی تھی۔
''ہاں لیکن صبح۔''
''نہیں ابھی۔ ابھی بات ہو گی۔'' اس نے اڑ کر کہا تو جاذب نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا پھر اس خیال سے کہ اس کی آواز باہر تک نہ جائے وہ بڑھ کر دروازہ بند کرنا چاہتا تھا کہ راحیلہ خاتون کی پکار سنائی دی۔
''جاذب......''
''اف......'' وہ اس کی طرف پلٹا۔'' جاؤ خدا کے لیے۔''
''نہیں جاؤں گی۔'' عجیب ضد تھی جاذب ہاتھ جوڑنا چاہتا تھا کہ راحیلہ خاتون دروازہ دھکیل کر اندر آتے ہی پہلے ٹھٹکیں پھر انتہائی غضب ناک ہو گئیں۔
''تم......تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''
''وہ......میں......'' وہ پہلی بار خائف ہوئی تھی۔
''کیا' میں شرم نہیں آتی یا گھول کر پی لی ہے۔ ماں کہاں ہے تمہاری چلو۔'' راحیلہ خاتون نے تیزی سے بڑھ کر جھپٹنے کے انداز میں اس کی کلائی پکڑی اور کھینچتے ہوئے اس کے کمرے میں لا کر سوئی ہوئی ثریا کے اوپر اسے پٹخا تھا۔
''کیسی ماں ہو جوان بیٹی کو کھلا چھوڑ کر بے خبر سو رہی ہو۔'' راحیلہ خاتون کی تیز آواز نے ثریا کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔
''ک......کیا ہوا بھابی؟''
''یہ پوچھو کیا نہیں ہوا' یہ تمہاری بیٹی ذرا پوچھو اس سے یہ اس وقت جاذب کے کمرے میں کیا گل کھلا رہی تھی۔''
''مامی جی۔'' اس کے غصے کو راحیلہ خاتون خاطر میں نہیں لائیں الٹا اس پر چڑھ دوڑیں۔
''چپ حرام خور' ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ہائے ہائے بس یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا۔ ارے منہ کالا کرنے کے لیے تمہیں میرا ہی بیٹا ملا تھا۔''
''خدا کے لیے مامی جی' بولنے سے پہلے سوچ لیں' مت جھوٹے بہتان لگائیں۔'' وہ کانپتی ہوئی ثریا کو تھام کر چیخی تھی۔
''میں جھوٹے بہتان لگا رہی ہوں' تم بتاؤ سچ کیا ہے۔ بتاؤ ابھی تم جاذب کے کمرے میں تھیں کہ نہیں۔''
''ہاں لیکن......''
''سن لیا......'' راحیلہ خاتون نے اسے مزید بولنے ہی نہیں دیا ثریا کو سنانے لگیں۔
''تم پڑی بے خبر سوتی رہو' ارے اپنا نہیں تو ہماری عزت کا خیال کرو۔ نہیں سنبھال سکتی اسے تو بھیج دو اس کے باپ کے پاس' وہ بہت خوش ہو گا بیٹی کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر۔''
''بس کریں بھابی۔'' ثریا نے ہاتھ جوڑ دیئے۔
''اب بس نہیں ہو گی' میں تمہارے بھیا سے بات کروں گی۔ بہت ترس کھاتے ہیں نا وہ تم ماں بیٹی پر' اب ذرا تمہارے لچھن بھی دیکھیں۔'' راحیلہ خاتون پیر پٹختی چلی گئیں تو ثریا کی نظریں صبا پر آن ٹھہریں۔
''امی میں......'' اس سے بولا ہی نہیں گیا۔
''تم مجھے جینے دو گی کہ نہیں۔'' ثریا کے لہجے میں دکھ تاسف اور جانے کیا کچھ تھا۔ وہ روہانسی ہو گئی۔
''امی آپ میری بات تو سنیں۔''
''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بات جاؤ اپنی جگہ پر۔'' ثریا نے اس کی پیٹھ پر دو ہتڑ مار کر اٹھایا اور خود لیٹ کر سر تک چادر اوڑھ لی۔
وہ جانتی تھی اس کی ماں سوئے گی نہیں روتی رہے گی اور پھر سوئی تو وہ بھی نہیں تھی البتہ رونے سے اسے نفرت تھی۔ رت جگے کے باعث اس کی آنکھیں سرخ اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا پھر بھی وہ آفس کے لیے تیار ہو کر نکل رہی تھی کہ ثریا سامنے آ گئیں۔
''کہاں جا رہی ہو؟'' ٹھہرا ہوا سرد لہجہ تھا۔
''آفس......'' وہ ہمیشہ کی طرح پراعتماد نہیں تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں بس اب گھر بیٹھو۔“
”یہ ماما جی کا آرڈر ہے؟“
”تم سے میں کہہ رہی ہوں اور مجھے تم نے مجبور کیا ہے کہ میں تمہاری ماما جی کی بات مان لوں۔“ ثریا چبا کر بولی تھیں وہ چیخ گئی۔
”ایسا کیا کیا ہے میں نے جو آپ مجبور ہوگئی ہیں۔ مجھے الزام مت دیں امی، اپنی مجبوریوں کو مجھ سے منسوب مت کریں۔“
”میری کیا مجبوریاں ہیں، سب کچھ مجھے تمہاری وجہ سے سہنا پڑتا ہے لیکن تمہیں احساس ہی نہیں۔“ ثریا کی آواز بھرانے لگی تھی۔
”ہاں نہیں ہے احساس۔“ وہ ہٹ دھرمی سے کہہ کر جانے لگی کہ ثریا نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔
”کون سی زبان سمجھتی ہو تم۔ میں منع کر رہی ہوں تم جاب نہیں کروگی۔“
”تو آپ میری ضرورتیں میری خواہشات پوری کردیں۔ میں بیٹھ جاؤں گی گھر۔“
”کیا ہیں تمہاری خواہشات۔“ ثریا تاسف سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔
”کوئی لمبی چوڑی فہرست نہیں ہے، واپس آکر بتاؤں گی۔ وہ کہہ کر تیزی سے نکل گئی تھی۔

O......O......O

محسن کی ناراضگی پھر دھمکی کہ اگر آج وہ نہ آئی تو وہ دوا نہیں لے گا، اس کی جان پر بن آئی تھی۔ بلال احمد اور لبنیٰ بھی گھر پر نہیں تھے اور اس نے محسن سے کہا بھی کہ لبنیٰ آنٹی اور ابوجی کے آنے پر ہی وہ اس کی طرف آسکے گی لیکن اس نے کوئی عذر نہیں سنا تھا۔ وہ بار بار کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ پورچ میں گاڑی تو موجود تھی لیکن ڈرائیور ندارد۔ اس نے پھر محسن کو فون کیا۔
”میں آجاؤں گی مونی، ابوجی بس آنے والے ہیں۔“
”تو جب آؤ گی تب ہی بات ہوگی۔“ محسن نے کہہ کر فون بند کردیا۔ وہ روہانسی ہوگئی پھر بلال احمد کو فون کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ ان کی گاڑی کا ہارن سن کر خوش ہوگئی اور جلدی جلدی تیار ہو کے نیچے آئی تو بلال احمد اور لبنیٰ کے سامنے ایک اجنبی خاتون کے ساتھ بیٹھے لڑکے کو دیکھ کر وہ پہلے جھجک کر رکی پھر اچانک ذہن میں جھماکا ہونے پر صرف ٹھٹکی ہی نہیں اس کا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ وہی لڑکا تھا جس نے ایک بار کالج گیٹ پر اسے روکنے اور بات کرنے کی کوشش کی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ یہاں تک کیسے اور کیوں آیا ہے؟
”یہ ثریا کی بیٹی ہے نا۔“ خاتون نے اسے دیکھ کر بلال احمد سے پوچھا تھا اور وہ اپنی ماں کے نام پر بری طرح چونکی تھی۔
”جی، یہ نشاء ہے میری بیٹی۔“ بلال احمد نے اپنے تئیں تصیح کی تھی۔
”بہت مشابہت ہے ثریا سے۔ میں دیکھتے ہی پہچان گئی۔“ خاتون نے بلال احمد کی بات ان سنی کرکے کہا تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔
”بیٹا آپ کو کہیں جانا ہے؟“
”جی۔“ وہ جو گم صم کھڑی تھی چونک کر بولی۔ ”جی ابو، تایا ابو کے گھر۔“
”شیور ڈرائیور سے کہو لے جائے گا۔“ انہوں نے کہا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی لیکن پھر راستے میں اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے، اسے وہیں رکنا چاہیے تھا، وہ خاتون جو بھی تھیں اس کی ماں کو جانتی تھیں جس کے بارے میں کسی نے اسے نہیں بتایا تھا۔ وہ ان سے پوچھ سکتی تھی لیکن بلال احمد کی موجودگی میں تو یہ ممکن نہیں تھا۔ اسے لگا جیسے بلال احمد نے جان بوجھ کر اسے وہاں سے ہٹایا تھا۔ گویا وہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی ماں کے بارے میں سوال کرے۔ بہرحال اب اس کے اندر جو سوال اٹھ رہے تھے ان پر وہ کراس کا نشان نہیں لگا پائی جب ہی ساجدہ بیگم سے مل کر وہ محسن کے پاس آئی تو چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔
”مونی، تم نے میری امی کو دیکھا ہے؟“
”یہ اچانک تمہیں اپنی امی کا خیال کیسے آگیا؟“ محسن

نے ٹوکا۔
"بس آ گیا' تم میری بات کا جواب دو۔" اس نے کہا تو محسن سوچتے ہوئے بولا۔
"یاد نہیں' میرا مطلب ہے میں اس وقت بہت چھوٹا تھا' شاید دو ڈھائی سال کا تو سوچو مجھے کیسے وہ یاد رہ سکتی ہیں۔ تم ایسا کرو امی سے پوچھ لو۔"
"چھوڑو تائی امی نے کبھی مجھے ان کے بارے میں نہیں بتایا۔" وہ مایوس ہوئی تھی۔
"اچھا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" محسن نے کہا تو وہ روٹھے انداز میں بولی۔
"میں رو تو نہیں رہی۔"
"تو پھر ہنس کے دکھاؤ۔"
"پہلے تم بتاؤ میڈیسن وقت پر لے رہے ہو کہ نہیں۔" اس نے ایک دم یاد آنے پر پوچھا۔
"لے رہا ہوں بابا لے رہا ہوں۔ اب چلو ادھر میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔" محسن اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیرس پر لے آیا جہاں چھوٹے سے پنجرے میں خوب صورت چڑیاں دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔
"ہائے موٹی' یہ کہاں سے لیں؟"
"کیسی ہیں؟" وہ اس کا اشتیاق دیکھ کر خوش ہوا۔
"بہت خوب صورت۔" وہ کتنی دیر چڑیوں کو ادھر ادھر پھدکتے دیکھتی رہی' پھر شامی کھانے کے لیے بلانے آئی تو وہ محسن کے ساتھ نیچے آ گئی۔
کھانے کی ٹیبل پر ساجدہ بیگم اور جلال احمد پہلے سے موجود تھے۔ وہ اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھی تو ساجدہ بیگم کہنے لگیں۔
"بیٹا' مریم کو بھی لے آیا کرو۔"
"میں کہتی ہوں اس سے تائی امی لیکن وہ کہیں جاتی ہی نہیں ہے۔ بات بھی کم کرتی ہے۔" اس نے کہا تو ساجدہ بیگم افسوس سے بولیں۔
"ہاں لبنیٰ نے بچی کو بالکل اکیلا چھوڑ دیا ہے۔"
"میں تو کوشش کرتی ہوں تائی امی کہ وہ میرے ساتھ باتیں کرے ہنسے بولے لیکن وہ چپ ہی رہتی ہے۔"
"آہستہ آہستہ کھل مل جائے گی۔" جلال احمد نے کھانے میں مصروف رہ کر یوں کہا جیسے تم لوگ بھی کھانا کھاؤ۔ اس نے محسن کو دیکھ کر کھانے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔
پھر کھانے کے بعد اس نے خود محسن کو دوا دی اس کے بعد ساجدہ بیگم سے اجازت لے کر گھر آئی تو ٹی وی لاؤنج میں لبنیٰ اکیلی بیٹھی تھیں' وہ اسے سلام کرکے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ اچانک کچھ خیال آنے پر پلٹ کر لبنیٰ کے پاس آ بیٹھی۔
"آنٹی' شام میں جو خاتون آئی تھیں کون تھیں؟"
"وہ دوسرے بلاک میں رہتی ہیں۔" لبنیٰ نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا تو وہ جز بز ہو کر پوچھنے لگی۔
"میرا مطلب ہے آنٹی وہ امی کا نام لے رہی تھیں کیا وہ امی سے ملنے آئی تھیں؟"
"نہیں' وہ تمہارا پرپوزل لے کر آئی تھیں وہ جوان کے ساتھ ان کا بیٹا تھا' اس کے لیے۔" لبنیٰ کے جواب نے اسے صرف بوکھلایا ہی نہیں پریشان کر دیا تھا کہ وہ فوراً کچھ بول ہی نہیں سکی۔
"لڑکا دیکھنے میں تو اچھا ہے' بزنس بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلال کہہ رہے تھے تم سے پوچھ لوں تمہاری کیا مرضی ہے۔" لبنیٰ یوں بول رہی تھیں جیسے کوئی ڈیوٹی نبھا رہی ہوں۔ صاف لگ رہا تھا اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
"سوچ لو' سوچ کر جواب دینا۔" لبنیٰ ایک نظر اس پر ڈال کر پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تو وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا جب ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے' ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا' اس کی زندگی تو بس ایک ہی ڈگر پر چل رہی تھی' جس میں کوئی موڑ نہیں تھا اور اس اچانک موڑ نے اسے بے حد پریشان کر دیا تھا۔ کتنی دیر وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی جب ذہن کسی قدر سوچنے کے قابل ہوا تو اسے پہلا خیال احسن کا آیا تھا۔ اس نے جھپٹنے کے انداز میں اپنا سیل فون اٹھا کر احسن کو

کال ملائی اور ان کی آواز سنتے ہی وہ رونے لگی۔

O......O......O

ساجدہ بیگم نے سکون سے احسن کی بات سنی اور پھر انہیں تسلی دی تھی کہ وہ بالکل فکر نہ کرے نشاء پر پہلا حق ان کا ہے وہ ابھی ان کے ابو سے بات کریں گی اور آج ہی بلال احمد کی طرف جائیں گی۔ انہیں یقین تھا بلال احمد نشاء کے معاملے میں ان کی بات ٹال ہی نہیں سکتے اور یہ یقین جلال احمد کو بھی تھا جب ہی ساجدہ بیگم نے انہیں نشاء کے پرپوزل کا بتا کر یہ کہا کہ اس سے پہلے کہ بلال احمد نشاء کے لیے آئے پرپوزل کے بارے میں سوچیں انہیں فوراً بات کرکے نشاء کو احسن کے ساتھ منسوب کردینا چاہیے تو اس پر جلال احمد بڑے آرام سے بولے تھے۔

''احسن کے ساتھ نہیں بیگم محسن کے ساتھ۔''

''محسن کے ساتھ۔'' ساجدہ بیگم چکرا گئیں۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں' احسن کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں لیکن محسن کے لیے صرف نشاء ہی ہوسکتی ہے' ابھی بھی وہی اس کا خیال رکھتی ہے۔'' جلال احمد نے کہا تو ساجدہ بیگم پریشانی سے بولیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن احسن نے خود نشاء کے لیے کہا تھا' ابھی بھی اس نے فون پر مجھ سے یہی کہا ہے' وہ نشاء کو پسند کرتا ہے۔''

''یہ سب احمقانہ باتیں ہیں۔ آج نشاء پسند ہے کل کوئی اور پسند آجائے گی اسے۔ تم اس کی باتوں کو دل پر مت لو محسن کا سوچو ہر پل تمہیں کیا یہ فکر نہیں ستاتی کہ ہمارے بعد محسن کا کیا ہوگا؟''

''بالکل ستاتی ہے لیکن احسن سے میں کیا کہوں گی۔'' ساجدہ بیگم الجھ گئیں۔

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ احسن کو میں خود سمجھادوں گا۔'' جلال احمد گویا فیصلہ کرچکے تھے اور یہ فیصلہ کب ہوا تھا وہ ساجدہ بیگم کے گوش گزار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''پہلے میرا ارادہ احسن اور نشاء کی شادی کرنے کا تھا لیکن جب تمہیں محسن کے لیے فکر مند دیکھا تو میں نے بھی سوچا کہ ابھی تو احسن اور نشاء محسن کا خیال کررہے ہیں لیکن شادی کے بعد ان کی اپنی زندگی ہوگی اور پھر بچوں میں مصروف ہوکر تو یہ دونوں محسن کو بالکل ہی بھول جائیں گے پھر محسن کی حالت ایسی نہیں کہ کوئی اپنی بیٹی دینے کو تیار ہوگا' جبکہ احسن کے لیے کمی نہیں ہے' اس لیے میں نے محسن اور نشاء کی شادی کا نہ صرف سوچا بلکہ اسی وقت فیصلہ بھی کرلیا تھا۔'' ساجدہ بیگم گم صم انہیں دیکھے جارہی تھیں۔ بے اختیار بول پڑیں۔

''تو کیا بلال مان جائے گا؟''

''بلال کو میں تقریباً منا چکا ہوں۔'' جلال احمد فخریہ انہیں دیکھ کر کہنے لگے۔ ''شروع میں بلال اس رشتے پر راضی نہیں تھا' اس نے بھی یہی کہا کہ محسن کی بجائے احسن کی بات کریں' تو پتا ہے میں نے کیا کہا' میں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں' لیکن خود نشاء ایسا ہی چاہتی ہے' اور پھر مجھے اسے یقین دلانا پڑا کہ نشاء اور محسن ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے' اور یہ یقین دلانے کے لیے مجھے کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑا۔ نشاء ویسے بھی محسن کا خیال رکھتی تھی' بلال نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کیسے نشاء ہر کام چھوڑ کر محسن کے پاس پہنچ جاتی ہے' جب تک اسے اپنے ہاتھوں سے دوا نہ دے چین سے نہیں بیٹھتی۔''

''یہ زیادتی ہے۔'' ساجدہ بیگم کی متاسف آواز آئی تو وہ ناگواری سے بولے۔

''کیسی زیادتی' تم عورتیں کسی حال میں خوش نہیں ہوتیں' بہرحال ایک مہربانی کرو تم صرف محسن کا سوچو اور احسن کے لیے جیسا میں کہوں ویسا کرنا' سمجھیں۔'' ساجدہ بیگم کا سر آپ ہی آپ جھک گیا تھا۔

......☆☆☆......

مریم سیل فون ہاتھ میں لیے شش و پنج میں بیٹھی تھی۔ ان نون نمبر سے مسلسل کال آرہی تھی' آخر اس نے ہچکچاتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔''

''کہاں ہیں آپ، میں کب سے فون کررہا ہوں' آپ میرا فون کیوں نہیں ریسیو کرتیں۔'' دوسری طرف وہی تھا' مریم کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

''بہت انتظار کرواتی ہیں آپ۔'' اس کا لہجہ اچانک گھمبیر ہوگیا۔ ''اچھی لڑکی کبھی کبھی انتظار جان بھی لے لیتا ہے۔''

''آپ کیوں مجھے تنگ کررہے ہیں۔'' وہ بلا کی سادہ تھی۔

''میں تنگ کررہا ہوں' فون آپ نہیں ریسیو کرتیں۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''مم...... میں آپ کو نہیں جانتی' پھر میں کیسے آپ سے بات کرسکتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''جنہیں جانتی ہیں ان سے باتیں کرتی ہیں؟'' اس نے پوچھا تو وہ پھر خاموش ہوگئی۔

''آپ کی خاموشی بتارہی ہے آپ کسی سے بات نہیں کرتیں۔''

''ہاں نہیں کرتی' میں کسی سے بات نہیں کرتی' آپ سے بھی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ پلیز مجھے آئندہ فون مت کیجیے گا۔'' اس نے سیل آف کرکے ایک طرف اچھال دیا پھر اپنا ٹیڈی بیئر اٹھا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس سے پوچھ رہی ہو کہ میں کیا کروں' تب ہی بی بی (بوا) آکر پوچھنے لگیں۔

''بیٹا' تمہارے لیے کھانا لگادوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

''کیوں بیٹا' بھوک نہیں لگتی تمہیں۔ ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔'' بی بی اس کے قریب آگئیں۔

''لگتی ہے لیکن کھانے کی نہیں۔'' اس کی نظریں ہنوز بیئر پر تھیں۔

''پھر جو تمہارا دل چاہتا ہے وہ بتادو۔ پکادیتی ہوں۔'' بی بی نے پیار سے کہا لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بیئر بازوؤں میں بھینچ کر دائیں بائیں جھولنے لگی۔ تو بی بی ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے چلی گئیں۔ تب کچھ دیر بعد جانے کیا خیال آیا' کمرے سے نکل کر بی بی کے پاس جانا چاہتی تھی کہ لبنیٰ نے پکارلیا۔

''موموِ یہاں آؤ۔''

''جی مما۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' لبنیٰ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ وہیں بیٹھ گئی۔

''بی بی بتارہی ہیں تم کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو۔ اینی پرابلم؟'' لبنیٰ نے ٹوک کر پوچھا۔

''نو...... نو پرابلم مما۔'' اس نے رک رک کر کہا۔

''ہاں بیٹا' یہاں تمہیں پرابلم نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ یہاں تم اکیلی نہیں ہو' تمہاری بہن ہے نشاء' پھر تایا' تائی بھی ہیں۔ جیسے نشاء ان کے پاس جاتی ہے تم بھی چلی جایا کرو۔ خود کو اکیلا رکھو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟'' لبنیٰ نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی۔''

''اور کھانے کو منع نہیں کرتے۔ جاؤ بی بی سے کہو کھانا نکال دیں۔'' لبنیٰ نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

O......O......O

اس نے ٹائم دیکھا ایک بج رہا تھا اور بنٹی ابھی بھی اسے جانے نہیں دے رہا تھا' اور گو کہ اس کے لیے یہ مسئلہ نہیں تھا کہ وہ آفس نہیں پہنچی تو باس ناراض ہوں گی' ان ہی کے آرڈر پر پہلے اسے بنٹی کو دیکھنا بہلانا تھا' لیکن اس وقت وہ خود ذہنی انتشار کا شکار تھی' اس لیے بنٹی کی باتوں اور اس کی ایکٹوٹیز میں اس کا ساتھ نہیں دے پارہی تھی کتنی بار اس کا دل چاہا وہ ڈانٹ کر بنٹی کو خاموش کرادے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی جبھی یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ پھر دوپہر کے کھانے کے بعد خدا خدا کرکے بنٹی کو نیند آئی تب اس کی جان چھوٹی۔ وہ جلدی سے اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکلی تو آگے گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر خان جنید کو دیکھ کر وہ رک گئی۔

''خان جنید ملازم سے شاید اسی کو بلانے کا کہہ رہے تھے اسے دیکھا تو اشارے سے آنے کا کہہ کر انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ خائف تو نہیں ہوئی البتہ بیٹھتے ہوئے

قدرے ہچکچائی تھی۔
"کیا کررہا ہے بنٹی؟" خان جنید نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
"جی ابھی سونے لیٹا تھا۔اس نے ساری سوچوں پر بند باندھ کراپنا دھیان ان کی طرف منتقل کیا تھا۔
"گڈ' بہت مانوس ہوگیا ہے بنٹی تم سے۔ میں اب کافی ریلکس ہوگیا ہوں ورنہ بنٹی نے مجھے بہت پریشان کررکھا تھا۔ کسی گورنس کو ٹکنے ہی نہیں دیتا تھا پھر تنہائی اسے سائیکی بنا رہی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھاوہ کسی دن خود کو نقصان پہنچالے گا۔" خان جنید یوں بول رہے تھے جیسے کسی بزنس پروجیکٹ پر بات کررہے ہوں۔
"سر یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔" اس نے کہا۔
"ہوں......اس لیے میں چاہتا ہوں تم فل ٹائم کے لیے بنٹی کے پاس آجاؤ۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"فل ٹائم۔" اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔
"ہاں' میں تمہیں شادی کی آفر کررہا ہوں۔" انہوں نے بڑے آرام سے اسے چکرا دیا تھا۔ اس کا حلق کڑوا اور زبان خشک ہوگئی تھی۔
"سوچ لو میں تمہیں اچھی زندگی دے سکتا ہوں۔ ابھی مجھے لگتا ہے تم پرابلمز میں ہو' تمہاری ساری پرابلمز سولو ہوجائیں گی۔" خالص کاروباری انداز تھا اسے راہ فرار کے لیے ایک ہی بات سمجھ میں آئی تھی۔
"سر مجھے یہیں اتار دیں۔"
"اوکے' سوچنا ضرور۔" انہوں نے گاڑی روک دی تو وہ جلدی سے اتر گئی اور جب ان کی گاڑی آگے بڑھ گئی تب وہ تیز تیز چلنے لگی یوں جیسے وہ وقت کی ساری سرحدیں پار کرجانا چاہتی ہو۔ سر پر تپتا آسمان تھا اور کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا لیکن اس کی آنکھیں دھندلا گئیں تب اس نے بیگ سے سیل فون نکال کر جاذب کا نمبر پش کردیا اور جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی اسے آنے [illegible] کردیا۔ اور وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اچھے ریسٹورنٹ میں جاذب کے سامنے بیٹھی تو وہ الٹا اسے الزام دینے لگا۔
"مان لو کہ غلطی تمہاری ہے' کیا ضرورت تھی میرے کمرے میں آنے کی۔ اب امی کو موقع مل گیا ناں۔"
"مامی جی کو پروپیگنڈہ کرنے کے لیے کسی موقع کی تلاش نہیں رہتی وہ جب جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ تم اپنی بات کرو۔" اس نے سلگ کر کہا تو وہ زچ ہوا۔
"اپنی کیا بات کروں؟"
"تم میرے لیے اسٹینڈ لے سکتے ہو کہ نہیں۔" وہ اسی وقت فیصلہ چاہتی تھی۔
"اور کیا اسٹینڈ لوں' ابو سے بات کرتو چکا ہوں۔" جاذب نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔
"ابو سے نہیں امی سے' میرا مطلب ہے مامی جی سے۔"
"دیکھو صبا' یہ میرا مسئلہ ہے کہ میں امی تک بات خود پہنچاؤں یا ابو کے ذریعے سے' تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔" جاذب نے دھیما پڑ کر اسے بھی ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
"پھر کس سے غرض رکھوں؟"
"مجھ سے' میرا مطلب ہے تم دیکھتی جاؤ کہ میں امی کو کیسے راضی کرتا ہوں۔" جاذب نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
"کرچکے تم انہیں راضی!!!"

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

اس نے توڑا وہ تعلق جو میری ذات سے تھا
اس کو رنج نہ جانے میری کس بات سے تھا
لاتعلق رہا لوگوں کی طرح وہ بھی
جو اچھی طرح واقف میرے حالات سے تھا

''آفاق'' میں نے میز کی چکنی سطح کھرچتے ہوئے اسے پکارا۔
''ہوں!'' وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے جمائے بولا۔
''اب میں تم سے ملنے نہ آسکوں گی۔''
''کیوں؟'' آفاق نے اپنی موٹی موٹی آنکھوں میں حیرت سمو کر پوچھا۔
''بس۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔
''کہیں جارہی ہو؟''
''نہیں۔''
''پھر......!''
''آفی' ایسے راستوں پر چلنے کا کوئی فائدہ نہیں جن کی کوئی منزل نہ ہو اور میں بھی اب تھک گئی ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''تھوڑا سا اور طاہرہ۔''
''بس آفی! یہی بہت ہے' اب میں نہیں آؤں گی۔''

اس وقت میں نہایت سفاک بن گئی تھی۔
"مجھ سے واقعی نہیں ملوگی؟" وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔
"تو کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔" مجھے غصہ آ گیا۔
"پلیز..... پلیز طاہرہ مجھ سے رابطہ ختم مت کرو۔" وہ لجاجت سے بولا تو میں ہنس دی اور بولی۔
"تمہاری اس بات پر مجھے ایک شعر یاد آ رہا ہے آفاق۔"

وہ جس قدر بھی منافق ہے پر یہ کہتا ہے
بچھڑنا ہم سے مگر پھر بھی سلسلے رکھنا!

"میں..... میں منافق نہیں ہوں۔" آفاق چیخ اٹھا۔
"آہستہ بولو لوگ دیکھ رہے ہیں۔" میں نے اس کو ریسٹورنٹ میں بیٹھے لوگوں کی موجودگی کا احساس دلایا۔
"تم میری مجبوری سمجھو طاہرہ۔"
"تم ہمیشہ مجبوریوں میں جکڑے رہو گے۔" میں نے ظالمانہ لہجے میں کہا۔
"میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا سکوں، مجھے میرے معیار کی نوکری مل جائے تو....." تب میں گیلی لکڑی کی طرح چیخ کر بولی۔
"تمہیں تمہارے معیار کی نوکری کبھی نہیں مل سکتی اور بالفرض مل بھی جائے تو میں تمہارے معیار کی نہیں رہوں گی، تمہارے خیالات آسمان پر رہتے ہیں اور میں زمین پر رہنے والی لڑکی ہوں۔"
"طاہرہ....." آفاق کی آواز بھرا گئی اور چند لمحے بعد میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن سی رہ گئی۔
آفاق کے گالوں پر آنسو موتیوں کی طرح پھسلتے چلے آ رہے تھے۔
"آفاق۔" میری گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ "تم..... تم رو رہے ہو؟"
"تو کیا تمہاری جدائی پر قہقہے لگاؤں۔" اس نے رومال سے آنکھیں صاف کیں۔
"مجھے روتے مرد کبھی اچھے نہیں لگتے۔ مرد حاکم ہے اور حاکم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے یہ اس کے رتبے کی توہین ہے۔"
"کیا حاکم کا دل نہیں ہوتا؟ اس کے دل میں احساسات اور محسوسات نہیں ہوتے؟"
"ہوتے ہیں مگر آفی! ضبط بھی کوئی چیز ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"تارہ۔" آفاق نے مجھے پکارا جب اسے مجھ پر بہت پیار آتا تھا تو وہ مجھے طاہرہ کے بجائے تارہ کہتا تھا۔
"ہوں!" میں نے ہنکارا بھرا۔
"کہہ دو تم، کہ تم نے مذاق کیا ہے۔ تم ملوگی مجھ سے۔ تم صرف میری ہو۔"
"کیسے کہہ دوں میرے والدین نے میری منزل کا پتہ بتا دیا ہے۔ پھر میں کیوں پتھروں سے ٹکراتی پھروں۔" میں نے کہا اور یہ سچ تھا کہ دو تین رشتے آئے ہوئے تھے مجھے آج شام امی کو جواب دینا تھا۔
"تارہ تم انکار کر دو۔"
"کس آس پر؟"
"میری خاطر میں جلد کوئی نوکری تلاش کرلوں گا۔ اپنے معیار سے گر جاؤں گا۔ چاہے تمہیں گزارہ کرنے میں پریشانی ہو میں تو چاہتا ہوں کہ جب ہماری شادی ہو تو کی معاشی پرابلم کا ہمیں سامنا نہ کرنا پڑے۔" آفاق نے نہایت محبت سے کہا۔ اس کی یہی باتیں تو تھیں، جو میرے دل کو پگھلا دیتی تھیں۔ مگر میں بھی آج تہیہ کر کے آئی تھی کہ بالکل اس کی نہ مانوں گی۔ اس کی باتوں کے خوب صورت کھلونوں سے نہ بہلوں گی۔
"تو تم انکار نہیں کرو گی؟"
"بالکل نہیں۔ مجھے اپنے والدین کی پسند پر سر جھکانا ہے۔" میں نے کورا جواب دیا۔
"اور تمہاری پسند؟" وہ بڑی آس سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"عمر کے ساتھ ساتھ پسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ بعض لوگوں کی پسند تو چند لمحوں میں بدل جاتی ہے۔"

"چوٹ کررہی ہو؟" وہ تلملایا۔

"سچ کہہ رہی ہوں اب اٹھو مجھے رکشہ کروادو۔" میں کھڑی ہوگئی۔

"میں کل تمہیں فون کروں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"کل میں گھر پر نہیں ہوں گی۔"

"کیوں......کہاں جانا ہے؟"

"ضروری ہے تمہیں بتایا جائے۔" میں نے کہا۔

"ہاں اب میری کیا اہمیت ہوگی۔" اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔ آفاق نے ٹیبل سے بائیک کی چابی اٹھائی اور ہم کیفے سے باہر آگئے۔ ہم سڑک پر نہایت خاموشی سے چل رہے تھے ورنہ کبھی بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ہم دونوں اکٹھے ہوں اور خاموش ہوں۔

تب ہی ایک رکشہ خالی قریب سے گزرا مگر آفاق نے اسے رکنے کا اشارہ نہ کیا تو میں چیخ پڑی۔

"آفاق رکشہ گزر گیا ہے اور خالی تھا۔"

"میں نے دیکھا تھا۔" وہ نہایت اطمینان سے بولا۔

"پھر روکا کیوں نہیں؟"

"میں چاہتا ہوں جتنا ہو سکے تمہارے ساتھ چلوں پھر پتہ نہیں یہ وقت آئے یا نہیں۔"

کیوں یہ ٹوٹا ٹوٹا سا کھویا کھویا سا آفاق احمد مجھے ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے تو وہ اکھڑ سا آفاق پسند تھا جس نے مہینوں میرے پیچھے وقت خوار کیا تھا۔ میرا پیچھا کیا تھا اور آخر مجھے جھکا کر دم لیا تھا۔ آخر کار مجھے اپنے قدموں میں لے آیا تھا۔ رکشہ پھر نظر آیا تو اس نے روک لیا۔

"سنو میں کل فون کروں گا۔"

"اچھا......اچھا۔" میں نے جلدی سے کہا اور رکشے والا مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ رکشہ چل پڑا اور پھر جب میں اپنے گھر کے قریب اترنے لگی تو رکشہ ڈرائیور نہایت بے ہودگی سے بولا۔

"اتنی دور سے اسے ملنے گئی تھی۔"

"شٹ اپ!" میں نے 50 کا نوٹ اس کی طرف پھینکا بقیہ واپس بھی نہ لیے اور تنتناتی ہوئی اپنی گلی میں گھس گئی۔ آج ایک معمولی سے رکشہ ڈرائیور نے میری بے عزتی کردی تھی میرے وجود میں چنگاریاں سی سلگنے لگیں تھیں۔

مارے غصہ کے میں نے کھانا بھی نہ کھایا اور اپنے کمرے میں گھس کر کتنی ہی دیر تک خود کو کوستی رہی۔ تب ہی فون کی گھنٹی بجی......اور مسلسل بجے جارہی تھی شاید گھر میں کوئی نہ تھا یا سب ہی سوئے ہوئے تھے۔ فون باہر گیلری میں تھا اور میرا کمرہ گیلری کے پاس ہی تھا۔ اس لیے مجھے زیادہ آواز آرہی تھی۔ میں تمتماتے چہرے سے اٹھی اور ریسیور اٹھا کر چیختے فون کو چپ کرادیا۔

"ہیلو!" میرے لہجے میں بیزاری تھی۔

"مس طاہرہ صدیقی سے بات کرنی ہے۔"

"آپ کون ہیں؟" میں نے کہا۔

"میں شاہد ہوں۔" وہ پہچان گیا تھا تبھی تو اس نے اپنا نام بتادیا تھا۔

"اوہو!" میرے لبوں سے نکلا۔ شاہد آفاق کا ایک مل اونر دوست تھا اور میں کئی بار اس سے مل چکی تھی۔

"فرمایئے شاہد بھائی۔"

''بھئی' آپ نے اسے کیا کہہ دیا ہے؟'' وہ نہایت بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔
''کسے؟'' میں سمجھ تو گئی کہ یہ آفاق کے بارے میں بات کررہا ہے مگر انجان بن گئی۔
''یہ میرے آفس میں بیٹھا ہے اور مسلسل منہ بسورے جارہا ہے' بس بلک بلک کررونے کی کمی ہے ورنہ آنکھوں میں آنسوؤں کی تہہ بار بار جم رہی ہے' جسے وہ ہتھیلیوں سے مسل ڈالتا ہے۔'' شاہد نے کہا تو نجانے کیوں میرے دل کو کچھ بھی نہ ہوا۔ ذرا بھی نہ تڑپا۔
''بتائیں نا کیا کہا ہے آپ نے؟'' مجھے خاموش پاکر وہ بولا۔
''میں نے کچھ نہیں کہا اور نہ میں ملی۔'' میں نے غلط بیانی سے کام لیا۔
''مجھے علم ہے کہ آفاق آج آپ سے ملنے گیا تھا۔ تین روز قبل ہی مجھے اس نے بتایا تھا اور وہ جب بھی آپ سے مل کرآتا ہے بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر آج کیا بات ہوئی ہے؟''
''جب آپ کو وہ ہر بات بتا دیتا ہے تو اسی سے پوچھیے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔
''اب بھلا لڑکیوں کی طرح وہاں ٹسوے بہانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے تلملا کر سوچا۔
مگر آفاق احمد اب تم کچھ بھی کرو مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔ بہت دلیلوں سے خود کو سمجھایا ہے۔ مجھے تم سے نہ محبت رہی ہے اور نہ ہی...... میں تم سے نفرت کرسکتی ہوں بس محبت اور نفرت کے درمیان کا جو جذبہ ہے وہ میرے دل میں موجزن ہے۔ شاید اسے ترحم کہتے ہیں اور یہ ترحم میرے دل میں تم نے خود ہی تو پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں تو شاید علم بھی نہ ہو آفاق بلکہ میں نے سال بھر پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ تم سے شادی نہیں کروں گی' تم کو اتنا نزدیک لاکر چھوڑوں گی کہ جیسے مچھلی لب ساحل پڑی ہو مگر پانی میں نہ جاسکتی ہو۔
تڑپ تڑپ کر ختم ہوجائے وہی حال کروں گی میں تمہارا۔ یہ میں نے سوچا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا دیا ہے' مجھے علم ہے کہ تم ضرور تڑپو گے اور تڑپ تڑپ کر ظاہری طور پر ختم ہوجاؤ گے اور پھر جو اس دنیا کا ان حالات کا سامنا جو آفاق احمد کرے گا وہ کوئی اور ہی ہوگا۔ تمہیں شاید علم نہ تھا کہ عورت محبت میں ناگن بھی بن جاتی ہے' تم نے مجھے کئی بار آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا اور میں پوری اتری مگر تم میری آزمائش پر پورے نہ اترے فیل ہوگئے اور ہر امتحان میں ہر کوئی پاس تو نہیں ہوتا نا؟ تم عورت تو نہ تھے...... جو آزمائش میں پورے اترتے' تم تو مرد تھے' جو بھنورا صفت ہوتا ہے۔

......☆☆☆......

آفاق احمد سے میری ملاقات میری کلاس فیلو اور دوست ثمینہ کے توسط سے ہوئی۔ آفاق اس کے منگیتر صابر علی کا دوست تھا' دونوں بی ایس سی پارٹ ون کے طالب علم تھے۔ صابر' ثمینہ کا منگیتر ہونے کے ساتھ ساتھ فرسٹ کزن بھی تھا اور بڑے دھڑلے سے ہونے والی اہلیہ کا دیدار کرنے کا جب بھی موڈ ہوتا آجاتا' کوئی روک ٹوک نہ تھی' ثمینہ کا اور میرا گھر نزدیک ہی تھا۔ میں اکثر شام کو اس کے ہاں چلی جاتی یا وہ آجاتی' اور وہیں میری آفاق سے ملاقات ہوئی' میں نے صابر بھائی کے دوست ہونے کی وجہ سے آفاق کو بھی کمپنی دی' صابر بھائی سے میں خاصی بے تکلف تھی' مگر آفاق سے ایک عجیب جھجک سی تھی جو کہ کئی بار ملنے پر بھی ختم نہ ہوئی۔ ثمینہ آفاق کا بہت ذکر کرتی مگر میں توجہ نہ دیتی نہ مجھے پتہ تھا کہ ثمینہ کا موضوع سخن آفاق احمد ہی کیوں ہے صابر کی بجائے۔
پھر کئی بار کالج سے نکلتے ہوئے آفاق کو کالج کے گیٹ کے باہر دیکھا مگر پھر بھی کوئی اہمیت نہ دی' ہمارے انٹر کے ایگزام ہورہے تھے اور اس روز آخری پرچہ تھا جب میں اور ثمینہ سینٹر سے نکلے تو پتہ چلا کہ اچانک بسوں اور ویگنوں والوں نے ہڑتال کردی ہے۔ رکشہ ٹیکسی والے منہ مانگے دام مانگ رہے تھے اور سچی بات ہے کہ ان دنوں مجھے رکشہ میں بیٹھتے ہوئے خوف آتا تھا۔ میں اور

ثمینہ سخت پریشان تھے۔ اتنا اچھا پرچہ ہوا تھا مگر ساری خوشی کرکری ہوگئی تھی۔ جب کہ میں صبح ثمینہ سے کہہ رہی تھی آج آخری پرچہ ہے پورا ایک ہفتہ سوؤں گی اور اس وقت سخت بیزار ہورہی تھی۔ تب ہی صابر بھائی آگئے ان کے ساتھ آفاق بھی تھا دونوں اپنی اپنی بائیک پر تھے۔ ثمینہ تو کھل اٹھی۔

"مجھے پتہ چلا کہ ہڑتال ہوگئی ہے تو فوراً کلاس چھوڑ کر آگیا۔" صابر بھائی نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے کہا۔

"جیسے مجھے تمہارا خیال تھا اسے بھی تمہاری سہیلی کا خیال تھا۔" صابر بھائی نے ثمینہ سے سرگوشی کی مگر میں نے صاف سن لی ان کی سرگوشی بھی بس نام کی سرگوشی تھی۔

آخر مجبوری بھی اور مجبوری میں تو انسان کیا کچھ کر گزرتا ہے۔ سو میں بھی اسی مجبوری کی وجہ سے آفاق کے پیچھے بیٹھ گئی مگر صابر بھائی کے بہت مجبور کرنے پر۔ آفاق تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا کہنے لگا۔

"جی چاہتا ہے اسٹرائیک کرنے والوں کا منہ چوم لوں۔" اس نے کہا تو میری ہنسی چھوٹ گئی اور وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا۔ گھر سے خاصی دور میں اتر گئی۔

"بہت شکریہ۔" میں نے ہولے سے کہا۔

"اپنوں سے تکلف نہیں نبھائے جاتے۔" آفاق نے جذبے لٹاتی نظروں سے مجھے دیکھا تو میں چونک گئی۔

"تم...... تم کب سے میرے اپنے بن گئے ہو؟" اور پتہ نہیں کیسے اس نے میرے دل میں ابھرتے سوال کو سن لیا تھا۔ بھی تو مسکراتے ہوئے بولا۔

"اپنے دل سے پوچھ لو کب سے بنا ہوں تمہارا۔" وہ ایک دم ہی تکلف کی ہر دیوار گرا گیا اور پھر بائیک آگے بڑھا لے گیا۔

میں نے اپنے اندر جھانکا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ میں جو ایگزام کے بعد لمبی نیند کا پروگرام بنارہی تھی، وہ تو اپنی موت آپ مرگیا۔ میں نے ایک ایسی وادی میں قدم رکھ دیا تھا جہاں پھول تو بے تحاشا تھے مگر کانٹے بھی ساتھ تھے۔

اب ہماری دوسرے تیسرے دن ثمینہ کے ہاں ملاقات ہونے لگی اور چوتھی ملاقات ہی میں آفاق نے کہہ دیا۔

"میں اپنی امی کو تمہارے ہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟" اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

"ابھی تو مجھے بی اے کرنا ہے اور پھر میری بڑی بہن کی پہلے شادی ہوگی۔" میں نے لجاتے ہوئے کہا۔

"بھئی منگنی ہوجائے شادی ابھی کون سی کرنی ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں، منگنی بھی نہیں۔"

"یعنی تم ڈائریکٹ شادی کی قائل ہو۔" وہ ہنسا۔

"بالکل۔" میں بھی ہنس دی۔

"یا یہ خطرہ ہے کہ مجھے تمہاری بڑی بہن کے لیے نہ پسند کرلیا جائے۔" آفاق کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔

"بس...... بس منہ دھو رکھو۔" میں نے چڑایا۔

یونہی وقت گزرتا رہا، ہماری محبت بڑھتی رہی، اب ہمیں ثمینہ کے ہاں ملاقات کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ثمینہ کی امی کو کچھ شک ہوگیا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ میری امی کو بتادیں۔ اس لیے ہم نے یونیورسٹی روڈ پر ایک کیفے کو چن لیا۔ ہفتے میں ایک بار میں ضرور آفاق سے ملتی جب بھی کالج سے کوئی پریڈ گول کرتی تو ثمینہ ساتھ ہوتی یا کبھی اکیلی بھی چلی جاتی۔ اس کے ساتھ ہوتی تو مجھے کوئی ڈر نہ ہوتا یہ خوف بھی نہ ہوتا کہ کوئی دیکھ لے گا۔

مجھے لگتا اگر آفاق نہ ملا تو میں مرجاؤں گی، آفاق نے اپنے کئی دوستوں سے بھی مجھے ملایا، وہ ہر بار ایک نئے دوست کے ساتھ آتا تھا۔ اگر ثمینہ میرے ساتھ ہوتی تو وہ آفاق کے دوست سے گپیں لڑاتی اور میں اور آفاق دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہوجاتے۔ کبھی آفاق اپنے کسی بھی دوست کو میرے پاس بٹھا کر کسی کام کے لیے چلا جاتا۔

دس پندرہ منٹ بعد آتا اور سوری کہہ کر بیٹھ جاتا۔ اس کے جانے کے بعد اس کا دوست نظروں سے کتنے ہی پیغام دیتا اور میں نظریں چرا لیتی۔ بعض مرتبہ مجھے غصہ بھی آتا' مگر میں نے کبھی آفاق سے شکایت نہ کی۔

عفت کاظمی سے ہماری دوستی تھرڈ ایئر میں ہوئی یہ لڑکی لاہور سے مائیگریشن کروا کر آئی تھی ماڈ سوسائٹی سے تعلق رکھتی تھی۔ سنہری شانوں تک کٹے ہوئے بال تھے۔ خوب صورت خدوخال والی عفت بہت اونچے اونچے قہقہے لگاتی تھی' ہم بھی ہنسوڑ تھے' اس لیے عفت سے میری اور ثمینہ کی دوستی ہوگئی' یوں بھی ہماری کلاس کی لڑکیوں نے دو دو چار چار لڑکیوں کے گروپ فرسٹ ایئر ہی سے بنائے ہوئے تھے اور سب اپنے آپ میں مست تھیں۔ عفت کی گنجائش ہماری طرف ہی نکلی۔

پھر آہستہ آہستہ عفت کی گنجائش کے جوہر کھلتے گئے۔ ایک وقت میں اس نے کئی لڑکوں سے دوستی کی ہوئی تھی کوئی اس کا بچپن فرینڈ تھا کوئی فون فرینڈ اور کئی سے ڈینٹیں مارتی تھی۔ اس کا گھرانہ ایسا تھا کہ کوئی روک ٹوک نہ تھی کہ اس کی شامیں کہاں گزرتی ہیں۔ جب وہ مختلف لڑکوں سے ملنے کے قصے سناتی تو میں حیرت سے اسے دیکھتی' فربہ جسامت کی عفت جو کہ بس خود کو بنا سنوار کر رکھتی تھی پھر بھی اتنی دوستیاں نبھاتی تھی' اور میں نے دیکھا تھا کہ جب وہ کالج کے گیٹ سے نکلتی تو باہر کھڑے کتنے ہی لڑکوں پر بیک وقت مسکراہٹ کی بجلیاں گراتی اور جب وہ اپنی لمبی سی موٹر میں بیٹھ کر چلی جاتی تو کتنی ہی آنکھیں حسرت سے اس کی موٹر کو تکتی رہ جاتیں۔ میں نے بھی اسے اپنے راز میں شریک کرلیا تھا۔

"خدا کرے تم آفاق احمد کو پالو۔" اس نے نہایت صدق دل سے دعا دی۔

......☆☆☆......

تھرڈ ایئر کے ایگزام سے ہم فارغ ہوئے اب سارا دن گھر پر ہوتی تھی' میں رسالے پڑھتی یا پھر آفاق کے خیالوں میں گم ہوجاتی۔ اس روز بھی میں آفاق سے ملنے گئی تو وہ بجائے کیفے لے جانے کے مجھے اپنے ایک دوست زاہد کے ہاں لے آیا۔ اس روز زاہد کے گھر والے کہیں شادی میں گئے ہوئے تھے۔ زاہد ہی گھر میں تھا۔ مگر مجھے آفاق پر اتنا اعتماد تھا کہ مجھے زاہد سے بھی ڈر نہ لگا کہ اتنا بڑا گھر ہے اور ہم تنہا' یہ زاہد کا بیڈ روم تھا۔

زاہد بھی کسی کام سے چلا گیا اور آفاق اور میں تنہا رہ گئے۔ آفاق دروازہ بند کرکے جب پلٹا تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں محبت کے بجائے ہوس تھی۔ اس کا یہ روپ اس قدر عجیب سا تھا کہ وہ محبتوں کی جوت جگانے والا آفاق احمد نجانے کہاں چھپ گیا تھا' میرے جسم میں لرزہ طاری ہوگیا۔ میں گنگ رہ گئی۔ مجھ میں سکت ہی نہ تھی کہ وہاں سے بھاگتی۔ آفاق میرے قریب آیا۔

"تارہ۔" اس کا لہجہ جذبات کی شدت سے چور چور تھا۔

"آفاق...... میں...... میں جان سے گزر جاؤں گی مگر جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہونے دوں گی۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور بلک پڑی' پتہ نہیں کتنا وقت گزر گیا تب ہی میرے کندھے پر میرے قریب بیٹھے آفاق نے ہاتھ رکھ دیا' میں نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا۔

"سوری تارہ۔"

"تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے آفاق۔"

"مگر میرا اعتبار بڑھ گیا ہے۔ یہ تمہاری آخری آزمائش تھی۔" آفاق نے کہا۔

"کیا؟" میں حیران تھی۔

"میں سمجھی نہیں۔" میں اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"گزشتہ ڈیڑھ سال سے میں تمہیں آزما رہا ہوں' ہر بار تم جیت جاتی ہو اور آج آخری آزمائش تھی' میں نے تم سے اپنے جس بھی دوست کا تعارف کروایا' اس کے بارے میں بتایا بھی کہ یہ فلاں مل اونر کا بیٹا ہے' فلاں کے باپ کا اتنا بڑا کاروبار ہے' کوئی افسر ہے مگر تم نے کسی کی طرف بھی رخ نہ کیا۔ حالانکہ صرف شاہد ہی مل اونر کا بیٹا

ہے۔ باقی سب ابھی پڑھ رہے ہیں اور مناسب جاب کرتے ہیں، میں نے سنا تھا تارہ کہ عورت دولت کی طرف کھنچتی ہے، مگر میں سمجھ گیا کہ عورت صرف محبت کرتی ہے۔ دولت صرف ثانوی حیثیت رکھتی ہے، بس آپا کی شادی ہوجائے تو میں تمہیں اپنالوں گا اب دوری نہیں برداشت ہوسکتی۔ پلیز تارہ ہوسکے تو معاف کردینا، لیکن قسم لے لو اگر تم اپنا آپ میرے حوالے کربھی دیتیں تو میں تمہیں دھتکار کر چلا جاتا، تمہیں کبھی بے آبرو نہ کرتا، بس میری طرف سے دل میں میل مت لانا۔'' آفاق نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، تب میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر چند لمحے پہلے کی خباثت نہ جانے کہاں جا چھپی تھی، اب تو یہ معصوم چہرے اور نظروں سے محبتوں کی آبشار گراتا آفاق تھا، میں نے اس کے دونوں جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھاما اور آنکھوں سے لگا کر رو دی۔

''تم میرے لیے چیلنج تھیں تارہ...... تمہیں بڑی مشکل سے پایا تھا، مگر سچ بتاؤں اس وقت صرف میں نے دل لگی کے لیے تم سے دوستی کی تھی، مگر آج میں خدا کو حاضر جان کر اعتراف کرتا ہوں کہ اس دل میں سوائے تمہارے اور کوئی نہیں، اور نہ ہی کبھی ہوسکتی ہے۔'' آفاق نے ہولے سے میرے بالوں کو لبوں سے چھوا اور میں مسکرادی، اس کی اتنی سی محبت پر۔ پھر کالج کھل گئے اور ایک روز باتوں باتوں میں، میں نے ثمینہ اور عفت کو آفاق کی خباثت کا بتایا تو عفت نے اپنی بھنورا جیسی آنکھیں جھپکا کر کہا۔

''اس نے تم کو آزمایا؟''

''ہاں۔'' میں نے بتایا۔

''اور شکر ہے کہ میں اس کی کسوٹی پر پوری اتری۔'' میں نے فخر سے بتایا۔

''ازلی عورت والی بات کی جو مرد سے محبت کرے تو اپنا پور پور مٹا دیتی ہے۔'' عفت بولی۔

''وہ بھی مٹ گیا ہے میرے آگے۔'' میرے لہجے میں تسخیر کرنے کا مان تھا۔

''مجھ سے ملواؤ۔'' عفت ایک دم بولی۔

''کیا کروگی مل کر؟'' ثمینہ ہنسی۔

''یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اس کے آگے مٹ گیا ہے، اگر اسے اپنی طرف ملتفت کرلوں پھر؟''

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' میں نے نہایت اعتماد سے کہا۔

''اور ہوجائے تو پھر؟'' عفت نے چیلنج کیا۔

''پھر......'' میں نے سوچنا چاہا۔

''دیکھو جان! مرد کو کبھی آزمائش میں مت ڈالو، کیونکہ یہ کبھی بھی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔'' ثمینہ نے مجھے سمجھایا مگر میں نے اس کی بات کو سنی ان سنی کرکے عفت سے کہا۔

''چلو تم مل لو۔''

''پہلے تم میرا اس سے مکمل تعارف کروا دو، میری دوستیوں کے بارے میں بھی بتادو پھر ملوں گی۔'' عفت نے نہایت بے پروائی سے کہا اور میں نے بھی طے کرلیا کہ عفت کو آفاق سے ضرور ملواؤں گی۔

میں نے آفاق کو عفت کے بارے میں بتایا کہ خاصی ماڈ لڑکی ہے خوب دوستیاں کررکھی ہیں ملوگے اس سے؟

''نہیں بھئی، مجھے ایسی لڑکیاں پسند نہیں۔'' آفاق منہ بنا کر بولا۔ اور میرے دل میں روشنی ہی روشنی ہوگئی، مگر میں نے آفاق کو نہیں بتایا کہ اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔

آخر ایک روز میں ثمینہ اور عفت کے ساتھ آفاق سے ملنے گئی، ریسٹورانٹ میں آفاق اور شاہد ہم سے پہلے ہی موجود تھے۔ ثمینہ نے عفت کا آفاق سے تعارف کروایا۔

میں اور ثمینہ باتیں کررہے تھے کہ آفاق نے عفت سے کہا، کہ میری بات سنیں اور میرے دل پر گھونسہ سا پڑا، میری موجودگی میں اسے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی، عفت اور آفاق دوسرے کیبن میں چلے گئے، چند لمحے بعد جب دونوں آئے تو عفت کے لبوں پر فتح مندی کی مسکراہٹ تھی۔

''ہماری دوستی ہوگئی ہے۔'' ثمینہ کو عفت نے بتایا۔

”اچھا!“ میں نے حیرت سے آفاق کو غصے سے دیکھا۔

پھر ایک دم ہی ان کا نجانے کیسے کلفٹن جانے کا پروگرام بن گیا۔ ساحل سمندر کے قریب ہی موٹر جا کر رکی تو شاہد اور آفاق اتر گئے۔ عفت بھی ایک ادائے دلبری سے اتری۔

”اترو۔“ ثمینہ نے مجھ سے کہا جبکہ وہ خود بھی بجھی بجھی سی تھی اور میرا دل تھا کہ درد کا پھوڑا بنا ہوا تھا۔

”نہیں، تم جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ میری آواز رندھ گئی۔ ثمینہ کو علم تھا کہ مجھ پر اس وقت کتنا بڑا پہاڑ آ گرا ہے اور وہ اعتماد کا ٹوٹا ہوا پہاڑ تھا جس کے ملبے تلے میری روح سسک رہی تھی۔

دل چکنا چور ہو گیا تھا میں اکیلی ہی گاڑی میں بیٹھی تھی میرا جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر روؤں تب ہی آفاق آ گیا۔

”تم اکیلی بیٹھی ہو آؤ نا؟“

”تمہیں کمپنی مل گئی ہے میرے اکیلے بیٹھنے سے کیا فرق پڑے گا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں تلخی آ گئی۔

”ناراض ہو۔“ وہ میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ میں کھسک کر دور ہو گئی تو وہ ہنس دیا اور میرا ہاتھ تھام لیا جسے میں نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔

”اچھا، میں عفت سے بات نہیں کروں گا۔“ وہ بولا۔

”میں نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔“

”پھر یہ ناراضگی۔“

”بس۔“

”مجھے عفت سے فرینڈ شپ کی اجازت دے دو۔“ آفاق میری طرف جھک کر بولا، مجھے لگا جیسے کہ میرے آگے وہ ملتمس رہا ہو۔

”میں نے تو منع نہیں کیا۔“ میرے لہجے میں اب بھی تلخی تھی۔

”تم ناراض تو نہیں ہو گی۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے۔“

”تمہیں ضرورت ہے ناراض ہونے کی اس لیے کہ تمہارا اور میرا گہرا تعلق ہے۔“ آفاق مضبوط لہجے میں بولا۔ ”ویسے وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ تمہارا شاہد سے چکر ہے۔“ میں دل ہی دل میں ہنسی۔

”ہونہہ تمہیں کیا پتہ کہ یہ ہماری چال ہے۔“

”ویسے تم نے عفت کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ اس سے بھی دو ہاتھ اوپر ہے۔“ آفاق بولا۔

پھر پتہ نہیں وہ کیا کہتا رہا میں بس سن سے ذہن کے ساتھ بیٹھی رہی۔ حلق میں چیخوں کو دباتی رہی۔ پھر ہم لوٹ آئے۔

اس روز مجھے اتنا دکھ تھا میں بیان نہیں کر سکتی۔ یوں لگتا روح بار بار سولی پر چڑھ رہی ہو دل کو کوئی آرے سے چیر رہا ہو میں اپنے کمرے میں تکیوں میں منہ چھپا کر روتی رہی۔

شام کو ثمینہ آ گئی اور پھر میں اس کے کندھے سے لگ کر رو دی۔ تب ثمینہ نے مجھے رونے دیا شکر ہے مجھے ثمینہ کا کندھا تو میسر تھا جس پر سر رکھ کر میں نے اپنے انمول آنسو بہا دیے تھے۔

”میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم مت آزماؤ، مرد کا کوئی بھروسہ نہیں۔“ ثمینہ نے کہا۔ ”تمہیں شاید علم نہیں کہ صابر اور میں کہیں بھی جائیں تو کوئی بھی خوب صورت لڑکی دیکھ کر وہ بڑی حیرت سے کہتا ہے۔ ”ثمینہ! یار لڑکی تو بہت پیاری ہے۔“ بظاہر وہ ہنس کر کہتا ہے مگر مجھ سے پوچھو کہ میرے دل کی کیا حالت ہوتی ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ لڑکی پیاری کب لگتی ہے جب وہ پہنچ سے دور ہو، مرد تسخیر کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ صابر ہو یا آفاق، مرد کا خمیر ایک ہی مٹی سے بنا ہے۔“ ثمینہ نہایت دھیمے لہجے میں مجھے سمجھاتی رہی۔

”تم اگر اسے چاہتی ہو تو اس کی اس فطرت کو نظر انداز کر دو۔“

”یہ بات نظر انداز کر دوں؟“ میں نے حیرت سے

ثمینہ کو دیکھا۔
"ہاں۔"
"نہیں.....نہیں ثمینہ۔" میں نے آہ بھر کر کہا۔
"پھر کیا کرو گی؟"
"سوچوں گی کیا کرنا ہے؟" میں نے کہا اور پھر بات ختم ہوگئی۔ پھر پوری رات میں نے سوچتے ہوئے گزار دی' اور جب میری الجھی ہوئی سوچوں کو سرا ملا تو میں نہایت مطمئن سی ہوگئی۔ دل کی بے قراریاں تھم گئیں جب میں صبح سو کر اٹھی تو نہایت فریش تھی۔
میں نے کل تک والی طاہرہ صدیقی کو جو آفاق احمد کی محبوبہ تھی' ختم کردیا تھا' اب ایک نئی طاہرہ تھی جس نے اپنے سچے اور انمول جذبوں کا آفاق احمد سے انتقام لینا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جب عورت محبت کرتی ہے تو خود کو بھلا دیتی ہے اور جب نفرت کرتی ہے تو دنیا کو بھلا دیتی ہے۔ اور مجھے بھی آفاق احمد سے چڑ ہوگئی تھی۔ وہ کتنا جھوٹا شخص تھا' وہ میری محبتوں کا حق دار بھی نہ تھا' میں فضول میں دو سال تک اس پر اپنی پور محبتیں لٹاتی رہی تھی۔
میں کالج پہنچی تو عفت سخت شرمندہ سی تھی۔ مجھے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح وہ مسکرا کر میرے گلے نہ لگی بلکہ نظریں جھکا کر بولی۔
"طاہرہ سوری۔"
"ارے تم کیوں شرمندہ ہو۔" میں نے اسے لپٹالیا۔
"کاش ایسا نہ ہوتا۔"
"اچھا ہے مجھے اس کا باطن نظر آگیا' اور شکر ہے کہ ابھی نظر آگیا اگر شادی کے بعد وہ ایسا کرتا تو میں ایک منٹ بھی اس کے ساتھ نہ رہتی' اور اب بھی میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ میں محبت میں شراکت کی قائل نہیں ہوں۔ چاہے وہ شوہر کی محبت ہو یا محبوب کی۔ میں مکمل اپنا مرد چاہتی ہوں' اور مجھے یقین ہے کہ ایسا مرد میرے والدین ہی تلاش کریں گے۔" میں نے اسے گلے لگالیا۔
"ٹوٹنا مت تارہ! ورنہ..... ورنہ عفت بن جاؤ گی۔"
عفت کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔
"کیا..... کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"کچھ نہیں۔" وہ زور سے ہنس دی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور پھر جھک کر چپل کا بکل ٹھیک کرنے کے بہانے آنکھیں مسل ڈالیں۔
میں بس اسے دیکھ کر رہ گئی کچھ پوچھ نہ سکی کیونکہ بیل ہوگئی تھی۔ دوسرا پریڈ ہمارا فری تھا' تب ہم لان میں آگئیں' تو ثمینہ نے کہا۔
"کل آفاق نے تم سے کیا کہا تھا عفی؟"
"الگ لے جا کر بولا آپ ہم سے دوستی کریں گی' میں نے کہا ضرور' اور پھر ہم نے ہاتھ ملایا مگر بخدا میرے دل میں اس کے لیے ایک ہی جذبہ تھا۔"
"اب اس جذبے کی وضاحت نہ کرو پھر وہ کیا بولا۔" ثمینہ نے پوچھا۔
"پھر آج فون کرنے کا کہا ہے' اس نے میرا نمبر لیا تھا۔ میں نے اسے لینڈ نمبر دیا ہے سیل فون کا کہا کہ میرے پاس ہے ہی نہیں۔" عفت ہنسی تھی۔
"کب کرے گا؟" میں نے پوچھا۔
"ایک بجے۔" عفت نے بتایا۔
"مگر ہماری کلاسز تو ڈھائی بجے آف ہوں گی۔" ثمینہ بولی۔
"میں نے ڈرائیور کو ساڑھے بارہ بجے بلایا ہے' اور تم دونوں بھی ساتھ چلو گی۔"
"کیوں؟"
"وہ مجھ سے فرینڈ شپ کرنا چاہتا ہے' میں نے کہا کہ طاہرہ سے اجازت تو لے لو۔" عفت ہنسی۔
"مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ تم شاہد اور میرا چکر سمجھ رہی ہو۔"
"بکواس کرتا ہے' میں نے کہہ دیا تھا کہ مجھے پتہ ہے تم اور طاہرہ..... تو کہنے لگا اس سے فرینڈ شپ نہیں ہے تو کیا ہے یہ؟ میں پوچھ نہ سکی کہ شاہد آ گیا تھا۔" عفت نے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ پھر ہم لوگ دو پریڈ گول کر کے عفت کے ساتھ اس کے گھر آ گئیں۔ عفت کے گھر میں

پہلی بار آئی تھی واقعی وہ بہت رئیس لوگ تھے گھر کے چپے چپے سے امارت جھلکتی تھی عفت فون اپنے کمرے میں اٹھا لائی اور پھر ادھر وال کلاک نے ایک بجایا اور ادھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ جیسے بندہ بہت بے قرار ہو۔ صبر نہ آ رہا ہو۔

''دیکھا...... میرا ڈ سا قرار نہیں پاتا مگر......'' اس نے جملہ پورا کیے بغیر ریسیور اٹھالیا' دوسری جانب واقعی آفاق تھا' میں ایکسٹینشن پر سن رہی تھی ریسیور میرے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔

''تم نے طاہرہ سے اجازت لے لی۔'' عفت نے سلام دعا کے بعد کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' آفاق بولا۔

''پھر میری ایک بات مانو آفاق! اسے بھی کسی سے فرینڈ شپ کی اجازت دے دو۔'' عفت نے نہایت رسان سے کہا۔

''نہیں' نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔'' آفاق تیزی سے بولا۔

''کیوں؟ میری صرف یہی شرط ہے' میں تم سے جب دوستی کروں گی جب طاہرہ بھی کسی اور سے دوستی کرے گی۔''

''میں اسے اجازت نہیں دے سکتا۔''

''کیوں جب تم مجھے دوست بنا سکتے ہو تو وہ نہیں بنا سکتی۔''

''وہ تم جیسی نہیں ہے۔'' آفاق کا کہنا تھا کہ عفت کو تو پتنگے لگ گئے۔

''کیا تم نے مجھے کال گرل سمجھ رکھا ہے' یو فول اسٹوپڈ' تم نے سمجھ کیا رکھا ہے' مجھے میں تمہیں ایسی جگہ پھینکواؤں گی کہ تمہارے باپ کو ہڈیاں بھی نہ ملیں' ایسے تم راجہ اینڈر ہو کہ میں تم پر مرمٹوں گی' تم جیسے تو چھتیس میرے پرس میں پڑے رہتے ہیں۔'' عفت بولتی رہی اور وہ خاموش رہا۔ اور عفت نے دل کی بھڑاس نکال کر کریڈل پر پٹخ دیا۔

''بڑی کمینی قوم ہے مردوں کی خود کہیں گند کھائیں مگر......'' وہ دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی اور آنکھیں موندلیں۔

''سوری عفت؟'' پتہ نہیں کیوں میرا دل بجھ سا گیا تھا' ایک قسم کی آفاق نے گالی ہی اسے دی تھی کہ وہ تم جیسی نہیں۔ حالانکہ مجھے پتہ تھا کہ وہ بہت اچھی ہے' اس کا دل بہت اجلا ہے۔ شیشے کی مانند۔

''عفت!'' ثمینہ نے اس کا کندھا ہلایا تب اس نے آنکھیں پٹ سے کھول دیں' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آج...... آج دوسری بار میں نے یہ جملہ سنا ہے ثمینہ۔'' اس نے ثمینہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں دوسری بار دھتکاری گئی ہوں۔''

''ایک...... ایک وہ تھا جو پورے آٹھ سال بعد مغرب کی رنگینیاں سمیٹ کر آیا تو اسے لانبی چوٹی' سر پر دوپٹہ اور جھکے سر والی عفت کاظمی پسند نہ آئی۔ کیونکہ عفت کو اس کی دادی نے پالا پوسا تھا اس پر اپنا اثر ڈال دیا تھا اور اس نے راحت کو اپنا لیا اور تب عفت جو کہ اس کے خوابوں سے اپنی دنیا کو آباد کیے ہوئے تھی اس نے اس لندن پلٹ ڈاکٹر انیس سے پوچھا تھا۔

''راحت میں آپ کو کیا نظر آیا؟ کیونکہ راحت بہت ماڈ تھی' اس کے یونیورسٹی میں کئی دوست تھے' نت نئے لباس پہنتی تھی' ہر فیشن کرتی تھی' اس کے بڑھے ہوئے ناخن دیکھ کر عفت کو کراہیت آتی تھی مگر ڈاکٹر انیس نے پتہ ہے کیا کہا تھا۔'' عفت ہنسی تو میں نے اور ثمینہ نے اس ٹوٹی ہوئی عفت کو دیکھا۔

تمسخر سے بولا تھا۔ ''وہ تم جیسی نہیں ہے......'' یعنی میں بری تھی اور...... اور پھر وہ سادہ سی عفت کاظمی ختم ہوگئی۔ اس کے وجود میں ایسا زلزلہ آیا کہ سب ختم ہوگیا اور اگلے ہفتے جب ڈاکٹر انیس' راحت کاظمی کو منگنی کی انگوٹھی پہنا رہا تھا تو مجھے پتہ ہے کہ وہ اس عفت کو دیکھ کر حیران رہ گیا جس کی لانبی چوٹی شانوں تک کٹے بالوں میں بدل گئی تھی۔ دوپٹے سے بے نیاز ٹاپ پہ سرخ شرٹ پہنے چہرے کی زردی کو امپورٹڈ میک اپ کی تہوں میں

چھپائے‘ اونچے اونچے قہقہے لگاتی ہوئی عفت ڈاکٹر انیس کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگی تب اس کے دل کو پچھتاؤں نے گھیر لیا‘ مگر اب کیا ہوسکتا تھا‘ ایک ماہ بعد اس کی شادی ہوگئی اور دونوں چلے گئے‘ اور پتہ ہے ثمینہ چند روز قبل اس کا خط آیا تھا پپا کے نام جو میں نے پڑھ لیا۔ وہ بہت پریشان ہے راحت کی حرکتوں سے‘ لندن میں راحت کو نئی دنیا ملی تو وہ سب بھول گئی‘ اور اب اس نے پھر پپا سے مجھ کو مانگا ہے‘ حیرت ہے کہ......‘‘

’’پھر تم نے کیا کہا؟‘‘ ثمینہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

’’میں نے انکار کردیا‘ میں ٹھکرائی ہوئی لڑکی ہوں اور میں جو کچھ بنی ہوں‘ یہ اسی مرد نے مجھے بنایا ہے‘ وہ لندن میں آٹھ برس رہا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ایسا ہوکر آئے گا‘ ورنہ میں خود کو بدل لیتی‘ دیکھو تو یہ دل آج بھی اس کے ساتھ چاہتا ہے‘ مگر میں...... میری انا جو ہے وہ نہیں چاہتی‘ اور ثمینہ میں جس مرد سے بھی شادی کروں گی‘ ویسی ہی بن جاؤں گی جیسی دادی اماں نے مجھے بنایا تھا مگر وہ ڈاکٹر انیس نہیں ہوگا۔‘‘ عفت کے ہونٹ بھینچے ہوئے اور آنکھیں نم تھیں۔ آج مجھے اس ٹوٹی ہوئی اور اونچے قہقہے لگانے والی عفت کے دل کے زخم نظر آئے تو جی چاہا کہ میں بھی اس کی طرح رو دوں۔

’’عفت‘ میں نے سوچا ہے کہ آفاق کو چھوڑ دوں گی۔ میں اس سے کوئی واسطہ‘ تعلق نہیں رکھوں گی‘ اسے دھتکار دوں گی اسے بتاؤں گی کہ عورت کے دل سے کھیلنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟‘‘

’’گڈ گرل۔‘‘ وہ ہنسی‘ اپنے مخصوص انداز میں اور بولی۔ ’’مگر یہ دیکھ لینا کہ دل نہ روئے۔‘‘

’’ایسا نہیں ہوگا۔‘‘ میں نے نہایت اعتماد سے کہا۔ تو عفت نے مجھے لپٹا لیا۔

اور پھر واقعی میں نے خود کو مضبوط بنا لیا۔ آفاق نے بی ایس سی کرلیا تھا‘ اور آج کل جاب کی تلاش میں تھا اور آج کل کے لڑکوں کی طرح وہ بھی ایک دم ہی اونچی پوسٹ چاہتا تھا‘ اس کے والد احمد علی کوئٹہ میں واپڈا کے محکمے میں تھے‘ انہوں نے کتنا چاہا کہ آفاق کوئٹہ آجائے اور واپڈا میں لگ جائے مگر وہ صاف انکاری ہوگیا۔ میں نے بھی سمجھایا مگر نہ مانا‘ عفت والے واقعے پر وہ مجھ سے معذرت کرچکا تھا اور کہتا تھا۔

’’عفت جیسی لڑکیاں صرف دل بہلانے کے لیے ہوتی ہیں وقت گزاری کے لیے‘ ان سے زندگی بھر کا ساتھ نہیں چاہا جاسکتا...... وہی حساب تھا‘ انگور ہاتھ نہ آئے تو کھٹے ہیں۔‘‘

ایگزام کے بعد میں فارغ تھی۔ ثمینہ کی بھی صابر سے شادی ہوگئی تھی۔ صابر فیصل آباد میں ایک ٹیکسٹائل مل میں اسسٹنٹ منیجر تھا‘ ثمینہ بھی اس کے پاس چلی گئی اب میں تنہا تھی۔ امتحان دے کر بیٹیاں گھر بیٹھ جائیں تو ایک دم سے والدین کو بڑی لگنے لگتی ہیں۔

میرے لیے بھی دو تین رشتے آگئے تھے‘ ایک روز امی نے مجھ سے کہا تھا‘ کہ میں حامی بھرلوں اور اگر کوئی میری اپنی انفرادی پسند ہو تو بتادوں مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ میری کوئی پسند نہیں اور یہ سچ بھی ہے اور مجھے علم تھا کہ شام

کو امی ان تینوں کے بارے میں پوچھیں گی' جن کی تصویریں میرے پاس رکھی ہیں۔
لوگ اچھے ہیں رشتے اچھے ہیں اور میں نے بھی ایک رشتے کا انتخاب کرلیا۔ لڑکا سعودی عرب میں ہے اور ایک بینک میں جاب کرتا ہے۔ میں اس شہر ہی سے چلی جانا چاہتی تھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ایسے دیس چلی جاؤں جو سب دیسوں کا راجہ ہے' میرے سوہنے نبی ﷺ کا شہر ہے مدینہ اور وجاہت مرزا مدینہ ہی میں رہتا ہے اور میں نے شام کو لفافے میں بند کرکے وجاہت مرزا کی تصویر دے دی۔ امی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔
میں نے ایک کسٹم آفیسر اور انجینئر کے مقابلے میں ایک بینک اکاؤنٹنٹ کو قبول کیا تھا۔ تب میں نے امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔
''امی! پتہ نہیں قسمت وہاں لے جائے یا نہیں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دیس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے دولت' عہدے سے کوئی غرض نہیں' میری خوش قسمتی ہوگی کہ یہ گناہ گار آنکھیں روضہ مبارک کا دیدار کرتی رہیں گی۔ اپنے گناہوں کو بخشوانے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ میں نے کہا تو امی نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر میری پیشانی چوم لی یعنی میرا فیصلہ انہیں بھی پسند آیا۔ دوسرے روز میں گھر کی صفائی میں لگ گئی کیونکہ امی نے وجاہت کی والدہ اور بہن کو شام کے کھانے پر بلایا تھا اور میں اپنی ساس اور نند پر اپنی سگھڑاپے کا رعب ڈالنا چاہتی تھی۔
مجھے بالکل خیال نہ تھا کہ آفاق نے فون کرنے کا کہا تھا' گیارہ بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو میں نے ریسیور اٹھایا۔
''ہیلو!'' میں نے بیزاری سے کہا۔
''میری امی شام کو تمہارے گھر آئیں گی تارہ۔'' وہ میری آواز پہچان کر بولا۔
''کوئی ضرورت نہیں۔''
''کیوں؟''
''فیصلہ ہوگیا ہے۔'' میں نے بتایا۔
''تم نے ہتھیار ڈال دیے۔'' وہ بولا۔
''ہتھیار نہیں ڈالے آفاق احمد' زندگی کا پہلا صحیح فیصلہ کیا ہے یہی منزل کی روشنی ہے۔ میں اپنے اس فیصلے پر بہت خوش اور مطمئن ہوں۔'' میں نے رسان سے کہا۔
''ایک بات تو بتاؤ تارہ۔'' وہ بجھا ہوا سا تھا۔
''پوچھو۔'' میں نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔
''سچ بتاؤ گی۔''
''وعدہ سچ بتاؤں گی۔''
''اس اچانک دوری کی وجہ؟''
''آفاق! بس یہ دل جو ہے نا اس میں اگر بال پڑ جائے تو تصویر مسخ ہوجاتی ہے اور تمہاری تصویر بھی مسخ ہوگئی ہے اور میں ایسے شخص کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی جسکی تصویر میرے آئینہ دل میں تڑخی ہوئی ہو' جس روز تم نے عفت سے فرینڈ شپ کی مجھ سے اجازت لی اسی روز میں نے سوچ لیا تھا کہ تمہارے اور میرے راستے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ میں محبت میں شیئر کی قائل نہیں ہوں۔ تم یہ حرکت زندگی کے کسی بھی موڑ پر کرتے میں تمہیں چھوڑ دیتی۔''
''تم کو اسی وقت بتادینا تھا۔'' آفاق بولا۔
''نہیں آفاق جب تم نے مجھے کئی بار آزمایا تو مجھے بتایا؟ نہیں نا؟ تو میں کیوں بتاتی کہ تم بھی میری آزمائش میں پورے نہیں اترے۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں تمہاری آزمائش میں پوری نہ اترتی تو تم مجھے دھتکار دیتے.....'' وہ میری بات کاٹ کر بولا۔
''تو تم نے مجھے دھتکار دیا ہے۔''
''جو بھی سمجھ لو۔ بس آئندہ فون نہ کرنا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔
اور پھر کام میں لگ گئی' شام کو میرے سسرال والے جو آرہے تھیں اور دیکھیں مجھے کوئی پچھتاوا' کوئی دکھ نہیں ہے' میں بہت خوش ہوں' بس پتہ نہیں یہ گالوں پر گرم گرم پانی کیوں پھسل رہا ہے۔

یا رمان بھی جاؤ

رفاقت جاوید

ہر ایک نے کہا کیوں تجھے آرام نہ آیا
ہنستے رہے، لب پہ تیرا نام نہ آیا
مت پوچھ کہ ہم ضبط کی کس راہ سے گزرے
یہ دیکھ کہ تجھ پہ کوئی الزام نہ آیا

فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا اور درزی جنہیں ماسٹر صاحب کہہ کر خواتین انہیں بڑے پن کا احساس دلایا کرتی تھیں۔ وہ محظوظ ہوتے ہوئے میوزک کے ساتھ اپنی بے سری آواز کو ترنگ سے ملانے کی کاوش میں بے پروائی اور بے توجہی سے کپڑوں کو کانٹ چھانٹ کر اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں محو تھا۔

ثمرینہ شاپ میں داخل ہوتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑائی۔

''او تیرا بھلا ہو اس غل غپاڑے میں کیا کاٹو گے اور کیا سیو گے؟ اف اس قدر ہمارے پیسے اور وقت کا زیاں ہے۔ کیا ہماری ماؤں کا وقت بہتر نہیں تھا جب سلائی کڑھائی کا کام گھر پر کیا جاتا تھا' نہ کم بخت ڈیزائنر تھے نہ بھیڑ چال' وقت بدلا اور ہم بھی سرتاپا بدل گئے۔ اپنی حیثیت اور اپنی ویلیوز فراموش کر کے کمپٹیشن میں کود کر سوائے اضطراب کے کچھ حاصل نہیں کر سکے۔ اسپیشلی خواتین ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں

تجوریاں خالی کرنے میں شوہروں کا دردِ سر بن چکی ہیں۔ جوں جوں بے روزگاری بڑھی' مہنگائی حملہ آور ہوئی' محلات نما گھر تعمیر ہونے لگے' شادیاں اتنی طوالت اختیار کر گئیں کہ فنکشنز' کا پھیلاؤ ہفتوں کو نگل گیا۔ یہ سب کیا ہے؟ اور افسوس کہ میری طرح کی سوچ رکھنے والی بے حساب خواتین پھر بھی اس دوڑ میں رواں دواں ہیں۔'' وہ سوچے جا رہی تھی' اور درزی اس کی آمد سے بے خبر اپنی ہی دنیا میں مگن جھوم رہا تھا۔ قینچی بھی میوزک کے اتار چڑھاؤ کے مطابق چل رہی تھی۔ ثمرینہ نے اس کی کٹنگ ٹیبل پر ہاتھ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے والیوم آہستہ کر کے اس پر استفہامیہ نگاہ ڈالی۔ تو وہ قدرے جھینپ سی گئی۔

''جی باجی فرماؤ۔ اگر کپڑے لینے آئی ہو تو وہ تو ابھی تیار نہیں ہیں۔ کل نہیں تو پرسوں ضرور مل جائیں گے۔'' وہ شانِ بے نیازی سے بولا۔

''ماسٹر صاحب' بڑی مجبوری ہے' آپ تو جانتے ہیں' کہ میری بہنیں اور بھابیاں آپ کے ہاتھ کے سلے ہوئے کپڑے پہننا پسند کرتی ہیں اب عید سر پر ہے آپ مجھے ٹائم سے کپڑے دیں گے تو بات بنے گی ناں۔ ٹی سی ایس سے پہنچانے میں بھی ہفتہ دو ہفتے تو لگ ہی جاتے ہیں۔'' وہ ایک دم سے ذہن سے تمام سوچوں کو برطرف کرتی ہوئی ملائمت سے بولی۔

''باجی فکر نہ کرو تم نے پندرہ جوڑے دیئے ہیں۔ پندرہ اور لادیں' سارے اکٹھے ہی سل جائیں گے۔ دراصل کچھ کاریگر میٹھی عید کے بعد واپس ہی نہیں پہنچے جب ان کے پیسے ختم ہو جائیں گے تو اپنا سر آن کالیں گے۔ وہ بھی میری مجبوریوں کو جانتے ہیں۔ اگر ڈانٹ دیا تو ساتھ والی دکان پر جا بیٹھیں گے۔ میری بے عزتی بھی ہو جائے گی بازار میں اور گھاٹا اور نقصان الگ اور پھر بجلی کے حالات تو تمہارے سامنے ہیں۔'' وہ اکتاہٹ سے بولا۔

بے چارا بات تو سچ کہہ رہا تھا۔ اس ماحول میں ہر فرد اپنے اپنے مسائل میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ بس طبقاتی فرق ہیں۔ ثمرینہ نے ایک لمبی سرد آہ بھر کر سوچا۔

''میری باجی پریشان ہو گئی اے' تسی پندرہ جوڑے آج ہی خرید کے لیا دیو ز بن اور لیس سمیت' ایسے ڈیزائن کروں گا کہ سب عش عش کر اٹھیں گی۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''ماسٹر صاحب' میرے تمام کپڑوں کے شاپرز اسی طرح پڑے ہیں۔ آپ نے تو انہیں چھوا تک نہیں۔'' وہ آس پاس طائرانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی اپنے شاپرز کی پہچان کے بعد اضطراری کیفیت میں بولی۔

''میں نے کہہ دیا اور یوں سمجھو کہ ہو گیا۔'' وہ بے ساختگی سے بولا۔

''ماسٹر صاحب! آپ کو خبر نہیں کہ آدھا امریکہ آپ کو جانتا ہے' ان کے فیملیز فنکشنز پر اپنے اور غیر آپ کے ڈیزائن کردہ ملبوسات کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتے ہیں۔ دیکھیں ناں نام اور شہرت تو نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔'' وہ خوشامدی لہجے میں بولی۔

''تے فر تسی امراں کرو' مجھے وہاں ہی بھجوا دو۔ انہیں بھی آسانی ہو جائے گی' میرے وی وارے نیارے ہو جاں گے۔'' اس کی قینچی اپنا راہ راست بھول کر کسی شوقین مزاج خاتون کے مہنگے ترین جوڑے پر اپنے اصلی راستے کا تعین کرنے لگی۔

درزی نے اس کپڑے کو ایک طرف ناگواری سے پھینکا اور دوسرا شاپر کھول کر ایک اور مہنگا سوٹ نکال کر میز پر بچھانے لگا۔ ثمرینہ اس کی ان تمام حرکات و سکنات کو دیکھ کر دہل ہی گئی۔ بے اختیار سی ہو کر بول اٹھی۔

''ماسٹر صاحب! ہمارے کپڑوں کو ذرا احتیاط سے بہت قیمتی ہیں اور آپ تو اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ڈالرز کمانے والے شوہروں کی نخریلی اور ناک چڑھی بیویوں نے زیب تن کرنے ہیں۔''

''تو اڈے کپڑے سمجھو کہ میرے گھر والوں کے کپڑے ہیں۔ فکر نہ کرو جی' تے فر تسی مینوں باہر بھیج رہے

اوناں۔'' وہ اس کے چہرے کا بغور معائنہ کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں بولا۔
''ماسٹر صاحب! یہ کام آسان تو ہرگز نہیں' لیکن ان سے بات ضرور کروں گی۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولی۔ وہ بھی عورتوں سے ڈیل کرنے والا گھاگ مرد تھا۔ ایک دم سے آنکھیں ماتھے پہ آگئیں۔
''باجی اگر تمہیں بہت جلدی ہے اور پھر کپڑے خراب ہونے کا ڈر بھی ہے' تے تسی نال والے درزی نوں پکڑلوو' بہت اچھی سلائی کرتا ہے وہ بھی' میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔'' وہ روکھائی سے بولا۔
''ماسٹر صاحب' آپ تو خوامخواہ ہی مائنڈ کرگئے ہیں۔ میں تو حفظ ماتقدم بات کررہی تھی۔ ہم سب کی عیدیں تو آپ کی محنت ومشقت' توجہ ومہربانی کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ کی وجہ سے ہی بجتی ہیں' کیا ٹھکا ہوتا ہے ہمارا' اور کیا عزت افزائی ہوتی ہے' ہمارے ماسٹر صاحب کی کہ ہر عورت آپ کا فون نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کرنے کے لیے پرجوش نظر آرہی ہوتی ہے' میں بھی دل ہی دل میں بہت انجوائے کرتی ہوں' کہ ہمارے ماسٹر صاحب ایسے بھی حاجت مند نہیں ہیں کہ ہر ایرے غیرے کو انٹرٹین کرنے لگیں۔'' ثمرینہ کے لہجے میں بلا کی چاشنی تھی۔
''جی مجھے پہلے ہی سر کھجانے دا ٹائم نہیں ملدا' سارے کلائنٹ پرانے اور میرے اپنے ہیں۔ بس جی اللہ دا کرم اے' تے خوش قسمتی اے میری' کہ بات ابھی تک بنی ہوئی ہے۔'' وہ قدرے انکساری سے بول رہا تھا۔
''اب میں چلتی ہوں۔ پھر کل بقیہ میٹریل لے کر حاضر خدمت ہوں گی۔'' وہ پرس سے چابی نکالتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔
''باجی تسی تشریف تے رکھو' کوئی چائے پانی' اس کے بغیر تو میری باجی بھلا کیسے جاسکتی ہے؟'' وہ مودبانہ انداز میں بولا۔ تو ثمرینہ کو ہلکی سی تسلی ہوئی۔
''بیٹھو جی' او چھوٹے ذرا ادھر مرجا کے باجی واسطے کوئی ٹھنڈا گرم لے آ۔''
''باجی حکم کرو' کی پسند فرماؤ گی۔'' وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔
''یہ تو بات نہ ہوئی' خدمت گزاری بھی آپ کریں اور ہم خاطر داری کی توقع بھی آپ سے رکھیں۔ یہ تو زیادتی ہے۔ میرے لیے سیون اپ اور آپ اپنے لیے حسب پسند منگوالیں' بل میری طرف سے ہوگا۔'' وہ ممنونیت سے بولی۔
''باجی کیسی باتیں کرتی ہو' تسی تے ساڈے مہمان او۔'' درزی نے چھوٹے کو اشارہ کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں کہا۔
''ماسٹر صاحب کن تکلفات میں پڑگئے ہیں آپ۔'' وہ تھوڑا اجز بز ہو کر بولی۔
''چھڈو جی اے گلاں...... او چھوٹے' جا ذرا جلدی نال باجی واسطے سیون اپ اور آپاں واسطے کنگ سائز دے گلاس وچ انار دا ٹھنڈا جوس لے آ۔''
''کیوں باجی سارا دن دماغ ہشاش بشاش تے حاضر رہوے گا۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اور قینچی چلاتے ہوئے نہایت اپنائیت سے بولا۔ ''باجی آپس دی گل اے' تم پہلے سے اور اسمارٹ نظر آنے لگی ہو۔ کسی جم وغیرہ جانا شروع کردیا ہے۔ بیگمات کے یہی تو شوق ہیں ناں' کیوں باجی؟''
''ہائے ماسٹر صاحب میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ جم جوائن کروں' نہ ہی واک کے لیے ٹائم ہے۔ ڈائٹنگ پر گزارہ کررہی ہوں۔ اس کے لیے تو کسی وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے آپ نے مجھے خوش کردیا ہے' آج ہی وے انگ سکیل پر کھڑی ہو کر دیکھتی ہوں۔ ہوسکتا ہے اللہ نے رحم کر ہی دیا ہو۔'' وہ سامنے قدآور آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے چہک کر بولی۔
''جی باجی کہن دا مطلب اے' کہ تواڈا نواں ناپ چاہی دا اے' ابھی لے لیتا ہوں۔ ایک بار کپڑے کو قینچی لگ جائے تو پھر اسے صحیح ناپ کا کرنا بہت مشکل ہوجاتا

ہے جی۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔
"ماسٹر صاحب ایک آدھ انچ میرے ناپ سے کم کی فٹنگ بالکل ٹھیک رہے گی۔ اندر گنجائش ضرور رکھیے گا۔ ہمارے وجود پل میں دبلے اور پل میں کیا بن جاتے ہیں بعض اوقات پانی کا گھونٹ بھی گھی بن کر لگنے لگتا ہے۔" وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔ درزی کھی کھی کرنے لگا۔

اسی اثنا میں چھوٹا مشروبات لے کر آ گیا۔ ماسٹر صاحب نے جوس کا گلاس سرعت سے پکڑا اور سیون اپ کی بوتل ثمرینہ کی طرف بڑھا دی۔ بجلی گیس کی شکایات سیاسی خدشات' بے روزگاری کی وجوہات اور پھر آئے دن بدلتے فیشن پر طوالانی گفتگو کے بعد وہ جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

"کم بخت کہیں کا' باتوں میں جان ڈالنے کا گر کوئی اس سے سیکھے۔ میرا کتنا قیمتی وقت اس کی فضول اور بے ہودہ باتیں سننے میں ضائع ہوگیا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ تڑپ اٹھی۔ "کیسے بیوقوف بناتا ہے نامراد منہ بولی سلائی وصول کرنے کے باوجود یہ حال ہے کہ بیس چکروں کے بعد بھی بہانے' کیا سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں۔ اللہ مارا' باتوں سے بات نکالتا ہے' سر سے پاؤں تک کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہے۔ اب جناب نئے ناپ کے خواہش مند ہیں جبکہ جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اسے سلائی شدہ ناپ دیا ہے' اف میرے لیے شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ گھر میں کام کرنے والے ملازمین کی جرات نہیں ہوتی کہ میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات کریں' اور یہ لوگ جن کا درجہ میرے تمام ملازمین سے کمتر ہے' کیسے دیدہ دلیری اور بے باکی سے گفتگو کرتے ہیں' قصور میرا ہے اس کا نہیں۔ اگر عید پر میں نے بالخصوص بہنوں اور بھابیوں نے نئے ملبوسات پہن کر شو آف نہ کیا تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ مجھے گھن چکر بنا کر رکھ دیا ہے۔ لاشعوری طور پر تم لوگوں کی باتوں نے میری خودداری کو تو چکنا چور کر ہی دیا ہے اب قابو نہیں آؤں گی' ڈیزائنرز سے مہنگے ترین کپڑے کھڑے کھڑے پسند کروں گی اور ارسال کر دیا کروں گی۔ یہی طریقہ ہے ہر طرح کی سر دردی سے نجات پانے کا' جی تو چاہتا ہے ان سب کی طرح یہ ملک چھوڑ جاؤں۔" وہ جھنجلا کر سوچے جا رہی تھی۔

اگلے دس دن تک ثمرینہ نے اس کی شاپ کا رخ نہ کیا' پندرہ جوڑے اور دینے تو کجا' پچھلے سل کر آ جائیں وہی غنیمت تھے۔ وہی ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا' فون پر رابطہ رکھنے سے علم ہوا کہ جوڑا تو ابھی تک ایک بھی تیار نہیں ہوا۔ اسے اس کے جھوٹے لاروں پر بے پناہ غصہ آیا مگر خاموش رہی' یہ سوچ کر کہ ہوسکتا ہے اگلے چند دنوں میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جائے۔

اور پھر کبھی اس ذلالت واذیت میں نہیں پڑے گی۔ نیت نیک اور ارادہ بڑا ہی مستحکم تھا۔ ہر بار فون کرتی' ایک نئے بہانے کے ساتھ درزی حاضر ہوتا' اور ہنستا ہوا تسلیاں دے کر فون کاٹ دیتا۔ ثمرینہ کے لیے بہت بڑا سبق تھا۔ کیونکہ اس نے سیکھنے کا تہیہ جو کر لیا تھا۔

◉......◉......◉

"بھابی' آئی ایم ایکسٹریملی سوری' اس بار عید پر آپ کے کپڑے پہنچنے مشکل ہیں۔ بہت کوشش کی مگر کپڑے تیار نہ ہوسکے۔ مجھے خود بہت افسوس ہو رہا ہے کہ اس بار آپ کی عید بھر بھری سی گزر جائے گی۔ لیکن کیا کروں' میرے اختیار میں تو ہے نہیں یہ سب کچھ۔" ثمرینہ تاسف اور ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

"کیوں ثمرینہ' ایسا کیا ہوگیا؟" بھابی نے چونک کر کہا۔ آج تک تو ہر کپڑا ٹائم پر سلا اور بوقت ضرورت ہم تک پہنچ بھی گیا۔ تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا کسی اور کو کہہ دیتی' کون سا بڑا معاملہ تھا۔"

"بس بھابی درزی بیچارے بھی کیا کریں؟ جس ملک میں بجلی بارہ سے اٹھارہ گھنٹے غائب رہے بھلا وہاں کام کیسے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے' درزی تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بجلی کے انتظار میں بیٹھے ملتے ہیں۔ وہ بھی خوش

ہیں کہ اگر دن میں ایک جوڑا سی پاتے ہیں تو پورے دن کی اجرت وصول کرتے ہیں نہ کہ ایک جوڑے کی اب ان سے بحث مباحثہ کرنا بھی درست نہیں۔ بہت حقیرانہ حرکت لگتی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ کپڑے پھر بھی سل نہیں پاتے۔ یقین جانو' بھابی میں نے بے حساب چکر لگائے ہیں۔ اب تو مجھے خود سے بھی گھن آنے لگی ہے کہ کن لوگوں کے منہ لگتی ہوں بار بار۔'' وہ اکتاہٹ سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''ایسا بھی کون سا ناقابل حل مسئلہ ہے۔ خوامخواہ پریشان ہورہی ہو' ذرا ٹھنڈی ہوجاؤ اور ثمرینہ خدا کے لیے ان تمام درزیوں کو سمجھاؤ کہ بجلی کا انتظار کرنا چھوڑ دیں' انہیں سمجھ آ جانی چاہیے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے الٹے پاؤں چلنے پر مجبور ہوچکے ہیں۔ لوگوں کے ہاتھوں میں پنکھیاں آچکی ہیں پھر ہاتھ کی سلائی مشین چلانے میں کیا قباحت ہے؟ کم از کم محتاجی بھی ختم ہوگی' اور بے روزگاری کا بھی کسی حد تک خاتمہ ہوجائے گا۔ ذرا مشینوں کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے' کاریگر تو بے شمار مل جائیں گے۔ درزی کو میری طرف سے دو مشینیں خرید دو مگر ہوں ہاتھ کی۔'' اس نے اپنی منطق جھاڑی۔

''بھابی آپ بھی کیسی عجیب باتیں کرتی ہیں' ایک بار آسائشات کی عادت پڑ جائے تو پھر اس سے کنارہ کشی موت کو آواز دینے کے مترادف ہے اور پھر یہ طبقہ تو اخلاقیات سے اس حد تک گر چکا ہے کہ ہڈ حرامی' کام چوری اور جھوٹ فریب کو اپنی دانش مندی اور دور اندیشی کا نام دے کر فخر محسوس کرتا ہے' مجھے تو محسوس ہوا ہے کہ انہیں تو جیسے بہانہ مل گیا ہے محنت سے جان چھڑانے کا' نجانے کم بختوں کی گزر اوقات کیسے ہوتی ہے؟'' وہ سخت بیزاری سے بولی۔

''اس کی تم فکر نہ کرو یہ لوگ ڈاکہ چور بازاری اور چھینا جھپٹی سے بہت اچھا گزارا کرلیتے ہیں۔ بھلا وہ کام کیوں کریں گے۔'' بھابی نے ناگواری سے کہا۔

''بھابی مجھے لگتا ہے اب ڈھیروں کپڑے سلوا کر آپ تک پہنچوانا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ تمام حالات آپ کے سامنے ہیں' خواتین ان دو ٹکے کے درزیوں کا دماغ تو ٹھکانے لگا سکتی ہیں مگر اس معاملے میں کچھ کرنا نہیں چاہتیں۔ میں تو اس کمین ذات سے بائیکاٹ کرنے لگی ہوں۔ سلائی سیکھنے لگی ہوں۔ پہلے دور میں ہماری مائیں سلائی کو اولیت دیا کرتی تھیں' اور یہی وجہ تھی کہ ہر لڑکی سلائی کا شعور رکھتی تھی۔ اب ہم سب دیکھا دیکھی ایک ہی رستے پر گامزن ہیں بس تنگ آ گئی ہوں بازاروں کے چکروں اور درزی کی منتوں سے۔'' وہ سخت ناگواری سے بولی۔ ''آئی ایم سیریس۔''

''ثمرینہ پلیز ایسے مت کہو یار تم کسی کو سدھار نہیں سکتی' اپنے کام سے مطلب رکھو زہر کو زہر سے مارنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ خود زہریلی ہوجاؤ گی۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کامیابی ناممکن ہے' ثمرینہ۔'' بھابی نے خدشے سے نکل کر سنبھلتے ہوئے کہا۔

''بھابی ہماری اس خود غرضانہ سوچ نے ہی تو ہمارے خون میں پوائزن بھر دیا ہے۔ ہم بذات خود اس تمام کیے دھرے کے قصوروار ہیں۔ جس کی سزا ہماری نئی نسل کو عذاب کی صورت میں مل کر رہے گی۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ ''فی الحال ہم نے بھی انٹری تو دے ہی ڈالی ہے۔''

''فضول باتیں مت کرو ثمرینہ' درزی نے ٹائم پر کپڑے سی کر نہیں دیئے تو تم اتنی اپ سیٹ ہوگئی ہو کہ امید ہی چھوڑ بیٹھی ہو۔'' وہ عالم تذبذب میں بولی۔

''میں آپ کو اس فیلڈ کا آنکھوں دیکھا حال بتا رہی ہوں۔ حد سے تجاوز ہرگز نہیں کررہی۔'' ثمرینہ سنجیدگی سے بولی۔ ''یہاں ہر طرف یہی حال ہے۔''

''یار دل دکھانے والی باتیں مت کرو۔ میں نے تو ہر صورت عید پر نیا جوڑا ہی پہن کر نماز کے لیے مدرسہ جانا ہے۔ سوچو اس مسئلے کا حل۔'' وہ سوچنے لگی۔

''ایسے کرو ثمرینہ فوراً کم از کم اپنی پیاری بھابی کے لیے کسی اچھے ڈیزائنر سے خوب صورت سا ڈریس خرید کر

ٹی سی ایس کردو بعد میں باقی ڈریسز پہنچتے رہیں گے۔ اب تم انکار کر کے ہم سب کو بے شان و بے عزت تو نہ کرو۔“ بھابی نے رازداری کے انداز میں تیزی سے کہا۔

”ہائے بھابی! ساری دنیا ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائے گی ان گنت سالوں کی بے حساب محنت اور کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا سب کو کیا جواب دوں گی۔ بھابی پلیز مجھے ایسا عمل کرنے پر مجبور مت کریں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ سب کی ناراضگی مول لینے والی بات ہے۔“ وہ متذبذب ہو کر بولی۔

”پگلی میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ وعدہ رہا۔ تم میرے ساتھ بھلا کرو اور میں تمہیں ایسا اجر دوں گی کیا فار گاڈ سیک ثمرینہ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ یہ بھید تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گا۔ ایسا کرو ثمرینہ اس خوشی میں میری طرف سے اپنے لیے بھی عید کے لیے میرے ہی جیسا ڈریس خرید لو۔ دونوں ایک جیسا پہن کر بہنیں ہی تو لگیں گی۔“ بھابی نے نہایت اپنائیت اور لگاوٹ سے کہا۔

”تھینک یو بھابی میرے پاس ڈریسز کی کمی نہیں وارڈ روب میں ایک سے ایک بڑھ کر ڈریسز موجود ہیں۔ انہیں پہننے کی باری نہیں آتی اور سیزن گزر چکا ہوتا ہے۔“ وہ فخر سے تن کر بولی۔

”ہاؤ لکی یو آر ایک ہم ہیں بھوکے پیاسے اور ترسے ہوئے بیچارے اور مسکین لوگ۔ تو پھر میں اپنے ڈریس کا انتظار کروں ناں۔“ وہ ملائمت سے بولی۔

”مجھے باقی بہنوں بھابیوں سے بچا لیجیے گا کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ مدرسہ میں نماز کی ادائیگی سے پہلے کریدنے والے سوالات کی بھیڑ ہو جائے گی آج تو تھک تھکا کر گھر واپس آچکی ہوں۔ کل آپ کے کام کے لیے پھر سے نکلنا پڑے گا۔ نجانے اب ان تک میری بھی رسائی ہو سکتی ہے یا نہیں۔“

”ڈیزائنرز کے نخرے کون سے کم ہیں۔ وہ بھی ہماری مجبوریوں سے باخبر ہیں۔ ڈیزائنر تو کھال اتارنے میں ماہر اور پھر نہایت چال بازی سے جوتوں سمیت ہمارے پرس کے اندر کیا کیا بیوقوف بنایا جاتا ہے جذبہ شوق رکھنے والیوں کو یقین جانوں میں بالکل صحیح نقشہ کھینچ رہی ہوں۔“ وہ دل کا ابال نکال رہی تھی۔

”بس جو بھی ہے مجھے جلد از جلد عید کا جوڑا بھیجو کہنے کو تو بے شمار لوگ ہیں مگر سب کے ٹیسٹ نہایت تھرڈ کلاس ہیں۔ تمہارا مقابلہ کہاں۔“ وہ پرستائش لہجے میں بولیں۔

”ڈونٹ وری بھابی آپ نے حکم کیا اور میں نے سر تسلیم خم کر لیا وعدہ یاد رکھیے گا۔ کسی کو پتہ نہ چلے۔“ وہ خوش گوار موڈ میں بولی۔

”تھینک یو ثمرینہ بائی گاڈ تم نند نہیں میری اپنی بہنوں سے بڑھ کر ہو۔“ بھابی نے خوش ہو کر کہا تو ثمرینہ نے بڑبڑاتے ہوئے فون بند کر دیا۔

”بہنوں کا سا مقام نہ دینا کبھی بڑھاؤ کبھی گھٹاؤ کیا مجال کہ اس سے کبھی برابری کی غلطی سرزد ہو جائے۔ احمق اور نادان سمجھ رکھا ہے مجھے۔ خوشامدیں کرو میٹھی چپڑی باتوں سے بہلاؤ جھوٹی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاؤ اور کام نکلواؤ یہ مقصد حیات ہے۔“

○......○......○

”ماسی! کہاں چلی گئی ہو؟“ ثمرینہ نے داخلی دروازے میں قدم رکھتے ہی ملازمہ کو پکارا۔

”جی باجی آتی ہوں خام ختم ہو گیا تھا۔ ٹی وی دیخ رہی ہوں۔ بہت بھلا ڈامہ (ڈرامہ) چل رہا ہے سٹار پلس (اسٹار پلس) پر۔ یہ شین دیخ نے آئی۔“ وہ اونچی آواز میں ٹی وی کی طرف دیکھتے بولی اور ناگواری سے بڑبڑائی۔ ”خیامت خوی خو دی آتے ہی۔“ ثمرینہ شاپنگ بیگز قالین پر پھینک کر دھڑام سے صوفے پر گر گئی۔

”اسلم چاچا جلدی سے ٹھنڈا پانی پلاؤ اور ٹرالی پر کھانا یہاں ہی لگا دو۔ مجھ میں تو اٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔ ہائے سب دور بیٹھی حکم صادر کر دیتی ہیں۔ یہ کر دو وہ کر دو پیسہ ان کا حساب مجھ سے ایک ایک پائی کا۔ ذلالت دخواری

میری بے وقعت اور بے قیمت نہ ہی کسی کو احساس ہے کہ میں بھی اتنی جوان اور باہمت تو رہی نہیں کہ دن رات بازاروں کے چکر لگاتی پھروں پھر طرہ یہ کہ کسی کو کلر کمبینیشن پسند نہیں تو کسی کو میٹریل میں نقص نظر آنے لگتے ہیں۔ احسان مند ہونے کے بجائے میں ہی انہیں سینکڑوں دلائل دے کر مطمئن وخوش کرنے کی کوشش کررہی ہوتی ہوں۔" وہ سوچے جارہی تھی۔ طمانیت وسکون میں اور بے تابی وضطراری کیفیت میں ذہن کی سوچیں بھی اسی احساس کے مطابق انسان پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ ثمرینہ بھی اس وقت مکمل طور پر منفی سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ پرلے درجے کی چڑچڑی اور غصیلی ہوکر ملازموں پر ٹوٹ پڑی اور ماسی کی بے پروائی دیکھ کر تلملا اٹھی۔

"ماسی اس عمر میں اللہ اللہ کرو کیا ہر وقت ڈرامے اور فلمیں دیکھتی رہتی ہو۔ اور اسلم چاچا کچن کے تمام کام چھوڑ چھاڑ کرکٹ میچ دیکھنے میں مگن ہیں۔ مجھے تو محسوس ہونے لگا ہے کہ اس گھر کی ملازمہ میں اور مالک تم سب لوگ ہو میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانا بہت گھاٹے میں جائے گا۔ سن ہی نہیں رہی مجھے لگتا ہے کہ سب کے ٹی وی دیکھنے پر پابندی لگانی پڑے گی۔ میرے پاؤں دباؤ بیچارے میلوں کی مسافت طے کرکے آئے ہیں۔ نجانے ان کم بختوں کو کیا مرض ہے کہ سب سے پہلے تھکنے کا اعلان یہی کرتے ہیں اور پھر پورا بدن ان کی گرفت میں آجاتا ہے۔ اسلم چاچا پہلے پانی لاؤ کھانا دینے میں تو تم گھنٹہ لگادو گے۔" وہ چیخ کر بولی۔

"بی بی جی وجن جیادہ ہو تو گٹے گوڈے ہی جواب دیویں اور فر پاؤں پر آ لگتے قبرآ واج دے وے اب یہ تو ہوئے نا۔" ماسی نے پاؤں دباتے ہوئے اپنی علمیت جھاڑی تو وہ بھڑک اٹھی۔

"مجھے تمہاری دانائی نہیں چاہیے ماسی زبان کو لگام اور منہ کو بندر کھ کر پاؤں دبانے کو بولا ہے ہر ایک عقل مند ہے یہاں ایک میں ہی نادان اور احمق ہوں۔" وہ بڑبڑائی۔

"درزی کہہ رہا تھا کہ دبلی اور اسمارٹ ہوگئی ہوں یہ محترمہ فرمارہی ہیں کہ منوں بھاری اور پھر اس دار فانی سے جانے کے دن بھی قریب ہیں۔ دونوں ہی جھوٹے شاطر اور خوشامدی نامراد کہیں کے۔ کسی کی بات پر بھروسہ کرنا اور خوش فہمی اور خوش خیالی میں مبتلا ہونا نادانی ہی تو ہے۔" ثمرینہ نے حقارت سے اپنے اندر ہی سرگوشی کی اور ماسی کو پاؤں سے دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔

◉......◉......◉

"بیگم ہر بار عید تمہاری بہنوں اور بھائیوں پر قربان ہوجاتی ہے۔ کپڑے اور بکرے بس انہی کے پیچھے بھاگتی نظر آتی ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "ہماری کوئی پروا ہی نہیں۔"

"بازاروں میں اور بکرا منڈیوں میں مارے مارے پھرنے کا مجھے قطعاً شوق نہیں۔ اسے میری مجبوری سمجھیں آپ ہی راہ فرار بتا دیجیے اور ان کے لیے کوئی نیا رستہ۔ انہیں گائیڈ کردوں گی۔" وہ چڑ کر بولی۔

"ہاں ہاں مجھے ہی ان کی نظر میں برا بناؤ۔ تم ان کی ہاتھ بندھی غلام بنو اور تمہاری چار عدد بہنیں اور دو عدد بھابیاں میری جان کو آجائیں گی۔ ویسے اتنے بڑے خاندان سے بیوی لانے سے بہتر ہے کہ کنوارے ہی مرجاؤ۔" وہ اسے چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

"آپ مجھے ایک سوال کا جواب دیں کہ خریداری کے اس عمل میں آپ کا کردار کیا رہا ہے کہ بڑے خاندان پر اعتراض ہونے لگا ہے۔ بکرے خریدنا پھر قربانی اور گوشت بانٹنے تک کا عمل مردوں کی ذمہ داری ہے آج تک آپ نے ایسا کون سا کمال کرڈالا کہ طعنوں تشنوں پر اتر آئے۔"

"یار تمہارے خود ساختہ مسائل کا حل میرے پاس تو ہے نہیں۔ اب خدمت خلق کے جذبہ شوق سے باہر نکل آؤ کسی بھی N.G.O میں قربانی کی رقم بھیج کر اس تمام سر دردی سے بچ جاؤ گی۔ اگر میری مانو تو......اور ڈریسز بھی بوتیک سے خرید کر اپنا نام بناؤ تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ یہ

دوسروں کی نظروں میں اچھا بننے کی خواہش کو گولی مارو۔ لاحاصل اور لایعنی محنت کا پھل بھی ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے اور دوسرا اب تم میں جوانی کی طاقت اور جوش کی ہلکی سی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ بیگم نہ کہنے کا آرٹ سیکھو ورنہ ماری جاؤ گی' بقول تمہارے یقین جانوں۔" وہ چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

"ارے میاں! ذرا دس سال پہلے کی باتوں کی یاددہانی کراؤں' ایگزیکٹلی ایسی ہی تھیں۔ ہمیشہ سے آپ کی نظر کمزور ہی رہی ہے اور اب تو عمر کے ساتھ آپ تو بالکل ہی فارغ ہیں۔ خدا کے لیے کچھ اس پرانے بوسیدہ اور سال خوردہ کند ذہن پر زور ڈالیے اور میرے لیے نئے کلمات' نئی اختراعات پیدا کیجیے۔ آپ کی مانند آپ کی باتیں بھی گھسی پٹی ہوگئی ہیں۔ باقی آپ کو کتنی بار یہ نازک مسئلہ سمجھا چکی ہوں کہ میرے بھائیوں اور بہنوں کو کسی N.G.O پر رتی برابر بھی یقین نہیں اور مجھے بھی ہرگز نہیں۔ ورنہ وہ خود بھی تو ایسی قربانیاں باآسانی دے سکتے ہیں۔ بوتیک کے ڈریسز وہاں بھی دستیاب ہیں' ایک ڈریس کی جگہ یہاں سے دس تیار ہوتے ہیں۔ میں ان کے لیے اتنا سا بھی نہ کروں' اف کتنے تنگ نظر ہیں آپ۔" وہ جل کر بولی' مجھے آپ سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"چلو بیگم چھوڑو یہ دل جلانے والی باتیں' اچھی سی گپ سناؤ۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"اونہہ دل جلوں کی قربت میں خوش گوار اور من پسند باتیں تو ہونے سے رہیں۔ اللہ نے تو میری عزت کی پاسداری اور پرداداری رکھ لی کہ سب مجھ سے دور ہیں۔ ورنہ میں تو تماشہ ہی بن گئی ہوتی۔ بھلا ایسی باتیں سننے کے بعد...... گپ شپ کا تعلق کسی سوچ سے تو ہے نہیں کہ آن کروں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"چلو اس ضمن میں پہل میں کیے دیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ عید کی ضیافت پر کس کس کو مدعو کر رہی ہو اور اس بار مینو کیا ہے؟" وہ اس کے قریب ہو کر لگاوٹ سے بولے۔

"اوورایٹنگ سے کس کس کو ہاسپٹل بھیجنے کا پروگرام ہے اس بار۔"

"نہیں بتاؤں گی۔ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔" وہ بھی چھیڑنے کے موڈ میں آ گئی۔ یہی تو رشتہ ہوتا ہے میاں بیوی کا کہ ذرا سی توجہ اور نرمی پر ہر گستاخی معاف ہو جاتی ہے۔

"یار میری بڑی آپا کو بلانا مت بھولنا' ورنہ میری عید خراب ہو جائے گی اور ذرا بھائی جان کے لیے بغیر مرچوں مصالحوں کے اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا' وہ بہت خوش ہو جائیں گے اور میری چھوٹی بہن کو دیسی کھانے پسند ہی نہیں۔ چائنیز پکا لینا' اور چھوٹے بچوں کے لیے پیزا اور نوڈلز خوب رہیں گے۔ آخر کچھ تو فائدہ ہو تمہارے مہنگے مہنگے کورسز کرنے کا۔ جوانوں کی فکر نہ کرو' تمام وہ کام جس سے تمہاری گوری رنگت پر سیاہی بکھرنے کا اندیشہ ہو وہ سنبھال لیں گے۔ باقی تم میرے بارے میں تو جانتی ہو۔ تازے گوشت کا خوش ذائقہ پلاؤ وہ بھی تمہارے ہاتھ کا ہو تو یقین مانو تمہارا سسرال امپریس ہو جائے گا۔" وہ لہک لہک کر بول رہے تھے۔

"ارے میاں' مجھے پچیس سال بعد کسی کو امپریس کرنے کی قطعاً خواہش نہیں۔ ہاں آپ کی خوشی کی خاطر کیے دیتی ہوں۔ مگر میری بھی ایک معمولی اور چھوٹی سی شرط ہے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"بولو بندہ حاضر ہے تمہاری ہر شرط ماننے کو۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا جھکا کر بولے۔

"تو سنیے! اس بار سات بکروں کو خریدنے ذبح کروانے اور گوشت بانٹنے کی ذمے داری آپ پر ہوگی۔" انہیں یہ سن کر شدت کا جھٹکا لگا لیکن کھلکھلاتی ہوئی بیگم کو دیکھ کر خجل سا ہو کر بولے۔

"منظور...... مگر یاد رکھنا کہ کھانا ایسا مزیدار ہو کہ تمہارا سسرال انگلیاں چاٹتا رہ جائے۔ ویسے بھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے' بہت تھک گئی ہو۔ تمہارے چہرے کی فریش نیس ہی ختم ہو گئی ہے۔ ویری سیڈ' تم

گھر سنبھالو میں باہر۔‘‘

’’سچ شاہد‘ آپ کو میری تھکاوٹ کا احساس کیسے ہوگیا؟ میں جانتی ہوں اپنوں کی خاطر مدارات کی وجہ سے ہے نا...... ورنہ آپ نے تو ہر تہوار پر فقط کھانا تناول کرنا تنبیہہ کرنا اور تمسخر اڑانا سیکھا ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔‘‘ ثمرینہ نے بے یقینی سے جھرجھری لی اور چبھتی ہوئی نظروں سے شاہد کو دیکھ کر کہا۔

’’چلو اس بار تمہارے تمام گلے شکوے ختم کیے دیتا ہوں۔ نہ کھانا کھاؤں گا‘ نہ ہی نقص نکالوں گا اور نہ ہی تمہارا مذاق اڑانے کی اسٹیج تک پہنچ پاؤں گا لیکن اس بار قربانی کی ارینج منٹ میری ہوگی۔ آخر کو میرے سالے اور سالیوں کی قربانیاں ہیں کوئی چھوٹی بات تو ہے نہیں۔ آج کل بیوی کی جی حضوری کرنا ٹرینڈ بن چکا ہے بھلا میں اس میراتھن کا حصہ کیوں نہ بنوں؟‘‘ ان کی ہنسی شدت اختیار کرگئی۔

’’بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھ پر اتنی نوازشات وعنایات‘ جنہوں نے زندگی میں ہر کام بذریعہ آرڈر کروایا ہو۔ آج اپنی خدمات اتنی فراخدلی سے کیسے پیش کرسکتا ہے۔‘‘ ثمرینہ کے دل نے سرگوشی کی اور ابھرتی ہوئی خلش بے چین سی کرنے لگی‘ جس کے اثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

’’آئی ول ڈواٹ۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولے۔

’’بس یاد رکھیے گا‘ کہ کام کسی اور پر نہیں چھوڑیے گا۔ آپ کی سپرویژن ضروری ہے۔‘‘

⊙......⊙......⊙

حسب معمول بکرا عید کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی‘ پردوں کی ڈرائی کلیننگ‘ ڈیکوریشن پیسز کی دھلائی‘ لان میں پودوں کی کانٹ چھانٹ‘ گھاس کی کٹائی‘ گملوں کی رنگائی ایسے کی جارہی تھی جیسے یونٹ کا C.O انسپکشن کے لیے وارد ہونے والا ہو۔ سسرالی خواتین کی عقابی نگاہوں سے بچنے کے لیے اس کا ردعمل درست تھا۔ ہر عید ان کے لیے انجوائے منٹ کا سامان ہوتی اور اس کے لیے دردسر‘ عذاب اور اذیت کا جسے صبر وشکر سے ہنس کر سہنے کا عمل اور بھی کربناک ہوتا۔ ہر عید پر مہینہ بیشتر گھر کی سالانہ مین ٹننس پر خاص توجہ دی جاتی۔ قربانی سے فارغ ہوکر ڈنر کا اہتمام کیا جاتا جس میں اپنے ہی خاندان کے قریبی عزیز واقارب کو مدعو کیا جاتا اور یوں عید کا مزا سب کے لیے دوبالا مگر خاتون خانہ کے لیے درد زہ بن جاتا۔ آج کی عید تو بہت مختلف تھی ماضی میں بیتی ہوئی عیدوں سے۔

عید سے ایک دن پہلے شاہد سات عدد بکرے خرید کر لے آئے‘ موسم خوش گوار تھا۔ رات کو ہلکی سی خنکی میں بکروں کی جائے پناہ گھر کی پچھلی سائیڈ کے برآمدے کا انتخاب مناسب لگا۔ صبح ہوتے ہی انہیں گیٹ سے باہر والے وسیع لان میں تناور درختوں کے ساتھ باندھ کر دانے پانی سے خوب خاطر ومدارت کی گئی۔ ثمرینہ کا بیٹا اور شوہر ادائیگی نماز کے لیے فیصل مسجد روانہ ہوگئے۔ تینوں بیٹیاں تیار ہوکر سہیلیوں کی طرف سدھار گئیں اور ثمرینہ نوکروں کے ساتھ مل کر ڈنر کے انتظامات میں مصروف ہوگئی۔ آج ثمرینہ ضرورت سے زیادہ خوش ومطمئن نظر آرہی تھی۔ کیونکہ اس بار یک طرفہ ذمہ داری نبھاتے ہوئے نہ کسی قسم کی بیزاری کا احساس تھا نہ ہی وہ کوفت کا شکار تھی۔ ورنہ ہمیشہ سات بکروں کی قربانی اور خاندان بھر کے ڈنر کی تیاری میں وہ خاصی تھک جایا کرتی تھی۔ وہ مہمانوں کو رخصت کرتے ہی شاہد پر برس پڑتی تھی۔ جن کا دن نماز کی ادائیگی کے بعد رشتے داروں کے گھروں میں حاضری دینے‘ کھانے پینے اور خوب لمبی تان کر سونے میں گزرتا تھا اور رات اپنے رشتے داروں کے ساتھ تکے اڑانے اور خوش گپیوں کی نذر ہوجایا کرتا تھا مگر آج کی اس انوکھی اور انہونی تبدیلی پر وہ حیران ہونے کے ساتھ بے پناہ خوش بھی تھی۔ تھکن آج بھی عروج پر تھی۔ نوکروں کے ساتھ صبح سے کچن میں میاں کے فرمائشی پروگرام کے مطابق اپنے وعدے کی وفا میں مگن تھی۔ اپنے بہت دور تھے‘ بس اپنی زندگی کو اس نے اپنے

شوہر' بچوں اور گھر کے لیے وقف کردیا تھا۔ اس لیے ملازمین کے باوجود ہر فن مولا تھی۔ اس کا گھر جنت کا گہوارہ اس کے نظم ونسق کی وجہ سے تھا۔ شاہد طبعاً خوش گو' خوش خوراک اور خوش لباس انسان تھے۔ بیوی کے سلیقے کی داد دینے میں کنجوسی سے کام لیتے لیکن دل اس کی مدح سرائی میں ہر وقت نغمے الاپتا رہتا تھا۔ جسے ثمرینہ محسوس کرتے ہوئے اندر ہی اندر نہال ہوتی رہتی تھی۔ میاں بیوی کے رشتے میں نفسانفسی' خودغرضی اور مطلب پرستی تو کام نہیں کرتی نہ ہی زورآوری اور زبردستی سے کام نکلوائے جاتے ہیں۔ یہ رشتہ تو ہے لحاظ رکھ رکھاؤ' محبتوں اور چاہتوں کا۔ ہم آہنگی اور انڈراسٹینڈنگ کا' جو اس کپل میں وافر مقدار میں پائی جاتی تھی۔ صنف نازک کو بھی کبھار زبانی کلامی تعریف سننے کی انوکھی سی طلب ہوتی ہے' چاہے وہ تعریف جھوٹی ہو' ہوتی ہو بے حقیقت اور بے ثبات ہی کیوں نہ ہو' بس جانتے ہوئے بھی یقین کر لینے کو دل چاہتا ہے' خود کو بے وقوف بنا کر فرحت وراحت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ثمرینہ سب کچھ جانتے ہوئے آج پوری توجہ کھانے اور اپنے گھر کو سلیقے اور قرینے سے سجانے پر دے رہی تھی۔ تعریف کے ایک بول کی خاطر۔

عید بکروں کی تھی' ڈائننگ ایریا کی تھیم لائیٹ بلو اور وائیٹ تھی' غرض یہ کہ اس نے پھولوں کو بھی رات بھر نیلے رنگ میں بھگو کر اپنے ہاتھ سے خوب صورت گلدستے بنا ڈالے تھے۔ نیپکن اور کراکری کے رنگوں میں بھی میچنگ کا دخل تھا۔ گھر کو پرستائش نظروں سے دیکھ کر اس نے گھر کی ہر زاویے سے بے شمار تصویریں کھینچیں' جو رات کو فیس بک پر لگانی لازم تھیں۔

وہاں سے فارغ ہوئی تو تیار ہونے باتھ روم کی طرف چل دی۔ آج ڈریس بھی انہی دو رنگوں میں تھا آج اس نے شاہد کی تبدیلی کو سراہنے کا عملی مظاہرہ دکھانے کا تہیہ کر رکھا تھا تاکہ فیوچر میں آنے والی عیدوں میں بھی شوہر کی مدد اور توجہ شامل حال رہ سکے۔ آج ہر کام وقت پر سرانجام پا گیا۔ وہ تیار ہو کر شوہر اور بیٹے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے اپنی چھوٹی سی جنت میں گنگناتی ہوئی پھر رہی تھی کہ ڈور بیل ہوئی۔ اس سے پہلے کہ ملازم دروازہ کھولتا' ثمرینہ نے سرعت سے دروازہ کھولا اور بیٹے کو نظرانداز کرتے ہوئے شوہر کو گلاب کا پھول پیش کر کے ان کے گلے کے گرد بانہوں کا حصار بنا کر کھنکتی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔

''عید مبارک' آپ کے نصیب میں ایسی ہزاروں عیدیں آئیں۔'' وہ مسرت آگین نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''سعود' سعود مجھے سنبھالو' یہ سنو یہ دیکھو کہ تمہاری ماں کو کچھ ہو گیا ہے؟ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بیگم ہمیشہ ملازمہ کے روپ میں ہی گلے ملا کرتی تھیں' بھئی اس کا بھی اپنا ہی مزا تھا۔ آج تو تم اپنی اپنی سی لگ رہی ہو یا ربائی گاڈ عید کا مزا ہی کرکرا ہو گیا ہے۔'' وہ شگفتہ مسکان بکھیرتی ہوئی بیوی کو دیکھ کر بولے۔ ''بھئی میری نگاہیں تو اس خاتون خانہ کی متلاشی ہیں جو آج کے دن بکروں کو نہیں بلکہ ہمیں کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی اور ہمیں قربان کر کے کبرو پندار سے اکڑ کر پھرا کرتی تھی۔ پنکو' وہ خاتون کہیں کھو گئی ہے آج۔'' شاہد کو جب بھی بیگم پر بے تحاشا پیار آتا تو اسے پنکو کہا کرتے تھے اور ثمرینہ اسی فسوں میں آج بھی کھو گئی۔

''سمجھا کریں آج کام کا پریشر قدرے کم ہے ناں۔'' وہ جھومتی ہوئی بولی۔

''اگلی عید کی قربانی ایدھی سینٹر میں کی جائے گی۔ یہ میرا حکم ہے۔ کیونکہ جو کام موڈ خراب کرتا ہو' گھر کے ماحول کو داغدار کرتا ہو' میاں بیوی میں رخنہ ڈالتا ہو' چاہے نیک ہی کیوں نہ ہو' اس سے گلوخلاصی فرض کے زمرے میں آتی ہے۔'' وہ ان کی اس بامعنی بات کو رغبت سے سن کر ہنس دی۔

''آئندہ بھی قربانی سات بکروں کی پرانی طرز اور مذہبی عقائد کے عین مطابق دی جائے گی۔ یہ میرا حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

ایسے لگا گھر پھلجڑیوں کی آماجگاہ بن گیا ہو۔ میاں بیوی کے جاندار اور شگفتہ قہقہوں نے گھر کی سجاوٹ میں اور اضافہ کردیا تھا۔ وہ پیار سے بولے۔

"بیگم ذرا تیاری پکڑو، دو عدد قصائی باہر تشریف فرما ہیں۔ ان کے لیے فٹ سی چائے یعنی بہترین لوازمات کے ساتھ باہر بھجوادو۔ بہت جلدی میں ہیں۔ کیونکہ پہلے وقت کی قربانی کے چارجز جو ڈبل ٹرپل ہیں۔ ان کی کمائی کے یہی تو تین دن ہوتے ہیں۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

"ایسی بھی بات نہیں شاہد، سال بھر تول میں بے ایمانی اور گوشت کا اچھا پیس دکھا کر باسی اور بدبودار کا قیمہ اور بوٹی بنا کر خوب پیسہ بناتے ہیں۔ ان کی چالیں اور گر آپ کیا جانیں، ابھی بھی گوشت آپ کی سپرویژن میں تیار ہونا چاہیے، کم بخت آج کے دن بھی چوری چالاکی سے باز نہیں آتے۔" وہ ایک دم سے بھڑک کر بولی۔

"تمہیں ایسے ہی غلط فہمی اور بدگمانی ہے، بھلا گوشت کی چوری کیونکر کریں گے۔" وہ اس کی باتیں سن کر محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"دراصل خواتین کا ان تمام لوگوں سے روز کا واسطہ پڑتا ہے بدقسمتی سے اب ان کی نظر میں کوئی بھی کھرا اور سچا نہیں رہا، ہر ایک سے اعتماد اور بھروسہ اٹھ گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بدکاروں کے ساتھ نیکوکار بھی تو ہوتے ہیں ناں بیگم۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے چلے جاؤ۔ دس از ناٹ فیئر۔"

"آپ کو کیا بتاؤں؟ جو درزی نے مجھ سے کر ڈالا، کم بخت کے لیے ران تو کیا ایک بوٹی بھی نہیں رکھوں گی۔ آج میری بہنیں بھابیاں اس کی نالائقی، لاپروائی اور مکاری کی وجہ سے نئے کپڑوں سے محروم رہ گئیں۔"

"چھوڑو یار، کیسی باتیں کرتی ہو، میں پچھلے پانچ سالوں سے یہی شلوار قمیص پہن کر عید کی نماز پڑھنے جاتا ہوں، آپ کے لوگوں کے مسائل اللہ امان۔" وہ اس کی [illegible] ہوئے ناگواری سے بولے تو ثمرینہ نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"تو بیگم اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ توقف کے بعد بولے۔

"اپنے بکرے سے قربانی کی شروعات کریں۔ اللہ آپ کی مدد کرے۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

"واہ..... واہ، بیگم کاش وقت کی سوئیاں گاڈ بلیس یو پر ٹھہر جائیں، ہمیشہ کے لیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"ثمرینہ گوشت کے لیے برتن وغیرہ تیار رکھو۔ فی الحال قربانی کے بعد بکرے دو گھنٹے تک ہوا میں معلق رہیں گے۔ پھر ان کا گوشت صاف کیا جائے گا۔ بوٹی بنے گی، رانیں کٹیں گی، مصالحے لگیں گے، سر شام کوئلے جلیں گے اور سیخوں پر تکہ بوٹی چڑھے گی اور تناول کرنے والوں کے منہ میں خوش بو سے ہی پانی بھر بھر جائے گا۔ بھوک ایسے چمکے گی کہ اوور ایٹنگ ہوجائے گی۔ ڈاکٹروں کی عیاشی ہی عیاشی۔" وہ اتنے مزے لے کر بول رہے تھے کہ دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"آج کی عید یادگار عید۔ بیگم یہ راز پایا بڑی دیر کے بعد۔ ہماری پنکو خوش تو سمجھو زمانہ ہے خوش۔" وہ لہکتے ہوئے بیگم کو بوسہ دے کر باہر نکل گئے۔

ثمرینہ کچن میں خانساماں کو ہدایات دے کر پھر گھر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

شاہد نے زندگی میں پہلی بار سات بکروں کو یکے بعد دیگرے اتنی بے دردی، جلد بازی اور بے پروائی سے ذبح ہوتے دیکھا تھا۔ خانساماں سات بکروں کی کلیجی لے کر کچن کی طرف چل دیا اور پکانے کی تیاری ہونے لگی۔ یہی ناشتہ تھا اور یہی ان سب کا لنچ بھی۔ ثمرینہ خوشی خوشی ملازم کے ساتھ مل کر سب کے لیے کھانے کے انتظامات کرنے لگی۔ ایک گھنٹے میں کلیجی تیار تھی۔ باقی سب نے پراٹھوں کے ساتھ مزے لے لے کر کھائی، مگر شاہد ایک نوالہ بھی نہ لے سکے۔ چائے لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور بوجھل طبیعت کے ساتھ بستر پر نیم دراز ہو کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگے اور وہیں غنودگی سی چھانے لگی۔ کتاب

سائیڈ پر رکھ کر وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹے اور پل بھر میں کمرے میں ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز خاموشی کو توڑنے لگی۔ ثمرینہ نے مصروفیت میں گھڑی کی طرف دیکھا تو چونک کر ٹپٹا گئی۔

''اومائی گاڈ' بہت دیر ہوگئی۔ ابھی تک قصائی واپس نہیں پلٹے' اف اتنی بڑی بارات کا کھانا کیسے پکے گا؟'' وہ فکرمندی سے کمرے کی طرف بھاگی۔

''شاہد' آپ نے حد ہی کردی ہے' میں سمجھی کہ آپ بکروں کے پاس جاچکے ہوں گے۔ بھلا آج کے دن کون سوتا ہے؟ بڑے افسوس کی بات ہے' ذمہ داری اٹھائی ہی تھی تو خوش اسلوبی سے نبھادیتے تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔'' وہ شاہد کو جھنجوڑ کر سانس روکے بولے چلی گئی۔

''یار جاتا ہوں۔'' وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

''اگر میری آنکھ لگ ہی گئی تھی تو بیٹے کو کہتی کہ قصائی کو فون کر کے معلوم کرلیتا' تم خود بھی کرسکتی تھیں۔ سارا ہی مجھ پر چھوڑ دیا ہے' انگلی پکڑائی تو بازو نگل لیا۔ یہ خوب رہی۔ اچھا فکر نہ کرو۔ میں ہی معلوم کیے دیتا ہوں کہ نواب صاحب کب تشریف لارہے ہیں۔ آدھے اسلام آباد کے بکرے لٹکا کر سب کو انتظار کی وہ مار دیتے ہیں کہ بی پی ہائی ہونے لگتا ہے۔'' وہ غصے سے بولتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترے۔

''آپ تو آرام فرمارہے تھے بی پی تو میرا ہائی ہوچکا ہے ٹائم دیکھ کر۔'' وہ بھی خفگی سے بولی۔

''بیگم تم ایسے موڈ میں بہت بری بلکہ بہت بدصورت سمجھو کہ بھیانک چڑیل کی طرح لگتی ہو' صبح سے خوش ہو' گھر میں رعنائیاں بکھر گئی ہیں' جلدی سے اپنا مزاج درست کرو' سب کام ہوجائیں گے' گھر بھی اپنا اور یہاں آنے والے بھی اپنے اور کھانے والے بھی اپنے' خوامخواہ ٹینس ہوگئی ہو۔ ایک تو عورتوں کا بہت بڑا مسئلہ ہے دوسری عورتوں کو امپریس کرنے سے باز نہیں آتیں۔ خوامخواہ خود کو تھکالیا ہے تم نے۔ بلو اور وائیٹ بکروں کی عید کی تھیم اور پنک اور لائیلک سویوں چوڑیوں اور مہندی کی عید کی تھیم' دماغ خراب کرلیا ہے تم نے شوبازی میں۔'' لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

''آپ نے آج تک کبھی تعریف بھی کی ہے میری۔'' وہ جل بھن کر بولی۔

''بیوی میں کیڑے نکالنا کوئی آپ سے سیکھے۔ سلیقے اور قرینے کو شوبازی کا نام دینا سراسر جہالت ہے یا پھر اسے جیلسی کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ جوانی چلی گئی مگر عورتوں والی خو نہ گئی آپ کی۔'' وہ براسامنہ بنا کر بیٹھ گئی۔

''مجھ سے اتنا کام لے کر بھی تم راضی اور خوش نہ ہوئی۔ تم سے ہمدردی اور پیار ہے تو فکرمند ہوتا ہوں ناں۔ چلو میری جان خفا نہیں ہوتے۔ تم مصالحے تیار کراؤ میں جلد از جلد گوشت اندر پہنچاتا ہوں۔ خوامخواہ رنگ میں بھنگ ڈالنے لگی ہو۔ چلو مجھے مسکرا کر دکھاؤ۔ سب کچھ عین وقت پر ہوجائے گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔

''قصائی حضرات کی تشریف آوری ہوگی تو گوشت ہم تک پہنچے گا ناں۔'' وہ روٹھے ہوئے انداز میں بولی۔

''اس وقت تک منوں گوشت میرے کچن میں پہنچ چکا ہوتا تھا۔ مان جائیں کہ میری انتظامیہ کا جواب نہیں۔''

''تمہاری یہ خوبی تو مابدولت ہمیشہ سے مانتے ہیں۔ اس لیے تو تمام ذمہ داری جناب پر چھوڑ کر بے فکری میں پلٹ کر نہیں دیکھتے۔ میں شوہر تو تمہارا ہی ہوں ناں' ذمہ داری لی ہے تو نبھاؤں گا بھی خوب۔'' وہ چاشنی سے بھرپور لہجے میں بولے اور باتھ روم کی طرف چل دیے۔

''بیگم صاحبہ لان سے بکرے غائب ہیں۔'' ملازم کے انکشاف پر وہ بے اختیار ہو کر بولی۔

''تمہارا مطلب ہے بھاگ گئے ہیں۔ بیوقوف ذبح ہو کر درختوں سے لٹکتے ہوئے میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان آنکھوں نے غلط تو نہیں دیکھا۔ میرا دل پہلے ہی بیٹھا جارہا ہے' مت ایسی فضولیات بکو' بکروں کے پاس پہنچو صاحب آتے ہیں۔ وہ بھاگنے سے تو رہے۔''

''میں بھاگنے کی پیشن گوئی نہیں کررہا جی' غائب ہونے کی کچی خبر سنارہا ہوں۔'' اب اس کے چہرے سے

فکرمندی کے آثار غائب ہوچکے تھے۔ دبی دبی مضحکہ خیز مسکراہٹ ہویدا تھی۔ اپنا کام گم ہوجانے کی مسرت بھی نمایاں تھی۔ ثمرینہ بھاگنے کے انداز میں گیٹ سے باہر نکل گئی۔

سچ مچ وہاں بکروں کے خون کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ خالی رسیاں درختوں کے ساتھ جھول رہی تھیں۔ وہ حیرت سے گردوپیش کا جائزہ لینے لگی۔

''کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں کہ حقیقت ہے یہ کہ بکرے چھری کے نیچے سے غائب ہوگئے' کہاں چلے گئے؟'' وہ بے ہنگم سانسوں کو قابو کرتے ہوئے گھر کے اندر آ گئی۔

''آپ خواب خرگوش کے مزے لوٹیں' بکرے غائب ہوگئے ہیں۔'' وہ غصے سے لال بھبوکا ہوتے ہوئے بولی۔

''کہاں چلے گئے؟'' وہ بالوں کو درست کرتے ہوئے دھیمے اور ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

''میں کیا جانوں؟ مجھے آپ سے اس سوال کا جواب چاہیے۔''

''پتہ کرتے ہیں' صبر کرو۔ خوامخواہ اپنا بی پی ہائی کرلو گی۔ ہوسکتا ہے سیدھے اللہ تعالیٰ کے حضور سدھار گئے ہوں۔ قبولیت کی نشانی ہے بیگم۔ اس معجزے کا کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا۔'' وہ تحمل سے مزاحیہ لہجے میں بولے۔

''آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے' میری جان نکلی جارہی ہے۔۔۔۔۔اب مجھ پر ایک احسان اور کردیجیے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''فرمائیے جناب۔'' وہ ملائمت سے بولے۔

''میرا قیمہ بوٹی بنوالیں' تاکہ رات کا ڈنر کینسل نہ کرنا پڑے۔ ویسے آگے پیچھے کے رشتے دار آپ کے ہی تو ہیں' میرا گوشت انہیں بہت مزا دے گا۔'' اس کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا تھا۔

''پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آرہی۔ ذبح شدہ بکرے غائب کیسے ہوسکتے ہیں؟ کہاں چلے گئے' کون لے گیا؟'' بے تکے سوال جن کا جواب نہ ملا۔

اب وہ بھی کچھ حیران اور پریشان سے نظر آنے لگے تھے۔ سرعت سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد منہ لٹکائے اندر آ گئے۔

''کچھ پتہ چلا۔'' وہ بیقراری سے بولی۔ ''بکرے کہاں چلے گئے' آج کے دن بھی خوف خدا نہ آیا چوروں کو۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔'' وہ شرمندگی کو مٹانے کے لیے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔''

''تو بتائیے ناں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''کیا ہوا؟''

''وہ۔۔۔۔۔وہ ہوا یہ ہے کہ ساتھ والوں کا نوکر بتا رہا ہے کہ اس نے کسی N.G.O کی گاڑی کو کھالیں جمع کرتے دیکھا تھا۔ آگے وہ کچھ نہیں جانتا کہ بکروں کے ساتھ کیا ہوا؟''

''یعنی شناخت کرنے میں اپنے لیے لاکھوں کا فائدہ اور ہمارے لیے لاکھوں کا نقصان کرگئے۔ ایک ہزار ڈالرز کا ایک بکرا۔۔۔۔۔ او مائی گاڈ۔ کھالیں ہمارے لیے اور بکرے ان نامراد چوروں کے لیے۔'' ثمرینہ نے دکھی لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

شاہد کی پیشانی عرق ندامت سے بھیگی لیکن اظہار افسوس مردانگی کو گوارہ نہ تھا' اپنی آشفتہ حالت کو فوراً یکجا کیا اور بے پروائی سے بولے۔

''بیگم جانیں سلامت ہیں تو بکرے ہی بکرے۔۔۔۔۔ آئی ایم شیور نکو! اگلی عید بے حد آسان اور سہل ہوگی' اس کی فکر نہ کرو۔ یہ میری ذمہ داری ہے' یار مان بھی جاؤ۔''

For More Visit
Paksociety.com

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

اک وہم ہے یہ دنیا اس میں
کچھ کھوؤ تو کیا اور پاؤ تو کیا
ہے یوں بھی زیاں اور یوں بھی زیاں
جی جاؤ تو کیا، مر جاؤ تو کیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زیب النساء حیات علی کی آمد کا سن کر بہن کے گھر سے واپس آتی ہے لیکن حیات علی ملک سے باہر جا چکا ہوتا ہے۔ زیب النساء واپس بہن کے گھر جانے کے بجائے وہیں رک جاتی ہے مگر زیب النساء کی زندگی کو مزید مشکل بنانے کے لیے اس کا باپ صفدر واپس آ کر زبردستی اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ شہوار ماں جی کے ساتھ اسپتال آتی ہے اور پھر سب کے اصرار پر اس کی ساتھ گھر آ جاتی جہاں انا اس کے گلے لگ کر شدت سے روتی ہے اور پھر کاشفہ کی بلیک میلنگ بتا کر شہوار کو ششدر کر دیتی ہے۔ ہادیہ اور رابعہ دونوں ہی بہت خوش ہوتی ہیں' ہادیہ کا نکاح ابوبکر سے ہونے جا رہا ہوتا ہے یہ خبر رابعہ عباس کی کال آنے پر اسے سنا کر خوشی و حیرت میں ڈال دیتی ہے اور ساتھ ہی شادی میں آنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ کاشفہ انا کو ایگری منٹ سائن کرنے کو کہتی ہے' انا کے انکار پر کاشفہ اس پر تشدد کرتی ہے اور دھمکیاں دیتی ہے لیکن انا اس کے کسی بھی دباؤ میں نہیں آتی تو کاشفہ جیدی (کاشفہ کا خاص دوست) اسے اشارہ کر کے کمرے سے نکل جاتی ہے۔ انا کو اپنی عزت خطرہ میں محسوس ہوتی ہے' بالآخر وہ مجبور ہو کر کاشفہ کی بات مان کر ایگری منٹ سائن کر دیتی ہے۔ زیب النساء کی طبیعت اب دن بہ دن خراب ہوتی جاتی ہے' صفدر بھی اب کم ہی گھر پر رہتا تھا۔ چوہدری سراج نے اسے جتنے پیسے دیئے تھے وہ اب ختم ہوتے جا رہے تھے اور اس کا شیطانی ذہن ایک اور منصوبہ بنا رہا تھا۔ زیب النساء کی گود میں بیٹے کی صورت حیات علی کی نشانی آ گئی تھی۔ وہ مطمئن و خوش تھا مگر صفدر لالچ میں اندھا ہو کر زیب النساء کو حویلی لے جاتا ہے اس کا خیال تھا کہ بابا صاحب پوتے کی خوش خبری سن کر اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو جائیں گے اور اب کی بار وہ ایک بڑی رقم ان سے وصول کرے گا لیکن چوہدری سراج علی صفدر کو قید میں ڈال دیتے ہیں۔ زیب النساء کو بخش دین (حیات علی کا ملازم) اپنے پاس روک لیا تھا جس کی وجہ سے زیب النساء سراج علی کی قید میں جانے سے بچ جاتی ہے اور حویلی سے نکل کر مہر النساء کے پاس آ جاتی ہے۔ حیات علی کو مسلسل زیب النساء کا خیال ستا رہا تھا وہ واپس پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن سراج علی منع کر کے اسے کچھ دن مزید وہاں رہنے کے لیے کہتے مگر اب حیات علی مزید رکنے پر آمادہ نہیں تھے وہ اپنا ویزہ لے کر گھر سے نکلتا ہے لیکن ایک حادثہ کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ زیب النساء کی زندگی بہن کے گھر آ کر مزید تنگ ہو جاتی ہے' مہر النساء کا شوہر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت جس پر زیب النساء ڈر جاتی ہے۔ مہر النساء زیب النساء کو اپنی نند کے گھر بھیج دیتی ہے ان سب باتوں کو جان کر آپا صفیہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اولاد کی نعمت سے بھی محروم ہوتی ہیں۔ آپا صفیہ زیب النساء کو اپنے پاس رکھ لیتی ہیں لیکن کچھ دن بعد ہی زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہو جاتا ہے اور فیضان کی ساری ذمہ داری آپا صفیہ پر آ جاتی ہے۔ حیات علی کو ٹھیک ہونے میں

ایک سال کا عرصہ لگ جاتا ہے وہ صحت یاب ہوتے ہی پاکستان لوٹتے ہیں لیکن اب زیب النساء کی کوئی خبر نہیں ملتی وہ مہر النساء سے مل کر زیب النساء کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن مہر النساء ملنے سے انکاری کردیتی ہے۔ صفدر کافی عرصے بعد چوہدری سراج علی کی قید سے رہا ہو کر مہر النساء کے پاس آتا ہے اور اس سے زیب النساء کے حوالے سے معلوم کر کے رنجیدہ ہو کر معافی مانگتا ہے اور فیضان سے ملنے کی ضد کرتا ہے۔ زیب النساء صفدر کو فیضان کا ایڈریس دے دیتی ہے' صفدر کا سازشی دماغ ایک بار پھر کام کرتا ہے اور وہ فیضان کو لے کر غائب ہو جاتا ہے۔ مہر النساء حیات علی کو بابا صاحب کی تمام سازشوں سے آگاہ کرتی زیب النساء کی موت کا بتا کر اسے فیضان کی گمشدگی کا بتا کر غم سے آشنا کردیتی ہے۔ حیات علی اپنے بیٹے کی تلاش شروع کردیتے ہیں بالآخر ایک یتیم خانہ میں ان کو اپنا فیضان مل جاتا ہے اب حیات علی اس کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتے لیکن اس کی ملاقات اپنے دوست سبحان سے ہوتی ہے جس کی ابھی تک اولاد نہیں ہوتی' سبحان حیات علی سے فیضان کو اڈاپٹ کرلیتا ہے۔ وقت اپنی تیز رفتاری سے گزر رہا ہوتا ہے اب بچے بڑے ہوجاتے ہیں۔ انا کی ولید سے محبت اس کے دل میں ٹوٹے تارے کی مانند روشن ہے گو کہ وہ شہوار کو سب بتا کر کسی حد تک مطمئن ہوجاتی ہے لیکن اب ولید اور اس کے درمیان کاشفہ کے ساتھ حماد بھی موجود ہوتا ہے وہ اس وقت سب بھلا کر صرف ولید کی زندگی کی دعا مانگ رہی ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

''حماد آپ دونوں کے درمیان کیسے آگیا تھا؟'' مصطفیٰ پوچھ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے کو ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر شدت سے روئی تو مصطفیٰ نے نہایت ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''انا......'' مصطفیٰ نے دوبارہ پکارا تو انا نے سر اٹھا کر دیکھا اس سے پہلے کہ مصطفیٰ کوئی سوال کرتا اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

''مصطفیٰ کہاں ہو؟'' کال ریسیو کرتے ہی مصطفیٰ کو احسن کی تیز آواز سنائی دی۔

''کیوں خیریت؟'' ایک نظر روتی آنسو صاف کرتی انا پر ڈال کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوا تھا۔

''ولید کی کنڈیشن میں کچھ چینج آیا ہے' ڈاکٹرز اور نرس کمرے میں ہیں' ہمیں کمرے سے باہر نکال دیا ہے۔'' دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع ایسی تھی کہ مصطفیٰ کا دل ایک دم سکڑ کر پھیلا تھا۔

''میں ابھی آیا۔'' اس نے فوراً کال بند کی اور انا کو دیکھا جس کے چہرے پر مصطفیٰ کی پریشان صورت دیکھ کر گھبراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''ولید کی طبیعت ٹھیک نہیں' جلدی چلو۔'' انا کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کی سماعت پر دھماکا کردیا ہو۔ مصطفیٰ تیزی سے اوپر کی طرف بھاگا اور انا منہ پر ہاتھ رکھے وہیں ساکت رہ گئی تھی' اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم سے ابھی جان نکلنے والی ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہوگئے تھے' اس نے لرزتے ہاتھوں سے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔

❁......❁......❁
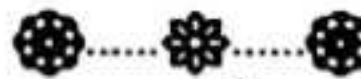
سکندر کو اصل زندگی کا اندازہ پاکستان آ کر ہوا تھا۔ لوگوں کا مزاج' ان کا رویہ' باتیں...... سکندر کو ایک الگ ہی دنیا

کے لوگ لگے تھے۔ اس کے معاملے میں انتہائی تند مزاج اور تنگ نظر۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات ہوتی تھی کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ سب لوگ سبحان احمد کی جائیداد پر نظر رکھے ہوئے تھے ایسے میں انہیں سبحان احمد متمنی کیسے بھا سکتا تھا؟ سکندر پریشان ہوگیا تھا وہ نہ ایسے لوگوں کا عادی تھا اور نہ ہی ایسے رویوں کا۔

"یہ سب لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کے بچوں میں سے کسی کو اڈاپٹ کر لیتے لیکن حیات علی سے ایسی دوستی تھی کہ ہم نے تمہیں اڈاپٹ کرلیا اور ان کو بس یہی بات تم سے بدظن کردیتی ہے۔ تم دل چھوٹا مت کرو یہ سب لالچی لوگ ہیں انہیں ہم سے کوئی غرض نہیں بس ہماری جائیداد سے واسطہ ہے۔" ایک دن وہ کسی چچا کے رویے کی وجہ سے سخت پریشان تھا تو حاجرہ نے محبت سے سمجھایا تھا اور پھر اس دن کے بعد اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ رشتے' یہ ناطے اس کے حقیقی نہیں۔

اس نے بہت پُروقار زندگی گزاری تھی' زندگی میں پہلی بار لے پالک ہونے کا طعنہ سنا تو اسے اپنے حقیقی باپ سے بھی شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ سبحان اور حاجرہ دونوں میں سے کسی نے کبھی اس کے ماضی کے متعلق اس سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔ ہر بات علم میں تھی لیکن اسے پاکستان آ کر زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے اصل سے جدا ہو کر کچھ بھی نہیں۔

ابھی اسے پاکستان آئے ہوئے دو ماہ ہی ہوئے تھے جب کہیں سے اسے ڈھونڈتی ایک لڑکی چلی آئی تھی۔ حاجرہ سے اس نے اپنا تعارف مہرالنساء کی بیٹی افشاں کہہ کر کروایا تھا۔

"مجھے پہچانا تم نے؟" اس نے سکندر کو مسکرا کر دیکھتے پوچھا تو سکندر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"میری خالہ مہرالنساء کی بیٹی ہو تم' امی نے تمہارا تعارف کروا رکھا ہے۔"

"شکر ہے ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ امریکہ میں رہنے والا کزن کہاں مجھے یاد رکھے گا۔" افشاں ایک سادہ مزاج والی بہت جلد گھل مل جانے والی لڑکی تھی۔ سکندر اس کی بات پر محض مسکرایا تھا۔

"تم دونوں بیٹھ کر بات کرو میں چائے اور کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔" حاجرہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتوں میں لگ گئے تھے۔

افشاں نے ہی اسے بتایا تھا کہ والدہ کی وفات کے بعد اس کا باپ باہر سیٹل ہوگیا تھا اور اسے اپنی بیوہ بہن صفیہ پھوپو کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس کے باپ نے وہاں باہر کے ملک میں کسی انگریز عورت سے شادی کرلی تھی لیکن کثرت سے سگریٹ نوشی کے سبب وہ پھر کچھ سال ہی جی پایا اور دو سال پہلے ہی اس کی پھوپو کا بھی انتقال ہوگیا تھا آج کل وہ پھوپو کے گھر میں ہی ایک بے سہارا عورت کے ساتھ رہ رہی تھی جنہیں وہ خالہ بی کہتی تھی اور ان کا چند سال کا بیٹا بھی تھا۔ افشاں نے ماسٹر کیا تھا' زندگی کے بارے میں اس کی اپروچ بہت ہی پریکٹیکل تھی۔ سکندر کو افشاں سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں پچھلے کئی سالوں سے یہاں کے چکر لگاتی رہی ہوں' میری امی کا کہنا تھا کہ تم سے رابطہ رکھوں۔ کبھی بھی تم پاکستان آؤ تو تم سے ضرور ملوں لیکن تمہارے یہ ددھیالی رشتہ دار بہت ہی کرپٹ لوگ ہیں' جب بھی آئی ہوں بہت کچھ سنا کر واپس بھیج دیا۔" افشاں اسے بتا رہی تھی اور سکندر احمد کو ازحد افسوس نے آلیا تھا۔

"ویسے کب تک ہو تم لوگ یہاں؟" حاجرہ چائے لے آئی تھیں' چائے پی کر اس نے سکندر سے پوچھا تھا۔

"اس کے بابا کی جاب ختم ہوگئی ہے باہر سے اب ہمارا یہیں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے۔ اگر سکندر کا دل چاہا تو وہ امریکا چلا جائے گا' وہاں کچھ دکانیں اور ایک گھر ہے۔" حاجرہ نے بتایا' افشاں نے سر ہلا دیا۔

"تم چکر لگانا کسی دن ہماری طرف' ایڈریس سمجھا دیتی ہوں انکل اور آنٹی جی کو بھی ساتھ لانا۔" افشاں نے کہا تو

سکندر نے سر ہلایا۔

زندگی واپس اپنی ڈگر پر آ گئی تھی' وہ حاجرہ کے ساتھ ایک دو بار افشاں کے ہاں جا چکا تھا۔ وہ اس دن بھی اکیلا آیا تو وہاں کچھ مہمان موجود تھے وہ باہر ہی رک گیا تھا۔

"ارے سکندر آؤ نا' رک کیوں گئے۔" افشاں اسے دیکھ چہکی اور اسے اندر لے آئی۔

یہ پرانی طرز کا ڈبل اسٹوری گھر تھا' جس کے تین کمرے نیچے تھے اور دو تین اوپر۔ گھر کی حالت سے مکینوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا' باپ اور پھوپی کی موت کے بعد افشاں خود ہی اس سارے گھر کا نظام چلا رہی تھی۔

"یہ سکندر ہے میں نے بتایا تھا نا کہ میری خالہ کا ایک بیٹا بھی ہے' یہ لوگ امریکہ میں تھے حال ہی میں پاکستان شفٹ ہوئے ہیں۔" افشاں نے وہاں موجود دو لڑکوں اور ایک لڑکی سے اس کا تعارف کروایا۔ وہ لوگ گرم جوشی سے سکندر سے ملے تھے۔

"سکندر یہ صبوحی اور ضیاء ہیں' پھوپو کے دیور کے بچے اور یہ وقار ہے صبوحی کا شوہر۔" تعارف مکمل تھا۔ وہ لوگ بہت دوستانہ مزاج رکھتے تھے' سکندر بہت جلد ان سب کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ افشاں نے بتایا کہ ضیاء آج کل باہر جانے کے چکر میں ہے' سکندر اس سے اس کے آئندہ پلان کے بارے میں بات کرتا رہا اور اسے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اچھے مشوروں سے بھی نوازتا رہا تھا۔

صبوحی اور وقار کی شادی کو ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے' یہ لوگ بھی مالی لحاظ سے کچھ اتنے مضبوط نہ تھے۔ ضیاء کے والدین بھی انتقال کر چکے تھے' وقار ضیاء کا دوست تھا' والدین کا اکلوتا بیٹا تھا' باپ مر چکا تھا اور ماں زندہ تھی اور اس رات وہ افشاں کے ہاں ایک بھرپور دن گزار کر جب گھر واپس جا رہا تھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک بہت بڑا حادثہ اس کا منتظر تھا' ایسا حادثہ جس نے اس کی زندگی کا محور ہی بدل دیا تھا۔

❁.........❁.........❁
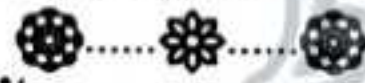
وہ اوپر آئی تو آئی سی یو کے سامنے سب ہی موجود تھے جب کہ مصطفیٰ روم کے اندر تھا۔ وہ احسن کی طرف بڑھی جو

وقار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں دلاسا دے رہا تھا۔
"کہ..... کہ..... کیا ہوا؟" اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا' وقار صاحب نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ زرد رنگ' روتی متورم آنکھیں اور کپکپاتے لب۔ کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں۔
"کچھ نہیں' مصطفیٰ اندر گیا ہے ڈاکٹرز ابھی ہمیں کچھ بھی نہیں بتا رہے۔" احسن نے ضبط سے کہا اور پھر باپ کا کندھا دبا کر آگے بڑھ گیا۔
وقار صاحب نے پھر گم صم سر جھکائے کھڑی بیٹی کو دیکھا' جب ہی مصطفیٰ دروازہ کھول کر تیزی سے ان کی طرف آیا تو احسن بھی فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔
"کیا ہوا؟" احسن کی آواز میں ایک خوف تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
"ولید کو ہوش آ گیا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے انا کو بطور خاص دیکھا جس کے زرد چہرے پر بے یقینی سی تھی۔
"لیکن ابھی اس کی کنڈیشن ایسی ہے کہ مسلسل آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے' ڈاکٹرز ابھی مکمل طور پر اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ نے تینوں نفوس کے وجود سے جیسے خون نچوڑ لیا تھا۔
"بہر حال اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہوش تو آ گیا ہے' ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا' آپ لوگ پریشان مت ہوں۔" سب کے چہروں پر دوبارہ تاریکی چھائے دیکھ کر مصطفیٰ نے حوصلہ دیا۔
انا ایک گہرا سانس لیتے خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی جو میڈیسن لے کر نیند میں تھیں وہ ان کے پاس کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ایک دم سسک اٹھی تھی۔ اس نے ولید کے ہوش میں آ جانے کی بہت سی دعائیں مانگی تھیں' بہت سی منتیں مانی تھیں لیکن اب جبکہ ہوش آیا بھی تو ایک خوف میں لپٹا ہوا ڈر بھی دل کو لگ گیا تھا۔
جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود بالکل ساکت اور بے جان ہوتا جا رہا ہے۔ روشی ضیاء صاحب کے ساتھ ہسپتال آئی تو ولید کے ہوش میں آنے کی خبر اس کی منتظر تھی۔ ڈاکٹرز اس کی طرف سے کافی پرامید تھے لیکن ابھی کسی کو بھی ولید سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو کمرے کے ایک کونے میں جائے نماز پر بیٹھی شدت سے بلکتی انا کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے گھر والوں کے ساتھ انا کا جو رویہ تھا اگر وہ دیکھا جاتا تو اس وقت انا کا رویہ الجھانے کے لیے کافی تھا۔ وہ خاموشی سے ٹفن سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد انا ہاتھ منہ پر پھیر کر اٹھی تو روشی کو دیکھ کر رک گئی تھی۔
"تم کب آئی؟" انا نے پوچھا تو روشی نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔
"کچھ دیر پہلے۔"
"ولی بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔" روشی نے بتایا تو انا نے سر ہلایا۔
"لیکن ڈاکٹرز ابھی ملنے یا دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہے' کہہ رہے تھے کہ کل روم میں شفٹ کر دیں گے تو پھر ملنے دیں گے۔" روشی نے بتایا تو انا کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے وہ جب سے روم میں آئی تھی پھر باہر نکلی ہی نہ تھی۔ پچھلے دو تین گھنٹوں سے وہ مسلسل جائے نماز پر تھی۔
"وہ اب بہتر ہیں نا؟"
"یس..... ڈاکٹرز کافی زیادہ پرامید ہیں۔" دونوں پھر خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ گھنٹے مزید سرکے تو ڈاکٹرز کی طرف سے ملنے والی خبر نے سب کو جیسے پرسکون سا کر دیا تھا۔

ولید مکمل طور پر خطرے سے باہر تھا تاہم ٹرنیکولائزر کے زیر اثر تھا' رات کو اسے کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا۔
احسن' وقار صاحب اور ضیاء صاحب کے ساتھ گھر چلے آئے تھے' مصطفیٰ ابھی تک وہیں موجود تھا۔ مصطفیٰ کے وجود سے بھی کو بہت ڈھارس ملی ہوئی تھی' رات میں عباس بھائی بھی مصطفیٰ کے پاس آگئے تھے۔ انا صبوحی کے پاس ہی رہی تھی جبکہ روشی دو تین بار ولید کے کمرے میں جا کر اسے دیکھ آئی تھی۔ انا نے خود سے نہ تو ولید کے کمرے میں جانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی کسی نے اس سے کچھ کہا تھا۔ وہ ساری رات عجیب سی امید و بیم کی کیفیت میں گزر گئی تھی۔
فجر کے وقت ٹرنیکولائزر کا اثر ختم ہوا تو ولید نے آنکھیں کھولی تھیں' ماحول سے مانوس ہونے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ جس میں جا بجا درد سے اٹھتی ٹیسیں تھیں جبکہ سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ولید کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا مصطفیٰ ایک دم متحرک ہوا تھا۔
''ولید......'' وہ فوراً اس پر جھکا' ولید نے مصطفیٰ کو چند پل دیکھا۔
''تمہارا بہت ہی سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' دو دن بعد ہوش آیا ہے تمہیں' اللہ کا شکر ہے ورنہ سب کا پریشانی سے بُرا حال تھا۔'' مصطفیٰ آہستہ آہستہ اسے بتا رہا تھا۔ ولید نے اپنا ہاتھ اٹھانا چاہا تو رک گیا' اس کا ہاتھ ڈرپ کی سرنج میں الجھا ہوا تھا۔
''کیسا فیل کررہے ہو؟'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو ولید نے خاموشی سے دیکھا۔
''بابا اور روشی کہاں ہیں؟'' چند پل مزید اسی خاموشی میں سرکے تو ولید نے پوچھا۔ انداز دھیما تھا' مصطفیٰ بمشکل سن پایا تھا۔
''روشی یہی ہے' انکل کو گھر بھیج دیا ہے' سبھی بہت پریشان تھے لیکن اللہ نے کرم کیا اور تمہیں ہوش آگیا۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو ولید پھر خاموش ہوگیا۔
''میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

مصطفیٰ ولید کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی کنڈیشن کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن ہوتے ہوئے دو دن بعد گھر آیا تھا' دن کے دس بج رہے تھے۔ گزرے دنوں کی نسبت وہ کافی پرسکون تھا۔ گھر آیا تو علم ہوا کہ شہوار کالج گئی ہوئی ہے' وہ فریش ہو کر کمرے سے نکلا تھا۔ ماں جی نے اس کے لیے ناشتا تیار کروا دیا تھا۔
''چلو اللہ نے کرم کیا میں دن میں تمہارے بابا کے ساتھ ولید کی عیادت کو جاؤں گی۔'' وہ ناشتا کررہا تھا جب ماں جی بھی ساتھ آبیٹھی تھیں۔
''ضرور جایئے گا' بہت کریٹیکل کنڈیشن سے ولید واپس لوٹا ہے۔ جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔''
''ہاں بس اللہ کا ہی کرم ہے ورنہ انسان کی کیا مجال۔''
''شہوار بہت پریشان رہی ہے' کئی بار تمہیں کال کرتی رہی لیکن نہ تم کال پک کرتے تھے اور نہ ہی جواب دیتے تھے اس کے میسجز کا۔'' کھانا کھاتے ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ ایک پل کو رکا تھا۔
''پہلے اس کیس کی وجہ سے سخت بزی تھا ادھر سے فارغ ہوا تو احسن نے بلا لیا پھر سارا وقت ولید کے ساتھ ہی لگا رہا۔ ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے وقت ہی نہیں ملا۔''
''ایک منٹ کال سن لینے میں بھلا کتنا وقت لگ جاتا' وہ ساری رات پریشان رہی ہے' جیسی اس کی حالت ہے ایسے میں یہ ٹینشن اس کے لیے اچھی نہیں۔'' ماں جی نے باز پرس کی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

دو باتیں

زندگی میں دو باتیں بہت تکلیف دیتی ہیں
جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا

اور
جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔
کسی بھی انسان سے کبھی بھی زیادہ توقع مت رکھنا
کیونکہ
جب دل ٹوٹتا ہے تو آواز نہیں آتی مگر انسان اندر ہی اندر ختم ہو جاتا ہے۔
فائزہ.....طور جہلم

وہ گھر سے جس موڈ میں بھی نکلا تھا لیکن یہ سچ تھا کہ اسے وقت ہی نہیں ملا تھا' اس کا غصہ وقتی تھا اسے اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت پر ملال ہو رہا تھا لیکن شہوار موجود نہ تھی اگر موجود ہوتی تو وہ اس سے اپنے رویے پر ضرور ایکسکیوز کر لیتا۔

''کوئی بات نہیں' آپ سب اس کے پاس موجود تھے جبکہ ہسپتال میں احسن تنہا سب کچھ ہینڈل کر رہا تھا۔ ذہن اس قدر ڈپریسڈ اور الجھا ہوا تھا کہ احساس ہی نہیں ہوا کہ خیر اب کالج سے آتی ہے تو دیکھتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا انداز پرسکون تھا۔

''اسے فون کر لینا' وہ واقعی بہت پریشان ہے۔'' ماں جی تاکید کر کے اٹھ گئی' مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ اس نے کمرے میں واپس آ کر شہوار کے نمبر پر کال کی تو ریسیو نہیں ہوئی تھی' وہ شاید بزی تھی۔ وہ ذہن کو ریلیکس کرتے باباصاحب کے کمرے میں چلا آیا' وہ کوئی کتاب پڑھ رہے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''السلام علیکم باباصاحب!''

''وعلیکم السلام! بہت مصروف رہنے لگے ہو' کافی دن بعد دکھائی دے رہے ہو۔'' انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ کر چشمہ اتار کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''ہاں بس آفس کی ہی مصروفیات تھیں' آپ سب کو اندازہ تو ہے یہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جاب بہت ٹف ہوتی ہے۔ یہ تو بس ولید کی وجہ سے دو دن آف کیا ہے' تھکن بہت تھی تو آج گھر پر آ گیا ہوں ورنہ شام یا دوپہر میں آفس کا چکر لگانے کا سوچ رہا ہوں۔''

''شاہ زیب بھی جب تک اس ڈیپارٹمنٹ میں رہا ایسے ہی مصروف رہا' گھر والوں کے لیے تو اس کے پاس وقت ہی نہ ہوتا تھا۔''

''آپ کی طبیعت اب ٹھیک رہتی ہے نا۔'' باباصاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اب گاؤں چلا جاؤں وہاں سب کچھ نوکروں پر چھوڑ رکھا ہے۔''

''کیا کرنا ہے جا کر' یہیں رہیں نا۔ وہاں جا کر تنہا ہر وقت سوچوں میں الجھتے ان سے لڑتے رہنے سے بہتر نہیں اپنوں کے ساتھ وقت گزاریں۔''

''میں تو ایک امید پر یہاں ٹکا ہوا ہوں۔'' ان کے لہجے میں ایک آس سی تھی۔

''تابندہ بی کا کچھ پتا چلا۔'' مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈھونڈا تو ان کو جاتا ہے جو کہیں غائب ہو جائیں' کھو جائیں جو خود سے منظر سے ہٹ جائیں ان کو کیسے ڈھونڈا

جائے پھر بھی بہت کوشش کی اور ابھی بھی کچھ لوگوں کو لگا رکھا ہے لیکن تا حال کوئی کامیابی نہیں ملی۔"
"شہوار کا خیال رکھا کرو وہ عزیز تو مجھے بہت پہلے بھی تھی لیکن جب سے تابندہ نے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے تو سمجھو دل کو ایک طرح کا سکون سا مل گیا ہے۔ شہوار کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے میرا فیضان زندہ ہو کر واپس آ گیا ہے' بہت زیادتیاں کی ہیں میں نے فیضان کے ساتھ' بہت زیادہ......" وہ سسکنے لگے تھے۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے گرد اپنا مضبوط اور توانا بازو حائل کیا تھا۔
"آپ ٹینشن نہ لیں شاید یہ قسمت کا ہی چکر تھا ورنہ شہوار کسی اور گھر میں بھی پل سکتی تھی۔ تابندہ بوا اسے لے کر حویلی میں ہی کیوں بھلا رہتیں۔ آپ مجبور تھے' میں نہیں سمجھتا آپ نے جان بوجھ کر کوئی زیادتی کی ہے۔ جو بھی ہوا سب قسمت کا ہیر پھیر تھا۔"
"ہم نے تو ایک یتیم اور بے آسرا بچی کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی شاید کہیں کوئی احساس جرم تھا جو ہم سے یہ سب کرواتا رہا ورنہ شاہ زیب کے ماموں نے کتنا شور مچایا تھا کہ ایک انجان غیر عورت کو میں کیسے حویلی میں پناہ دے سکتا ہوں اور پھر اس طرح سارے اختیارات اس کو سونپ کر اسے ایک گھر کے فرد کی سی حیثیت دینا میرے اندر کے گناہ ہی تو ہیں جو مجھ سے یہ سب کرواتے رہے۔ میں انگاروں پر لوٹتا رہا اور اپنے ضمیر کے سامنے روز مجرم کی طرح سزا کاٹتا رہا۔"
"یہ جاگیر' جائیداد' ذات و پات کے تفاخر انسان سے بہت بڑے بڑے گناہ کروا دیتے ہیں۔ ایک عمر ہوتی ہے جب جذبات جوان ہوتے ہیں تو ساری دنیا کو ٹھوکر لگانے کو انسان تیار ہو جاتا ہے اور پھر جب وہی جذبات مدھم پڑ جاتے ہیں تو راکھ کی چنگاریاں بن جاتے ہیں۔ کاش انسان وقت سے پہلے سوچ لیا کرے تو ساری عمر پچھتاوے خواب کا روپ اوڑھ کر کسی کو بھی نہ ستایا کریں۔"
"دیکھیں آپ نے پھر وہی باتیں شروع کر دی' منع کیا تھا نا میں نے کہ کچھ نہیں سوچنا بالکل ریلیکس رہنا ہے۔ جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس راکھ کو کریدنے کا فائدہ' رہ گئیں تابندہ بوا میں نے ان کی تلاش چھوڑ دی ہے وہ ایک مقصد کے تحت حویلی میں پناہ گزیں ہوئی تھیں۔ شہوار کی رخصتی سے اگلے دن ہی وہ حویلی چھوڑ گئیں تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ وہ سب کچھ جانتی ہیں اور جب تک وہ خود نہ چاہیں گی وہ سامنے نہیں آئیں گی۔" مصطفیٰ نے دلاسا دیا تو وہ تلخی سے مسکرائے۔
"سب کچھ کہنے کو ختم ہو چکا ہے لیکن اب شہوار کی صورت پھر سب کچھ سامنے ہے' مجھے کچھ نہیں بھولتا۔ رہ رہ کر گزرا وقت یاد آتا ہے تو پچھتاوے گناہ بن کر ڈسنے لگتے ہیں اسی لیے تو کہتا ہوں گاؤں چلا جاؤں شاید کچھ سکون مل جائے۔"
"گاؤں بھی چلے جایئے گا لیکن ابھی کچھ دن آرام کر لیں۔" مصطفیٰ نے ان کا کندھا تھپتھپایا اور پھر مزید کچھ وقت گزار کر وہ ان کے پاس سے اٹھ آیا' وہ اپنے کمرے میں آیا تو موبائل بج رہا تھا مصطفیٰ نے دیکھا شہوار کی کال تھی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام! آپ کی کال آئی تھی میں کلاس میں تھی' مجھے خبر ہی نہیں ہو سکی۔"
"کوئی بات نہیں۔"
"ولید بھائی کیسے ہیں اب؟"
"کافی بہتر ہے' روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے جب ہی میں آیا تھا' ڈاکٹرز اسے لیبارٹری میں لے گئے تھے کچھ ٹیسٹ وغیرہ کروانے تھے۔ ہوش میں آ چکا ہے تاہم بات چیت نہیں کر رہا۔"
"شکر ہے اللہ کا' میں نے روشی کو بھی کال کی تھی' رات میں بھی دن میں بھی اس نے بتایا تھا کہ ہوش آ گیا ہے۔"

غزل

اپنی کیفیت اپنی زبانی لکھتا ہوں
میں بھی تیرے جیسا لگتا ہوں
سمندر کی لہریں بکھری ہیں دیکھوں
میں بھی ان کی طرح بکھرا سا لگتا ہوں
نہ جانے کتنے سفینے ٹوٹے ہیں یہاں
میں بھی انہی سفینوں کا حصہ لگتا ہوں

سمیہ امتیاز......قصور

مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ اس وقت ہسپتال میں ہیں یا آفس؟"

"میں گھر پر ہوں' کچھ دیر بعد آفس کے لیے نکلوں گا' ماں جی نے بتایا تھا کہ تم کالج جا چکی ہو تو سوچا تم سے بات کرلوں۔ دو تین دن سے ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوسکی۔"

"آپ تو شاید ناراض تھے مجھ سے؟" شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ مسکرایا۔ وہ اندازہ کرسکتا تھا کہ وہ اس بات کو لے کر کتنا پریشان رہی ہوگی۔

"نہیں یار! ناراض نہیں تھا بس کسی بات کا غصہ تھا۔"

"کس بات کا؟" دوسری طرف وہ حیران ہوکر پوچھنے لگی تھی۔

"گھر آؤ گی تو بات ہوگی۔"

"آپ کو علم ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' اتنا ناراض ہوکر گئے تھے میں تو ڈر گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے پھر موبائل بند' آن کیا بھی تو نہ کوئی کال کی اور نہ ہی کسی میسج کا کوئی ریپلائی۔ میسج کرکر کے میری انگلیاں ٹوٹ گئیں۔" وہ از حد رنجیدہ ہورہی تھی۔

"ایم سوری یار! ایک غلطی تمہاری بھی تھی اور ایک میری بھی' بہرحال مجھے غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور غصہ تم پر بھی نہیں آیا تھا بس کوئی اور بات تھی۔"

"میری کیا غلطی تھی؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"گھر آؤ گی تو بات کریں گے' اس وقت تو مجھے آفس کے لیے بھی تیار ہونا ہے۔ اپنا خیال رکھنا اور بہت ہی دھیان سے آنا' ڈرائیور کو بھی میں تاکید کردوں گا' او کے۔" مصطفیٰ نے گھڑی دیکھتے اسے کہا تو دوسری طرف وہ الجھی۔

"وہ تو دھیان سے ہی آؤں گی لیکن بتائیں تو سہی کیا وجہ تھی اس طرح غصہ کرنا بغیر کسی وجہ کے تو نہیں ہوتا۔" وہ پریشان ہورہی تھی۔

"ڈونٹ وری یار! کہہ تو رہا ہوں گھر آؤ گی تو بات ہوگی ورنہ سارا وقت تم پریشان رہو گی اور ہاں میں بار بار تاکید کررہا ہوں' ایاز باہر آچکا ہے اور اس سے مجھے کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہیں' وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کرسکتا ہے۔ تمہیں بہت احتیاط اور دھیان سے رہنا ہوگا اور مجھے بتائے بغیر کہیں نہیں جانا' چاہے ڈرائیور ہی ساتھ کیوں نہ ہو بالکل سیدھا گھر آنا۔"

''گھر تو میں آؤں گی ہی لیکن......''
''او کے پھر بات ہوگی۔'' مصطفیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔
''اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ شام میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا' او کے۔''
''جی ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے اللہ حافظ کہہ کر کال بند کردی تھی۔ مصطفیٰ نے واٹس اپ کھولا ادھر وہی تصویر موجود تھی اس نے بہت سنجیدگی سے اس تصویر کو دیکھا اور اس تصویر کے ساتھ لکھی ہوئی سطر کو۔
چہرے کے عضلات تناؤ کا شکار ہوئے تھے' چند پل اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے موبائل بند کرتے سائیڈ پر رکھ دیا تھا' وہ الماری کی طرف آیا پٹ کھولے لباس نکالتے ہوئے اس کی نگاہ سائیڈ دراز کی طرف اٹھی وہاں کچھ فائلز رکھی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ کو ایک دم یاد آیا کہ امجد خان سے اس نے ایک فائل لی تھی ''لالہ رخ'' کیس کی فائل لیکن بعد میں حالات اس طرح رہے کہ اسے بالکل بھی وقت نہیں ملا تھا اس فائل کو اسٹڈی کرنے یا کھول کر دیکھنے کا۔
مصطفیٰ لباس نکال کر بستر پر رکھتے سنجیدگی سے تمام فائلز دیکھنے لگا تھا' اسے وہ مطلوبہ فائل لاکر میں سے ملی تھی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بے ترتیبی سے رکھا ہوا لفافہ نیچے گر گیا تھا۔ مصطفیٰ نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔ فائل اور لفافہ اٹھا کر وہ الماری کا پٹ بند کرتے بستر کے کنارے آ بیٹھا تھا۔ فائل بستر پر رکھ کر اس نے لفافے میں سے کچھ تصاویر نکالی تھیں جنہیں ایک کے بعد ایک دیکھتے ایک تصویر پر مصطفیٰ چونک گیا تھا۔

❁......❁......❁

سکندر گھر آیا تو حاجرہ اور سبحان کے شدید ایکسیڈنٹ کی خبر منتظر تھی۔ وہ دونوں اپنے کسی دوست کے ہاں مدعو تھے' آج کل وہ سکندر کے لیے کوئی لڑکی دیکھ رہے تھے اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی اپنے دوست کے ہاں گئے تھے جن کی دو بچیاں تھیں اور دونوں ہی کافی پیاری اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں لیکن واپسی پر یہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ کوئی گاڑی ان کو ٹکر مار کر بھاگ گئی تھی' مقامی لوگوں اور پولیس نے دونوں کو ہسپتال پہنچایا تھا اور پھر گھر والوں کو اطلاع دی تھی۔ سکندر ہسپتال پہنچا تو سبحان کے کافی رشتہ دار وہاں موجود تھے ان سب نے سکندر کی آمد کو کافی ناگواری سے دیکھا تھا تاہم کہا کچھ نہیں تھا۔
دونوں کو کافی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ سکندر ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے ڈاکٹرز سے ملنے اور اصل صورت حال جاننے کی تگ و دو میں تھا جب ڈاکٹر نے آ کر حاجرہ اور سبحان دونوں کی وفات کی اطلاع دی تو سکندر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ وہ بے یقین تھا دونوں کیسے اسے یوں اس طرح چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ وہ رات سکندر کی زندگی کی سب سے المناک رات تھی' ڈیڈ باڈیز گھر پہنچادی گئی تھیں جہاں حاجرہ اور سبحان کے تمام رشتہ دار آ چکے تھے سکندر اپنے ہی صدمے سے نڈھال تھا' کون کیا کہہ رہا ہے کیا کر رہا ہے کچھ خبر نہ تھی۔
اگلے دن دونوں کی تدفین ہو گئی تھی' افشاں کو اطلاع ملی تو وہ بھی آئی تھی۔ سکندر کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا' وہ اس کی تسلی و تشفی کرتے سب کچھ جھیل جانے کی نصیحت کرتی رہی تھی۔
وقار ضیاء اور صبوحی بھی تعزیت کو آئے تھے' چند دن اسی غم کی حالت میں گزرے تو ایک شام اس کو بڑوں نے بلا بھیجا وہ جب ان کے کمرے میں پہنچا تو وہاں خاندان کے سب ہی بڑے موجود تھے۔
''دیکھو لڑکے تمہارا ہم سے کوئی بھی خونی رشتہ یا تعلق نہیں' تمہیں حاجرہ بھابی اور سبحان بھائی نے اپنا متبنیٰ بنایا تھا وہ لوگ اب مر گئے ہیں اصولاً تو تمہیں ہمارے کہنے سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن اگر کسی بھی قسم کی بھول میں ہو تو ہم واضح کر دیتے ہیں تمہارا بھابی اور بھائی صاحب کی جائیداد روپے پیسے پر کسی بھی قسم کا کوئی حق نہیں۔'' اس کے

کچھ پھول چنے ہیں

❖ رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنے آبگینے' ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گئے پھر ان پر فخر کیا مان کیسا؟

❖ اسے دیکھو جو تمہاری طرف دیکھتا ہے۔ اس کی سنو جو تمہاری سنتا ہے۔ اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اور اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے۔

❖ محبت اور نفرت دونوں اگر حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں اور جنون کسی بھی چیز کا ہو اچھا نہیں ہوتا۔

❖ انا اور خودداری بہت اچھی چیزیں ہیں لیکن بے جا انا اکثر آپ کو تنہا بھی کر دیتی ہے۔

سمیرا نمرہ آمنہ...... کھرڑیانوالہ

چچا نے کہا تو اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ابھی سبحان اور حاجرہ کو مرے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور یہ لوگ نجانے کیسی باتیں لے بیٹھے تھے۔

''اگر تم نے کسی بھی قسم کا کوئی حق جتانے کی کوشش کی تو ہم تم پر کیس کر دیں گے۔ جب اصل وارث ہی نہ ہو تو مرنے والوں کی دولت جائیداد پر اس کے خونی رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے اور شریعت کے حساب سے یہ ساری دولت' یہ گھر' ان کی جائیداد سب کچھ ہمارا ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کا اس پر حق ہے' تم لے پالک تھے اور لے پالک جائیداد کے وارث نہیں بن سکتے۔'' کتنی تلخ حقیقت تھی۔ سکندر نے بے یقینی سے ان سب کو دیکھا' کتنے بے حس اور بے رحم تھے یہ لوگ' انہیں مرجانے والوں سے زیادہ اس پیچھے رہ جانے والی دولت جائیداد سے غرض تھی۔

سبحان احمد نے بہت پیسہ کمایا تھا اور پاکستان میں موجود کافی پراپرٹی تھی ان کی' پاکستان سے باہر امریکہ میں بھی ایک چھوٹا سا گھر اور کچھ دکانیں انہوں نے سکندر کے نام پر لکھوا دی تھیں انہیں شاید اپنے رشتہ داروں کے رویوں اور فطرت کا اندازہ تھا۔ وہ جب تک زندہ تھے کسی کی مجال نہ تھی اسے دستبردار کرنے کی اور اب جب وہ نہیں رہے تھے تبھی حق دار اور وارث بن بیٹھے تھے۔

''بہتری یہی ہے کہ تم خاموشی سے صلح اور صفائی کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ' بھائی صاحب کی تمام پراپرٹی کی تفصیل اور کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں اگر تم نے آواز نکالی تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔'' انداز اب دھمکاتا ہوا تھا۔

سکندر نے بہت اذیت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھا تھا۔ وہ تو رشتوں کا ڈسا ہوا تھا محبت اور توجہ کا پیاسا انسان تھا' اسے بھلا اس دولت' اس حقیر اور بے مایہ سی جائیداد سے بھلا کیا غرض ہو سکتی تھی جس سے اس کا تعلق تھا وہ تو مر گئے تھے اب بھلا اس کا ان سے کیا تعلق تھا۔

وہ بغیر کچھ بولے خاموشی سے اٹھا تھا' پاکستان آنے کے بعد سبحان احمد نے اسے امریکہ میں موجود تمام پراپرٹی کے کچھ پیپرز دیئے تھے وہ ابھی بھی اس کے پاس لاکرز میں موجود تھے۔ اس نے وہ کاغذات نکالے اور کچھ ضروری اشیاء کپڑے اور اپنے ڈاکومنٹس لیے وہ ہمیشہ کے لیے وہ گھر چھوڑ گیا تھا' کبھی نہ آنے کے لیے۔

❀......❀......❀
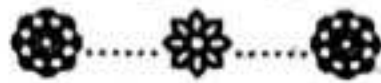
جب سے ولید کو ہوش آیا تھا سبھی اس کے پاس آ جا رہے تھے اور ایک وہ تھی جو رو رو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگ

رہی تھی اسے یوں زندہ ہوش و حواس میں پا کر جیسے ایک دم شانت سی ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنی ذات کے گنبد میں بند ہوگئی تھی۔ وہ ولید سے نہیں ملی تھی بس ایک دو بار اس کے سونے کے بعد دور سے ہی اسے دیکھ کر واپس لوٹ آئی تھی۔

احسن کے کہنے پر وہ روشی کے ساتھ گھر آ گئی تھی' وہ تھوڑی دیر لیٹی تو بہت دنوں بعد ایک پرسکون سی نیند نے آنکھوں میں ڈیرہ جمالیا' وہ دو گھنٹے سوئی رہی تھی۔ وہ اٹھی تو طبیعت کچھ فریش تھی' وہ لاؤنج میں آئی تو ضیاء صاحب اور وقار صاحب بھی گھر آ چکے تھے۔ اس وقت ہسپتال میں صرف احسن تھا روشی کھانا تیار کروا رہی تھی۔ کھانا تیار ہوا تو وقار صاحب جانے کو تیار تھے۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' بہت دن بعد اس نے براہ راست وقار صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

انہوں نے بغور دیکھا اور پھر ہاں میں سر ہلا کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ عجلت میں کپڑے بدل کر آئی تو ان کے ساتھ آ بیٹھی' ڈرائیور ان کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ سارا راستہ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی رہی تھی' وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو وہ نرس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اب کافی بہتر تھیں اب وہ خود سے چل کر واش روم میں جا سکتی تھیں' اس نے ان کو کھانا کھلایا' وقار صاحب کچھ دیر بیٹھ کر ولید کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد صبوحی کو میڈیسن دیں' نیند آور گولی کے سبب وہ کچھ دیر بعد غافل ہوگئی تھیں۔ کچھ دیر بعد احسن اس کے پاس آیا تھا۔

''تم اور پاپا یہیں موجود ہو تو میں کچھ دیر کے لیے آفس کا چکر لگا لوں' اتنے دنوں سے ہر چیز نظر انداز ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے ولید اور ماما اب کافی بہتر ہیں' تم اور پاپا کچھ وقت یہیں گزار لینا پھر میں آ گیا تو تم چلی جانا۔'' انا نے محض سر ہلایا تھا' وہ اسے چند اور تاکید کرتا چلا گیا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور پھر کمرے سے نکل کر وہ ولید کے روم کی طرف آئی تو ایک دو پل کو دروازے پر ہی رکی رہی تھی۔ اندر جھانکا تو وقار صاحب وہاں نہیں تھے جبکہ ولید چت لیٹا شاید سو رہا تھا' بائیں بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے چند پل کھڑی رہی پھر اندر آئی تو نرس کھڑی ہوگئی تھی۔

''پاپا کہاں ہیں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''آپ کے فادر نماز کا کہہ کر باہر گئے ہیں۔'' عصر کی نماز کا وقت تھا اس حادثے نے بھی پر اچھا خاصا اثر ڈالا تھا بھی باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگے تھے۔

''یہ کیسے ہیں اب؟'' اس نے چت لیٹے ولید کو ایک نظر دیکھ کر نرس سے پوچھا۔

''بہتر ہیں اب تو' آپ کے فادر بتا رہے تھے کہ آپ بھی ڈاکٹر بن رہی ہیں' فورتھ ائیر میں ہیں۔'' نرس نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان کی فائل چیک کر لیں پھر۔'' اس نے فائل اٹھا کر اسے تھمائی تو وہ دیکھنے لگی تھی۔

''آپ یہاں رکیں گی۔'' اسے فائل چیک کرتے دیکھ کر نرس نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیوں؟''

''مجھے ایک بہت ہی ضروری کال کرنی ہے' کچھ وقت لگ جائے گا۔'' نرس نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

''او کے آپ چلی جائیں میں یہیں ہوں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی' نرس چلی گئی تھی۔ وہ تفصیل سے ولید کی فائل اور رپورٹس چیک کرنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وقار دروازے پر آئے تو رک گئے تھے۔ انا مکمل توجہ سے فائل دیکھ رہی تھی جبکہ ولید ابھی بھی بے خبر تھا۔

وقار کے حلق سے ایک گہرا سانس خارج ہوا تھا وہ واپس پلٹ کر صبوحی کے کمرے کی طرف چل دیئے تھے۔ ساری

غزل

اجڑے ہوئے پڑپہ کے آثار کی طرح
زندہ ہیں لوگ وقت کی رفتار کی طرح
کیا رہنا ایسے شہر میں مجبوریوں کے ساتھ
بکتے ہیں لوگ شام کے اخبار کی طرح
بچوں کا رزق موت کے جوئے میں رکھ دیا
سرکس میں کودتے ہوئے فنکار کی طرح
وعدے ضرورتوں کی نذر کردیے گئے
رشتے ہیں سارے ریت کی دیوار کی طرح
محسن میرے وجود کو سنگسار کرتے وقت
شامل تھا سارا شہر اک تہوار کی طرح

اقرا اکبر آمنہ نثار...... سانگلہ ہل

فائل چیک کرنے کے بعد فائل ٹیبل پر رکھ کر میڈیسن چیک کرنے لگی تھی جب ولید کے جسم میں جنبش سی ہوئی تھی وہ چونکی۔ اس نے ولید کو دیکھا اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن ہاتھ میں لگی ڈرپ کی وجہ سے وہ پھر ساکت ہوگیا تھا۔ انا نے ہاتھ میں تھامی ہوئی دوائیوں کی شیشی واپس ٹیبل پر رکھی تو ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ انا اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

''کیسے...... کیسے ہیں آپ؟'' ولید کے چہرے پر ایک دم بے پناہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ بدلا تو انا کے اندر ایک دم چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا' وہ انگلیاں چٹخاتے وہیں کھڑی رہی۔

''آپ کیسا فیل کررہے ہیں اب؟'' اس نے پھر پوچھا تو ولید نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

انا ولید کے دیکھنے پر سر جھکا گئی' ولید خاموشی سے چند پل اسے دیکھتا رہا۔ وہ انگلیاں چٹخاتے کنفیوژ سی حالت میں بیٹھی بڑی زرد سی لگ رہی تھی۔

''تمہیں شاید مجھے اس حالت میں دیکھ کر اور زندہ دیکھ کر تکلیف تو ہورہی ہوگی۔'' انا ایک دم تڑپ اٹھی تھی۔

''میں اتنی بے رحم اور ظالم نہیں کہ کسی کے اس حالت میں پہنچ جانے پر خوشی محسوس کروں۔'' انا کا لہجہ ایک دم شاکی ہوا تھا۔

ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تو اذیت سے بھری مسکان بس ہونٹوں پر ہی ایک پل کو اپنی جھلک دکھا سکی تھی۔

''میں ماضی کو نہیں بھولا ابھی تک' ماضی قریب میں ہمارے درمیان ایسے حالات بالکل نہیں رہے کہ تم اس وقت یہاں بیٹھ کر میری عیادت کرنے پر مجبور ہوجاؤ۔'' ولید کے لہجے میں اب کے تلخی تھی۔

''انسانیت بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے شاید۔'' انا ولید کے طنز پر ایک دم گھائل ہوتے بہت اذیت سے کہہ گئی تو ولید مسکرایا تھا۔

''شاید...... بہرحال آئندہ میں نہیں چاہوں گا تم انتہائی مجبوری کی حالت میں میری عیادت کی خاطر انسانیت کا نام لے کر اخلاقی تقاضے نبھانے آؤ۔'' ولید کے لہجے میں تندی و تیزی تھی۔ انا کا تن من جھلسنے لگا تھا' اس کے اندر ایک دم

شدید ضیاع کا ملال جاگا تھا۔
ولید سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ خود بھی تو سب کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت کا بیج بو رہی تھی' سب کو خود سے بدظن کر رہی تھی اور اب جبکہ یہ سب حقیقتاً ہو رہا تھا تو بھلا اسے کیوں تکلیف ہو رہی تھی جو بو رہی تھی اب وہی مل رہا تھا تو پھر یہ اذیت کیسی...... اتنی تکلیف کیوں؟ وہ خاموشی سے اٹھی' دل چاہ رہا تھا کہ بس فوراً یہاں سے چلی جائے۔
''سنو......'' وہ پلٹی تو ولید کی پکار پر رک کر پلٹی۔
''پھوپو کیسی ہیں؟'' ابھی تک کسی نے بھی ولید سے صبوحی کی حالت کے بارے میں ڈسکس نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو ہی ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا' سب کا ہی خیال تھا کہ کچھ دن گزر جائیں تو خود ہی علم ہو جائے گا۔
''ماما ٹھیک ہیں۔''
''جھوٹ...... سب جھوٹ بول کر بہلا رہے ہیں مجھے' کہاں ہیں پھوپو۔ کوئی مجھے سچ بتا کیوں نہیں دیتا' کار ایکسیڈنٹ کے وقت وہ میرے ساتھ تھیں' میں نے خود ان کو زخمی ہوتے دیکھا تھا۔'' ولید نے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ماما ٹھیک ہیں' انہیں کچھ چوٹیں لگی ہیں' کچھ فریکچر وغیرہ ہے لیکن اللہ کا شکر ہے سیریس قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا' وہ اس ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں ایک دو دن میں انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' آہستگی اور سنجیدگی لیے اس نے بتایا تو ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا' ولید کو حادثے کے وقت کی اپنی ذہنی کنڈیشن یاد آئی' وہ سخت ڈپریس تھا۔
''کیوں؟'' وہ سب کچھ جو اس حادثے کا سبب بنا تھا وہ یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے بہت تلخی اور سرد مہری سے ان کو دیکھا تھا۔
جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر دے' انا کے وجود سمیت سب کچھ توڑ پھوڑ دے۔ انا نے اس کی طرف دیکھا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ ولید بہت تلخی اور سرد مہری سے اسے دیکھ رہا تھا' انا کے وجود کے اندر ایک دم سرد سی کیفیت پیدا ہوئی تھی تب ہی نرس کمرے میں داخل ہوئی تھی' دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔
''کیسے ہیں سر آپ؟'' نرس کا لب و لہجہ پیشہ وارانہ انداز تھا۔ ولید نے محض سر ہلا کر اپنے تاثرات کو کنٹرول کرنا چاہا تھا۔
''کچھ لیں گے؟'' ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
''ویسے سر آپ ہیں بہت لکی۔'' اس نے کہا تو ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔
''دیکھیں نا اس قدر سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی جس طرح مسلسل بے ہوشی کی کیفیت تھی لگتا تھا کہ کومہ میں چلے جائیں گے لیکن آپ کے گھر والوں کی دعاؤں نے آپ کو بچا لیا۔ موت کو شکست دے کر دوبارہ زندگی پانا خوش قسمتی کی علامت ہی تو ہے۔''
''ہاں اللہ کا شکر ہے اللہ نے چند ایک کے علاوہ باقی مجھے بھی بہت پُرخلوص رشتوں سے نوازا ہے۔'' ولید نے انا کو تلخی سے دیکھ کر کہا تو نرس مسکرائی تھی۔
''یہ آپ کی فیانسی ہیں نا؟'' نرس نے انا کو شرارت سے دیکھ کر ولید سے کہا تو دونوں چونکے۔
''آپ کو کس نے کہا؟''
''آپ کی سسٹر نے' جب آپ آئی سی یو میں تھے تو......'' وہ نجانے کیا کہنے والی تھی' انا فوراً آگے بڑھی تھی۔
''روشی نے آپ کو غلط بتایا ہوگا سسٹر! میرا اور ان کا صرف کزن ریلیشن ہے' میں چلتی ہوں ماما کو دیکھوں وہ شاید اٹھ

گئی ہوں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی' ولید نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔
''حیرت ہے لیکن آپ کی سسٹر نے تو مجھے بتایا تھا کہ یہ آپ کی فیانسی ہیں۔'' سسٹر نے ولید کو دیکھا جیسے تصدیق چاہ رہی ہو۔ ولید خاموش ہی رہا تھا۔
''یقین جانیے پہلے تو میں بھی سمجھی کہ یہ آپ کی وائف ہیں' جس طرح آپ آئی سی یو میں تھے یہ ہر وقت روتی رہتی تھیں' ان کی کنڈیشن اس قدر خراب تھی کہ مجھے ان پر بہت ترس آتا تھا اور وہ مصطفیٰ صاحب خود ان کو آپ کے پاس آئی سی یو میں لے آئے تھے۔ کتنی کتنی دیر آپ کے پاس بیٹھ کر میں نے اپنی آنکھوں سے روتے دیکھا ہے' میں بہت متاثر ہوئی تھی آپ کی سسٹر سے پوچھا کہ کیا آپ کی وائف ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نہیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔'' نرس بتا رہی تھی اور ولید سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ وہ جب سے ہوش میں تھا اس وقت پہلی بار انا کو دیکھ رہا تھا جبکہ جو نرس بتا رہی تھی وہ قطعی قابل قبول نہ لگ رہا تھا۔
''یہ ٹھیک کہہ رہی تھیں' ہم صرف کزنز ہیں' ہماری منگنی نہیں ہوئی۔'' ولید نے کہا تو نرس حیران ہوئی۔
''تو پھر آپ کی سسٹر نے غلط بیانی کیوں کی؟''
''پلیز سسٹر میرے سر میں درد ہو رہا ہے' میں سونا چاہتا ہوں۔'' ولید نے اکتا کر کہا تو نرس ایک دم خاموش ہوگئی۔

❁.......❁.......❁

سکندر ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رہ رہا تھا' اس کے پاس بس کچھ مخصوص رقم تھی باقی سب کچھ جو بھی تھا اس سب پر سبحان صاحب کے رشتہ دار قبضہ کرچکے تھے۔ سکندر کے پاس اپنا پاسپورٹ تو موجود تھا لیکن اتنی رقم نہ تھی کہ وہ واپس امریکہ جانے کے انتظامات کرتا۔ وہ چند دن ہوٹل میں رہا لیکن اس طرح مزید کچھ عرصہ رہتا تو اس کے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ بھی ختم ہوجاتی تھی۔ سکندر کے سامنے زندگی ایک چیلنج بن کر آ کھڑی ہوئی تھی اور اس چیلنج کو قبول کیے بنا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس شہر میں بس نام کے رشتوں کے سوا اس کا کوئی بھی اپنا نہ تھا۔ وہ بہت سوچ کر افشاں کی طرف آیا تھا' افشاں اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''تم کہاں تھے سکندر؟ تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' میں کئی بار تمہارے گھر گئی ہوں' وہاں تمہارے رشتہ داروں نے قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہر بار بس یہی کہتے تھے کہ تم اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد یہاں سے چلے گئے ہو۔'' سکندر نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس نے تمام تفصیل افشاں کو سنائی تو وہ افسردہ ہوگئی تھی۔

''بہت خود غرض اور مطلبی لوگ ہیں یہ تو' کوئی ایسے بھی بھلا کرتا ہے کیا' تم کیوں وہاں سے نکل آئے خاموشی سے انکل نے تمہیں اڈاپٹ کیا تھا' تم قانونی طور پر ان کے بیٹے ہو' ان کے وارث' تمہیں یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''میں ان کا حقیقی بیٹا نہیں ہوں اور یہ سب سے بڑی حقیقت ہے' وہی لوگ ان کے اصل حق دار تھے میں تو لے پالک تھا کیسے حق دار بن کر دعویٰ کرتا۔ میرے اوپر امی ابو کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے ایک نام دیا' پالا پوسا' پڑھایا لکھایا' بڑا کیا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا' مجھے تو میرا باپ جو حقیقی تھا جنم دینے کا سبب بنا تھا اس نے قبول نہ کیا دوسروں کی جھولی میں یوں ڈال دیا جیسے کوئی گناہ چھپایا ہے تو پھر میں کیسا دعویٰ کرتا۔'' سکندر کے الفاظ بہت تلخ اور کڑوے تھے' افشاں از حد افسردہ سی ہوگئی تھی۔

''تو اب کیا کرو گے؟'' افشاں نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں اپنی زندگی خود بناؤں گا' اب ہر احساس' ہر رشتے اور ہر چیز سے بالاتر ہو کر۔'' سکندر نے ایک عزم سے کہا تو افشاں مسکرا دی۔

''اور تمہاری وہ امریکہ والی جو پراپرٹی ہے اس کا کیا کرو گے؟''

''وہ گھر تو بند ہے اور دکانیں بابا نے کچھ لوگوں کے سپرد کی ہیں' واپس جانے میں بہت پیسہ چاہیے اور ابھی فی الحال میں دونوں ہاتھوں سے خالی ہوں۔''

''تو......؟'' افشاں نے سوالیہ دیکھا۔

''تو یہ کہ میں پاکستان میں ہی جاب کرنا چاہتا ہوں' کچھ پیسہ جمع کرلوں پھر باہر کا چکر لگالوں گا۔''

''اچھا خیال ہے' لیکن میں ایک بات کہوں؟'' افشاں نے رک کر اسے دیکھا سکندر نے سر ہلایا تو اس نے کچھ سوچا تھا۔

''جب تم خود سے کسی مناسب رہائش کا بندوبست نہیں کر لیتے تم یہیں ہمارے گھر آجاؤ' اوپر والا پورشن خالی ہے وہاں شفٹ ہو جاؤ۔ ہوٹل میں رہنے سے بہت خرچ آجائے گا' تمہارے شایان شان تو نہ سہی لیکن رہنے کے قابل گھر تو یہ بھی بن سکتا ہے' کھانا پینا بھی یہیں سے کرلیا کرو۔'' افشاں کے الفاظ پر اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟''

''ممکن تو سب کچھ ہے اگر چاہو تو۔'' سکندر نے کچھ کہنا چاہا تو افشاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

''دیکھو اس میں ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے' میں نے خالہ بی کو ساتھ رکھا ہوا ہے ان کا بیٹا ابھی بہت چھوٹا ہے۔ مجھے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' ایسے میں ایک مرد کی ضرورت رہتی ہے۔ تم ہمارے گھر رہنا' کھانا پینا سب کچھ ہوگا بس' ہمیں بھی تمہاری ذات سے ایک تحفظ کا احساس رہے گا۔''

''میں مرد ہوں میں کہیں بھی رہ کر اپنا گزارا کرسکتا ہوں بس تم لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔''

''ہمیں کوئی پریشانی نہیں بس تم آج ہی ہوٹل سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں شفٹ ہو جاؤ۔'' افشاں کا انداز حتمی تھا۔ سکندر نے بھی اس کی بات مان لی تھی۔

وہ اس دن افشاں کے ہاں شفٹ ہوگیا تھا' اوپر والے حصے میں بنے ہوئے کمرے میں سے ایک کمرے کو افشاں نے اس کے رہنے کے قابل بنا کر سیٹ کردیا تھا۔

افشاں شہر کے ایک اچھے کالج میں پڑھاتی تھی' وہ ایک خودمختار اور سیلف میڈ لڑکی تھی۔ اس نے سکندر سے پوچھ کر اپنے کالج میں بات کرلی تھی اور اس طرح چند دن بعد سکندر بھی اسی کالج میں پڑھانے لگا تھا۔

اسے یہ شعبہ مشکل لگا تھا لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے کہیں نہ کہیں سے تو زندگی کی شروعات کرنا ہی تھیں۔ اس طرح سکندر کی زندگی کا ایک نیا موڑ شروع ہوگیا تھا جب ہی اس کی زندگی میں لالہ رخ نام کی لڑکی اچانک ہی چلی آئی تھی۔

❁......❁......❁
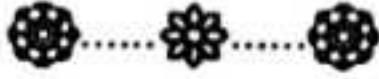
وہ لوگ ابوبکر کے نکاح کے لیے تیار ہورہے تھے' سب ہی مصروف تھے۔ فیضان اوپر آئے تو ابوبکر لباس ہاتھ میں پکڑے بستر کے کنارے بیٹھا ہوا تھا چہرے پر گہری سوچ کا عکس تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ مسکرایا' اس کی سوچ کا جمود ٹوٹ گیا تھا۔

''نیچے سبھی تیار ہوچکے ہیں' تم بھی تیار ہوجاؤ۔ کافی دیر ہورہی ہے ہادیہ کے والد کے دو فون آچکے ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ابوبکر سر ہلا کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''سنو بیٹا!'' ابوبکر نے رک کر فیضان صاحب کو دیکھا۔

''جی۔''

''تم نے اپنے والدین کے متعلق جتنا بتایا ہم نے مان لیا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا تمہارے والدین بھی تمہارے نکاح میں شامل ہوجاتے۔ یہی موقعے ہوتے ہیں اپنوں سے ملنے کے۔'' انہوں نے سبھاؤ سے کہا تو ابوبکر ہلکا سا مسکرایا۔

''جی میں نے سوچا تھا کہ دل سے تمام عداوتیں مٹا کر پہل کرلوں' آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ میری والدہ نہیں ہیں اور سوتیلی والدہ سے کبھی بنی ہی نہ تھی۔ والد صاحب اپنے گھر اور باقی لوگوں کو چھوڑے عرصہ بیت چکا ہے لیکن میں کچھ دن پہلے جب ابھی ہادیہ سے نکاح کی کوئی بات طے نہ تھی سوچا تھا کہ اپنے والد صاحب کو بھی شادی کا کارڈ دے آؤں' میں وہاں گیا تھا تو علم ہوا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی ہیں۔''

''اوہ...... تم پھر چلے جاتے شاید وہ اب تک آچکے ہوتے۔'' فیضان صاحب کو افسوس ہوا تھا۔

''جی ارادہ تو یہی تھا اس بار میں ان کے گھر گیا تھا' وہاں لاک تھا' شاید وہ لوگ ابھی تک آؤٹ آف سٹی ہیں۔'' ابوبکر نے رسان سے سب بتایا تو فیضان صاحب نے سر ہلادیا۔

''او کے کوئی بات نہیں تم تیار ہوجاؤ' نیچے سب ریڈی ہیں پھر ہادیہ کی طرف چلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کندھا تھپتھپا کر واپس آگئے تھے۔

وہ واپس آئے تو ایک کمرے سے سجی سنوری خوب صورت لباس زیب تن کیے رابعہ نکل کر آئی تھی' انہوں نے رک کر اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی بھی ملال ورنج نہ تھا بلکہ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی' کان سے موبائل لگا رکھا تھا۔

''ہاں ہاں' تم بس اچھی طرح تیار ہوکر بیٹھو ہم آرہے ہیں۔'' نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"ہم تو دوستی کے لیے جان بھی قربان کردینے کے قائل ہیں یہ ابوبکر کیا چیز ہے۔" فیضان صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی تھی۔

"اوکے.....اوکے بابا! میں ذرا تمہارے ابوبکر صاحب کو بھی دیکھ لوں کہاں تک پہنچی ان کی تیاری، تم ٹینشن نہ لو ہم وقت پر ہی آئیں گے۔" وہ ہنس کر کہتے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"رابعہ....." رابعہ فیضان کی آواز پر ایک دم رکی تھی۔

"جی ماموں۔" وہ تیزی سے ان کے پاس آ ٹھہری، موبائل ابھی بھی کان سے لگا ہوا تھا۔

"میں ذرا تم سے بعد میں بات کرتی ہوں، اوکے اللہ حافظ۔" اس نے کال ڈسکنیکٹ کی، فیضان نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے میں انہیں کوئی تشبیہ دکھائی دی تو ان کے دل میں غبار سا بھرنے لگا، انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ماشاء اللہ۔" ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"خوش ہونا؟" انہوں نے پوچھا تو رابعہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے ایک دم وارفتگی سے اسے بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا لیا۔

زندگی میں وہ بہت کم جذباتی ہوئے تھے لیکن اس پل نجانے کیا ہوا تھا کہ خود پر سے اختیار اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا تو رابعہ خائف ہوگئی تھی۔

"ماموں۔" اس کے لیے فیضان صاحب کا یہ پُرجوش انداز حیران کن تھا۔ ادھر سے اُدھر مصروف ثریا بیگم یہ منظر دیکھ کر ایک دم ٹھٹکی تھیں، وہ فوراً قریب آئی انہوں نے دیکھا فیضان کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ ہمیشہ خود کو ہر حال میں کمپوز رکھنے والا مرد اس وقت عجیب سی شکستگی سے دوچار لگ رہا تھا۔

"فیضان....." انہوں نے پکارا تو رابعہ کو والہانہ انداز میں خود سے لگائے فیضان صاحب چونکے تھے۔ ثریا بیگم کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ وہ لب دانتوں تلے بھینچ کر رابعہ کو بازو کے حصار سے نکال کر وہاں سے تیزی سے نکل گئے تھے رابعہ نے حیرت سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

"امی یہ ماموں کو کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"آں..... پتا نہیں..... تم یہاں کیوں کھڑی ہو، ساری تیاری مکمل ہوگئی کیا۔" صاف لگ رہا تھا کہ انہوں نے بات پلٹنے کی کوشش کی ہے، رابعہ نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔

"جی..... سب ہی کچھ مکمل ہے۔" رابعہ کو ابھی بھی اپنی پیشانی پر عجیب سے لمس کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پیشانی کو انگلیوں سے چھوتے عجیب غائب الدماغی کیفیت میں وہاں سے پلٹی تھی۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ اوپر ابوبکر کو دیکھنے جارہی تھی وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہاں بھابی گڑیا کو تیار کررہی تھیں، اس کا موبائل پھر بجنے لگا تو وہ اپنے ذہن کو جھٹکتے موبائل کی طرف متوجہ ہوئی تھی، سر عباس کی کال تھی۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام، کیسی ہیں رابعہ؟" عباس نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

"میں آپ کی طرف آ جاؤں یا پھر سیدھا ہادیہ کی طرف چلا جاؤں۔" عباس نے پوچھا۔

"آپ واقعی آ رہے ہیں سر؟" اس نے عباس کی بات سن کر بے یقینی سے پوچھا۔

"تو کیا مطلب ہے میں کوئی مذاق کررہا ہوں؟"

"نہیں.......نہیں....... میں یہ تو نہیں کہہ رہی' آپ کو جیسا مناسب لگے کرلیں' ہماری طرف آنا ہے تو آجائیں ورنہ ہادیہ کی طرف چلے جائیں۔"

"آپ نے تو انوائٹ ہی نہیں کیا' کیا جاتا ہے اگر بندہ صلح ہی مارلے تو۔" دوسری طرف عباس واقعی چونچالی کے موڈ میں تھا۔

"ایسی بات نہیں سر! یہ تو ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہے' ہم کون سا بارات لے کر جارہے ہیں بس نکاح ہی کررہے ہیں۔ ویسے بھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ ہادیہ کی طرف سے شامل ہوجائیں گے تو میں نے بھی انوائٹ نہ کیا۔"

"وہ تو میں نے آپ سے ملنا تھا سو ہادیہ کی طرف سے شامل ہونے کا کہہ دیا تھا۔" عباس نے کہا تو وہ ایک دم گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"اوکے سر! آپ ایسا کریں ہماری طرف ہی آجائیں' آپ میری طرف سے انوائٹڈ ہیں' ہم آپ کا انتظار کرلیتے ہیں۔" رابعہ نے عجلت میں کہا' باہر سے اس کے نام کی آوازیں پڑرہی تھیں' اس نے جلدی جلدی بات سمیٹنا چاہی تھی۔

"اوکے میں رستے میں ہی ہوں' کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔" عباس نے کہا تو رابعہ نے چند ایک مزید رسمی باتوں کے بعد کال بند کردی تھی۔

"کس کی کال تھی؟" بھابی گڑیا کو تیار کرچکی تھیں' باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے پوچھا۔

"سر عباس کی تھی' وہ ہادیہ کی طرف سے انوائٹڈ تھے' میں نے انوائٹ نہیں کیا تو شکوہ کررہے تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم نے اپنی شادی کا کارڈ تو بھجوایا تھا نا پھر کیسا شکوہ؟"

"لیکن یہ تو ہادیہ اور ابوبکر کے نکاح کا انویٹیشن تھا' اپنی شادی سے متعلق تو سب بتا کر میں نے آنے سے ایکسکیوز کردیا تھا۔"

"او......اچھا دیسے خوش ہونا؟" بھابی نے پوچھا تو وہ مسکرائی تھی۔

"سو فیصد بھابی!"

"سدا خوش رہو یونہی مسکراتی ہنستی۔" وہ اس کا گال تھپک کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔

رابعہ نے مسکرا کر ان کو جاتے دیکھا اور پھر خود بھی باہر نکل آئی تھی جہاں ثریا بیگم کسی کام کی وجہ سے اسے پکار رہی تھیں۔

❁.......❁.......❁
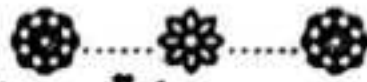
شہوار کالج سے آنے کے بعد مسلسل سراپا انتظار بنی ہوئی تھی' مصطفیٰ آفس جاچکا تھا۔ شام کا وقت ہوا تو وہ نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی تھی' لائبہ تو آج کل ریسٹ پر تھی۔ اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جارہے تھے ماں جی اسے مکمل طور پر آرام کروارہی تھیں۔ اس نے ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانا پکوایا' سات بجے کے بعد سبھی نے گھر آنا شروع کردیا تھا' عباس کہیں انوائٹڈ تھا وہ تو جاچکا تھا۔ اس وقت سوائے مصطفیٰ کے باقی سبھی افراد گھر پر موجود تھے۔ وہ ملازمہ کو ہدایت دیتی باہر آئی تو راہداری سے گزرتے ٹھٹک گئی۔ راہداری کے دوسری طرف دریہ تھی جو کسی سے مخاطب تھی۔

"پلیز ڈونٹ وری' کہا نا جیسے ہی موقع ملا میں لے کر آجاؤں گی۔"

''اُف تم کیوں نہیں سمجھ رہے اس وقت ممکن نہیں۔'' نجانے کس کی بات ہو رہی تھی۔
''وہ آج گھر آ گیا تھا وہ کسی بھی وقت گھر آ سکتا ہے آج تو کسی بھی طرح ممکن نہیں' دیکھو میں کچھ سوچتی ہوں اور پھر کسی دن موقع دیکھتے ہی کرلوں گی' پلیز ڈونٹ بی سلی' صبر سے جو کام ہو وہ زیادہ اچھا اور فائدہ مند ہوتا ہے۔''
''اوے' ڈونٹ وری' آئی ایگری ود یو او کے' سی یو بائے۔'' آواز بند ہو گئی تھی۔ شہوار الجھ گئی تھی وہ فوراً آگے بڑھ تھی کچھ دور جا کر وہ پھر رک تھی۔ دریہ بڑے محتاط انداز میں چلتی ہوئی واپس کمرے میں گئی تھی۔ شہوار الجھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔
مصطفیٰ کسی بھی وقت گھر آ سکتا تھا۔ وہ الماری کھول کر لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

❀......❀......❀

عباس رابعہ کے ہاں پہنچا تو سہیل اور فیضان ماموں نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لوگ تیار ہی تھے۔ بہت زیادہ لوگ نہ تھے چند قریبی دوست احباب ایک دو رشتہ دار اور گھر کے لوگ۔ ابوبکر کی گاڑی کے علاوہ دو اور گاڑیاں رینٹ پر لی گئی تھیں جبکہ عباس اپنی گاڑی میں تھا۔ ابوبکر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بھابی' ثریا بیگم کے علاوہ دو اور رشتہ دار خواتین تھیں' ابوبکر گاڑی خود ڈرائیور کر رہا تھا۔
باقی دو گاڑیوں میں باقی دوست احباب سوار ہو چکے تھے۔ وہ فیضان ماموں کے ساتھ گھر کے تمام لاکز چیک کرتی تمام لائٹس چیک کر کے واپس آئی تو صرف وہاں سہیل بھائی ماموں اور سر عباس تھے۔ یقیناً ان سب نے اب سر عباس کے ساتھ ہی جانا تھا' رابعہ نے حسب عادت چادر اوڑھی تھی۔ میک اپ ہونے کی وجہ سے کچھ چہرہ بھی چادر کے اندر کر لیا تھا۔ گاڑیاں سبھی روڈ پر تھیں وہ سہیل کے ساتھ چلتی گاڑی تک آئی تو سر عباس منتظر تھے' باقی گاڑیاں روانہ ہو چکی تھیں۔
''السلام علیکم سر!'' قریب آنے پر اس نے حسب عادت سلام کیا تھا۔
عباس ایک پل کو چونک کر رہ گیا تھا' دونوں کا اب سامنا ہو رہا تا۔ شام کے بعد کے ملگجے اندھیرے میں خوب صورت لباس اور جگمگاتا وجود ساری توجہ کھینچ کر لے گیا تھا' اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا' عباس نے فوراً اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا جبکہ دوسری طرف فیضان صاحب بیٹھ چکے تھے۔ سہیل بھائی فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو چکے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد گاڑی روانہ ہوئی تو عباس نے غیر محسوس انداز میں عقب میں فیضان کے ساتھ بیٹھی رابعہ کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی چادر چہرے پر ڈالے ہوئے تھی اور چہرے کا جو تھوڑا بہت حصہ دکھائی دے رہا تھا وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی کہ عباس کا دل بار بار پلٹ کر دیکھنے کو مچل رہا تھا تاہم وہ بمشکل خود کو روک رہا تھا۔ بھائی اور ماموں کی وجہ سے رابعہ خاموش تھی' عباس ان دونوں کے ساتھ ہی بات کر رہا تھا۔
وہ لوگ جلد ہی ہادیہ کی طرف پہنچ گئے تھے باقی لوگ گھر کے باہر ہی ان کے منتظر تھے وہ سب لوگ ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے پھولوں کی پتیوں کی برسات میں اندر کی طرف بڑھے تھے۔ ان سب کا بڑا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا تھا۔
ہادیہ کی طرف سے کافی سارے مہمان مدعو تھے' انہوں نے گھر کے لان میں باقاعدہ سجاوٹ اور اسٹیج بنا کر انتظام کر رکھا تھا' ایک طرف کھانے کا انتظام تھا' ٹیبلز سیٹ تھیں۔ اندر آ کر رابعہ نے چادر اتار دی تھی' خواتین اور مرد حضرات کی سیٹنگ علیحدہ علیحدہ تھیں تاہم درمیان میں کسی بھی قسم کا کوئی پردہ نہ تھا۔
سہیل اور ابوبکر کے ساتھ بیٹھے عباس کی نگاہیں بار بار اپنی بھابی اور ماں کے ساتھ دوسری طرف خواتین کی طرف

بیٹھی رابعہ کے وجود کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ انتہائی دلکش سراپا' مناسب وجود اور قد و قامت' بہت عرصے بعد عباس کے اندر فیلنگز پیدا ہو رہی تھیں۔ عادلہ کو اس کی خوب صورتی اور حد سے بڑھے ہوئے کانفیڈنٹ کی وجہ سے اس نے سلیکٹ کیا تھا جبکہ رابعہ تو عادلہ سے بالکل متضاد تھی۔ رابعہ کا کردار' اس کا اخلاق' اس کے اطوار سب عادلہ سے مختلف تھا شاید رابعہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے یہی سبب بنا تھا۔ رابعہ ہادیہ سے ملنے کا کہہ کر اندر کی طرف بڑھی تو عباس بھی سہیل اور ابوبکر سے ایکسکیوز کرتا وہاں سے نکل آیا تھا۔

ہادیہ کے ان سے فیملی ٹرمز تھے' سو عباس کو یہاں موجود دیکھ کر ہادیہ کے والد بہت خوش ہوئے تھے۔ رابعہ جیسے ہی اندرونی دروازے کو عبور کر کے اندر داخل ہوئی تھی عباس بھی فوراً پیچھے آ گئے تھے۔

''رابعہ......'' رابعہ اس پکار پر رکی تھی' عباس فوراً اس کے سامنے آ رکے تھے۔

''کیسی ہیں؟'' عباس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ مسکرائی۔

''بالکل ٹھیک۔''

''اچھی لگ رہی ہیں۔'' عباس نے کہا تو وہ چونکی' الجھ کر اسے دیکھا۔

''جی......''

''آپ سے کل ملنے کی درخواست کی تھی میں نے۔'' عباس نے کہا تو وہ الجھ کر دیکھنے لگی۔

''ہاں تو آپ کو بلا تو لیا ہے میں نے۔'' عباس رابعہ کی بات پر ایک دم کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' رابعہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''ہادیہ کے پاس جا رہی ہوں آپ بھی چلیں ادھر ہی بات کر لیتے ہیں۔''

''نہیں بات ایسی ہے کہ میں اس قدر ہجوم اور شور شرابے میں نہیں کر سکتا۔'' رابعہ نے الجھ کر سر عباس کو دیکھا۔ عام حلیے سے برعکس آج وہ نک سک سے تیار اچھی ڈریسنگ میں تھے۔

''تو......؟''

''کہیں چلیں؟'' عباس کے انداز ہی نہیں آج مزاج بھی نرالا تھا۔

''کہاں؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''کہیں باہر......''

رابعہ نے گھورا۔ ''کیوں؟''

''اہم بات ہے اس لیے۔'' انداز پرسکون تھا۔

''ایسی کیا خاص بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' چڑ کر پوچھا۔

''کچھ خاص ہے تو کہہ رہا ہوں۔''

''ایم سوری میں کہیں نہیں جا سکتی جو بھی کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔'' وہ فوراً انکاری ہوئی۔

''اوکے۔''

''ایک پروپوزل ہے آپ کے لیے۔'' پروپوزل کے لفظ پر رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔

''کیسا پروپوزل؟''

''ایک جاب کا۔'' عباس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”جاب......؟“
”جاب کی نوعیت کچھ مختلف ہوگی اس بار۔“ رابعہ نے الجھ کر دیکھا عباس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔
”چوبیس گھنٹے کی جاب ہوگی اور لوکیشن آفس کی بجائے گھر ہوگا۔“ رابعہ کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔
”جی سر...... یہ کیسی جاب ہے بھلا؟“ عباس ہنس دیا تھا۔
جس طرح آپ نے سر سر کی رٹ لگا رکھی ہے مجھے لگتا ہے میں یہاں کھڑے ہوکر ساری عمر بھی جاب کی نوعیت سمجھاتا رہوں تو بھی آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔“
”اب ایسی بھی بات نہیں۔“ وہ ایک دم شرمندہ ہوئی تھی۔ ”اگر آپ سادہ الفاظ میں وضاحت کردیں تو مجھے سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ یہ کس قسم کی جاب ہے۔“ وہ دونوں راہداری میں کھڑے تھے۔ اردگرد سے کوئی نہ کوئی گزر رہا تھا۔
”آئیں میرے ساتھ۔“ عباس نے ایک دم رابعہ کا ہاتھ تھاما اور چلنا شروع کردیا۔
رابعہ تو ایک دم حیرت سے گنگ بغیر کچھ سمجھے اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی' وہ اسے لے کر قدرے پرسکون سے گوشے کی طرف آرکا تھا۔ یہ گھر کا اندرونی حصہ تھا' کھلا ہال نما کوئی کمرہ یہاں لوگوں کی آمدورفت بہت کم تھی۔
”آسان لفظوں میں اس جاب کی وضاحت یہ ہے کہ میں آپ کو پروپوز کررہا ہوں۔“ عباس نے ابھی بھی اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ بہت مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام کر رابعہ کو دیکھتے اس نے کہا۔
”ول یو میری می؟“
”جی......“ رابعہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔ عباس کے ہاتھ کی پُرجوش حدت اور آنکھوں میں موجود چمک وہ تو ششدر رہ گئی تھی۔
”شادی کریں گی مجھ سے۔“ رابعہ نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
”یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ سر؟“ اس کے چہرے پر شدید ناگواری کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
”کیوں بُرا لگا آپ کو کیا؟“ عباس بھی ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ رابعہ نے الجھ کر سر کو دیکھا' ایک دم آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔
”نہیں سر! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کیسے ممکن ہے' کہاں آپ کہاں میں؟“ وہ حیرت سے گنگ تھی۔
”آپ شاید میرے میریڈ ہونے کی وجہ سے معترض ہیں۔“
”پلیز سر! مجھ سے ایسی کوئی بات مت کریں۔“
”کیوں؟“
”اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی غیر سنجیدہ مذاق ہے اور مجھے یہ سب بہت بُرا لگ رہا ہے۔“ رابعہ نے تلخی سے کہا۔
”کیوں کسی بھی لڑکی کو پرپوز کرنا بُرا ہوتا ہے کیا؟“ رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ خاموشی سے عباس کی سائیڈ سے ہوتے وہاں سے جانے لگی تھی۔
”جواب تو دیتی جائیں۔“ عباس نے کہا تو وہ رکی۔
”میرے معاملے میں کسی بھی قسم کے سوال وجواب کا اختیار میری فیملی کے پاس ہے۔ اول تو مجھے اس پرپوزل سے شدید حیرت ہورہی ہے اور فرض کریں اگر مجھے کوئی اعتراض نہ بھی ہو تو بھی میں اس پرپوزل کو اپنے لیے سوٹ ایبل نہیں سمجھوں گی لیکن جو بھی کہنا ہے وہ میرے بڑوں سے کہیے' میری ذات سے متعلق ہر طرح کے فیصلے کا اختیار صرف ان کو حاصل ہے۔“ وہ کہہ کر چلی گئی' عباس پُرسوچ انداز میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔

مصطفیٰ گھر آیا تو بجی سنوری سی شہوار منتظر تھی، مصطفیٰ کو لگا کہ جیسے ایک دم ساری اعصابی تھکن کہیں جاسوئی ہو۔ شہوار کچن میں موجود تھی مصطفیٰ سیدھا وہیں آ گیا تھا۔

''مصروف ہو۔'' کھانا تیار تھا وہ ملازمہ کی مدد سے ٹیبل پر لگوا رہی تھی، مصطفیٰ کو دیکھ کر سنجیدگی اختیار کی تھی۔

''جیسے آپ پچھلے کئی دنوں سے سخت بزی ہیں۔'' تیکھا سا جواب دے کر اس نے ڈونگے میں سالن نکال کر ملازمہ کو تھمایا۔ ملازمہ مسکراتی ہوئی دونوں کو معنی خیزی سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے گھور کر دیکھا۔

''دیکھو ایسی باتیں کرو گی تو لڑائی ہوگی پھر۔''

''آپ صلح ہی کب رہنے دیتے ہیں؟'' وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔

''مطلب ہماری اب تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ سب میری وجہ سے ہوئی ہیں۔''

''سچ تو یہی ہے۔'' شہوار کا انداز ہنوز وہی تھا۔

''سچ کی کچھ لگتی، میں تھوڑا سا منہ بناؤں وہ فوراً دکھائی دیتا ہے اور جو ڈھیروں کے حساب سے محبت نچھاور کرتا ہوں وہ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔'' ہاتھ پکڑ کر قریب کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار کنفیوژ ہونے لگی۔

''جب کوئی بلاوجہ ناراض ہوگا تو جواباً دوسرا بندہ یہی سوچے گا نا۔''

''وہ بلاوجہ نہیں تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر اس دن کیوں اور کس بات پر ناراض ہو کر گئے تھے۔'' مصطفیٰ کو سنجیدگی سے دیکھتے پوچھا۔

''ناراض نہیں تھا بس غصہ تھا۔''

''لیکن کیوں، میں نے کیا کیا تھا، آپ نے دوپہر میں بھی کہا تھا کہ میری غلطی تھی، ایسی کیا غلطی تھی جو میرے خود بھی علم میں نہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

''کیا ساری بازپرس یہیں کرلو گی، کھانا وغیرہ کچھ نہیں دو گی۔ یار سخت بھوک محسوس ہورہی ہے، پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔'' شرارت سے خود کے قریب کرتے چہرے پر جھک کر کہا تو شہوار کے چہرے کے تیور اور رنگ دونوں ایک دم بدلے تھے۔

''کھانا تیار ہے ٹیبل پر چلیں میں سب کو اطلاع دے دوں۔'' وہ کہہ کر مصطفیٰ کو پیچھے کرتی باہر نکل گئی تھی۔

کھانا سب ہی نے مل کر کھایا تھا، کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ آج مصطفیٰ کافی دنوں بعد سب میں یوں مل کر بیٹھا تھا تو باپ بھائی اور بابا صاحب سے ایک لمبی ڈسکشن ہوئی تھی اس کی۔ شہوار کمرے میں انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو لیٹ گئی تھی تب کہیں جا کر مصطفیٰ کمرے میں آیا تھا۔ وہ کروٹ بدلے لیٹی رہی تو مصطفیٰ بستر پر آ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا، شہوار نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

''اتنی خوب صورت لگ رہی ہو ان کپڑوں میں، ایسے میں یوں ناراض ناراض سی اچھی نہیں لگ رہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھنا چاہا تو اس نے بازو کھینچ لیا تھا۔

''ہاں جیسے ناراض ہونے کے سارے اختیارات تو بس آپ کو ہی تو حاصل ہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ تھی، مصطفیٰ ہنس رہا تھا، جھک کر اس کی پیشانی چھونا چاہی تو وہ پیچھے کھسک گئی۔

''دیکھو اب تم خود زیادتی کررہی ہو اتنے دنوں بعد ہم دونوں مل رہے ہیں ایسے تو مت کرو۔''

''میں جو پچھلی کئی راتوں سے سخت اذیت میں ہوں وہ کہیں نظر نہیں آرہی، اب اپنا دل ہے تو محبت جتانے کو پاس

آ گئے۔" وہ سخت خفا تھی، مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
"اوکے بابا سیز فائر۔" مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھا کر صلح جو انداز میں کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے دیکھا۔ مصطفیٰ مسکرایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھ گیا تھا۔ بازو شہوار کی کمر کے پیچھے حمائل کرتے اسے خود سے قریب کرلیا تھا۔
"میں بہت ٹینس رہی ہوں' آپ کیوں خفا ہوئے تھے اس دن۔" اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
"اس دن میں نے تم سے جب پوچھا کہ تم کہاں تھیں تو تم نے بہت الٹا جواب دیا تھا' میں پہلے ہی کسی وجہ سے غصے میں تھا یہ جواب سن کر اور غصہ آ گیا تھا۔"
"میں اس دن دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی تھی' دریہ کو جانا تھا ماں جی کو اکیلے بھیجنا اچھا نہیں لگ رہا تھا تو انہوں نے مجھے ساتھ بھیجا تھا۔"
"تو یہی بات تم اس دن بھی بتا سکتی تھی نا۔"
"تو آپ نے موقع ہی کب دیا تھا؟" اس نے جتایا تو مصطفیٰ نے پُرسوچ نظروں سے شہوار کو دیکھا۔
"ایک اور سوال پوچھوں گا۔" شہوار نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھا کر واٹس اپ نکال کر اس میں موجود وہ پک نکال کر شہوار کے سامنے کی تھی۔
"یہ کب کی تصویر ہے؟" شہوار نے حیران ہوکر تصویر کو دیکھا تھا۔
"یہ.... یہ...." وہ تصویر سے زیادہ اس کے ساتھ لکھی سطر پڑھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ کتنے گندے الفاظ میں اس پر کمنٹس کیے گئے تھے۔
"مجھے نہیں پتا۔" وہ واقعی پریشان ہوگئی تھی۔ "میں خود پہلی بار تصویر دیکھ رہی ہوں۔"
"اور یہ لڑکا کون ہے؟" مصطفیٰ نے پھر سوال کیا تو شہوار نے پریشانی سے مصطفیٰ کی شکل دیکھی' وہ بالکل سنجیدہ تھا۔
"یہ ہاشم ہے ہمارا کالج فیلو وہی جس کا ایک بار کالج کی کینٹین میں ایاز کے ساتھ میرے ساتھ بدتمیزی کرنے پر جھگڑا ہوا تھا۔" مصطفیٰ نے بغور اس کی بات سنی اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔
"لیکن یہ ہے کیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔"
"یہ پک اس دن جب میں غصہ میں گیا تھا تبھی ایاز نے سینڈ کی تھی۔"
"ایاز نے......؟" شہوار ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔
"یس' ایاز نے۔" مصطفیٰ نے شہوار کے الجھے ہوئے پریشان چہرے کو دیکھا۔
"کچھ اندازہ ہے یہ کب کی تصویر ہے؟" شہوار نے پک کو بغور دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی' ہوسکتا ہے ایڈیٹنگ ہو۔" اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں چیک کروا چکا ہوں یہ رئیل پک ہے۔"
"مجھے علم نہیں' مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔" وہ الجھی تھی۔
"یاد کرنے کی کوشش کرو تم کب اس لڑکے کے ساتھ اور کہاں کھڑی تھیں؟" مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔
"آپ اس ہاشم کے ساتھ کھڑے دیکھ کر مجھ پر شک کر رہے ہیں کیا؟"
"مائی گاڈ...... دماغ خراب ہے تمہارا' میں کیوں شک کروں گا؟"

دنیا کے لیے اتنی محنت کر جتنا تجھے یہاں رہنا ہے
آخرت کیلئے اتنی محنت کر جتنا تجھے وہاں رہنا ہے
اللہ کی رضا کیلئے اتنی کوشش کر جتنا تو اس کا محتاج ہے
گناہ اتنا کر جتنا تجھ میں عذاب سہنے کی طاقت ہے
صرف اسی ذات سے مانگ جو کسی کا محتاج نہ ہو
جب تو گناہ کرے تو اسی جگہ جا جہاں تجھے وہ نہ دیکھے
ثمینہ عبدالخالق......سکندر چوک

''اگر شک نہیں کر رہے تو پھر مجھ سے کیوں یہ سب پوچھ رہے ہیں اس دن آپ اس پک کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوکر گئے تھے نا۔'' شہوار کا موڈ ایک دم بدلا تھا۔

''گیا تو بس اس وجہ سے تھا لیکن ضروری نہیں کہ میں تم پر شک کر رہا ہوں۔''

''تو پھر اس ساری باز پرس کا کیا مطلب ہے؟ یا تو آپ کو مجھ پر شک ہے یا پھر غصہ اور غصہ کیوں آیا تھا۔''

''غصہ یار تمہارے جواب پر آیا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ بکواس پک دیکھ کر۔''

''میرا اس پک سے ایسا ویسا کوئی تعلق نہیں یہ پک ایاز نے سینڈ کی ہے اسی سے جاکر پوچھیں کہ اس نے کیوں سینڈ کی ہے اور کہاں سے حاصل کی ہے۔'' وہ ایک دم سخت غصے کا شکار ہوئی تھی۔ اس کے اندر شدید بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے مصطفیٰ اس تصویر کو لے کر اس کے کردار پر شک کر رہا ہے۔

''وہ تو میں اس سے بھی پوچھ لوں گا اس گھٹیا حرکت پر اسے چھوڑوں گا تو نہیں لیکن پہلے تم بتاؤ یہ پک کہاں کی ہے؟'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر ایک دم بستر سے اتر گئی۔

''کیا ہوا...... کہاں جارہی ہو؟'' اسے جوتا پہن کر دوپٹہ درست کرتے باہر کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر مصطفیٰ بھی ایک دم پیچھے لپکا تھا۔

''آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں اور میں بڑے حوصلے سے بیٹھ کر سب کچھ سن لوں ناممکن۔''

''تم بات کو غلط رخ پر مت لے کر جاؤ شہوار۔''

''میرا تو روزانہ کالج میں ہاسٹل میں کہیں نہ کہیں ہاشم سے سامنا ہوجاتا ہے مجھے اب کیا علم کہ یہ کب کی تصویر ہے لیکن جس طرح آپ ساری تفتیش کر رہے ہیں اس سے تو بس ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس تصویر بھیجنے والے کی اس گھٹیا بات سے اتفاق ہے جو اس نے اوپر لکھ رکھی ہے۔''

''شہوار پلیز ڈونٹ بی سلی ایسی کوئی بات نہیں۔'' بات کو غلط رخ پر جاتے اور بگڑتے دیکھ کر مصطفیٰ نے سختی سے شہوار کا بازو پکڑ کر ٹوکا لیکن شہوار نے جھٹکے سے اپنا بازو کھینچ لیا تھا۔

''میں سمجھتی تھی آپ مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں مجھ سے بھی زیادہ آپ مجھے جانتے ہیں اور کبھی بھی کسی بھی سلسلے میں مجھے آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن مجھے یہ جان کر ہی حیرت ہورہی ہے کہ آپ اس دن اس بات کو لے کر مجھ سے خفا ہوکر گئے تھے اور میں کتنی کالز کرتی رہی میسجز کرتی رہی اور آپ نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں اور اب جبکہ یہاں ہیں تو کلیئر کروا کر آئے ہیں کہ یہ پک ایاز نے سینڈ کی تھی۔'' وہ تو پھٹ پڑی تھی۔

''شہوار میں تم سے کسی بھی قسم کی وضاحت نہیں مانگ رہا تب کا غصہ ایک وقتی غصہ تھا اور میں اب بھی تمہارے

کردار پر اس طرح یقین رکھتا ہوں۔ تم سے اس تصویر کی لوکیشن اور سچوئشن کے بارے میں بس اس لیے پوچھ رہا تھا کہ مجھے سب اچھی طرح کلیئر ہو جائے کہ اصل کہانی کیا ہے۔''

''اصل کہانی تو یہ ہے کہ وہ شخص بس کسی نہ کسی طرح مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نے جس مقصد کے لیے یہ پک سینڈ کی تھی اس کا مقصد آپ نے پورا کر دیا۔'' وہ تلخی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''لیکن تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟'' مصطفیٰ پھر سامنے آ گیا تھا۔

''جہنم میں۔'' وہ سائیڈ سے ہو کر دروازے کی طرف لپکی' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''احمقوں کی سی باتیں مت کرو' تم بات کو غلط رخ پر لے جا رہی ہو۔'' مصطفیٰ کو غصہ آنا شروع ہو گیا تھا' غصے سے ٹوکا تو شہوار نے تلخی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''بات میں نہیں آپ مجھ پر شک کر کے بگاڑ چکے ہیں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گی اگر تم باہر گئیں تو سمجھ لینا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' دروازے پر ہاتھ رکھ کر غصہ سے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''اس وقت آپ سے زیادہ برا مجھے اور کوئی لگ بھی نہیں رہا' مجھے جانے دیں اگر میں یہاں کچھ دیر اور رکی تو بات بہت بگڑے گی۔'' مصطفیٰ کا بازو دروازے سے ہٹا کر اس نے دروازہ کھولا۔

''اوکے' جیسے تمہاری مرضی لیکن یاد رکھنا تم اپنی مرضی سے یہاں سے جا رہی ہو اور دوبارہ اس کمرے میں سوچ سمجھ کر ہی آنا۔ نہ میں بات کو بگاڑ رہا تھا اور نہ ہی وضاحتیں مانگ رہا تھا۔ بیوی ہو تم میری' ایک کرپٹ انسان تمہاری تصویر کسی دوسرے انسان کے ساتھ بنا کے مجھے سینڈ کرتا ہے اور گندا سا اسٹیٹس بھی ساتھ دیتا ہے تو کیا ایسے عالم میں مجھے حقیقت کیا ہے اس کی تلاش کا کوئی حق حاصل نہیں۔'' مصطفیٰ کا برہمی سے برا حال تھا۔ شہوار جواباً کچھ نہیں بولی بس کمرے سے نکل گئی تھی۔

''احمق...... نان سینس......'' مصطفیٰ نے بہت غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔

❀......❀......❀
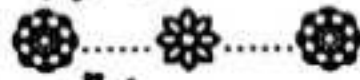
نکاح کی ساری تقریب بہت خیر و عافیت سے سرانجام پائی تھی۔ ابوبکر کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی جبکہ ہادیہ کا خوشی سے اور ہی عالم تھا۔ باقی ساری تقریب میں رابعہ عباس سے چھپتی پھر رہی تھی' عباس بھی سنجیدہ سنجیدہ سا تھا۔ ہادیہ کی رخصتی بعد میں تھی ابھی صرف نکاح ہوا تھا۔ واپسی پر سبھی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو عباس پھر سے اس کے رستے میں آ رکا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں گی۔''

''آپ تو اپنے گھر جائیں گے' ہم لوگ کسی نہ کسی گاڑی میں ایڈجسٹ ہو جائیں گے' شکریہ۔'' انداز کتراتا یا کتراتا یا سا تھا۔

''مجھے آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' عباس نے کہا۔

''اتنا کچھ کہہ تو چکے ہیں اور کیا رہتا ہے کہنے کو۔'' نظروں کو جھکائے اس نے کہا تو عباس مسکرایا۔

''ابھی اپنے دل کی باتیں تو میں نے آپ سے شیئر ہی نہیں کیں۔'' رابعہ ایک دم گھبرائی تھی۔

''پلیز سر! پریشان مت کریں' آپ کو اس طرح کی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں'

اگر یہ سب جسٹ فار من ہے تو میں ایکسکیوز کرتی ہوں۔ آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں آپ کے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ تلخی سے کہہ کر ایکسکیوز کرتی وہاں سے چلتی ابوبکر کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی جہاں بھابی اور ثریا بیگم پہلے ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ عباس نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا۔

"تم سمجھ رہی ہو کہ میں جسٹ فار من یا ٹائم پاسنگ کے لیے تمہاری طرف بڑھا ہوں تو ایسے ہی سہی اب میں تھرو پراپر چینل سے ہی تمہاری طرف آؤں گا۔" گاڑی میں بیٹھی رابعہ کو دیکھ کر مسکرا کر عباس نے دل میں مصمم ارادہ باندھا تھا۔

❁......❁......❁
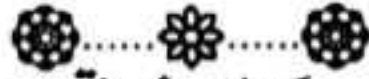
وہ رات ہسپتال میں ہی رکی تھی' روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ احسن بھی کافی تھکا ہوا تھا۔ وہ بھی گھر پر رک گیا تھا' وقار صاحب بھی گھر پر ہی تھے۔ وہ کچھ وقت صبوحی کے پاس رکی تھی پھر نرس آ گئی تو وہ ولید کے کمرے میں آ گئی تھی۔ ولید سو رہا تھا' نرس اس کی آمد پر باہر چلی گئی تھی۔ وہ ولید کے بستر کے پاس چیئر پر ٹک گئی تھی' ولید کی کنڈیشن اب کافی بہتر تھی۔ اس کا ارادہ کچھ دیر یہاں بیٹھنے کا تھا اور پھر ولید کے جاگنے سے پہلے اٹھ کر چلے جانے کا تھا۔ وہ ولید کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی تھی' سارا دن کی تھکی ہاری اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنکھ لگ گئی تھی۔

ولید کے سر میں شدید درد کی ٹیسیں اٹھیں اس کی آنکھ کھلی لیکن سامنے کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ دل کے اطراف میں درد کی عجیب سی ٹیسیں اٹھی تھیں۔ ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

انا کا سر ڈھلک کر کرسی کی بیک سے جا لگا تھا اور سینے پر فائل اوندھی پڑی ہوئی تھی' وہ کافی ان ایزی سوئی ہوئی تھی۔ ولید نے اسے نظر انداز کرنا چاہا تھا لیکن کر نہیں پایا تھا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا' نرس بھی کمرے میں موجود نہ تھی وہ ہوتی تو شاید اس سے ہی کوئی ٹیبلٹ مانگ لیتا۔ ڈاکٹرز نے بتایا تھا کہ ایکسیڈنٹ میں اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے اس کے دماغ کا حصہ بھی متاثر ہوا تھا لیکن اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے تمام ٹیسٹ ہونے کے بعد اس کے دماغ کی رپورٹ کلیئر آئی تھی مگر کبھی کبھی شدید درد کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں۔

"انا...... انا......" ولید نے پکارا تو انا ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی تھی' وہ شاید کچی نیند میں تھی ولید کو جاگتے پا کر فوراً اس کی

طرف بڑھی تھی۔
''کیا ہوا...... کچھ چاہیے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید کا جی چاہا کہ انکار کردے لیکن پھر نجانے کیسے خود بخود اس کے منہ سے یہ سب نکل گیا تھا۔
''میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔'' ولید کی بات سن کر انا کے چہرے پر ایک دم تشویش کی جھلک نظر آنے لگی۔
''زیادہ سیریس تو نہیں۔'' قریب آکر پیشانی پر ہاتھ رکھتے اس نے پوچھا تھا' ولید ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ انا کے گرم ہاتھ کا لمس اس کی پیشانی پر عجیب سا تاثر چھوڑ رہا تھا۔
''ہاں کافی زیادہ ہے برداشت نہیں ہو رہا۔'' انا پریشان ہو گئی تھی۔
''تم ان میڈیسن میں سے دیکھو شاید کوئی گولی ہو اس میں۔'' ولید کے کہنے پر وہ جلدی سے ٹیبل پر موجود ادویات چیک کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک پتے میں سے ایک گولی نکال لی اور گلاس میں پانی انڈیل کر وہ پھر ولید کے پاس آ گئی تھی۔ سر کی چوٹ کی وجہ سے ولید کو ابھی خود سے اٹھنے کی پرمیشن نہ تھی۔ انا نے جھک کر ایک ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھ کر احتیاط سے اس کے کندھوں کو اٹھا کر اسے گولی تھما کر گلاس دیا تھا۔ ولید نے گولی نگلی تو گلاس لے کر اس نے اس کا سر پھر تکیے پر رکھ دیا تھا۔
''شکریہ۔'' ولید کا انداز ایک دم نارمل سا ہو گیا تھا۔
''کوئی بات نہیں۔'' انا ہلکا سا مسکرائی پھر دونوں طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔
''پھوپو کیسی ہیں؟'' ولید نے پوچھا تو انا نے سر ہلایا۔
''اب بہتر ہیں' آپ کا پوچھ رہی تھیں شاید کل آپ کے پاس آئیں' وہ خود سے چل پھر سکتی ہیں اب۔'' اس نے دھیمے سے بتایا۔
''اور کون کون رکا ہے اس وقت یہاں؟'' اس نے پوچھا' انداز سنجیدہ تھا۔
''صرف میں ہی ہوں۔''
''کیوں باقی لوگ کہاں ہیں؟''
''روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی وہ گھر پر ہے۔ ماموں خود بیمار انسان ہیں' وہ کیسے رکتے۔ پاپا سارا دن یہیں ہی تھے اور احسن بھائی اس کی وجہ سے گھر چلے گئے تھے۔'' ولید نے سر ہلایا۔
''پھوپو کے پاس اس وقت تو کوئی نہیں ہوگا۔''
''میں ان کے پاس ہی تو تھی کچھ دیر پہلے نرس کو چھوڑ کر آئی تھی۔''
''ہمنہہ......'' ولید آنکھیں بند کر گیا تھا۔
انا کچھ دیر مزید وہاں رکی اور پھر ولید کے سوتے ہی وہ دوبارہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

دستِ شفاء
سندس جبین
READING
Section

تیرا خیال بہت دیر تک نہیں رہتا
کوئی ملال بہت دیر تک نہیں رہتا
اداس کرتی ہے اکثر تمہاری یاد مجھے
مگر یہ حال بہت دیر تک نہیں رہتا

''نقوی ولا'' میں ایک وحشت ناک خاموشی تھی' ناشتے کی میز پر آج خلاف معمول کوئی بھی موجود نہ تھا۔ سب ہی اپنے اپنے کمروں میں بند تھے' پھر ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے سید حیدر نقوی کی جھلک دکھائی دی۔ وہ خاموشی سے اپنے گلاسز اور موبائل لے کر لاؤنج کراس کرتے بیرونی دروازے کے قریب پہنچ کر رکے' چند لمحے کچھ سوچا اور پھر واپس پلٹ آئے' اب ان کا رخ ماما کے کمرے کی طرف تھا۔

دروازے پر چند لمحے وہ ٹھہرے پھر ہلکا سا دروازہ تھپتھپایا۔ جس کا کوئی جواب نہ آیا' انہوں نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں تاریکی تھی' دروازہ کھلنے پر روشنی کی ایک لمبی لکیر سی اندر تک گئی۔ وہ اندر جانے کی بجائے وہیں کھڑے رہے۔ وہ ایزی چیئر پر جھول رہی تھیں اور روشنی کی وہ لکیر ان کے قدموں تک پہنچ کر ختم ہوگئی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی کرسی کی حرکت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

''ماما......!'' انہوں نے ماں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا' حالانکہ آج تک یہ چیز بن مانگے سب سے پہلے ان کا مقدر ٹھہری تھی۔ مگر اب جب وہ طالب تھے تو انہوں نے اس کی طرف نہ دیکھا۔

''میں جانتا ہوں' آپ مجھ سے ناراض ہیں' میری طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتیں۔ میں آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میری جگہ آکر سوچیں' ایسا کہنے کی ضرورت تو تب پیش آتی ہے جب ہمیں لگتا ہے کہ دوسرا ہمارے احساسات کو سمجھ نہیں پارہا۔ آپ تو ماں ہیں' آپ احساسات وجذبات کو تب بھی سمجھ جاتی تھیں جب میں زبان سے بیان کرنے سے قاصر تھا آپ ضروریات سے تب واقف تھیں جب اشاروں سے بھی میں حاجت بیان کرنے کے قابل نہ تھا۔ اب بیان کرکے میں اس پاک رشتے کی توہین نہیں کرسکتا۔ میں صرف آپ سے اپنے خیالات شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ہمیشہ میرا خیال رکھا' میری پسند ناپسند کو اولین ترجیح دی۔ میری بہترین تربیت کی' لوگوں کے اس ہجوم میں مجھے انسان بنایا' ایک باضمیر' احساس مند' ہمدرد اور روشن خیال انسان' مجھے دولت اور خوب صورتی متاثر نہیں کرتی' کیونکہ مجھے تراشنے والے ہاتھ سطحی نہیں ہیں۔ مجھے کردار متاثر کرتا ہے' مجھے علم جھکا سکتا ہے' اس کے علاوہ مجھے کوئی چیز جھکالے یہ ممکن نہیں' میرا احساس میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ میرا ذوق' میری پاکیزگی' میری ذاتی تکریم پر کوئی شب خون مارے اور میں سہہ جاؤں؟ میری آپ سے صرف ایک ریکویسٹ ہے' مجھے آپ کا عکس چاہیے' بلند کردار اور وسیع النظر' اور اگر آپ کو لگتا ہے کہ وہ جسے آپ نے میرے لیے منتخب کیا ہے اس میں آپ کی پرچھائیں بھی موجود ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ اپنی بات مکمل کرکے لحہ بھر کے لئے رکے مگر وہاں ہنوز خاموشی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے قدم پیچھے ہٹائے اور دروازہ بند کردیا۔

روشنی کی وہ لمبی سی لکیر غائب ہوگئی مگر اب کرسی کی حرکت رک چکی تھی۔

❀......❀......❀
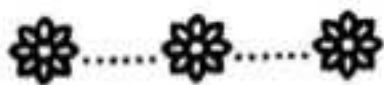
Row `row row you boat
Gently down the stream,

Merely merely merely

Life is but adream.

ماما نے اس معصوم آواز پر تیزی سے کچن سے نکل کر اندر جھانکا...... وہ چار سالہ حیدر تھا۔ ان کا بڑا بیٹا...... جو کہ اس وقت بہت اہتمام سے اپنی چھوٹی چیئر پر بیٹھا سامنے رکھے ٹیبل کو خود ساختہ آرکسٹرا کا روپ دیئے مدہم انداز میں اس پر انگلیاں چلاتے ہوئے بڑی خوب صورت آواز میں گنگنا رہا تھا۔ چند لمحے وہ حیران سی وہیں کھڑی رہیں۔ یہ نظم تو انہوں نے کل ہی سکھائی تھی اسے اور آج وہ اسے گا رہا تھا۔ وہ بھی بالکل اسی طرز پر اور مستزاد اس کا وہ دلکش انداز...... وہ بے ساختہ آگے بڑھیں اور اس کو بازوؤں میں بھینچ کر ماتھے پر بوسہ لے لیا تھا۔ وہ جان گئی تھیں ان کا بیٹا یقیناً عام بچوں سے بہت مختلف تھا۔

وہ تین سال کی عمر میں اسکول جانے لگا اور روایتی بچوں کی طرح کبھی بھی اسکول جاتے ہوئے کسی قسم کی بے زاری یا رونا پیٹنا نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ بہت خوش خوش اسکول جاتا تھا۔ کتابیں، کاپیاں ایسی نیٹ اینڈ کلین کہ یقین نہ آتا۔ پینسل پکڑنے کا انداز اتنا پیارا کہ ماما بے ساختہ ہاتھ چوما کرتیں۔

"میرے بیٹے کو کتابوں سے عشق ہے۔ دیکھنا ایک دن روشن ستارہ بنے گا۔" وہ بڑے یقین سے کہا کرتی تھیں۔ اور حیرت انگیز طور پر ان کے باقی دو بچے عام بچوں جیسے ہی تھے۔

سید حیدر نقوی ان کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کے بعد فرقان نقوی اور اس کے بعد سیدہ ماہا نقوی۔

❁......❁......❁
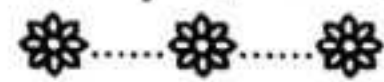
"پیارے دوستو!

آج مجھے جس موضوع پر لب کشائی کا موقع دیا گیا ہے اس کا عنوان ہے "ماں"

کس قدر میٹھا لفظ ہے یہ 'ماں' جسے ادا کرتے ہوئے ہونٹ خود بخود مل جاتے ہیں۔ ماں کی محبت لازوال ہے یہاں تک کہ عرش پر جانے والی کوئی بھی دعا جو ماں کے لبوں سے ادا ہو وہ رد نہیں کی جاتی۔ ماں کی محبت کس قدر خالص ہے اس کا اندازہ اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے جس میں کہا گیا ہے!

"اللہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے" یعنی اللہ کی محبت کے برابر ماں کی محبت کو درجہ دیا گیا۔

ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ انسان پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں کا" اسی طرح سے حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔

"اپنی ماں کے ساتھ وقت گزارا کرو یہ قیامت کے روز نجات کا سبب ہوگا۔"

دوستو! ان ارشادات سے آپ کو ماں کے بلند رتبے کا علم ہوگیا ہوگا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ماں کی نافرمانی سے بچیں، کیونکہ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔"

روسٹرم پر مائیک کے آگے کھڑا وہ بچہ 5th کلاس کا اسٹوڈنٹ تھا اور اس ساری تقریر کے دوران اس کی نظر سامنے سجی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی اپنی ماما پر تھی۔ اور جب اس تقریری مقابلے کے نتائج کا اعلان کیا گیا تو ہمیشہ کی طرح اور توقع کے مطابق سید حیدر نقوی فرسٹ تھا۔

پرائز لیتے ہوئے اس کا رنگ جوش سے سرخ پڑ رہا تھا اور تالیاں بجاتے ہوئے ماما کا سر فخر سے بلند ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

کلاس روم میں پن ڈراپ سائلنس تھا۔ سر سعید بٹ کا ڈسپلن تو پورے اسکول میں مشہور تھا کہ ان کی کلاس میں کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ اس وقت بھی وہ حاضری لگا رہے تھے اور طلباء اپنے آگے کتابیں کھولے بے آواز صرف ہونٹوں کو حرکت دیتے ہوئے سبق کی دھرائی میں مشغول تھے۔ جب وہ طلباء کے نام لیتے لیتے ایک دم رک گئے۔

"سید حیدر نقوی۔" ان کی گرجدار آواز پر پہلی رو میں بیٹھا بچہ کھڑا ہوگیا۔ اس نے آہستہ آواز میں یس سر کہا تھا۔

''دو دن سے بغیر اطلاع کے آپ اسکول سے غیر حاضر رہے ہیں وجہ؟'' ان کے ماتھے پر غصیلی شکن تھی۔ حیدر نے گھبرائے بغیر بڑے آرام سے کہا۔

''سر! وہ، ہم بیمار تھے۔ اور ڈاکٹر نے ہم سے کہا تھا کہ ہم دو دن آرام کریں۔ اس لیے ہم اسکول نہیں آسکے۔'' اس کے انداز میں اعتماد و معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی وجہ بتاتے ہوئے انجانے میں ہی سہی سارا زور ہم پر تھا' اور سر سعید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''سید صاحب! ذرا یہ تو بتایئے کہ یہ ''ہم'' میں اور کون کون شامل ہے؟'' انہوں نے دلچسپی سے اس کی معصوم صورت دیکھی۔ حیدر نے قدرے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''سر! ہم میں بس ہم شامل ہیں۔'' اس نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ ایک اور قہقہہ پڑا۔

''بیٹے! ہم کا صیغہ دو یا اس سے زیادہ لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک فرد کی یعنی اپنے متعلق کوئی بات کی جائے تو میں کا صیغہ استعمال ہوگا۔ جیسے میں بیمار تھا اور مجھے ڈاکٹر نے آرام کرنے کے لیے کہا...... ٹھیک ہے؟'' انہوں نے انتہائی پیار سے سمجھایا تھا۔

جس پر اس نے فرماں برداری سے سر ہلا دیا تھا۔ سر سعید نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ 7th کلاس کا یہ اسٹوڈنٹ ان کا لاڈلہ ترین اسٹوڈنٹ تھا۔ جس میں ذہانت و معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

❁......❁......❁

اہل سادات سے ہونے کی بنا پر ان کے خاندان میں ہمیشہ آپس میں شادیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا ہی ایک خوب صورت جوڑا سید علی رضا نقوی اور سیدہ زہرہ بتول کا بھی تھا۔

علی رضا پیشے کے لحاظ سے سرکاری ملازم تھے۔ اسی طرح زہرہ کالج میں لیکچرار تھیں۔ تین بچوں حیدر' فرقان اور ماہا کے ساتھ زندگی بالکل مکمل تھی۔ علی رضا بنیادی طور پر سادہ انسان تھے۔ دنیا کی فریبیوں اور مکاریوں سے یکسر انجان اور اسی سادگی کے ہاتھوں بہت دفعہ نقصان بھی اٹھا چکے تھے مگر اس کے باوجود ان کی اچھائی کا عالم وہی تھا ہر پیار سے بات کر لینے والے کو خیر خواہ سمجھ لیتے۔ مزاجاً بھی انتہائی دھیمے اور شریف النفس انسان تھے۔

زہرہ خاتون ان کی نسبت مختلف تھیں۔ سادگی اور نیک نیتی تو ان میں بھی اسی طرح موجود تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بہترین ماں اور گھر کی منتظم تھیں۔ بچوں کی تربیت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

''نقوی ولا'' کا ماحول بڑا پرسکون' ادبی اور باہمی تعاون سے پور تھا اور یہی وجہ تھی کہ خاندان بھر میں ان کے گھر کو رشک وحسد سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ نہ تو کسی کے بچے اتنے فرماں بردار اور سلجھے ہوئے تھے اور نہ ہی ایسا مثالی ماحول کسی کو میسر تھا۔ مستزاد پڑھائی میں بھی سب سے آگے تھے۔ اسی وجہ سے ایک عجیب سا حسد خاندان بھر میں پیدا ہونا شروع ہو چکا تھا جس کے متعلق کبھی بھی زہرہ خاتون نے سوچنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ انہیں لگتا تھا یہ سب فضول اور احمقانہ باتیں تھیں' بھلا ان کی سگی بہنیں اور بھائی ان سے کیوں جیلس ہوں گے انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ وقت نے اپنے پر کچھ مزید پھیلائے اور بچے اسکول سے نکل کر کالج میں آگئے اور زندگی کے اس مقام پر زہرہ خاتون کو اپنی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ کرنا پڑا تھا۔

حیدر کو کالج کی اسٹڈیز کے لیے وہ لاہور بھجوانا چاہتی تھیں' اس کے پیچھے کئی وجوہات تھیں۔ جس شہر میں ان کی رہائش تھی وہاں کے کالجز سے وہ مطمئن نہ تھیں اور ان کی شدید خواہش تھی کہ حیدر کو بہترین تعلیمی اداروں سے تعلیم دلوائیں اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر حیدر کو لاہور بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی اگلی منزل ''ایف سی کالج لاہور'' تھا۔ جہاں اس نے ہاسٹل میں رہائش اختیار کرلی تھی۔

زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ لاہور ایک جہاں بلاخیز......! آج کے لاہور سے بالکل مختلف تھا۔ جن زمانوں میں انہوں نے ہاسٹل جوائن کیا' نہ تو موبائل فونز کا رواج تھا نہ سلفیز کی بیماری! انٹرنیٹ' کمپیوٹر پر استعمال کیا

جاتا تھا اور بہت کم لوگوں کو لیپ ٹاپ میسر تھا۔ لوگوں کے باہمی تعلقات اس سرد مہری کا شکار نہ تھے جو آج کل معاشرے کا لازمی حصہ بنی نظر آتی ہے نہ ہی اتنی نفسانفسی اور افراتفری نظر آتی تھی لاہور تب بڑا پرسکون اور خوش حال سا نظر آتا تھا۔ انہوں نے حیدر کو مکمل اختیار دیا تھا کہ وہ جس فیلڈ کو چاہے اپنے لیے چن لے مگر شرط یہی ہے کہ پھر اسی فیلڈ میں اپنی ماسٹرز ڈگری مکمل کرنا ہوگی اس لیے اس نے بہت سوچ سمجھ کر انگلش لٹریچر کو منتخب کیا تھا لٹریچر سے اس کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ماما نے اس کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرلیا تھا۔

لٹریچر میں انٹر اور گریجویشن مکمل کرنے کے دوران ان کی شخصیت میں مزید نکھار اور خوب صورتی آگئی' پہلے والی معصومیت کی جگہ اب ان کے چہرے پر روشنی اور اعتماد نظر آتا تھا اور ذہین آنکھوں کی چمک مزید دوبالا ہوگئی تھی۔ ان چار سالوں نے جہاں انہیں ماں سے دوری کا درد دیا تھا وہاں اس درد پر پھاہے کے طور پر علم کا خزانہ بھی بخشا تھا۔ انہیں اپنی ذات کا عرفان دیا تھا اور ان کے انداز میں کچھ ایسا ڈویلپ ہوا تھا جو دوسروں کو خود بخود متاثر کرتا تھا۔

❁ ❁ ❁

"تم نے حیدر کو دیکھا ہے...... کہاں ہے؟" نادر لقمان نے یاسر عظیم سے پوچھا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے یاسر عظیم ذرا سا ہنسا۔

"مجھے پتا تو نہیں ہے وہ کہاں ہے مگر میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہوگا؟"

"کہاں؟"

"حسیناؤں کے جمگھٹے میں۔" اب کی بار یاسر عظیم نے قہقہہ لگایا تھا۔ نادر بھی مسکرایا۔

"اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حسینائیں خود ہی اس کے گرد جمگھٹا لگالیتی ہیں۔" اس نے جتایا۔

"یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے توجہ حاصل کرنے کا' بظاہر بے نیاز بن جاؤ' اگنور کرو' فلیٹ اسٹون' مگر در پردہ شدید خواہش کہ توجہ اور وقت ملے۔" یاسر کے لہجے میں حسد تھا۔

"کم از کم حیدر کے متعلق میں ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔ اسے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔" نادر نے یقین سے کہا۔

"یہی تو گیم ہے پیارے...... کمپلیکس ہے اسے۔"

"کس چیز کا کمپلیکس؟ احساس کمتری کا یا احساس برتری کا؟ کمتری میں انسان خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ دوسروں سے منہ لگا سکے اور برتری میں دوسروں کو' جبکہ حیدر کے ساتھ یہ دونوں معاملات نہیں ہیں۔" نادر نے تیکھے انداز میں کہا تو چند لمحوں کے لیے یاسر کو کوئی جواب نہ سوجھا۔

"مگر پھر بھی وہ کچھ زیادہ اسپیشل بنتا ہے۔"

"اسے بننے کی کیا ضرورت؟ وہ ہے......" نادر نے بے ربط ورد دیا۔

"مگر کیوں؟" یاسر نے احتجاج کیا۔

"کیونکہ اس کی سوچ مختلف ہے' اور پاکیزہ بھی۔ تمہارے جیسی سوچ نہیں ہے اس کی۔" نادر نے طنز کیا۔

"اوہ کم آن...... وہ pretend (پوز) کرتا ہے۔" یاسر سے اس کا طنز سہا نہیں گیا۔

"اسے اس کی ضرورت نہیں ہے وہ خالص اور سچا انسان ہے۔" نادر نے سختی سے اس کی بات رد کی تھی۔

دنیا بڑی عجیب ہے یہاں خاموش کو بے وقوف اور بولنے والے کو جاہل سمجھا جاتا ہے۔ کوئی امارت دکھائے تو دکھاوا' نہ دکھائے تو کنجوس' ذہانت کا مظاہرہ کرے تو حسد کرتے ہیں نہ کرے تو گھنا سمجھتے ہیں۔

کتنا سچ کہتی ہیں ماما!

"تلوار کی تو صرف ایک طرف دھار ہوتی ہے' دنیا دو دھاری تلوار کی مانند ہے' جینے نہیں دیتی' روتوں کو ہنساتی نہیں اور ہنستے کو دیکھ نہیں سکتی۔"

❀......❀......❀
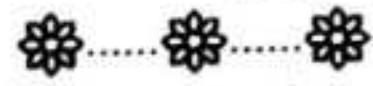
گریجویشن ہونے کے بعد وہ چھٹیوں پر گھر آئے تو ایک نیا مسئلہ کھڑا تھا۔ معاملہ بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ نانا کی وصیت کے مطابق ان کی جائیداد ان کی بیٹیوں اور بیٹے میں مکمل اسلامی طریقے سے تقسیم ہونا تھی مگر ظہور ماموں جائیداد میں حصہ دینے سے گریزاں تھے ان کا خیال تھا کہ تینوں بہنیں اپنے گھروں میں خوش حال تھیں تو انہیں حصے کی کچھ ایسی بھی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ دوسری طرف امینہ خالہ ہر صورت حصہ وصول کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں اپنے گھر میں توسیع کرنا تھی اور اس سلسلے میں وہ ہر صورت اپنے گھر کے ساتھ والی جگہ خریدنا چاہتی تھیں۔ زینت خالہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔

جتنا بھی اس معاملے کو سلجھانے اور سمیٹنے کی کوشش کی گئی اتنا ہی معاملہ بگڑتا گیا۔ زینت خالہ اور امینہ خالہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی صورت اپنا حصہ نہ چھوڑیں گی۔ دوسری طرف ظہور ماموں ماش کی دال کے جیسے اینٹھے ہوئے تھے جو کہ کسی صورت نرم ہونے کو تیار نہ تھے۔ پنچایت بٹھائی گئی اور نتیجتاً جائیداد کی تقسیم عمل میں آئی۔

مگر زہرہ خاتون نے یہاں بھی ایک انتہائی فراخ دلانہ فیصلہ کیا اور جائیداد میں سے اپنا حصہ امینہ خالہ کو دے دیا تا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے گھر کو وسیع کرسکیں۔

خاندان بھر میں ان کی فیاضی اور دریا دلی کی مثالیں دی جا رہی تھیں جبکہ ان کا مقصد ایسا ہرگز نہ تھا وہ صرف اپنی بہن' اپنی ماں جائی کی مدد کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی سادہ دلی اور سادگی ہی تھی جو انہوں نے اپنی ذات اپنے بچوں کو چھوڑ کر اپنی بہن کو ترجیح دی تھی۔

دنیا بڑی عجیب جگہ ہے یہاں سادگی کو بے وقوفی سمجھا جاتا ہے اور پھر ہر خالص اور سادہ انسان کو بڑی بے رحمی سے بے دریغ اپنے مقاصد کے لیے استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

امینہ خالہ بھی وہ باکمال فنکارہ تھیں جنہوں نے زہرہ خاتون کو بڑی مکاری سے اپنی جھوٹی مظلومیت کے جال میں پھانس کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ جس میں زینت خالہ نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے فیصلہ لے لیا اور سب نے انتہائی خوش دلی سے ان کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ چار لوگوں میں تقسیم ہونے والی دولت وجائیداد اب تین لوگوں میں بڑی خوش اسلوبی سے بٹ گئی۔ سب کا خیال تھا کہ اتنی عظیم قربانی دے کر زہرہ خاتون نے سب کو بے دام خرید لیا تھا۔

❀......❀......❀

پنجاب یونیورسٹی کے انگلش لٹریچر ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن کے وقت وہ زندگی میں پہلی مرتبہ بہت سے خدشات کا شکار ہوگئے۔ کالج لائف بہت مختلف تھی۔ اپنے پروفیسرز سے بہت کلوز ہونے کی بنا پر انہوں نے ان سب کے تجزیہ اور اپنے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے انگلش لٹریچر کا انتخاب کیا تھا۔

"سید حیدر نقوی!" بہت سالوں بعد پروفیسرز کو ایک حقیقتاً محنتی اور قابل طالب علم ملا تھا۔ ابتدائی کچھ دنوں میں ہی ان کی کلاس میں ایک مکمل الگ پہچان بن گئی۔ سرسٹھ اسٹوڈنٹس کی کلاس میں سید حیدر نقوی کی ایک واحد شخصیت ایسی تھی جس پر ساری کلاس سمیت پروفیسرز کا فوکس ہوتا تھا۔

سفید شلوار قمیص میں سیاہ کھڑی پہنے' کلائی میں سلور ریسٹ واچ' ہاتھوں میں بکس اور نوٹس بیگ...... جب وہ

اپنی متاثر کن شخصیت کے ساتھ کلاس میں آتے تو لڑکیاں دل تھام کر رہ جاتیں۔ بندہ قابل ہو اور مغرور بھی تو قیامت ڈھاتا ہے۔ بالائے ستم کہ لڑکیوں کو گھاس نہیں ڈالتے تھے۔ اپنے سبجیکٹ پر ان کی محنت نظر آتی تھی۔ جب کلاس میں ڈسکشن ہوتی تو یہ صرف دو لوگ کی گفتگو رہ جاتی' ان کے پروفیسرز اور وہ...... باقی ساری کلاس خاموشی سے ایک بہترین سامع کا رول پلے کرتی۔

آہستہ آہستہ ان کی مقبولیت کا حلقہ وسیع تر ہونے لگا۔ ان کے مقابل کلاس میں بس ایک ہی لڑکی تھی ''صبیحہ فرمان'' سی آر کے لیے ان کے انتخاب پر پہلی مرتبہ اس نے حریف ہونے کا ثبوت دیا۔ سی آر کے لیے ووٹنگ ہوئی تو حیدر حسب توقع جیت گئے۔ اس میں ان کی شخصیت کا بے حد عمل دخل تھا۔ وہ بنیادی طور پر ایک نرم مزاج' نرم گفتار اور عاجزی رکھنے والے انسان تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ مغرور تھے مگر بس جنس مخالف کو ایک حد میں رکھنا پسند کرتے تھے۔

ان کے انداز میں ایک ایسی قائل کرنے والی بات ہوتی تھی کہ مقابل نہ چاہتے ہوئے بھی اتفاق کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ کمبائن اسٹڈی کے دوران کلاس فیلوز بڑی بے تکلفی سے ان سے مخاطب ہوتیں مگر وہ صرف اسٹڈی پر فوکس کرتے اور دل میں سوچتے۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ زہرہ بتول کی تربیت ہو اور ان دنیاوی فضولیات میں ضائع کر دی جائے' یہ لوگ کبھی نہیں جان پائیں گے کہ مجھے ان سب لغویات سے کوئی غرض نہیں۔ میری منزل تو کہیں اور ہے میرا راستہ بہت طویل ہے' مجھے ایک روشن ستارہ بننا ہے۔''

اپنی انہی خصوصیات کی بنا پر انہیں سی آر منتخب کیا گیا۔ صبیحہ فرمان کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ پہلے ہی تمام پروفیسرز کی نظروں میں سید حیدر نقوی پہلے نمبر پر تھے اور اپنی جان توڑ کوششوں کے باوجود بھی وہ اس کی پوزیشن کو ڈاؤن نہیں کر پائی تھی۔ دوسرے دن بدن حیدر کی پوزیشن مزید مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے سارے ٹیچرز کا چہیتا تھا۔ اسٹوڈنٹس کو باقاعدہ ٹیچرز سے ریکویسٹ کرنا پڑتی تھی کہ وہ حیدر سے ٹائم لے دیں۔ کچھ ڈسکشنز کرنا ہیں' لڑکیوں کے نزدیک وہ اسٹون مین تھا جس کے اندر دل کی جگہ آئس برگ تھا۔ جس دن وہ سی آر بنے' صبیحہ کی ایک چیلی نے بورڈ پر بڑے بڑے جلی حروف میں لکھا تھا۔

''سرد ایسا کہ پگھلتا ہی نہ تھا لفظوں سے
آدمی تھا کہ تراشا ہوا پتھر دیکھا!!''

for the most popular C.R
of the Class

سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

❁......❁......❁

کلاسیکل پوئٹری کی کلاس شروع ہو چکی تھی۔ پروفیسر ذکی الرحمٰن کی کلاس تھی۔ کلاس میں پن ڈراپ سائلنس تھا۔ اس سے پہلے کہ سر اپنا لیکچر شروع کرتے ایک دم صبیحہ فرمان کھڑی ہو گئی۔

''سر! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' اس کے لہجے نے سب کو چونکا دیا۔

''جی کریں۔'' سر نے اپنا کام موقوف کر کے اسے دیکھا۔

جواہرات سے قیمتی

❖ جو زبان کو قابو میں نہیں رکھتا' شرمندہ ہوتا ہے۔
❖ اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت دو' جو اچھا ہو گا وہ خوشی دے گا جو بُرا ہو گا وہ سبق دے گا۔
❖ آزادی اس کا نام نہیں کہ اخلاق یا مذہب کی پابندی نہ کی جائے۔
❖ اگر تم ایسی باتیں سنو جو تمہیں ناگوار محسوس ہوں تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ سچی تو نہیں۔
❖ راز کو پوشیدہ رکھنا اپنی عزت بچانا ہے۔
❖ اپنا مزاج درو شانہ رکھو' چاہے تمہارا لباس شاہانہ ہو۔
❖ محبت اور خلوص فاصلوں کو مختصر کر دیتے ہیں۔

سدرہ کشف...... خیر پور ٹامیوالی

”سر! مجھے آپ سے اس کلاس کے سی آر کی شکایت کرنی ہے۔“ اس کی بات پر ساری کلاس کے سر حیدر کی طرف گھوم گئے۔

”کیسی شکایت؟“ سر کے ماتھے پر شکن آ گئی۔

”سر مجھے بہت مجبور ہو کر آپ کو بتانا پڑ رہا ہے کہ حیدر نقوی مجھے تنگ کرتا ہے۔ میں نے اسے روکنے کی سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر میں ناکام ہو گئی ہوں۔ اس لیے مجھے یہ معاملہ آپ کے نوٹس میں لانا پڑا ہے۔ سر! یہ دن رات مجھے ٹیکسٹ اور کالز کر کر کے تنگ کرتا ہے۔ سر پلیز اسے سمجھائیں۔ سر پلیز! کچھ کریں۔“ اس کے چہرے سے لاچاری اور بے چارگی ٹپک رہی تھی۔

سر ذکی الرحمن کے چہرے پر حیرت کی ایک لہر آئی' انہوں نے حیدر کی طرف دیکھا جوان کے دیکھنے کے انداز پر فوراً کھڑے ہو گئے۔

”حیدر! کیا یہ سچ بول رہی ہے؟“ انہوں نے بے یقینی سے حیدر کا چہرہ دیکھا جو غصے سے سرخ ہو رہا تھا مگر وہ خود پر ضبط کر کے کھڑے رہے۔ ساری کلاس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ بھلا حیدر نقوی یہ سب کر سکتے تھے؟ کوئی یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ دبی دبی سرگوشیاں ہونے لگیں۔

”سر! اس بات کو سچ جھوٹ کے ترازو پر بعد میں پرکھا جائے پہلے ان سے کہیں کہ کیا کلاس کی باقی لڑکیاں مر گئی ہیں جو میں انہیں ٹیکسٹ یا کالز کروں گا؟ ان میں ایسا کیا ہے جو ایسی گری ہوئی حرکت کی جائے؟“ انہوں نے ہاتھ اٹھائے بغیر ایسی مار ماری کہ صبیحہ فرمان کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس کا پروگرام شاید اس پلان کو مزید لمبا کھینچنے کا تھا مگر ایسی بے عزتی کے بعد اس نے فوراً سے ہتھیار پھینک دیے۔

”سوری سر! آج فرسٹ اپریل ہے تو......“ اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

”اپریل فول تو آج آپ بن گئیں صبیحہ بی بی۔“ پروفیسر ذکی الرحمن کے چہرے پر ایک محظوظ کن مسکراہٹ تھی۔

اب کی بار ساری کلاس نے قہقہہ لگایا تھا۔

❀......❀......❀
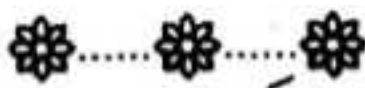
خدا کے فیصلے بڑے مکمل ہوتے ہیں' کوئی اعتراض نہیں کرتا' نہ کر سکتا ہے' دولت سے مالا مال ہونے کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اس کے پاس باقی صلاحیتیں بھی ہوں۔ فریال خان ایک ایلیٹ کلاس کی امیر زادی...... پچھلے دو گھنٹوں سے ان کے انتظار میں تھی۔ کتنی منتیں کر کے اس نے ان سے تھوڑا وقت مانگا تھا۔ انگلش لٹریچر کے حوالے سے کچھ کونسپٹ کلیئر کرنے کے لیے۔ اور جب وہ یونیورسٹی کے گیٹ سے اندر آئے تو وہ اپنی نیو ماڈل کی گاڑی کے بونٹ پر ٹیک لگائے کانوں میں ہینڈ فری لگائے ٹائم پاس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

انہیں دیکھ کر چند لمحے سحر زدہ سی رہی' خدا معلوم ایسی کیا بات تھی اس شخص میں جو اتنی شدت سے اپنی طرف کھینچتی تھی مگر وہ ایسا پتھر مجال ہے جو ذرہ بھر بھی اثر ہوتا ہو۔ اتنی خوب صورتی سے لڑکیوں کو ان کی حد میں رکھتے کہ محسوس بھی نہ ہوتا۔ ان کی کامیابیوں کا سفر جاری تھا مگر ذرا سی بھی چھٹی ملنے پر وہ ماما کے پاس بھاگنے کی کرتے۔ زندگی میں ایک عزم ایک ولولہ تھا۔ اس لیے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔ وہ بہت مصروف رہتے تھے۔ ماما نے یہ چیز ان کی تربیت میں داخل کر دی تھی۔

❀......❀......❀
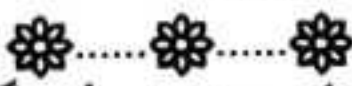
اس پرسکون ندی کی مانند بہتی ہوئی زندگی کو پہلا جھٹکا تب لگا جب ظہور ماموں کے بیٹے فیاض نے گھریلو جھگڑوں اور آئے دن باپ کی لعنت وملامت کی وجہ سے خودکشی کر لی۔ معاملہ نازک اس وقت ہوا جب فرقان کی اس کے ساتھ موجودگی پتہ چلی اور اس سے بھی خوف ناک یہ ہوا کہ ظہور ماموں نے فیاض کے قتل کا الزام فرقان نقوی پر لگا دیا۔

”نقوی ولا“ میں جیسے ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

ظہور ماموں کا موقف یہ تھا کہ فرقان اور فیاض میں دو دن پہلے جھگڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے فرقان نے انتقام

میں آ کر اسے زہر کھلا دیا تھا۔ سارا خاندان اس بات سے متفق تھا کہ یہ سراسر الزام تھا۔ سب نے نقوی ولا کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا۔

ظہور ماموں اس طرف داری پر زخمی ناگ کی صورت اختیار کر گئے۔ زینت خالہ اور امینہ خالہ نے جھٹ سوچا' کتنا اچھا ہوا جو انہوں نے ابا کی جائیداد میں سے اپنا حصہ نکلوالیا تھا ورنہ خدا جانے وہ ان دونوں کے ساتھ کیا کرتے اور جانے ان دونوں پر کیا کیا الزام لگاتے۔

ابھی تو زہرہ خاتون نے ان کے لیے اتنی عظیم قربانی دی تھی کہ ان کے لیے اپنا جائز حصہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے باوجود ظہور نقوی نے ان کی عزت کا پاس نہ رکھا تھا' اور یوں بلا دریغ بے خوف خطر ان کے بیٹے کو قاتل قرار دے دیا تھا۔

❁......❁......❁

ساری پنچائیت موجود تھی۔ ظہور ماموں نے واضح طور پر فرد جرم فرقان پر عائد کر دی تھی۔

''نقوی ولا'' جیسا وضع دار اور سادہ گھرانہ اس افتاد پر ابھی تک حیران و پریشان تھا۔ ان کے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہ تھا' مگر اللہ کی ذات نے اس مقام پر انہیں تنہا نہ چھوڑا تھا۔ سارا خاندان ساری برادری ان کے ساتھ تھی اور اعلانیہ طور پر ان کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

جب ساری برادری کا دباؤ پڑا تو ظہور ماموں اپنا بیان واپس لینے پر مجبور ہو گئے مگر اپنی بے وقوفی میں کیے گئے اس احمقانہ فیصلے کا نتیجہ بہت بھیانک بھگتنا پڑا تھا۔ زہرہ خاتون نے ان سے قطع تعلقی اختیار کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ جس پر سارا خاندان ان کا ہم نوا تھا۔ رشتے بنانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا رشتوں کو نبھانا مشکل ہوتا ہے۔ وقتی طور پر اپنی پوزیشن کو بچانے کے لیے اور اس شرمندگی و خفت کو مٹانے کے لیے ظہور ماموں نے بھی بڑے تنتنے کے ساتھ رشتوں کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا مگر کہیں اندر سے انہیں بھی پتہ تھا کہ ان کے دل میں چور تھا۔ انہوں نے غلط کیا تھا مگر سب کے سامنے یہ غلطی تسلیم کون کرتا؟ اگر انسان آسانی سے اپنی غلطیاں تسلیم کرنے لگ جائے تو دنیا کے آدھے مسائل حل ہو جائیں۔

جینے کا اصول

زندگی کی شاہراہ پر
چلتے چلتے بے دم ہو کر
ٹھہر جانا' سانس لینا
پھر چل پڑنا
سنو......!
یہ جینے کا اصول نہیں
چلتے رہو چلتے رہو
منزل مقصود پر پہنچنے تک
گر ٹھہر گئے تو مر گئے
چلتے رہے تو جیت گئے

انیلہ سخاوت...... میانوالی

❁......❁......❁
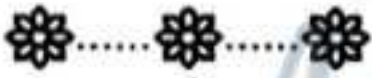
ناشتے کی میز پر وہ سب لوگ موجود تھے اور موضوع گفتگو حیدر ہی تھے۔ ماما کا کہنا یہ تھا کہ اب جبکہ ان کا ماسٹرز مکمل ہو چکا تھا تو انہیں واپس آ جانا چاہیے۔ بابا کا کہنا تھا کہ انہیں ایم فل میں ایڈمیشن لینا چاہیے اور وہ دونوں اپنی بحث میں الجھے یہ فراموش کر بیٹھے تھے کہ حیدر کا کیا کہنا تھا ناشتے میں دو سلائس اور ایک کپ چائے لینے کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے اور اسی شام جب ماما ان کے لیے شام کی چائے لے کر آئیں تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں پاس بٹھالیا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے ماما۔'' ان کے لہجے میں ہلکا سا اضطراب تھا۔ انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا پھر پیار سے اس کے بال سنوارے۔

''بھلا ایسی کون سی بات ہے جس نے میرے چاند کو اتنا بے چین کر دیا ہے؟'' وہ محبت سے پوچھ رہی تھیں۔

حیدر کے چہرے پر روشن مسکراہٹ آ گئی۔ ماما سے بڑھ کر انہیں کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

"آج آپ اور بابا مجھ سے میرے کیریئر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے مگر میری اپنی بھی ایک خواہش ہے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے مجھے بہرصورت آپ کا ساتھ چاہیے اگر آپ اجازت دیں گی تو میرے راستے روشن ہوں گے میری محنت میں برکت ہوگی اور اگر آپ انکار کردیں گی تو میں سب سے پیچھے ہٹ جاؤں گا۔" ان کے لہجے میں آس امید یقین تھا اور آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے بڑا الوہی سا احترام تھا۔ ان کے چہرے پر روشنی پھیلتی گئی۔

"حیدر! میرا بچہ۔" انہوں نے کہتے ہوئے حیدر کا ماتھا چوما۔ "مجھے بتاؤ ایسا کون سا مسئلہ ہے جس نے میرے بیٹے کو اتنا بے چین کردیا ہے؟ ایسا کیا ہے جس کے لیے تمہیں یوں اجازت لینے کی ضرورت پیش آئی؟"

"ماما مجھے سی ایس پی بننا ہے۔" انہوں نے مدھم لہجے میں کہا اور اب وہ انہیں بتا رہے تھے کہ وہ ہمیشہ سے سول سپریئر سروسز میں انٹرسٹ رکھتے تھے اور اب جبکہ ان کی ڈگری مکمل ہوچکی تھی تو اب وقت آگیا تھا کہ وہ اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار ہوجائیں۔

ماما ان سے تفصیل پوچھ رہی تھیں کہ وہ کس طرح سے تیاری کا آغاز کریں گے اور کیا اس کے لیے وہ لاہور چھوڑ کر یہاں نہیں آسکتے؟ مگر حیدر کا کہنا تھا کہ سی ایس ایس کی تیاری کے لیے لاہور سے بہتر جگہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہاں پر بہترین استاد موجود تھے اور ان کے مضامین کے حوالے سے ہر طرح کا مواد کتابی شکل یا دیگر اشکال جیسے نوٹس ہارڈ یا سوفٹ کاپی میں موجود تھا۔ ماما سمجھنے والے انداز میں ان کی بات سنتی رہیں۔ بیٹے کی اتنی بڑی خواہش اور عزم سے انکار تو کسی صورت ممکن نہ تھا۔ انہوں نے اس کو ڈھیروں دعاؤں کے جلو میں اجازت دے دی تھی۔ وہ روایتی ماؤں کی طرح نہیں تھیں کہ بیٹے پر اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق کوئی زبردستی کا فیصلہ صادر کرتیں بلکہ وہ اس بات پر خوش تھیں کہ حیدر نے اپنی مرضی سے اپنی منزل اور کیریئر کا چناؤ کیا تھا۔

❀......❀......❀

جنون عشق کو شاید......
بدلنا بھی نہیں ممکن!
جو دھن ہو کر گزرنے کی!
تو پلک جھپکائی جائے کیوں؟

اور یہ بات ان سے ملنے والا ان کو جاننے والا ہر شخص کہتا کہ "جب حیدر نقوی کچھ کر گزرنے پر اتر آئے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟"

ان کے پروفیسرز اسے سولہ سے اٹھارہ گھنٹے پڑھتے دیکھتے تھے وہ سب اپنے اپنے شعبے کے ماہر تھے جانتے تھے کہ جس راستے کا انتخاب وہ کرچکا تھا وہ راستہ کوئی پھولوں کی سیج نہ تھا بلکہ وہ کانٹوں مسئلوں اور کٹھنائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس راستے کو عبور کرنے کے لیے کئی آگ و خون کے دریا پار کرنے پڑتے تھے۔ کئی کڑی منزلوں کو پاٹنا پڑتا تھا۔

وہ سب جانتے تھے کہ اس راہ میں کہاں روا چٹان میں بدلتا تھا اور ایک گھڑا کھائی کی صورت اختیار کرسکتا تھا۔ اس لیے وہ اس کا ہاتھ رہنمائی کی روشن چھڑی میں تھامے اس کے لیے ہر طرح سے رہبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اپنے انتہائی قیمتی وقت سے وقت نکالنا بڑا مضمحل تھا مگر اس کے لیے یہ کیا گیا۔ وہ لگن اور شوق جوان میں تھا وہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے اور اسی چیز کی وجہ سے سب کی بے پناہ امیدیں تھیں کہ وہ پہلی کوشش میں ہی مقابلے کا امتحان پاس کرجائیں گے۔

ماما تو ہر قدم پر ان کے ساتھ تھیں۔ ویک اینڈز پر وہ گھر آتے تو جیسے ہر چیز میں جان سی پڑ جاتی۔ وہ صرف ان کا بیٹا ہی نہیں بلکہ وہ ان کا دوست بھی تھا جس سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھیں اور سب سے بڑھ کر ان کا با اعتماد مشیر تھا جس سے وہ ہر طرح کے معاملات پر مشاورت کرلیا کرتی تھیں۔

ان کے سی ایس ایس کے پیپرز فروری میں تھے اور دسمبر کی چھٹیوں میں وہ گھر آئے ہوئے تھے جب وہ واقعہ

پیش آیا جس نے آنے والے وقت میں ان کے گھر کئی مزید فسادات اور جھگڑوں کی بنیاد رکھی اور ان کی زندگیوں میں وہ طوفان لے کر آیا جس سے ان کا آشیانہ بکھر گیا۔

وہ اکیس دسمبر کی ایک سرد اور ٹھٹھرتی شام تھی جب زینت خالہ اور خالوان کے گھر حیدر کے لیے اپنی بیٹی ثانیہ کا رشتہ لے کر آئے۔

''نقوی ولا'' میں جیسے ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔

زینت خالہ انتہا درجے کی خود غرض' مکار اور سازشی ذہنیت رکھنے والی عورت تھیں۔ حیدر پر تو ان کی نظر بڑی دیر سے تھی اور ثانیہ کے لیے ہمیشہ انہوں نے حیدر کو ہی سوچا تھا۔ بھلا اپنی انٹر فیل بیٹی کے لیے (جسے نہ بولنے کی تمیز تھی نہ بیٹھنے اٹھنے کی) حیدر سے بہتر لڑکا انہیں کہاں سے ملتا؟ اتنا خوب صورت' پڑھا لکھا لڑکا جس کا مستقبل اس کے کردار کی طرح روشن تھا اور اس جیسا فرماں بردار' نرم گو اور زہرہ خاتون کی بہترین تربیت کا مظہر...... وہ چاہتی بھی تو ایسا گوہر نایاب اپنے کھونٹے سے کے لیے نہ ڈھونڈ سکتی تھیں۔

ان کی نظریں تو بڑی دیر سے تاڑ چکی تھیں کہ شکار کیسے پھانسا ہے بلکہ انہیں یقین تھا کہ انہیں کوئی مسئلہ نہ ہوگا' زہرہ خاتون کو ان کی سادگی اور بھولپن کی وجہ سے وہ بڑی آسانی سے اپنی راہ ہموار کرنے کے لیے استعمال کر سکتی تھیں۔ اسی لیے جب انہوں نے حیدر کے لئے ثانیہ کا رشتہ ڈالا تو انہیں یقین تھا کہ یہ معاملہ تو اسی دن حل ہو جائے گا' انکار کی نہ تو کوئی وجہ تھی نہ ہی کوئی ایسا درمیان میں تھا جو کسی طرح بھی معاملے کو خراب کرنے کی کوشش کرتا۔ دوسری طرف زہرہ خاتون کو جب آنے کا مقصد پتا چلا تو وہ بھی کسی حد تک مخمصے کا شکار ہو گئیں۔

انہوں نے زینت خاتون کو حیدر کے ماتھے کے چٹا چٹ بوسے لیتے دیکھ کر سوچا بھلا حیدر کا کیا ری ایکشن ہوگا؟ اور جیسے ہی زینت خالہ واپسی کے لیے نکلیں' اس کا ری ایکشن سامنے آ گیا۔ وہ اس قدر مشتعل تھا کہ ماما کو اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔ اسے جیسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ ماما نے اتنا کولڈ ری ایکشن دیا تھا۔

''ماما! آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں کہ جو خالہ کا خیال ہے میں وہ پورا کروں تو یہ ناممکن ہے۔ آپ بھول جائیں ایسا کچھ بھی ممکن ہو سکے گا۔'' اس کا اتنا بگڑا ہوا انداز وہ پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ اسے مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش ناکام جاتی دیکھ کر وہ اس سے ناراض ہو گئیں۔

اگلی صبح وہ ان کے کمرے میں گئے تھے اور بڑے تھکے انداز اور افسردہ دل کے ساتھ ان سے اپنے دل کی حالت شیئر کر کے اسی طرح واپس چلے گئے۔

❀......❀......❀

اور وہ تو چلا گیا مگر زہرہ خاتون کو سوچوں کے عمیق سمندر میں ڈوبا چھوڑ گیا۔ وہ بیٹا تھا اور بیٹا بھی ایسا فرماں بردار جس پر وہ فخر کرتی تھیں مگر اب کی بار وہ کیسے دوراہے پر لے آیا تھا انہیں؟ انہوں نے خود کو ہمیشہ اپنی اولاد کے سامنے آئیڈیل بنا کر پیش کیا تھا مگر انہیں اس چیز کا اندازہ نہیں تھا کہ حیدر یہ آئیڈیلزم اپنی زندگی کے ساتھی میں بھی ڈھونڈے گا۔ اندر سے وہ خوش بھی تھیں اور دکھی بھی۔ کچھ ایسے ہی ملے جلے تاثرات تھے ان کے اور اگلی صبح بابا علی رضا ان کے پاس بیٹھے انہیں سمجھا رہے تھے۔

''زہرہ! وہ آج کے دور کا لڑکا ہے' اگر وہ راضی نہیں ہے تو ہمیں زبردستی نہیں کرنا چاہیے۔ ہم نے زندگی کے ہر مرحلے پر اسے آزادی دی ہے ہمیں اب اسے یوں مجبور نہیں کرنا چاہیے۔'' ان کا لہجہ مدھم اور مضبوط تھا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ وہ خوش نہیں ہے مگر آپ خود سوچیں میں زینت کو کس طرح انکار کروں؟ بیٹی کا معاملہ ہے' اور بیٹیوں کے معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں۔'' وہ سخت الجھن میں تھیں۔

''تم زیادہ دل پر لے رہی ہو۔ میں مانتا ہوں کہ یہ بیٹی کا معاملہ ہے' مگر ابھی یہ صرف ایک بات ہے کچھ بھی فائنل نہیں ہوا۔'' ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

''مگر اب تک یہ معاملہ سب کے علم میں آ چکا ہے۔ ہم پیچھے ہٹیں گے تو لوگ باتیں بنائیں گے۔'' وہ

مضطرب ہوئیں۔
"تمہیں لوگوں کی پروا نہیں کرنا چاہیے۔ لوگ تو ہر حال میں باتیں بناتے ہیں۔ لوگ تو تب بھی باتیں بناتے تھے جب وہ لاہور پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے تو تب بھی باتیں بنائی تھیں جب اس نے لٹریچر کا انتخاب کیا تھا' جب تم نے تب ان چیزوں کی پروا نہیں کی تو تمہیں اب بھی نہیں ہونی چاہیے۔" بابا نے کہا۔ ماما خاموشی سے چند لمحے انہیں دیکھتی رہیں۔
"مجھے لگتا ہے مجھے ایک دفعہ پھر حیدر سے بات کرنی چاہیے۔ مجھے لگتا ہے میں اسے منالوں گی۔" ان کے انداز میں امید تھی۔
"ٹھیک کہا' تم اسے منالو گی مگر اس کے دل کو نہیں' پھر بھی بات کر کے دیکھ لو۔ ویسے بھی رات اس کا جوری ایکشن تھا مجھے نہیں لگتا کہ اب وہ اس موضوع پر بات بھی سنے گا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھے اور وہاں سے نکل گئے۔ اور دہری کشمکش میں مبتلا زہرہ خاتون وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

ان کی ڈھیروں دلیلوں اور فوائد بتانے کے بعد کہ خاندان میں شادی کتنی سود مند ہے اپنے' اپنے ہی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور انہوں نے جواب میں صرف اتنا ہی کہا تھا۔
"مجھے کوئی اعتراض نہیں ماما' آپ اسے بہو بنا کر لے آئیں مگر میں اسے بیوی نہیں بناؤں گا۔" ان کے لہجے میں ایسی سرد مہری تھی کہ چند لمحے ماما گنگ سی رہ گئیں۔
"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" ان کے انداز میں حیرت نما دکھ تھا۔
"میں ایسا گستاخ اور بے ادب نہیں ہوں۔ میں صرف آپ کو بتا رہا ہوں۔" ان کا لہجہ دھیما ہی تھا۔
وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور تنے ہوئے چہرے کے ساتھ وہاں سے نکل گئیں۔ ماہا خاموشی سے یہ سب ہوتا دیکھ رہی تھی۔ بھائی اور ماما کے درمیان کوئی تنازعہ پہلی دفعہ پیدا ہوا تھا اور وہ بھی اتنا طول پکڑ گیا تھا۔ ان کی چھٹیاں ختم ہوگئیں اور وہ واپس لاہور چلے گئے۔
ایک بار پھر ان کی اپنی دنیا تھی' جو آباد ہوگئی تھی' اور سارے مسائل وہ کہیں پیچھے ہی چھوڑ آئے تھے۔

❁......❁......❁

زینت خالہ کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا وہ ہر صورت کوئی مثبت جواب سننا چاہتی تھیں جبکہ زہرہ انہیں ٹال ٹال کر تھک چکی تھیں۔ اب مزید اس معاملے کو لٹکانا فضول تھا۔ مگر وہ اسے یوں فون پر ختم کر سکتی تھیں نہ حل' اس کے لیے انہیں ہر حال میں زینت خاتون کے پاس جانا تھا اور ان سے یہ معاملہ تفصیلاً ڈسکس کرنا تھا اور انہیں ٹھنڈے دل سے سمجھانا تھا کہ جب ان کا اپنا بیٹا ہی نہیں مان رہا تو وہ کس برتے پر ہاں کریں۔
اور جب یہی بات انہوں نے علی رضا کو بتائی تو انہوں نے بھی اتفاق کیا تھا کہ فون پر انکار کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ خود مل کر اس مسئلے کا حل نکالیں۔
جنوری کے آخری دن تھے۔ حیدر اس ماہ کے ویک اینڈ پر گھر نہیں آسکے تھے۔ اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں ان کے ایگزامز اسٹارٹ ہو رہے تھے اس لیے انہوں نے معذرت کرلی تھی۔ البتہ جب انہیں پتا چلا تھا کہ ماما اور چھوٹی بہن ماہا خالہ کی طرف جانے کی تیاریوں میں تھیں تو انہوں نے جواباً خاموشی اختیار کرلی تھی۔ مثبت یا منفی کسی بھی قسم کے تاثرات کا اظہار نہ کیا تھا۔
ان کے پیپرز میں دو دن رہتے تھے جب ماہا کا فون آیا تھا کہ اگلی شام وہ لوگ آبائی گاؤں روانہ ہو رہے تھے۔ حیدر نے سرسری طور پر سنا تھا' اس بات کو' ان کے ہاتھ میں نوٹس تھے اور ان کا سارا دھیان ان کی طرف لگا ہوا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ زندگی آئندہ ان کے ساتھ کیا کرنے والی تھی۔
ان کے ابتدائی دو پیپرز انتہائی شاندار ہوئے تھے اور اگلے دن جبکہ ان کے مزید دو پیپرز تھے اور وہ چائے پیتے ہوئے ماما سے بات کر رہے تھے جو کہ زینت خالہ کے گھر

پہنچ چکی تھیں۔ پندرہ منٹ تک وہ ان سے تفصیلاً بات کرتے رہے۔ سفر کا احوال، ان کا حال چال اور دیگر معاملات پر، پھر انہوں نے فون بند کردیا۔

❁......❁......❁
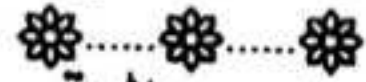
زینت خالہ ان کے ساتھ بیٹھی تھیں اور ان کے اردگرد امینہ خالہ اور ثانیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ زہرہ خاتون نے تھوک نگل کر زینت خالہ کو دیکھا جو اس آس پر ادھر ادھر نظر دوڑا رہی تھیں کہ شاید وہ رشتہ پکا کرنے آئی تھیں مگر ساتھ شگن کا سامان اور مٹھائی کیوں نہیں تھی؟ ان کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

انہوں نے تو ثانیہ کو بھی دلہن کی طرح تیار کروایا تھا جو کہ تیز اورنج اور پیرٹ کنٹراسٹ میں انتہائی اناڑی پن سے کیے گئے میک اپ میں بے حد بھونڈی لگ رہی تھی۔

مگر زہرہ کے تاثرات نے انہیں ٹھٹکا دیا تھا۔ مستزاد وہ ماہا کے ساتھ آئی تھیں، ان کے ساتھ فوقی یا علی رضا کیوں نہیں آئے تھے؟ ان کے اندر خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ کہیں نہ کہیں کچھ غلط ضرور تھا۔ ان کی سوالیہ نگاہیں زہرہ خاتون کے چہرے پر جم گئیں۔ انہیں جواب اسی چہرے سے چاہیے تھا۔

زہرہ خاتون نے بڑے دھیمے انداز میں بات شروع کی تھی مگر ان ادھوری بات سے ہی زینت خالہ پورا مفہوم پا گئیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے ان کا رنگ سرخ پڑ گیا اور آنکھیں خوف ناک حد تک باہر کو ابل آئیں اور وہ پھیپھڑوں کی پوری طاقت لگا کر چیخ اٹھیں۔

''بس زہرہ! آگے ایک لفظ مت بولنا۔''

''میری بات تو سنو زینت۔'' انہوں نے گڑبڑا کر کچھ کہنا چاہا مگر ان کی مدھم آواز کہیں اندر ہی دب گئی اور زینت پورے زور سے چلانے لگ گئیں۔

''تم مجھے یہاں یہ بتانے آئی ہو کہ تمہارا بیٹا نہیں مانا اس رشتے کے لیے...... ارے یہ خنجر وہاں بیٹھی گھونپ دیتیں۔ یہاں مجھ بوڑھی کا اور میری معصوم بیٹی کا تماشا دیکھنے کیوں چلی آئیں؟'' ان کے انداز میں اتنا واویلا تھا کہ زہرہ گھبرا کر اٹھ گئیں۔

''تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا زینت! میں نے تو سوچا تھا کہ گھر کی بات ہے مل بیٹھ کر سلجھا لیں گے۔'' وہ جلدی جلدی وضاحت دے رہی تھیں۔

''گھر کی بات؟ کون سی گھر کی بات؟ تم تو مجھے ذلیل کرنے آئی ہو یہاں! ہونہہ بیٹا نہیں مانتا۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کہ اسے وہاں عیاشیوں کے لیے بھیجا ہوا ہے باہر منہ مارنے کی عادت پڑ گئی ہے اسے، گھر کا کھانا اسے پسند نہیں رہا۔ وہ کیوں پسند کرے گا میری معصوم نیک اور صوم وصلوٰۃ کی پابند بیٹی کو۔ اسے باہر کا نشہ لگ گیا ہے۔ خاندان کے سامنے ڈھونگ کیوں رچاتا ہے فرماں برداری کا؟ شکل دیکھو اور کرتوت دیکھو...... ارے رامینہ! دیکھو اس نے بہن ہو کر میرا کلیجہ چاک کردیا۔ زہرہ جا...... میری بددعا ہے تجھے کبھی سکھ نہ ملے...... تیرا بیٹا دنیا میں ذلیل ہو، کیڑے پڑیں اس میں۔'' وہ نفرت سے بین کرتی بددعائیں دے رہی تھیں۔ اور زہرہ خاتون کا رنگ زرد پڑتا جارہا تھا۔

''میرے بیٹے کو بددعا مت دو زینت...... اسے کچھ مت کہو۔'' انہوں نے گھٹی گھٹی سانس کے ساتھ کہا ان کا دل بے حد ڈوب رہا تھا اور بائیں بازو میں درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔

''کیوں نہ کہوں...... دس بار کہوں گی۔ تمہیں کوئی خوشی نصیب نہ ہو اولاد کی، جیسے تم نے میری بیٹی کو ذلیل ورسوا کیا ہے اسی طرح تیری ماہا ذلیل ہو۔'' وہ برابر بددعائیں دے رہی تھیں۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر یکلخت زہرہ کو دھکے دینے شروع کردیے۔

''نکلو میرے گھر سے، میں تم دونوں کو ایک منٹ یہاں برداشت نہیں کروں گی، تم جیسی سازشی اور مکار عورت کو اپنے گھر میں نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ انہیں باہر کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

ماہا بلند آواز میں رو رہی تھی۔ مگر وہاں اس کی پکار سننے والا کون تھا۔ زہرہ ان کی منت کررہی تھیں کہ ان کی بات سن لیں مگر زینت خالہ میں جانے کون سی چڑیل کی بدروح سمائی ہوئی تھی کہ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھیں۔ امینہ خالہ شاید ان کو روکنے کی کوشش کرتیں مگر اس سے پہلے ہی زہرہ چکرا کر گریں اور ماہا کی چیخ سارے کمرے میں پھیل گئی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀
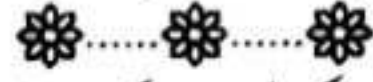
انہوں نے فون کی طرف دیکھا جو پھر سے بج رہا تھا۔ انہیں حیرت ہوئی ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو ان کی ماما سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے فون اٹھایا اور پھر ساری زندگی وہ یہی سوچتے رہے کہ کاش انہوں نے یہ کال کبھی نہ پک کی ہوتی۔

جو خبر انہیں سنائی گئی تھی وہ اس قدر خوف ناک تھی کہ چند لمحوں تک ان کا سانس ٹریفک جام کی طرح رک سا گیا۔ ساکت! اور ہر چیز پس منظر میں چلی گئی۔

وہ ہستی، جس میں ان کی جان تھی...... وہ ذات، جس سے انہیں عشق تھا...... وہ پاکیزہ صفت، جس نے درندوں کی اس دنیا میں انہیں انسان بنایا تھا...... ان کی زندگی کا اثاثہ...... ان کا سرمایہ حیات...... ان کی زندگی کی وجہ...... ان کی متاع جاں!

ان کی پیاری ماما انہیں چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔ کیسی ہولناک آتش زدگی ہوئی تھی ان کے وجود میں۔ انہیں لگا اب شاید وہ کبھی سانس نہ لے سکیں گے۔ نہ ہی کبھی اس دنیا کا سامنا کرسکیں گے۔ سب ختم ہوگیا تھا۔

ان کی زندگی کی وجہ...... آگے بڑھنے کی دھن...... کچھ کرکے دکھانے کی چاہ...... اور ایک منزل کی جستجو......!! سب ختم ہوگیا۔

ہر چیز مٹھی میں بند ریت کی مانند پھسلتی گئی...... مرجانا! چلے جانا نہیں ہوتا...... چلے جانے والے کبھی نہ کبھی ضرور لوٹ آتے ہیں...... نا بھی آئیں، آس پھر بھی رہتی ہے...... مرجانے والے کبھی نہیں لوٹتے......

نا ہی کوئی امید، کوئی آس، کوئی چراغ، کوئی لو باقی رہتی ہے......

بس رات رہ جاتی ہے...... کالی سیاہ رات...... کالی دکھ جیسی دکھوں کے بھی رنگ ہوتے ہیں...... موت کا دکھ کالا ہوتا ہے...... سیاہ اور تاریک...... مرجانے والے کبھی نہیں لوٹتے...... اور پیچھے رہ جانے والوں کو روند جاتے ہیں...... کالے اور سیاہ رنگ والے دکھ کے پتھروں تلے......

آج تین دن گزر چکے تھے اس قیامت کو ان کی ذات پر بیتے...... اور ان تین دنوں میں صرف یہ ہوا تھا کہ وہ خاموشی سے ایک جگہ جامد بیٹھے رہتے اور انہیں خبر بھی نہ ہوتی اور آنسو ان کی آنکھوں سے بہتے جاتے اور پھر ان کا بی پی شوٹ کرجاتا اور وہ اپنے حواس کھودیتے......!! صدمہ اس قدر جان لیوا تھا کہ ان کا ذہن اسے تسلیم کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ جیسے جیسے وہ اسے سوچتے...... ان کا دل تڑپتا...... ان کا دماغ احتجاج کرتا...... جسم کا بند بند چیختا اور مجبوراً نروس سسٹم ان کو عارضی بے ہوشی کی طرف دھکیل دیتا۔

اگرچہ "اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ کسی جان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔" مگر نجانے کیوں یہ اذیت ان کی رگ رگ کو توڑ رہی تھی۔ وہ کسی طرح بھی اس صدمے کو سہار نہ پارہے تھے۔ جانکنی کی اس حالت میں بھی انہیں ماما ہی یاد آتیں۔ اپنی الوہی مسکراہٹ اور آفاقی محبت کے ساتھ۔ اور ان کا روم روم چیختا......

"ماما! میری پیاری ماما! واپس آجائیں، بس ایک بار واپس آجائیں، میں آپ کی ہر بات مان لوں گا ایک بار واپس آجائیں۔" نیند کی ادویات زیر اثر سوتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے اور دل سے خون!!

ڈاکٹرز کہتے تھے ماما کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا مگر وہ جانتے تھے یہ ہارٹ اٹیک کب تھا یہ تو صریحاً قتل تھا۔ جو ایک بہن نے دوسری بہن کا کیا تھا۔ دونوں کے درمیان کوئی ذاتی رنجش نہ تھی۔ دونوں کو اپنی اپنی اولاد عزیز تھی۔ اور اپنی اپنی عزیز چیز کو بچاتے ہوئے ایک نے جان ہاردی۔

ان کو لگتا ماما تو ایک ہی دفعہ اذیت برداشت کرکے اس دنیا کے دکھوں سے نجات پاگئی تھیں ان کا کیا؟ جن کا

دل ہر لحظہ ڈوبتا تھا۔ وہ جیسے خود پر سے اختیار کھو بیٹھے تھے۔ انہیں تو یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ سی ایس ایس کے پیپرز دے رہے تھے اور ابھی تو صرف ان کے دو پیپرز ہوئے تھے۔ ان کا فون بجتا رہتا...... پروفیسرز کے فون' کلاس فیلوز کے فون' بیچ میٹس کے فون' تعزیتی فون۔ مگر وہ کسی سے بات ہی نہ کرتے' دنیا میں' دنیا کے معاملات میں ان کی دلچسپی یکسر ختم ہوگئی تھی۔

مگر دنیا انہیں واپس بلاتی تھی......اور وہ واپس جانے پر آمادہ نہ تھے۔

بابا' ماہا اور فوقی......سب اس کو سمجھانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہتے مگر ناکام رہتے۔ قصور ان کا بھی نہیں تھا۔ وہ کوشش کرتے تھے مگر کوشش ناکام ہوجاتی۔

ماما کی جدائی ان کے دل میں کسی گرم سلاخ کی مانند گڑی تھی۔ جو دن رات سلگتی رہتی تھی اور درد تازہ رہتا تھا کم ہی نہ ہوتا تھا۔ گھٹتا ہی نہ تھا' بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ درد کا اثر پھیلتا ہی چلا جاتا تھا۔ ایسی ہی ایک شام جبکہ دھند ہر سو چھائی ہوئی تھی اور ماحول میں ایک دکھ بھری اداسی تھی۔ ماہا شام کی چائے لے کر آئی تو وہ بیڈ پر نیم دراز تھے اور آنکھیں جانے کہاں مرکوز تھیں۔

ماہا کے آنسو بہنے کو بے تاب تھے۔ وہ سسکیاں دباتی باہر نکل گئی۔ حیدر بے خبر تھے اور اسی طرح ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

❁......❁......❁

وہ ہمیشہ کی طرح ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ اور ماما بڑے پیار سے ان کے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں۔

''حیدر! میری آنکھوں کا نور' میری دھڑکن' میری زندگی......'' انہوں نے حیدر کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا تھا اور جواباً ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''ماما! میری پیاری ماں' آپ کہاں چلی گئی ہیں؟'' انہوں نے بے تابی سے ان کا ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

''پگلے! میں تو ماں ہوں' میں کہاں جاؤں گی' میں تو ادھر ہی ہوں تمہارے پاس۔ تم نے دیکھا ہی نہیں۔'' وہ اسے یقین دلا رہی تھیں۔

''مگر آپ میرے پاس کیوں نہیں ہیں؟ مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟'' وہ ضبط کھو بیٹھے تھے ان کی آنکھوں سے کئی بے تاب آنسو نکل کر ماما کے ہاتھ کو گیلا کر گئے۔

''دل کی آنکھ سے دیکھا ہوتا تو نظر آتی۔ تمہیں تو غم منانے سے فرصت نہیں۔ میں کہاں سے آؤں؟ جانتے ہو مجھے کس قدر دکھ دیتے ہیں تمہارے آنسو......میری روح چھلنی کرتے ہیں تمہارے آنسو! مجھ سے تمہارا دکھ دیکھا نہیں جاتا حیدر! میرا چاند مت رویا کرو' میں نے ایسا کب چاہا تھا' کب یہ تصور کیا تھا کہ تم خود کو یوں برباد کرلوگے؟ مجھے اس سے کیا خوشی ملے گی؟ کبھی سوچا ہے تم نے کہ تمہاری اس بکھری زندگی سے مجھ پر کیا اذیت گزر رہی ہے؟ میں نے تمہیں اس لیے کب پیدا کیا تھا کہ میرا حیدر......میرا شیر یوں دل ہار کر بیٹھ جائے گا۔ میں تمہیں ایسا دیکھنا چاہتی تھی کہ دنیا تم پر فخر کرے' رشک کرے' ایک مثال بنانا چاہتی تھی میں تمہیں۔ اور تم میرے سارے خوابوں کو چھوڑ کر یوں خود کو کمرہ بند کر کے بیٹھ گئے ہو تو خود ہی بتاؤ اس سے مجھے کیا خوشی ملے گی؟ اٹھو حیدر! تمہیں میرے بکھرے آشیانے کو سنبھالنا ہے۔ دیکھو تمہاری ایک چھوٹی بہن ہے' جو کس قدر تنہا اور دکھی ہے' تمہارا ایک چھوٹا بھائی ہے' جو تمہیں بے خبر اور بے پروا جان کر دوستوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تمہارے بابا......کس قدر اکیلے ہوگئے ہیں۔ کتنا جھک گئے ہیں ان کے کندھے۔ تم بڑے بیٹے ہو اس گھر کے' تمہیں سنبھالنا ہے انہیں' ان کا بازو بننا ہے۔ اٹھو میرا بچہ! ابھی تو زندگی باقی ہے ابھی تم نے بہت کچھ کرنا ہے' اگر تم ہمت ہار و گے تو ان سب کو کون سنبھالے گا؟'' ان کا لفظ لفظ صداقت بن کر حیدر کے دل میں اتر رہا تھا۔

''وعدہ کرو تم خود کو سنبھالو گے؟'' انہوں نے بڑے پیار سے وعدہ لینا چاہا۔ حیدر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں ماما! میں آپ کی ہر بات مانوں گا' آپ کی ہر امید پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔" انہوں نے مضبوطی سے ماما کا ہاتھ تھام کر وعدہ کیا تھا۔ ماما کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ آ گئی تھی۔

❁......❁......❁
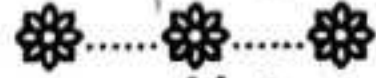
ان کی آنکھ کھلی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے تیزی سے اردگرد دیکھا مگر وہاں صرف ایک احساس ایک خوش بو تھی جو انہیں بتا دیتی تھی کہ ماما یہاں تھیں یا پھر ان کا لمس جو انہوں نے اپنے ہاتھ پر محسوس کیا تھا۔

اور اس لمس نے ان کے اندر ایک نئی توانائی اور ایک نئی روح پھونکی تھی۔ جیسا ان کا دوسرا جنم ہوا ہو۔ ایک نئی زندگی کا آغاز......!! ان کی زندگی کے قیمتی ترین چھ ماہ ضائع ہو چکے تھے۔ وہ واپس نہیں آ سکتے تھے مگر باقی زندگی تو بدلی جا سکتی تھی۔ ان کے پیپرز ضائع ہو چکے تھے۔ اور اب وہ اس پر جتنا بھی افسوس کرتے وہ واپس نہ آ سکتے تھے۔

لاہور جب وہ واپس گئے تو ان کے پروفیسرز بھی از حد دکھی تھے مگر یہ بات سب جانتے تھے کہ وہ اپنی والدہ سے کس قدر اٹیچ تھے اور یہ صدمہ ان کے لیے اس قدر جان لیوا تھا کہ اب وہ سنبھل گئے ان کے لیے یہی غنیمت تھا۔

سی ایس ایس کی اگلی اٹیمپٹ میں ابھی چھ ماہ باقی تھے۔ سب کے اصرار اور حوصلہ دینے پر وہ دوبارہ سے ایگزامز کے لیے تیار ہو گئے۔

مگر اب منزل آسان نہ تھی۔ ان کے کلاس فیلوز' دوست اور بیچ میٹس جن سے ان کی بڑی اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی وہ اپنی منزل میں ان سے ایک قدم آگے نکل چکے تھے۔ اس سفر میں اب اس نازک موڑ پر نئے دوست ڈھونڈنا اور ان کے ساتھ ہم آہنگ ہو پانا بہت مشکل تھا۔ مگر یہاں بھی سب نے ان کا ساتھ دیا تھا۔

دوبارہ سے ساری چیزوں کو منیج کیا گیا اور ایک بار پھر سے ان کی روٹین اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ اب وہ پہلے سے بڑھ کر محنت کر رہے تھے۔ ہر ویک اینڈ پر وہ گھر آتے تھے ماہا اور فوقی سے چھوٹی چھوٹی ڈھیروں باتیں اور کہیں گھومنا پھرنا...... یہی تو خوشیاں تھیں۔ بابا سے گھریلو مسائل اور خاندان میں ہونے والے نت نئے واقعات پر بات ہوتی۔ آہستہ آہستہ ہی سہی مگر زندگی ان کے گھر بھی نارمل ہونے لگی تھی۔

ایک سال گزر گیا' وقت کتنی جلدی بیت جاتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کتنی چیزوں اور لوگوں کو فراموش کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اللہ کا کس قدر کرم ہے کہ اس نے مردوں کو دفنانے کا حکم دیا ورنہ شاید کوئی بھی اپنے پیاروں کو دفن نہ کرتا۔

زہرہ خاتون کی پہلی برسی پر جب کہ زینت خالہ اور امینہ خالہ سے ان کا بالکل بائیکاٹ تھا اور ماموں سے سارے تعلقات پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔ وہ ماموں جنہوں نے فوقی پر بے بنیاد الزام لگایا تھا اور زہرہ خاتون کی وفات پر کیسے رو رو کر حیدر کو فون کر کے معافی مانگتے رہے تھے اور بس ایک التجا کی تھی کہ خدارا انہیں اپنی بہن کا چہرہ ایک دفعہ دیکھنے دیا جائے۔

اور حیدر نے انہیں اجازت دے دی تھی۔ وہ اتنے ظالم اور سخت دل نہ تھے' مگر جانے یہ ظہور ماموں کی بدقسمتی تھی یا تقدیر کا انتقام کہ چاہنے کے باوجود وہ وقت پر نہ پہنچ سکے اور زہرہ خاتون کو لحد میں اتار دیا گیا۔ ان کی پہلی برسی پر دونوں خالائیں اکٹھی ہو کر آئی تھیں۔

حیدر نے انہیں کسی قسم کی پرانی بات کا حوالہ نہ دیا تھا اور نہ ہی ان پر کوئی قدغن لگانے کی کوشش کی تھی بلکہ انہوں نے بڑی دریا دلی سے انہیں نظر انداز کر دیا تھا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی ملنے جلنے والا کسی کی تعزیت کرنے جائے انہوں نے بھی ان دونوں کو ایسا ہی سمجھا تھا اور زیادہ اہمیت دے کر کوئی سین کریٹ نہ کیا تھا۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ دونوں ماہا کو لپٹا لپٹا کر روتی رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ایسے بین ڈالے تھے کہ ہر آنکھ نم ہو گئی۔ اور جب قرآن خوانی کے بعد کھانا کھلایا گیا تو وہ دونوں سب سے الگ ہو کر علی رضا کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔

ماضی کی بے وقوفیوں پر اشک ندامت بہائے گئے اور

معافیاں تلافیاں ہوئی تھیں۔ مگراب اس سب کا کیا فائدہ تھا کہ جانے والی ہستی چلی گئی' ان کی قسمت میں ایسی ہی موت لکھی تھی۔

علی رضا نے بات کو بردباری سے سمیٹ دیا تھا' جو ہو چکا تھا اسے بدلنا ممکن نہ تھا' پھر کیوں کر ممکن تھا کہ وہ دوبارہ سے اس ٹاپک کو شروع کرتے جس کا کوئی انجام نہ تھا۔ ویسے بھی وہ مزاجاً فراخ دل اور سمجھ دار انسان تھے کہ اب اس موضوع پر مزید بحث سے کچھ حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

مگر بڑی عجیب بات ہوئی۔ زینت خالہ اپنے بڑے بیٹے سید وجاہت کے لیے جو کہ ایک پولیس آفیسر تھے کا رشتہ ماہا کے لیے لے کر آئی تھیں۔ بابا عجیب الجھن کا شکار ہو گئے۔

زینت خالہ کا کہنا تھا کہ حیدر اور ثانیہ کا رشتہ خدا کو منظور نہ تھا مگر وہ ہر صورت ماہا کو اپنی بیٹی بنا کر لے جائیں گی۔ اور ان کی یقین دہانیاں......!!

"رضا بھائی! اس بار مجھے مایوس نہ لوٹایئے گا۔ ماہا کو میرے وجاہت کا نصیب بنا دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں اسے زہرہ سے زیادہ پیار کروں گی' اپنی ثانیہ سے زیادہ اہمیت دوں گی۔ اس کی زندگی میں ماں کی کمی نہیں رہنے دوں گی۔ بس آپ پرانی باتوں کو بھلا کر میری جھولی میں یہ ہیرا ڈال دیں۔ رضا بھائی! اس بار میں انکار نہیں سنوں گی۔" مان' دھونس اور رعب سے انہوں نے اپنی بات منوانے کی ٹھانی ہوئی تھی اور موقع بھی ایسا شاندار' جس میں ساری برادری موجود تھی۔ ان کی ندامت ان کے آنسو ان کا واویلا اور سب سے بڑھ کر ان کے دعوے ہر چیز بہت متاثر کن تھی۔

اور جیسا کہ وہ ارادہ کر کے آئی تھیں وہ اپنی بات منوا کر گئیں۔ خاندان میں ایک بار پھر ہلچل مچ گئی۔ جسے بھی پتا چلا کہ سید علی رضا نے ماہا کا رشتہ زینت خالہ کو دے دیا ہے اس نے حیرانی سے انگلیاں منہ میں دبالی تھیں۔ یوں ایک بار پھر دو خاندانوں کے درمیان آنے والی خلیج پاٹ لی گئی۔

کچھ دن بعد ایک باقاعدہ رسم میں سیدہ ماہا بتول کو سید وجاہت نقوی کا بنا دیا گیا۔

❀......❀......❀

ان کا سی ایس ایس کا رزلٹ آنے والا تھا' زینت خالہ نے ماہا اور وجاہت کی شادی کی بات شروع کر دی۔ علی رضا ابھی اس حق میں نہ تھے کیونکہ ایک طرف وہ ابھی بہت چھوٹی تھی۔ پڑھ رہی تھی دوسری طرف وہ حیدر کے سیٹل ہونے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ دونوں بہن بھائیوں کی ایک ساتھ شادی کی جاسکے مگر زینت خالہ نے جو جلدی مچائی ہوئی تھی اس کی وجہ سے ایسا ممکن ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔

اور ابھی یہ بات ملتوی کی جارہی تھی جب حیدر کا رزلٹ آ گیا اور وہ دن ماما کے بعد واحد دن تھا جب وہ دل سے خوش ہوئے تھے۔ بہت اچھے گریڈز کے ساتھ سی ایس ایس کلیئر کرنے کے بعد اگلا پڑاؤ انٹرویو کا تھا۔

ایک بار پھر خاندان بھر میں ہلچل مچ گئی۔ حیدر نقوی حیران کرنا جانتے تھے اور اس بار بھی انہوں نے اپنی کامیابی کا لیول برقرار رکھا تھا۔ لاہور میں ان کے دوستوں نے ایک بڑی پارٹی کی تھی جس میں ان کے پروفیسرز' دوستوں اور احباب کو بلایا گیا تھا۔ آگے کے مرحلے آسان تھے۔

اور اس کے بعد وہ ٹریننگ پر سول سروسز اکیڈمی چلے گئے۔ انہوں نے اپنے لیے فارن سروس کا انتخاب کیا تھا۔ اور یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس میں ماہا کی شادی کا ایشو خود بخود ٹھنڈا پڑ گیا۔

❀......❀......❀
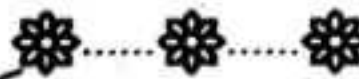
کامیابی کا سفر ماں کی دعاؤں کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہوتا۔ ایک معروف جریدے میں حیدر نقوی کے انٹرویو والے ورق پر ان کی تصویر کے ساتھ یہ کیپشن تھا۔ یہ تین سال بعد کا ذکر تھا۔ یہ تصویر ایک عام انسان کی نہیں تھی۔ اب اس تصویر کے ساتھ ایک کامیاب بیوروکریٹ اور ایک فارن سرونٹ کا ٹیگ بھی لگا ہوا تھا۔

ایک ایسے انسان کی کہانی جسے زندگی میں سب کچھ پلیٹ میں رکھا نہیں ملا تھا جس نے ہر چیز کو پانے کے لیے

محنت اور جدوجہد کی تھی۔ اور ان کا قانع اور مطمئن چہرہ دیکھ کر لگتا تھا جیسے ان کی زندگی خواہ وہ ذاتی تھی یا پیشہ ورانہ...... جنت کا نمونہ تھی۔

ہر چیز کو ہینڈل کر لینے کی مہارت اور وہ بھی اس قدر خوب صورتی سے کہ دیکھنے والا عش عش کر اٹھے۔ یہ سب کیوں کر ممکن ہوا تھا؟

بات پھر تین سال پیچھے جاتی ہی جب وہ ٹریننگ پر چلے گئے تو زینت خالہ نے زبردستی ماہا کی شادی کی ڈیٹ فکس کروائی تھی۔ اپنی اکلوتی بہن کی شادی میں شریک ہونے کا موقع انہیں مہمانوں کی طرح ملا جس پر وہ ازحد مضطرب تھے مگر بابا نے' فوقی کے ساتھ مل کر سب سنبھال لیا تھا۔ اور ماہا کی شادی پر ہی بابا کو حیدر کے لیے کوئی پسند آ گیا۔ ان کی نظروں نے بڑی دور تک دیکھا اور سوچا تھا۔

ماہا کی شادی بڑی خوش اسلوبی سے انجام پا گئی اور اس کے فوراً بعد بابا نے حیدر سے شادی کی بات کی تھی اور وہ جو آج کل ویسے ہی بہت مصروف تھے اکیڈمی میں' ان کی بات سن کر مضطرب ہو گئے تھے۔

"وہ بہت خاص ہے حیدر...... ڈبل ماسٹرز کیا ہوا ہے۔ طور اطوار اتنے مودب اور شائستہ اور شکل و صورت بھی ماشاء اللہ ہے۔ تم ایک بار اس سے مل لو مجھے امید ہے تمہیں پسند آئے گی۔" ان کا لہجہ پرسکون اور متوازن تھا۔ وہ چند لمحے بابا کو دیکھتے رہے۔ ثانیہ والے ایشو پر جہاں ماما تک انہیں سمجھنے میں ناکام ہو گئی تھیں' وہاں بابا نے ان کا ساتھ دیا تھا بلکہ ماما کو بھی کنونس کیا تھا تو اب وہ کیسے شک کرتے کہ بابا کی پسند میں کوئی خرابی ہو سکتی تھی۔ انہوں نے سر جھکا دیا اور بابا کا سر ہمیشہ کے لیے اونچا کر دیا تھا اور یوں اجالا کریم ان کی زندگی کا حصہ بن گئی۔

❀......❀......❀
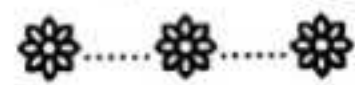
میں تیرے ذکر کے زنداں میں مقید ہو کر
اک دیوان سخن ایسا قلم بند کروں
جو سنے اس میں تیری دید کی خواہش جاگے
جو پڑھے' تیری اسیری کے بہانے ڈھونڈے

(سالگرہ مبارک)

گلابی پھولوں والے ایک خوب صورت کارڈ پر درج اشعار اور ساتھ ایک گفٹ پیک۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ انہوں نے کارڈ ایک طرف رکھا اور گفٹ پیک کھول لیا۔ اس میں ایک سلور رسٹ واچ تھی۔ پھر انہیں یاد آیا کہ آج ان کی سالگرہ تھی۔

خوشی کا ایک گہرا احساس ان کے اندر اتر آیا۔ انہوں نے اردگرد نظریں دوڑائیں وہ دروازے کے فریم میں کسی تصویر کی مانند سجی انہیں دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ قدم بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئے۔

"تھینک یو...... اٹس ویری نائس۔" بہت ہلکا سا اظہار اور التفات کا مدھم سا اظہار۔ اجالا کے لبوں پر مسکراہٹ دھنک کی مانند پھیلی تھی۔ دونوں نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کو دیکھا پھر بے ساختہ ہنسی...... حیدر نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اندر کی طرف کھینچ لیا۔

اجالا کی کھلکھلاہٹ سے کمرہ گونج اٹھا۔ پنک فراک میں دمکتی رنگت کے ساتھ اس کے سیاہ بال کسی آبشار کی صورت اس کی پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ لڑکی کیا تھی چلتی پھرتی کوئی پری معلوم ہوتی تھی۔ جانے کیسا جادو آتا تھا اس لڑکی کو جہاں دیکھتی کوئی چھڑی سی گھما دیتی' تارے سے جھڑتے اور سارا آسمان روشن ہو جاتا۔

جب وہ ان کی زندگی میں شامل ہوئی تھی تو حالات اتنے نارمل اور اچھے نہیں تھے۔ زینت خالہ نے ماہا اور وجاہت کی شادی ایک باقاعدہ سازش کے تحت کروائی تھی' وہ اس سانپ کی مانند تھیں جس کے تھیلیوں میں بہت سا زہر اکٹھا ہو چکا تھا اور اسے یہ زہر بہر صورت کسی کو ڈس کر باہر اگلنا تھا۔ اس کے لیے ایک بار پھر انہوں نے علی رضا اور زہرہ کے گھر کو چنا۔

زہرہ کی موت نے ان کے پلان کو شکست دے دی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ انہیں مزید خطرناک اور زہریلا بنا دیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو کبھی نہیں بدلتے

بس وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو چھپا لیتے ہیں۔ انہوں نے بھی سانپ کی مانند کینچلی بدلی اور ماہا کا رشتہ ڈال دیا۔ پلان بہت واضح تھا۔ ماہا کی شادی کے بعد وہ بڑی آسانی سے اس پر دباؤ ڈال سکتی تھیں کہ وہ ثانیہ کے لیے حیدر کو منائے اور انکار کی صورت میں وجاہت' ماہا کو طلاق کی دھمکی دے دیتا' الغرض جیسا جال انہوں نے بنا تھا اس سے بچ نکلنا ممکن ہی نہ تھا۔

مگر ایک بار پھر یہ زینت خاتون کی بدقسمتی رہی کہ وہ ناکام ہوگئیں۔ علی رضا نے اجالا کو حیدر کے لیے پسند کرلیا' وہ ان کے دوست کی بیٹی تھی' دو دن میں بات بھی طے ہوگئی۔ زینت خالہ نے ماہا پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا کہ وہ اپنے باپ کو اس رشتے سے روکے اور ان کے بہت مجبور کرنے پر جب اس نے روتے ہوئے گھر فون کیا تو نقوی ولا میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ سب کو سمجھ آ گئی کہ وہ سازش کا شکار ہوچکے تھے۔ مگر افسوس اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

ماہا پر دباؤ ڈالا جارہا تھا کہ وہ اس رشتے کو ختم کروائے مگر علی رضا نے اس کے بجائے حیدر اور اجالا کی شادی طے کردی۔ ان کے اٹھائے گئے اس قدم نے زینت خاتون کا غصہ اور طیش فزوں تر کردیا تھا۔ اور بات ماہا کی طلاق تک جا پہنچی۔ ایک طرف شادی کی تیاریاں' دوسری طرف بہن کی ٹینشن...... کچھ سمجھ نہ آیا تو علی رضا اور فوقی ماہا کو گھر لے آئے جنہیں وجاہت نے یہ کہہ کر رخصت کیا تھا کہ اب اگر وہ گئی تو واپس کبھی نہ آسکے گی مگر وہ آ گئی۔

شادی ہوگئی اور ماہا کے سسرال سے اس شادی میں کوئی شریک نہ ہوا بلکہ حیدر کے ننھیال میں سے کوئی شامل نہ تھا' کیسا عجیب واقعہ تھا کہ تاریخ گواہ ہے ننھیال ہمیشہ چھتر چھایا بنے رہتے ہیں ان کو یہ کیسا ننھیال ملا تھا جو ان کے سروں سے چھت تک چھیننے کے درپے تھا۔ معاملہ لٹک گیا۔ ماہا نے واپس جانے سے انکار کردیا اور دوسری طرف وجاہت پر اسے طلاق دینے کے حوالے سے دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔

ممکن تھا کہ یہ رشتہ ختم ہوجاتا مگر حیدر' وجاہت سے ملے اور بس ایک بار کا ملنا ہی ایسا سحر پھونک گیا کہ وجاہت اکیلا پوری فیملی کے آگے ڈٹ گیا کہ وہ کسی صورت ماہا کو نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی وہ ان کی باتوں میں آ کر اپنا گھر خراب کرے گا۔

❀......❀......❀
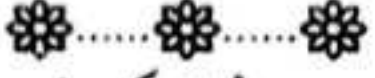
یہ پنچائیت سید وجاہت نقوی کی درخواست پر بلائی گئی تھی۔ دونوں فریقین کے درمیان ازحد تناؤ نظر آتا تھا اور اگر پنچائیت کے سرکردہ رکن اس قدر دباؤ نہ ڈالتے تو نقوی ولا سے ہرگز کوئی آنے کو تیار نہ تھا۔ جب سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہوگئے تو ایک رکن نے اٹھ کر مسئلہ بیان کرنا شروع کیا۔

''یہ پنچائیت سید وجاہت کے مطالبے پر بٹھائی گئی ہے۔ وجاہت نقوی کی زوجہ سیدہ ماہا بتول ایک گھریلو ناچاقی کی بنا پر اپنے والدین سید علی رضا نقوی اور سیدہ زہرہ کے گھر بھیج دی گئیں چونکہ معاملہ ازحد بگڑ چکا ہے اس لیے نوبت طلاق تک آن پہنچی۔ مسلسل دو مہینوں سے سیدہ ماہا اپنے والدین کے ہاں مقیم ہیں۔ دوسری طرف سید وجاہت کے گھر والے کسی صورت یہ معاملہ حل نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ اس رشتے کو ختم کرنے پر تلے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی۔ مگر معاملے کے اصل فریق سید وجاہت اس گھریلو سیاست میں پڑ کر اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہتے' اس لیے یہ پنچائیت دوسرے فریق کی رائے جاننا چاہتی ہے تاکہ معاملے کا حل نکالا جاسکے۔'' سارا مجمع خاموش تھا۔ پھر سید علی رضا اٹھنے لگے' مگر حیدر نے ان کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر انہیں روکا اور خود اٹھ گئے۔

''ہم صلح کے لیے تیار ہیں' اپنی بیٹی کو بھیجنے کے لیے راضی ہیں مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ ایک نئی سازش کا تانا بانا نہیں ہے۔'' ان کی آواز جاندار تھی۔ جس کے جواب میں سید وجاہت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں سید وجاہت نقوی آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میرے اس قدم میں قطعاً کوئی غلط مقصد شامل نہیں

ہے۔ میں خلوص نیت سے یہاں آیا ہوں‘ اور اس پیش قدمی کا مقصد صرف اور صرف اپنے گھر کو بربادی سے بچانا ہے۔ میں آپ سب کی موجودگی میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ماہا اب میری ذمہ داری ہے اور اگر آپ کو کوئی بھی شکایت ہوئی تو اس کا صرف اور صرف میں ذمہ دار ہوں گا۔ میں اپنی فیملی کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ بہرحال اب وہ میری زندگی میں مداخلت نہیں کریں گے۔“ اس کا لہجہ مضبوط اور مستحکم تھا اور پہلی دفعہ اس میں ایک حقیقی پولیس آفیسر نظر آیا تھا۔ بارعب اور فیصلہ کن‘ دوسروں کی پروانہ کرنے والا۔

”نقوی ولا“ کی طرف سے خوش دلی سے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا اور یوں فراخ دلی سے جو کہ نقوی ولا کا خاصہ تھی ماہا نقوی کو شخصی ضمانت پر سید وجاہت کے سپرد کردیا گیا۔

اس دنیا میں اگر اچھے کے ساتھ اچھا اور برے کے ساتھ برا ہونا بند ہوجائے تو شاید ہمارا اعتبار انسانیت سے اٹھ جائے۔ لوگ کس طرح امید رکھتے ہیں کہ دوسروں کے راستے میں کانٹے بو کر خود کہکشاں پر قدم دھریں گے؟ زینت خالہ اس ساری سازش کے ماسٹر مائنڈ اور ان کی رائٹ ہینڈ امینہ خالہ دونوں نے اپنے کیے کا پھل کھایا ہے۔ زینت خالہ کو وجاہت پر بڑا فخر تھا کہ وہ ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھا۔ وہ اسے جیسے چاہیں استعمال کرسکتی تھیں۔ اس نے ساری برادری کو اکٹھا کرکے وہ جوتا مارا تھا ان کے منہ پر کہ وہ زخمی ناگن بن گئی تھیں۔ دوسری طرف امینہ خالہ تھیں جن کو نہ اولاد سے سکون تھا نہ گھر سے‘ شوہر عجیب غلط دھندوں میں پڑے ہوئے تھے۔

پھر یوں ہوا کہ جب وجاہت‘ ماہا کو لے کر گھر گیا تو وہ اس شکست کو برداشت نہ کرپائیں اور ثانیہ کو لے کر گھر چھوڑ گئیں۔

کتنا تضاد تھا ان کے آغاز اور انجام میں۔ وہ یہ چاہتی تھیں کہ ہر صورت نقوی ولا کو برباد کردیں اور اس کے لیے ان کی کی گئی ساری غلط کوششیں ان کے اپنے گلے پڑ گئی تھیں‘ وہ جو ماہا کو گھر سے نکالنا چاہتی تھیں‘ اب خود دربدر تھیں۔ دنیا مکافات عمل کی جگہ ہے۔

❀......❀......❀
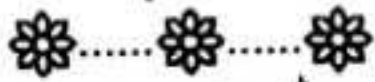
یہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے اندر کا منظر تھا۔ جہاں دو نفوس ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر تناؤ تھا۔ چونکہ وہ ایک لمبی بحث کرچکے تھے اور موضوع بھی ایسا دل خراش تھا کہ ساری اذیت اور درد جیسے دوبارہ زندہ ہوگئے تھے اور بالآخر انہوں نے لب کھولے کچھ آخری کلمات کہنے کے لیے۔

”اگر ہمارا گھرانہ کامیاب ہے‘ ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں تو کیا اس کی سزا دو گے ہمیں؟ تمہیں میری بہن میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی کیا یہ قصور ہے اس کا‘ جس کی بنا پر تم اسے چھوڑنا چاہتے ہو؟ ہمارا آشیانہ بکھرا...... ماما چلی گئیں‘ کیا اب بھی سب کے دلوں میں نفرت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی؟ کیا ہماری سادگی ہمارا جرم ہے؟ کیا دوسروں پر یقین کرنا گناہ ہے‘ جیسا میرے بابا نے تم لوگوں پر کیا...... کیا اس کی سزا دو گے ہمیں؟ اگر تمہیں پتا چل جائے کہ میرے دل میں رویوں کی بدصورتی کے کتنے سوراخ ہیں تو تم حیرت زدہ رہ جاؤ کہ میں زندہ کیسے ہوں؟“ وہ اپنی بات مکمل کرکے پرسکون انداز میں اٹھے اور واپسی کے لیے مڑ گئے۔ اور وجاہت نقوی کو جیسے زندہ قبر میں دفن کرگئے۔

❀......❀......❀
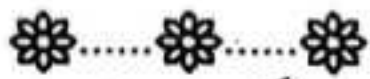
”ہمارا بہت چھوٹا سا گھرانہ ہے‘ بابا ہیں جو اپنی جاب کرتے ہیں آپ کو اپنی بیٹی سے زیادہ عزت اور پیار دیں گے۔ ماہا میری اکلوتی بہن ہے‘ میں چاہوں گا آپ اسے اپنی بہن سمجھیں۔ مجھے اس سے خوشی ہوگی‘ ایک چھوٹا بھائی ہے فرقان‘ جس کا آپ کو چھوٹے بھائی کی طرح خیال رکھنا ہوگا۔ اجالا‘ یہ شادی میں نے اپنے بابا کی پسند سے کی ہے اس یقین کے ساتھ کہ ان کا فیصلہ یقیناً بہت بہترین ہوگا۔ میں آج شادی کے پہلے دن آپ سے کوئی بہت زیادہ عہد و پیمان نہیں باندھوں گا۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ آپ کو خوش رکھ سکوں' ہوسکتا ہے میں آپ کو بہت سی آسائشات نہ دے سکوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی کرائسس بھی آجائیں...... مگر میں آپ کو اس چیز کا یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو میری ذات سے کوئی دکھ نہیں ملے گا۔ آپ آج سے میری زندگی کی ساتھی ہیں۔ جس کے ساتھ میں اپنی ذات' احساسات اور جذبات شیئر کروں گا' ہوسکتا ہے آپ کو کوئی چیز مجھ میں اچھی نہ لگے' یا مجھے کچھ ایسا مسئلہ ہو مگر میں چاہوں گا کہ ہم اسے مل بیٹھ کر سلجھائیں اور انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا' میں آپ کو آپ کی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کی ساتھ اپناتا ہوں۔ میں چاہوں گا کہ ہمیشہ ہمارے درمیان باہمی عزت اور احترام کا رشتہ قائم رہے۔'' اجالا صرف سر جھکائے سنتی رہی تھی۔ وہ پہلے دن ہی جان گئی تھی کہ وہ قسمت کی دھنی نکلی تھی۔ اس کے نصیب میں جو مرد آیا تھا وہ عام مردوں سے بہت مختلف تھا' اس کی سوچ بڑی پاکیزہ اور صاف تھی۔

آنے والے دنوں میں انہوں نے اپنی کہی ہر بات کو پورا کیا تھا۔ ان کی ہم آہنگی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اجالا...... ان کی روشنی...... جس نے ان کے دل سے لے کر ان کے گھر کو اپنے اجالوں سے منور کردیا تھا۔ جس نے انہیں ایک بار پھر ماما سے ملا دیا تھا' وہ ماما کی طرح ان کو سمجھتی' ان کا خیال رکھتی' ایک پروانے کی مانند ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور جسے دیکھ کر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے کہ وہ یقیناً ان کے لیے اللہ کا انعام تھی۔

اور جس کی گھٹاؤں جیسی زلفیں کیسی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں تھی ان کے لیے' کوئی ان کے دل سے پوچھتا۔ بہت سالوں بعد آخر زندگی نے انہیں اس گرداب سے باہر نکال دیا تھا جس میں وہ گزشتہ کئی سالوں سے پھنسے ہوئے تھے۔

ماہا اور وجاہت آپس میں بہت خوش تھے۔ زینت خالہ' ثانیہ کے ساتھ گھر چھوڑ کر الگ گھر میں چلی گئی تھیں۔

❀......❀......❀

حیدر نے لیپ ٹاپ پر کام کرتے کرتے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو ہاتھ میں ٹرے تھامے اندر آرہی تھی۔ دونوں کی نظروں کا خاموش تبادلہ ہوا اور ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ بے اختیار آئی تھی۔ کتنی پیاری عادات تھیں اس کی' بات کو بہت جلد سمجھ جاتی اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں کبھی بتانا نہ پڑا تھا' وہ ان کو بڑی جلدی جان گئی تھی' انہیں کیا پسند یا ناپسند' ان کی سوچ' خیالات' عادات اور مزاج ہر چیز کو جیسے اس نے گھول کر پی لیا تھا۔

جتنے مسائل ان کی شادی میں پیش آئے تھے سارا خاندان اس بات کا منتظر تھا کہ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی معمولی سی بھی چپقلش کا تماشا بنائیں اور اجالا سے ان کی شادی کے فیصلے کو غلط ثابت کریں۔ مگر ان دونوں کے باہمی سلوک' محبت اور ہم آہنگی نے ان کی سب امیدوں اور مذموم عزائم پر پانی پھیر دیا تھا۔

پتا نہیں انسان کب دوسروں کے گھروں میں تانکا جھانکی کرکے چسکا لینا چھوڑے گا؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین نے بھی اس سے منع کیا ہے مگر اس کے باوجود ہم اپنی ان چھوٹی چھوٹی خطاؤں سے باز نہیں آتے

جو کہ کل کو بڑھ کر گناہوں کی شکل اختیار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

''اور آپس میں تجسس نہ کرو اور نہ حسد کرو۔''

(القرآن)

مگر آج بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ایسا سوچتے ہیں۔ دوسری طرف کسی دوسرے کی جائیداد پر قبضہ جمانا جو کہ ہم نے اس قدر آسان سمجھ لیا ہے اور جس کے لیے دوسروں کا قتل تک کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا اور جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''جس کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا اسے قیامت کے روز سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔''

(الحدیث)

آج والدین اگر بچوں کی پسند کو ترجیح دیں تو ماڈرن ازم کی چھاپ لگادی جاتی ہے جب کہ اس چیز کی آزادی خود اسلام نے دی ہے کہ بچوں کی پسند کے بغیر شادی نہ کی جائے کم از کم رضامندی لینا ہر حال میں لازم قرار دیا گیا۔

❀❀❀

حیدر کی پوسٹنگ ترکی کردی گئی تھی۔ آج وہ جانے سے پہلے ماما کی لحد پر آئے تھے۔

ان کی آنکھیں آج اتنے سالوں بعد بھی نم تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح گلاب کی پتیوں سے قبر کو ڈھکا اور درمیان میں گلاب چن دیئے اور فاتحہ خوانی کے بعد وہیں بیٹھ گئے۔ پھر ایک ہاتھ یوں پھیلا لیا جیسے ان کا شانہ ہو۔

''آپ کی بہت یاد آتی ہے ماما آج آپ ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی روح کو سکون اور خوشی دے۔ آپ کو پتا ہے وہ لڑکی اجالا...... وہ بالکل آپ جیسی ہے وہ بہت پیاری بہت خاص بہت نایاب اس نے آکر مجھے سمیٹ لیا ہے۔ وہ میری آنکھوں کی روشنی بن گئی ہے اور میرے دل کا نور۔'' وہ زیر لب یوں بات کررہے تھے جیسے سچ مچ ماما سے مخاطب ہوں۔ اسی وقت ان کا فون بج اٹھا۔

''اجالا کالنگ'' کے الفاظ چمک رہے تھے۔ وہ ایک نئی توانائی محسوس کرکے اٹھے۔ ان کی روشنی انہیں پکار رہی تھی۔

اب منزل قریب تھی اور راہیں روشن!

وہ ایک لڑکی کہ جس کا نام اجالا تھا اس نے اپنے دست شفا سے ان کے سارے درد چن لیے تھے۔ وہ بڑے مختلف بڑے آئیڈلسٹ انسان تھے ان کی ذہنی اپروچ دوسرے انسانوں سے بڑی مختلف تھی۔ ان کی بلند نظریں اور دریا دلی ان میں ان کی ماما کی ودیعت کردہ تھی اور اجالا کریم وہ لڑکی تھی جس نے اس ٹوٹے بکھرے آشیانے کو جوڑا تھا بلکہ حیدر کی زبانی زہرہ بتول کی شخصیت کے بارے میں جان کر وہ روحانی طور پر ان سے بے حد متاثر ہوئی تھی اور کہیں اندر ہی اندر یہ خواہش بھی جاگی تھی کہ کاش آج وہ زندہ ہوتیں۔

مگر یہی نوشتہ تقدیر تھا شاید!!

بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ حیدر گم صم آرام کرسی پر جھول رہے ہوتے تو وہ نرمی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی اور سوال کرتی۔

''ماما یاد آرہی ہیں؟'' اور جواباً حیدر سر ہلا کر ان سے ماما کی کوئی بات شروع کردیتے جسے وہ اتنے غور اور دلچسپی سے سنتی کہ ان کا کتھارسس بڑی خوب صورتی سے ہوجاتا۔

اور وہ بڑے فخر سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر دیکھ کر سوچتے کہ اگر ان کی زندگی میں یہ دست شفا نہ ہوتا تو ان کا کیا ہوتا؟

مگر کچھ انعام شاید اس دنیا میں بھی مل جاتے ہیں۔ جیسا کہ حیدر کے لیے اجالا!!

کہ اس کے لمس مسیحا نے چن لیے تھے درد سارے!!

❀

دھوپ میں ہو جو چھاؤں کی طرح
ایسا اک مہربان تلاش کریں
پیار کے پھول جس میں کھلتے رہیں
چاہتوں کا جہاں تلاش کریں

''جی ناظرین ہم آپ کو لاہور سے رپورٹ کررہے ہیں جہاں آج دوپہر دو بج کر تیس منٹ پر ایک لڑکے نے لڑکی کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔ جی ہاں۔ یہ مناظر ہیں کے سی کالج کے باہر کے جہاں یہ افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ یہ کالج کا اوور ہیڈ برج ہے۔ جو یہاں کی طالبات کے لیے روڈ کراس کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اور اسی برج پہ اس لڑکے نے لڑکی کو گولی مارنے کے بعد خودکشی کرلی۔ ناظرین آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں موجود ہر طالبہ کے چہرے پہ فکر اور غم کے تاثرات پائے جاتے ہیں اور ابھی پولیس بھی یہاں پہنچی ہے اور لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے قریبی ہسپتال میں پہنچایا جارہا ہے۔ ہم براہ راست اپنے ناظرین کو یہ مناظر دکھارہے ہیں۔ اس افسوس ناک واقعہ کا وزیراعلیٰ پنجاب نے نوٹس لیا ہے اور آئی جی لاہور کو اس کی تحقیقات کروانے کا بھی حکم دیا ہے اور طالبات کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ہدایت جاری کی گئی ہے تاکہ آئندہ ایسے افسوس ناک واقعہ سے بچا جاسکے۔ کیمرہ مین خاور امین کے ساتھ مہرین نیاز، جہان نیوز، لاہور۔''

☆☆☆......

''تم اس طرح مجھے اور یہ سب کچھ چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو اعجاز؟'' نازنین نے بے چین لہجے میں اعجاز سے کہا۔

''میری جان......بس چند سالوں کی بات ہے پھر میں واپس آجاؤں گا اور میں تمہیں چھوڑ کر تو نہیں جا رہا۔ تم سے مسلسل رابطے میں رہوں گا۔'' اعجاز نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''دبئی جا کر آخر کتنے پیسے کما لو گے۔ تم یہاں پر اپنی تعلیم مکمل کرو اور یہیں کوئی اچھی سی جاب کر لینا اس طرح تم مجھ سے دور تو نہیں جاؤ گے ناں۔'' نازنین نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نازی! یار میرا دل نہیں لگتا پڑھائی میں اور یہاں پاکستان میں تعلیم کی قدر ہی کیا ہے ایم بی اے کر کے بھی لوگ ٹھیلے لگا رہے ہیں، رکشہ چلانے پہ مجبور ہیں کیا فائدہ ایسی ڈگریوں کا جو بعد میں ردی کے بھاؤ بکیں۔'' اعجاز نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اگر ایسی ہی بات ہوتی تو کوئی بھی تعلیم حاصل کرنے نہ نکلتا اور پردیس میں رہنا کون سا آسان ہے وہاں کیا درختوں پہ پیسے لگتے ہیں جو تم توڑ لاؤ گے؟'' نازنین نے اُسے پھر سے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں میں مانتا ہوں یہ سب درست ہے لیکن وہاں محنت کا صلہ تو پورا ملتا ہے ناں۔'' اعجاز نے ایک اور دلیل دی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم اپنا ارادہ نہیں بدلو گے؟'' نازنین نے اُس سے حتمی انداز میں پوچھا۔

''نازی پلیز! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو دیکھو ہماری بات طے ہے گھر والوں کے درمیان اور تم ابھی پڑھ رہی ہو۔ جب تک تم تعلیم مکمل کرو گی تب تک میں سیٹل ہو چکا ہوں گا پھر تمہیں کیا ٹینشن ہے؟'' اعجاز نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا لیکن نازنین کی آنکھوں میں بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

''میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم یہیں پاکستان میں رہو اور اپنی تعلیم مکمل کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم تعلیم ادھوری چھوڑ کر پردیس چلے جاؤ اور وہاں جا کر مزدوری میں لگ جاؤ۔'' نازنین نے بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''وہاں مزدوری بھی کروں گا تو یہاں سے زیادہ کما لوں گا۔ جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا میں نے اب اور نہیں کتابیں رٹی جاتیں مجھ سے۔'' اعجاز نے اُکتائے ہوئے لہجے میں حتمی طور پر کہا تو نازنین کے چہرے پہ ناگواری کے آثار صاف دکھائی دینے لگے۔

''اب ایسے منہ بنا کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔ چلو موڈ ٹھیک کرو پلیز سب لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔'' اعجاز نے ریسٹورنٹ میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''اور میری خواہش کی کوئی وقعت نہیں تمہاری نظر میں؟'' نازنین نے غم و غصے کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ پوچھا۔

''یار تمہاری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہی تو اتنی دور جا رہا ہوں پھر کس خواہش کی بات کر رہی ہو؟'' اعجاز نے بےزاری سے پوچھا۔

''میں چاہتی تھی کہ تم ایل ایل بی کرو اور ایک کامیاب وکیل بنو لیکن تم تو ہر بات نظر انداز کر کے جانے پہ تُل گئے ہو۔ ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا کہ میں یہاں تمہارے بغیر کیسے رہ پاؤں گی؟'' نازنین کی خوب صورت آنکھوں میں پہلی بار آنسو آئے تھے جنہیں دیکھ کر اعجاز کے دل میں فکر مندی بڑھی تھی وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن اس کی نازی کی آنکھوں میں آنسو ہوں وہ نہیں سہہ سکتا تھا۔

''نازی پلیز! ایسے تو نہ کرو یار میں تمہیں روز کال کیا کروں گا۔'' اعجاز نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو نازنین نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''تمہیں دیکھ تو نہیں سکوں گی ناں۔ مجھ سے ملنے تو نہیں آسکو گے ناں۔'' نازنین نے آنسو بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''صرف چند سالوں کی بات ہے نازی پھر تو ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے ناں یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔'' اعجاز نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''اعجاز! پلیز مت جاؤ۔'' نازنین نے آخری بار اُسے روکنے کے لیے اُمید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں بہت جلد واپس آجاؤں گا۔ تم فکر مت کرو۔'' اعجاز نے اُسے اٹل لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہوگئی لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بے حد ناخوش ہے اور اُسے اُس کا یوں جانا بہت ناگوار گزر رہا ہے۔

اعجاز احمد اور نازنین افتخار دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ اُن کے گھر کی دیوار آپس میں جڑی ہوئی تھی اور دونوں گھرانوں میں بے حد اپنائیت اور چاہت تھی۔ نازنین اور اعجاز کے والد ہمسائے ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے دوست بھی تھے اس لیے دونوں گھرانوں میں بہت اچھا میل جول اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ نازنین اور اعجاز بچپن میں اکٹھے کھیل کود کر جوان ہوئے تھے اور اُن کی گہری دوستی کے پیشِ نظر اُن کے گھر والے اُنہیں شادی کے بندھن میں باندھنا چاہتے تھے لیکن وقت کب کیا کروٹ لے یہ کوئی نہیں جانتا۔ اعجاز کا دل میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد پڑھائی سے اُچاٹ ہوگیا تھا اور وہ بیرونِ ملک جانے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ پھر ایک دوست کی مدد سے اُس نے دبئی جانے کی تیاری کرلی' لیکن نازنین اس کے اس فیصلے کے بے حد خلاف تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اعجاز پاکستان سے باہر رہے۔ اعجاز اُس سے بہت محبت کرتا تھا لیکن بیرونِ ملک جانے کا جنون اس کے سَر پہ سوار ہوچکا تھا اور اس معاملے میں وہ نازنین کی رائے کو بھی خاطر میں نہیں لایا اور پوری تیاری کرنے کے بعد اچانک اُسے اس بات سے مطلع کیا جب اس کے جانے میں صرف چار دن باقی تھے۔ اس بات نے نازنین کے دل میں ایسی دوری پیدا کردی تھی جس کا گمان بھی اعجاز کے ذہن میں نہیں تھا۔ اعجاز پہ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح بیرونِ ملک جاکر پیسے کمانے اور راتوں رات امیر ہونے کی دھن سوار تھی لیکن نازنین کا نقطہ نظر اُس سے بالکل مختلف تھا وہ ہر چیز سے زیادہ تعلیم کو اہمیت دیتی تھی۔ اُسے ہمیشہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ متاثر کرتے تھے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اس کی اپنی بھی خواہش تھی۔ دونوں میں محبت اپنی جگہ تھی لیکن مزاج میں تضاد بھی تھا۔

......☆☆☆......

''کیسی ہو تم؟'' اعجاز نے پُرجوش انداز میں نازی سے پوچھا۔ دبئی سے اعجاز نے کافی دنوں بعد پہلی کال کی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟'' نازنین نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہو تو پھر اتنا بے زار کیوں لگ رہی ہو؟'' اعجاز کو اُس کا لہجہ کچھ غیر متوقع سا لگا تھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ تم بتاؤ کیسا لگا تمہیں دبئی؟'' نازنین نے بات بدلتے ہوئے پوچھا لیکن اُس کا دل اب بھی اس کے جانے پہ نالاں تھا۔

''دبئی کی کیا بات ہے یار۔ یہ اونچی اونچی عمارتیں اور خوب صورت سڑکیں۔ رات کی رنگینیاں اور بُرج الخلیفہ تو اتنا شاندار ہے کہ تمہیں کیا بتاؤں سچ یہاں آکر لگتا ہے جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔'' اعجاز نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے کہا تو نازنین کو اس کی خوشی مزید ناگوار گزری۔

''تمہاری جاب کا کیا بنا؟'' نازنین نے اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جاب کے لیے میرے دوست نے کافی جگہ پر کہا ہوا ہے جلد ہی مل جائے گی۔'' اعجاز نے بھی سنجیدہ لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''چلو اچھی بات ہے۔'' نازی کا لہجہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔

''نازی! میں جانتا ہوں میری جان تم مجھ سے ناراض ہو لیکن تم جس دن مجھے سمجھ جاؤ گی اُس دن ساری ناراضگی بھی دور ہوجائے گی۔ یہ سب میں تمہارے اور اپنے اچھے مستقبل کے لیے کررہا ہوں۔ پلیز مجھ پہ بھروسہ کرو۔'' اعجاز نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

''مجھے تمہاری یہ منطق نہ کبھی سمجھ آئی ہے اور نہ ہی کبھی آئے گی لیکن تم وہاں جاکر خوش ہو تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ تمہیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار ہے۔'' نازنین نے حتمی انداز میں کہا۔

''میری ہر خوشی تم بن ادھوری ہے نازنین۔ تم میری سب سے بڑی خوشی ہو اور تمہیں خوش رکھنے کے لیے مجھے بہت محنت کرنی ہے تاکہ تمہیں ایک اچھا مستقبل دے سکوں۔'' اعجاز نے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"یہ سب تم یہاں رہ کر بھی کر سکتے تھے۔ ضروری نہیں تھا تمہارا وہاں جانا، تعلیم ادھوری چھوڑ دینا اور ہم سب کو چھوڑنا۔" نازنین نے کہا۔

"میرے پاس اس سے بہتر اور کوئی حل نہیں تھا نازی۔ پاکستان میں سالوں کتابیں رٹ کر ڈگریاں حاصل کر کے دس بیس ہزار کی نوکری کر کے میں وہ سب نہیں کر سکتا تھا جو میں یہاں درہموں میں کما کے کر سکتا ہوں۔" اعجاز نے پھر سے دلیل دے کر نازی کو خاموش کروالیا۔

"اس لیے تو کہہ رہی ہوں تم نے اپنے لیے بہتر فیصلہ کیا ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔" نازنین نے کہا لیکن اس کے دل میں ناراضگی ہنوز برقرار تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر بات ہوگی۔ خالہ اور خالو کو میری طرف سے سلام کہنا خدا حافظ۔" اعجاز نے کہا اور کال بند کردی۔

نازنین کو اعجاز کے اس طرح اُسے نظرانداز کر کے چلے جانے کا بے حد ملال تھا۔ وہ اُس سے بہت زیادہ اُمیدیں باندھے ہوئے تھی لیکن اعجاز کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی وہ اپنی جگہ صحیح تھا اور نازنین اپنی جگہ۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ دونوں محبت کے راستے پہ چلتے چلتے جُدا جُدا راہوں کے مسافر بنتے جارہے تھے۔ نازنین کو اعجاز کی کمی بہت محسوس ہوتی، وہ اچانک ہی خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ اُسے وہ وقت یاد آتا جب وہ دونوں ساتھ تھے۔ اب اُنہی راہوں پہ تنہا چلتے ہوئے اُسے تکلیف محسوس ہوتی اور ہر سُو اُداسی اور ویرانی نظر آتی تھی۔

اعجاز تو دبئی جا کر وہاں کی رنگینیوں میں کھو گیا تھا اور مستقبل کے سنہرے خوابوں کی تکمیل میں مصروف بھی ہوگیا تھا لیکن نازی کا دل اور زندگی دونوں ویران ہوگئے تھے۔ وہ خود کو پڑھائی میں مصروف رکھتی لیکن اعجاز کے جانے سے جو خلاء اس کی زندگی میں آگیا تھا وہ کسی طرح بھی پُر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نازنین دل ہی دل میں بے حد اُداس رہتی لیکن کسی پر بھی اپنی کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔ وقت کا کام گزرنا ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ یہ کبھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ انسان پہ بہت سی کیفیات آتی ہیں لیکن کوئی بھی کیفیت ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتی۔ وقت اور حالات بہت کچھ بدل دیتے ہیں اور زندگی بھی ایک جیسی نہیں رہتی وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بدلتی رہتی ہے۔

......☆☆☆......

"میں تو تمہاری ہمت پہ حیران ہوں اعجاز۔ یار اتنا کام کیسے کر لیتے ہو تم؟" کبیر نے فیکٹری میں کام کے دوران اعجاز سے کہا۔

"میرا بس چلے تو ہر وہ کام کروں جس سے پیسے ملتے ہوں۔" اعجاز نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"اتنا جنون کیوں ہے یار تجھ میں پیسا کمانے کا؟" کبیر نے حیرانی سے پوچھا۔ اعجاز اور کبیر کی دوستی تب سے تھی جب سے اعجاز اس فیکٹری میں جاب پر لگا تھا۔ کبیر نے ہمیشہ اُسے سخت اور کڑی محنت کرتے دیکھا تھا۔ وہ دن بھر فیکٹری میں کام کرتا اور شام سے رات تک ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ویٹری بھی کرتا تھا۔ کبیر اُس کا یہ جذبہ اور جنون دیکھ کر اکثر حیرت کا اظہار کیا کرتا تو جواب میں اعجاز ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے ٹال دیتا تھا۔

"مجھے اس لیے پیسے کمانے کا جنون ہے کہ اُسے دنیا کا ہر وہ سکھ اور خوشیاں دے سکوں جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔ جس کی ایک مسکان میرے لیے اس دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہے۔" اعجاز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ! کیا بات ہے جناب کی۔ کون ہے وہ خوش نصیب؟" کبیر نے خوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"نازنین! میرے بچپن کی ساتھی۔ ہماری بچپن سے ہی بات طے ہے۔" اعجاز نے کبیر کو بتایا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" کبیر نے کہا۔

"بس آج کل وہ مجھ سے ناراض رہتی ہے اس لیے میرا دل اُداس ہے۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اعجاز نے بتایا۔ اعجاز اور کبیر دونوں بریک ٹائم میں لنچ کے بعد چائے پی رہے تھے۔

"لیکن کیوں؟ تم تو یہاں اس کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہو۔" کبیر نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے یہاں آنے پہ وہ سخت ناراض ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں یہاں آؤں اور تعلیم کو خیر باد کہنے پر بھی وہ شدید برہم ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ میں کوئی ڈاکٹر یا وکیل بنوں لیکن میں ایسا نہیں کرسکا پھر سب چھوڑ چھاڑ کر یہاں آگیا۔" اعجاز کے لہجے میں دُکھ اور بے بسی عیاں تھی۔

"تو پھر تمہیں اس کی بات کا مان رکھنا چاہیے تھا۔ ایسے تو وہ تم سے خفا ہی رہے گی ناں۔" کبیر نے کہا۔

"بس یار نہیں کرسکا لیکن میں جانتا ہوں کہ جب میں دنیا بھر کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کروں گا تو وہ سب ناراضگیاں بھلا دے گی اور میری محبت کو سمجھ جائے گی۔" اعجاز نے کہا۔

"ایک بات کہوں تجھے اعجاز؟" کبیر نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ضرور کہو کیا بات ہے؟" اعجاز نے ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پیسے سے خوشیاں نہیں خریدی جاسکتیں۔ ہاں ضرورتیں ضرور پوری ہوجاتی ہیں لیکن خوشیاں حاصل نہیں ہوتیں۔ میں بھی تین سال سے یہاں ہوں شادی کے چار ماہ بعد یہاں آگیا تھا اور تین سال سے ادھر ہی تنہا پردیس کاٹ رہا ہوں۔ اب تک اپنے بیٹے کو گود میں لے کر اُس کا منہ تک نہ چوم سکا۔ خود بھی تنہائی کاٹ رہا ہوں اور بیوی بھی جُدائی کی آگ میں جل رہی ہے۔ پیسے بھیجنے سے گھر والوں کی ضرورتیں تو پوری ہوجاتی ہیں لیکن اُن کی ہر خوشی میرے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔" کبیر نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے اعجاز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کبیر! واقعی تم صحیح کہہ رہے ہو ایک سال ہونے کو آیا ہے مجھے یہاں اب احساس ہورہا ہے کہ نازی ٹھیک کہتی تھی۔ میں نے اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے واقعی اُسے اور خود کو ایک بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اعجاز کی آنکھوں میں بھی نمی تیر گئی تھی۔

"انسان کی کمی کو اُس کا وجود ہی پورا کرسکتا ہے جو خلاء کسی کے جانے سے پیدا ہوتا ہے اُسے وہی انسان پُر کرسکتا ہے لیکن اگر زیادہ دیر ہوجائے تو پھر وہ خلش کبھی نہیں بھر پاتی اعجاز۔" کبیر نے کہا۔

"نازی! مجھے کہتی رہی کہ پردیس کاٹنا آسان نہیں لیکن میں نے اس کی ایک نہیں سنی لیکن اب سوچتا ہوں کہ جلد واپس لوٹ جاؤں۔ میں نازی کو کھو کر جی نہیں پاؤں گا کبیر' بچپن سے لے کر آج تک میں نے اپنی زندگی میں صرف اُسے ہی دیکھا ہے۔ ہر مقام پہ اُسے ہی پایا ہے۔ وہ میرے لیے دنیا کے ہر رشتے سے بڑھ کر ہے۔" اعجاز نے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"لوٹ جاؤ اس کے پاس' اپنی جگہ خالی مت چھوڑو۔ ہمیں کبھی بھی اپنے پیاروں کو اپنے بغیر جینے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے ورنہ وہ ہمارے بغیر ہی جینا سیکھ لیتے ہیں اور ہماری اُن کی زندگی میں پھر کوئی خاص اہمیت بھی نہیں رہتی۔" کبیر نے دکھی لہجے میں کہا۔

"ہاں سچ کہہ رہے ہو تم۔ میں واپس لوٹ جانا چاہتا ہوں لیکن مجھے کمپنی کی پالیسی کے تحت ابھی دو سال مزید یہاں کام کرنا ہوگا پھر ہی واپس جاسکتا ہوں۔" اعجاز نے بے بسی سے کہا۔

"بس ان عرب ملکوں میں آکر انسان ان کا غلام ہی بن جاتا ہے۔ اپنوں کو ملنے کے لیے ترس جاتا ہے لیکن یہ ظالم جب تک پورا خون نہیں نچوڑ لیتے جان نہیں چھوڑتے۔" کبیر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"اب کیا کریں یار' یہاں آنا بھی تو ہماری اپنی چوائس تھی۔" اعجاز نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دلاسہ دیا۔ لنچ بریک ختم ہونے کے بعد دونوں پھر سے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔

......☆☆☆......

اعجاز بہت دیر سے نازنین کو کال کررہا تھا لیکن وہ اُس کا فون اُٹھا کے نہیں دے رہی تھی۔ اُسے شدید غصہ آرہا تھا اور وہ بار بار کال ملا رہا تھا۔ جب وہ پاکستان میں ہوتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ نازی بہت دیر تک اُس کا فون نہ اُٹھاتی یا اُس سے خفا ہوجاتی تھی تو کسی نہ کسی بہانے سے اس کے گھر چلا جاتا اور اُسے منا کر ہی دم لیتا لیکن اس وقت وہ خود کو بہت بے بس محسوس کررہا تھا وہ نہ اس کے گھر جاسکتا تھا اور نہ ہی نازی اُس

کا فون اُٹھا رہی تھی۔
"پتہ نہیں کہاں مصروف ہے۔" اعجاز کوفت بھرے لہجے میں بڑبڑلیا۔ اس کی بے چینی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ کچھ عرصے سے وہ نازنین کے رویے میں ایک غیر معمولی تبدیلی محسوس کررہا تھا۔ وہ اُس کو بہت زیادہ نظر انداز کرنے لگی تھی اور کسی بھی بات کی پروانہیں کرتی تھی۔ کئی کئی دن فون نہیں کرتی اور کئی بار کال کرنے کے بعد اس کی کال ریسیو کرتی تھی۔ اعجاز کو ان سب باتوں پہ شدید غصہ تھا لیکن وہ اتنی دور بیٹھ کر کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سب کچھ اس کے دبئی آنے کی وجہ سے ہورہا ہے لیکن نازنین کی بے رخی برداشت کرنا اعجاز کے بس کی بات نہیں تھی۔ اعجاز ابھی انہی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نازنین کی کال آنے پہ اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی۔ اعجاز نے فوراً کال ریسیو کی۔
"ہیلو نازی!" اعجاز نے بے تابی سے کہا۔
"ہاں اعجاز! کیسے ہو کال کررہے تھے تم؟" نازنین نے تھکے سے لہجے میں پوچھا۔
"ہاں...... کہاں تھی تم' اتنی دیر سے کال کررہا تھا تمہیں۔" اعجاز نے کرخت لہجے میں کہا۔
"مصروف تھی۔" نازنین نے بے پروائی سے جواب دیا۔
"ایسی کیا مصروفیت جو مجھ سے زیادہ اہم تھی؟" اعجاز نے حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے پوچھا۔
"بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ ہمیشہ پہلی بیل پر کال اٹینڈ کرلوں۔" نازنین نے چڑچڑے انداز میں کہا۔
"مجھے بھی تو معلوم ہو تمہاری مصروفیات کا۔ آخر ایسی کون سی مصروفیت آگئی ہے تمہاری زندگی میں جو تم مجھے اس طرح نظر انداز کرنے لگی ہو۔ کئی کئی دن مجھ سے بات نہیں کرتیں۔ میں فون کروں تو کال ریسیو نہیں کرتیں۔ میسجز کا جواب نہیں دیتی۔ پہلے تو کبھی اتنی مصروف نہیں ہوئی تم۔" اعجاز جیسے پھٹ پڑا تھا۔
"پہلے نہیں ہوئی تھی لیکن اب مصروف رہتی ہوں۔ اسٹڈیز بہت ٹف ہوگئیں ہے اور ویسے بھی صبح یونیورسٹی جاؤ تو واپسی تک شام ہوجاتی ہے۔" نازنین نے تیز لہجے میں بتایا۔
"تم سٹڈیز میں مصروف ہو تو میں بھی کوئی فارغ انسان نہیں ہوں۔ میں بھی مصروف رہتا ہوں لیکن تمہیں ہر چیز پہ مقدم رکھتا ہوں۔" اعجاز نے کہا۔
"مجھے پہ کوئی احسان نہیں کرتے۔ اتنا مقدم رکھتے مجھے ہر چیز پہ تو کبھی بھی مجھے چھوڑ کر دبئی نہ جاتے تم۔ میری خواہش کا احترام کرتے تو کبھی اپنی تعلیم ادھوری نہ چھوڑتے۔" نازنین نے غصے اور طنز سے کہا۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کھل کر بات کرو' آخر کب تک میں تمہارے ایسے طعنے سنتا رہوں گا۔ تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیا میں جاہل انسان ہوں؟" اعجاز بھی طیش میں آگیا۔
"میں جو کہنا چاہتی تھی کہہ چکی۔ اب میں مزید بحث نہیں کرنا چاہتی۔" نازنین نے دوٹوک انداز میں کہا۔
"تم میری منگیتر ہو سمجھیں۔ اگر کبھی بھولے سے بھی تم یہ بات بھولی تو اچھا نہیں ہوگا۔" اعجاز کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔
"تمہارا مطلب کیا ہے اس بات سے' تم مجھ پہ شک کررہے ہو؟" نازنین نے حیرت سے پوچھا۔
"ایسا کرنے پہ تم نے ہی مجھے مجبور کیا ہے۔" اعجاز نے گھمبیر لہجے میں کہا۔
"تم جیسا جاہل انسان کر ہی کیا سکتا ہے شک کے سوا اور یہی فرق ہوتا ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے انسان میں۔" نازنین نے غصے سے پھنکارتے ہوئے طنز کے تیر برسائے جو اعجاز کے دل کو چیرتے چلے گئے۔
"نازنین! کیا یہ تم کہہ رہی ہو؟" اعجاز کی آنکھوں میں آنسو بھرآئے اور آواز رندھ گئی۔
"ہاں' یہ میں کہہ رہی ہوں کیونکہ تمہارے شک کا میرے پاس اس سے بہتر اور کوئی جواب نہیں۔" نازنین نے غصے سے کہا اور کال کاٹ دی۔ اعجاز وہیں آنسو بھری آنکھیں لیے بیٹھا سوچتا رہا۔ نازنین کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے تھے۔
"تم جیسا جاہل انسان کر ہی کیا سکتا ہے شک کے سوا۔" نازنین کے لفظ سیسے کی طرح اعجاز کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ جس انسان سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ اُسے ایسے سخت الفاظ

کہے گا۔ حیرت اور دُکھ کی ملی جُلی کیفیت میں وہ اکیلا سڑک کے کنارے بیٹھا اپنی بے عزتی پہ آنسو بہار ہاتھا اور سوچ رہا تھا کہ نازنین اتنا کیسے بدل گئی وہ تو اُس سے بے پناہ محبت کرتی تھی پھر ایسی بے رُخی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ اعجاز کو وہ لمحے شدت سے یاد آ رہے تھے جب نازنین اُسے دبئی جانے سے منع کر رہی تھی۔

"اعجاز پلیز' مت جاؤ اس طرح مجھے چھوڑ کر۔" نازنین نے اعجاز کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا تو اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اعجاز، نازنین سے ملنے اس کی چھت پر آیا تھا۔ دونوں گھروں کی دیوار آپس میں ملی ہوئی تھی اس لیے ایک چھت سے دوسری پہ جانا بہت آسان تھا۔

"نازی! میری جان۔ بس تین چار سال کی تو بات ہے پھر میں واپس آ جاؤں گا اور ہماری دھوم دھام سے شادی بھی ہو جائے گی۔ تم کیوں گھبراتی ہو جبکہ ہماری بات بھی طے ہے اور میں تم سے بے پناہ محبت بھی کرتا ہوں۔" اعجاز نے اُسے پیار سے سمجھایا۔

"اور اگر تم وہاں جا کر مجھے بھول گئے تو؟" نازنین نے معصومیت سے پوچھا تو اعجاز نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں اور تمہیں بھول جاؤں ناممکن' سانس لینا بھول سکتا ہوں لیکن تمہیں بھولنا میرے بس میں نہیں۔ میں اگر چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا۔" اعجاز نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہو جاتا اگر تم میری بات مان لیتے اور نہ جاتے۔ مجھے تمہارے بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے پھر بھی تم مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہو اگر کسی اور نے مجھ پر قبضہ جما لیا تو؟" نازنین نے اعجاز کو چھیڑنے والے انداز میں کہا اور دل ہی دل میں اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بات اس کی دُکھتی رگ پہ ہاتھ رکھنے کے مصداق ہے۔

"جان سے ماردوں گا اُسے جو تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے گا۔ سمجھیں تم؟" اعجاز کے لہجے میں سختی اُتر آئی تھی۔

"اور اگر میں نے کسی اور کی طرف دیکھا تو؟" نازنین نے مزید اُسے چڑانے کی کوشش کی۔

"جان سے ماردوں گا تمہیں بھی اور خود بھی مر جاؤں گا۔ آئی سمجھ؟" اعجاز نے نازنین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رُعب سے کہا۔

"اچھا' اتنی محبت کرتے ہو تو پھر چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟"

"چھوڑ کر نہیں جا رہا اور یہ بات اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لو۔" اعجاز اب نازنین کی بات پہ باقاعدہ خفا ہو گیا تھا۔

"مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔" نازنین نے کہا۔

"چلو اب جاؤ نیچے اور سو جاؤ بہت ہو گئیں فضول باتیں۔" اعجاز نے کہا اور اپنے گھر کی چھت پہ جا کر سیڑھیاں اُترنے لگا۔ نازنین کو اس کی اس حرکت پہ شدید غصہ آیا لیکن اعجاز کو غصہ بھی تو اُس نے خود ہی دلایا تھا اس لیے وہ بھی چپ چاپ نیچے اُتر آئی تھی۔ اعجاز انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں کبیر کے الفاظ گھومنے لگے۔

"انسان کی کمی کو اُس کا وجود ہی پورا کر سکتا ہے۔ جو خلاء کسی کے جانے سے پیدا ہوتا ہے اُسے وہی انسان پورا کر سکتا ہے لیکن اگر زیادہ دیر ہو جائے تو پھر وہ خلش کبھی نہیں بھرتی۔" کبیر کی باتیں اب اُسے حقیقت کا روپ دھارتے نظر آ رہی تھیں۔

"کیا واقعی میں نازنین کی زندگی میں اپنی اہمیت کھو چکا ہوں۔" اعجاز نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے سوال کیا۔

"یا پھر ہمارے درمیان فاصلوں کی دیوار کھڑی ہو گئی ہے' یا نازنین کے دل سے میری محبت ختم ہو گئی ہے لیکن محبت کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ محبت تو لافانی شے ہے۔ کیا نازنین کی زندگی میں کوئی اور آ گیا ہے؟ نازنین ایسا کیسے کر سکتی ہے میرے ساتھ' وہ تو بچپن سے میرے نام سے منسوب ہے پھر وہ کیسے بدل سکتی ہے؟" طرح طرح کی سوچیں اور سوالات اعجاز کو پریشان کیے دے رہے تھے۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے چلائے۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہر قید اور

مجبوری سے پیچھا چھڑا کر یہاں سے واپس اپنے وطن لوٹ جائے۔ پردیس کے زمین و آسمان اُسے خود کو نگلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے وہ پوری طرح سے خود کو بے بس و لاچار محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

''نازی، تمہیں پتہ ہے۔'' تانیہ نے اسٹڈی ٹیبل پہ رکھی کتاب پہ جھکی ہوئی نازنین کے کندھے پہ زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو وہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑی۔

''دفع ہو جاؤ بدتمیز کہیں کی ڈرا دیا مجھے۔'' نازنین نے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ تانیہ، نازنین کی چھوٹی بہن بے حد شریر اور آفت کی پرکالا تھی اور نازنین کے ساتھ ایسے مذاق وہ اکثر کیا کرتی تھی۔

''تم جو ہر وقت کتابی کیڑا بنی رہتی ہو۔ جب دیکھو کتابوں میں منہ دیئے دنیا و مافیا سے بے خبر رہتی ہو۔ باہر کیا ہو رہا ہے تمہیں کچھ غرض ہی نہیں ہوتی۔'' تانیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم ہو ناں بی جمالو۔ سب کی خبر دینے کے لیے۔'' نازنین نے بھی جواباً طنز کیا۔

''اچھا سنو آج کی تازہ خبر۔'' تانیہ نے تیزی سے کہا۔

''جی فرمایئے خیریت تو ہے ناں؟ ویسے جہاں تم ہوتی ہو وہاں خیر ہو نہیں سکتی۔'' نازنین نے کہا اور ایک قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''اوہو بھئی سب خیر ہے۔ میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ آفاق بھائی کل لندن سے آ رہے ہیں۔'' تانیہ نے خوش ہوتے ہوئے پُرجوش انداز میں کہا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' نازنین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی مجھے خالہ نے بتایا۔ بذاتِ خود اُن کی امی جان نے اور مجھے حکم دیا کہ اپنے کزن کا شاندار استقبال کیا جائے۔'' تانیہ نے شاہانہ انداز میں کہا۔

''ہونہہ شاندار استقبال! وہ جیسے بڑے کوئی سکندرِ اعظم بن کر آ رہے ہیں ناں۔'' نازنین نے جلتے ہوئے ہاتھ نچا کر کہا۔

''جی نہیں آفاق بھائی لندن سے لاء کی ڈگری لے کر آ رہے ہیں اور یہاں لاہور ہائیکورٹ میں پریکٹس کریں گے دیکھ لینا تم۔'' تانیہ نے فخریہ انداز میں ہاتھ نچا کر کہا۔

''تمہیں بڑے پسند ہیں اپنے آفاق بھائی۔'' نازنین نے طنز کرنے کے لیے جان بوجھ کر نام کو لمبا کر کے کہا۔

''جی ہاں، بہت زیادہ، بس اب تم کل تیار رہنا ہم سب کل اُن کو ائرپورٹ سے ریسیو کرنے جائیں گے۔'' تانیہ نے کہا اور چلی گئی۔ لیکن نازنین کے ذہن کو آفاق کی سوچوں سے بھر گئی۔ نازنین کی آنکھوں کے سامنے برسوں پرانا اُس کا حلیہ لہرا گیا۔ موٹا گپلو سا گول مٹول چہرے والا آفاق جو کالج کے زمانے تک تو ایسا ہی تھا کہ جسے دیکھتے ہی ذہن میں بے ساختہ وہ نظم یاد آ جاتی تھی۔ ''آلو میاں آلو میاں کہاں گئے تھے۔ سبزی کی نوکری میں سو گئے تھے۔'' نازنین نے دل ہی دل میں سوچا اور مسکرا دی۔ اُسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب خالہ اور خالو اُسے لاء کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن اس کے چچا کے پاس بھیج رہے تھے تو وہ ائرپورٹ پہ کیسے اپنی ماں سے لپٹ کر رو رہا تھا جیسے چھ سال کا چھوٹا بچہ بورڈنگ اسکول جاتے ہوئے خوف زدہ ہو کر روتا ہے۔ نازنین کی آنکھوں کے سامنے بچپن کے سارے واقعات کسی فلم کی طرح ذہن میں چلنے لگے اور وہ انہی یادوں کا مزہ لیتی بیڈ پہ اوندھی جا لیٹی۔ نازنین کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ واقعی آفاق لاء کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آ رہا ہے۔ نا جانے کیوں نازنین کے دل میں ایک کسک سی جاگی کہ کاش اعجاز بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لندن جاتا اور معمولی نوکری کرنے دبئی نہ گیا ہوتا تو آج وہ آفاق سے یوں ملے بغیر بھی اتنا متاثر نہ ہو رہی ہوتی۔ اگر اعجاز بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر واپس آ رہا ہوتا تو وہ بھی لوگوں کو فخر سے بتا سکتی کہ اُس کا اعجاز لاء کی اعلیٰ ڈگری لے کر ملک وقوم کی خدمت کے لیے لوٹ آیا ہے۔ نازنین نے ایک گہری سانس لی اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھے لیمپ کو آف کر کے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔

''آپی! اُٹھ بھی جاؤ کیا بھنگ پی کر سوئی تھی رات کو؟'' تانیہ نے نازنین کو جھنجوڑتے ہوئے جگایا۔

"اوہ ہو! کیا تکلیف ہے یار تمہیں۔ چین سے سونے بھی نہیں دیتا اس گھر میں کوئی مجھے۔" نازنین نے کوفت بھرے لہجے میں چادر منہ تک تانتے ہوئے کہا۔
"آپی! اُٹھ جاؤ صبح کے نو بج رہے ہیں۔" تانیہ نے پھر سے اس کے منہ سے چادر کھینچی۔
"تو کیا ہوا آج میرا یونیورسٹی سے آف ہے اس لیے میں دیر تک سونا چاہتی ہوں۔" نازنین نے کروٹ بدلتے ہوئے بند آنکھوں سے کہا۔
"آپی! دس بجے آفاق بھائی کی فلائٹ لینڈ کرنی ہے آپ بھول گئیں کیا؟" تانیہ نے اُسے یاددلاتے ہوئے کہا۔
"اوہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔" نازنین نے ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"چلیں اب جلدی کریں منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوجائیں ورنہ ہم آپ کو ادھر ہی چھوڑ کر چلیں جائیں گے۔"
"بس مجھے دس منٹ دو۔ میں ابھی ریڈی ہوجاتی ہوں۔" اور تانیہ کمرے سے باہر آ کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔
"اُٹھی نہیں صاحب زادی اب تک؟" فرزانہ بیگم نے تانیہ سے پوچھا جو ناشتے میں مصروف تھی۔
"جی امی! اُٹھ گئی ہیں آپی' بس آرہی ہیں۔" تانیہ نے جلدی جلدی ٹوسٹ ختم کرتے ہوئے ماں کو بتایا۔
"چلو بھئی' جلدی کرو تم سب۔ تمہارے خالو ہمارا انتظار کررہے ہیں ائرپورٹ پر۔" افتخار صاحب نے کلائی پہ گھڑی باندھتے ہوئے کمرے سے باہر آتے ہوئے کہا۔
"آپ کی لاڈلی صاحبہ ہی لیٹ ہیں ہمیشہ کی طرح۔" فرزانہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تو افتخار صاحب نازنین کو آوازیں دینے لگے۔
"جی بابا جان! آرہی ہوں۔" نازنین نے کمرے سے ہی آواز لگائی اور جلدی جلدی اپنی سینڈلز کے اسٹیپ بند کرتی باہر ڈائننگ روم میں آگئی۔
"چلو بیٹا! جلدی سے ناشتہ کرلو تو چلیں۔ لیٹ ہوگئے تو تمہاری خالہ جان ناراض ہوں گی۔" افتخار صاحب نے کہا۔
"اکلوتا بیٹا ہے میری بہن کا اور میری بھی ایک ہی بہن ہے۔ سب چاؤ ہم نے ہی کرنے ہیں ناں۔" فرزانہ بیگم نے منہ بناتے ہوئے شوہر سے کہا۔
"ہاں بھئی کیوں نہیں۔ میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔" افتخار صاحب نے خجالت سے کہا۔
"چلیں بابا! میں ریڈی ہوں۔" نازنین نے جوس کا گلاس حلق میں اُنڈیلتے ہوئے کہا۔
"میں گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوں تم لوگ گھر لاک کرکے آجاؤ۔" افتخار صاحب نے کہا اور باہر نکل گئے۔ فرزانہ بیگم نے گھر کو لاک کیا اور چابیاں پرس میں رکھیں اور چاروں گاڑی میں بیٹھ کر ائرپورٹ کے لیے روانہ ہوگئے۔ تمام راستے تانیہ اور نازنین، آفاق کا مذاق بنا بنا کر فرزانہ اور افتخار صاحب کو ہنساتی رہیں۔ دونوں کے ذہن میں اب تک وہی بچپن والا آفاق ہی تھا موٹا سا بھالو جیسا۔ ائرپورٹ پر خالہ اور خالو اپنے باقی خاندان کے ساتھ موجود تھے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد آفاق آتا دکھائی دیا۔ وہ جب باہر نکلا تو سب اُسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ ایک ایک کرکے سب سے مل رہا تھا لیکن نازنین اُسے دیکھ کر جیسے سکتے میں آگئی تھی۔ اب وہ ایک نہایت پُرکشش اور وجیہ لڑکا تھا۔ دراز قد، گندمی رنگت ہلکی سی فرنچ داڑھی چہرے کو مزید نکھار بخش رہی تھی آنکھوں پہ لگائے گئے بلیک سن گلاسز اُسے کسی انگلش فلم کے ہیرو جیسا روپ دے رہے تھے۔ "کیا یہ وہی آفاق ہے۔" نازنین نے دل ہی دل میں اُسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ نازنین اُسے دیکھ کر سحرزدہ سی رہ گئی تھی۔ فرزانہ بیگم اور اُن کی بہن بار بار اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ نازنین نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح اُس سے متاثر ہوجائے گی۔ وہ چاہ کر بھی اپنی نظر اس کے حسین چہرے سے ہٹا نہیں پارہی تھی۔ لندن میں سات سال گزارنے کے بعد شاید وہ بھی وہیں کے لوگوں کی طرح حسین وجمیل ہوگیا تھا اور اس پہ اُس کا سلجھا ہوا با ادب قسم کا طرزِ گفتگو نازنین کے دل کے نہاں خانوں میں اُترتا چلا گیا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک سحر تھا جو پورے ماحول پہ بکھرتا ہی چلا گیا۔ نازنین یونہی اُسے ٹکر ٹکر دیکھے جارہی تھی

کہ اچانک ہی وہ اس کی طرف بڑھا تو نازنین کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پتھر کی ہوگئی ہو۔

"السلام علیکم! کیسی ہو نازنین! اور تانیہ تم کیسی ہو؟"

نازنین اور تانیہ ہاتھوں میں بوکے لیے اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک آفاق بھائی! یہ آپ کے لیے۔" تانیہ نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا بوکے اس کی طرف بڑھایا۔

"اوہ! سو سوئیٹ ڈیئر۔ تھینک یو سو مچ۔" آفاق نے بوکے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

"نازنین شاید یہ بوکے کسی اور کے لیے لائی ہے؟" آفاق نے خاموش بُت بنی کھڑی نازنین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے تانیہ سے کہا۔

"اوہ...... سوری یہ آپ کے لیے ہی ہے..... گھر واپسی پر دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید۔" نازنین نے اپنے کھوئے ہوئے انداز کی معافی مانگتے ہوئے جلدی سے کہا اور بوکے اس کی طرف بڑھادیا۔

"تھینک یو سو مچ۔" آفاق نے مسکراتے ہوئے نازنین سے کہا تو وہ ایک بار پھر اس کی مسکراہٹ کے سحر میں مبتلا ہوگئی لیکن اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالتے ہوئے دوسری جانب دیکھنے لگی جہاں خالہ، خالو اور اس کے امی ابو کھڑے تھے۔

"چلیں اب بیٹا؟" خالو نے آفاق سے پوچھا۔

"جی بالکل۔" آفاق نے کہا۔

سامان گاڑی میں رکھوانے کے بعد سب گاڑیوں میں بیٹھ کر خالہ کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ نازنین پہ عجیب سی کیفیت طاری تھی یوں جیسے وہ سب کی درمیاں رہتے ہوئے بھی کہیں اور ہی پہنچی ہوئی ہو۔ نا جانے کیوں وہ اعجاز اور آفاق کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ آفاق کو وہ جتنا دیکھتی وہ اُتنا ہی اس کے دل میں اُترتا چلا جارہا تھا۔ گھر آکر بھی وہ تمام رات آفاق کو ہی سوچتی رہی تھی۔ اعجاز کی کالز اور میسجز کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ اگر اعجاز بھی آفاق کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا تو شاید اس وقت اس کی کیفیت ایسی نہ ہوتی۔ رات بھر عجیب سوچوں نے اس کے ذہن کو ماؤف کردیا تھا۔ آفاق کا سراپا اس کے ذہن و دل پہ چھایا رہا تھا۔ وہ اس کی شخصیت کے سحر میں مبتلا ہوگئی تھی۔ نازنین افتخار کی سوچوں پہ صرف آفاق خان ہی سوار تھا اور اعجاز احمد کا نام دور دور تک کہیں نہیں تھا۔

......☆☆☆......

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے ہوئے آفاق نے نازنین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آفاق اپنی امی کے ساتھ نازنین کے گھر آیا تھا اور اب رات کے کھانے کے بعد دونوں ٹیرس پہ کھڑے باتیں کررہے تھے۔

"آنرز کر کے فری ہوئی تھی تو فوراً ہی ایم فل میں ایڈمیشن لے لیا۔" نازنین نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"گریٹ! کس سبجیکٹ میں؟" آفاق نے خوشی اور حیرت کے ملے جُلے تاثرات سے کہا۔

"انٹرنیشنل ریلیشنز میں۔" نازنین نے بتایا۔

"واہ بھئی، تم تو بہت لائق فائق نکلیں۔" آفاق نے مسکراتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"تو تم کیا مجھے نالائق سمجھتے تھے؟" نازنین نے اُسے گھورا۔

"نالائق تو نہیں لیکن اتنا لائق بھی نہیں سمجھتا تھا۔ ایم فل کرنا چھوٹی بات تو نہیں ہوتی ناں۔" آفاق نے کہا تو نازنین اس کی بات پہ ہلکا سا مسکرادی۔

"تمہیں تو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ تم وہی آفاق ہو موٹا بھالو جیسا جو ہر وقت ماں ماں کرتا رہتا تھا۔" نازنین نے کہا اور ایک قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ آفاق اُسے ہنستا دیکھ کر مسکرادیا اور بغور دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" نازنین نے اُسے خود کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت پیاری ہوگئی ہو۔" آفاق نے کہا تو نازنین کو جیسے اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"مطلب پہلے پیاری نہیں تھی؟" نازنین نے بمشکل کہا۔

"تھی لیکن اتنی نہیں تھی جتنی اب ہو۔ تمہاری مسکراہٹ بہت خوب صورت ہے۔" آفاق نے ذو معنی انداز میں کہا۔

"اور یہ ڈائیلاگ آپ کتنی لڑکیوں سے بول چکے ہیں؟" نازنین نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔
"آہم...... آہم۔ اگر گننے بیٹھے تو صبح ہوجائے گی۔" آفاق نے کہا تو دونوں ہنس دیے۔
"نازی! ایک بات کہوں؟" آفاق نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
"ہاں' کہو۔" نازنین نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔
"کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟" آفاق نے جھجکتے ہوئے کہا تو نازنین کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا۔
"ک۔ک...... کیا؟" نازنین کے الفاظ جیسے حلق میں ہی اٹک گئے تھے اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ آفاق خود اُس سے ایسی بات کرے گا۔ وہ تو خود دل وجان سے اُس پہ فریفتہ تھی لیکن آفاق بھی اُسے اس حد تک پسند کرتا ہے اُس نے کبھی خواب میں بھی ایسی بات نہیں سوچی تھی اس لیے وہ حیرت کا بُت بنی آفاق کے سامنے کھڑی اُسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
"امی بھی آج فرزانہ خالہ اور خالو سے بات کرنے آئی ہیں۔ غالباً اندر اب یہی بات ڈسکس ہو رہی ہوگی۔" آفاق نے کہا۔
"تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ فیصلہ بڑوں پہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔" نازنین نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔
"لیکن اتنا تو بتادو کہ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟" نازنین وہاں سے جانے لگی تو آفاق نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا بازو تھام کر روک لیا۔ نازنین نے جھکتے ہوئے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے اپنا بازو چھڑایا اور اندر کی طرف بھاگ گئی۔ آفاق اس کی رضامندی دینے پہ بے حد مسرور ہوا تھا۔
نازنین جلدی سے اپنے بیڈروم میں جاکر کمرے کو بند کرکے بیٹھ گئی اور کافی دیر تک اپنی منتشر سانسوں کو سنبھالنے میں لگی رہی۔ اُس نے آفاق کو تو ہاں کہہ دی تھی لیکن اعجاز کا خیال آتے ہی اس کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔ "پتہ نہیں امی اور بابا جان خالہ کو کیا جواب دیں گے۔ کہیں انکار ہی نہ کردیں۔" نازنین نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر جلدی سے دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے باہر لاؤنج کی طرف چل دی جہاں سب بڑے بیٹھے باتیں کررہے تھے۔
"ارے بھئی' سوچنا کیسا؟" شبانہ خالہ نے کہا۔
"نہیں سوچنا کیا آپا! بس ایک بار بچی کی رائے معلوم کرلیں۔ آفاق تو ہمارا اپنا خون ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی بڑا ہوا ہے۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔
"بس بھئی' میں تو ہاں میں ہی جواب سننا چاہتی ہوں۔ آخر میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔" شبانہ بیگم نے فخریہ انداز میں دھونس جماتے ہوئے کہا تو باہر کھڑی نازنین کے حسین لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
"جی' ضرور ان شاءاللہ۔" فرزانہ بیگم نے خوشی سے کہا۔
"اچھا اب اجازت دو' رات بہت ہوگئی ہے اب میں چلوں گی۔ تم مجھے جلد از جلد خوش خبری سناؤ تاکہ میں شگن لے کر آسکوں۔" شبانہ خالہ نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے کہا۔
"جی آپا! افتخار اسلام آباد گئے ہوئے ہیں وہ آجائیں پھر اُن سے بات کرکے آپ کو فوراً جواب دوں گی۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔
"چلو ٹھیک ہے لیکن جواب ہاں میں ہی ہونا چاہیے۔" شبانہ خالہ نے کہا اور فرزانہ سے گلے ملتی ہوئی رخصت ہوگئیں۔
نازنین کی خوشی دیدنی تھی لیکن اُسے اعجاز کا خیال بھی بار بار ستا رہا تھا۔ یقیناً فرزانہ بیگم نے بھی اسی لیے فوراً ہاں نہیں کی تھی۔
"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" فرزانہ بیگم نے شوہر کو آفاق کے رشتے کے بارے میں بتایا تو اُنہوں نے پوچھا۔
"میں نے یہی کہا کہ میں آپ سے مشورہ کرکے بتاؤں گی۔" فرزانہ بیگم نے بیڈ پر شوہر کے قریب بیٹھتے ہوئے اُنہیں چائے کا مگ تھمایا۔
"تمہیں اُنہیں منع کردینا چاہیے تھا فرزانہ! تم تو جانتی ہو کہ ہم نے بچپن سے ہی اعجاز اور نازی کی شادی کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے احمد اور ثریا سے۔" افتخار صاحب نے کہا۔
"آپ خود سوچیں۔ کیا مقابلہ ہے آفاق اور اعجاز کا اور

بچپن میں بات ہوئی تھی تو کون سی پتھر پہ لکیر ہوگئی جو مٹائی نہیں جاسکتی۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"احمد بتا رہا تھا کہ اعجاز کو دبئی میں ایک کمپنی میں اچھی جاب مل گئی ہے اور سال دو سال میں وہ ترقی کرلے گا اور اُس کا ارادہ بھی دبئی ہی میں سیٹل ہونے کا ہے۔" افتخار نے بیوی کو بتایا۔

"چلو اب کیا ہم اپنی بچی کو اس کے سیٹل ہونے کی آس پہ بٹھائے رکھیں اور شادی کرکے اُسے اتنی دور دبئی بھیج دیں جبکہ ہمارے پاس اپنوں میں اتنا اچھا رشتہ موجود ہے۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ دو ہی تو بچیاں ہیں ہماری کیسے اتنی دور بھیج دیں لیکن زبان بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے فرزانہ۔"

"بچپن کی باتیں بھلا کون مانتا ہے افتخار! آپ خود سوچیں ہماری بیٹی اتنی لائق اور پڑھی لکھی اور کہاں وہ اعجاز میٹرک پاس۔ کیا جوڑ ہے اُس کا ہماری بچی کے ساتھ۔ چار سال ہوگئے ہیں اُسے دبئی گئے ہوئے ابھی تک چھوٹی موٹی نوکریاں کرتا پھر رہا ہے اور سوچیں ذرا اپنا آفاق لندن سے لاء کی ڈگری لے کر آیا ہے اور وکیل ٹھیک ٹھاک کماتے ہیں پھر بھائی جان کا اتنا اچھا بزنس بھی ہے۔ سب اُن کے اکلوتے بیٹے کا ہی تو ہے۔" فرزانہ بیگم نے ایک ایک کرکے تمام خوبیاں گنوائی اور ساتھ ہی اعجاز کی خامیاں بھی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن نازنین بھی تو اعجاز کو پسند کرتی ہے۔ تم نے اُس سے پوچھا؟" افتخار صاحب نے کہا۔

"پوچھا تو نہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ نازنین بھی آفاق کو پسند کرنے لگی ہے۔ میرا خیال ہے اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"بلاؤ اُسے...... ابھی پوچھ لیتے ہیں۔" افتخار صاحب نے کہا تو فرزانہ بیگم نے نازنین کو آواز دے کر بلایا جو باہر لاؤنج میں تانیہ کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"جی امی! آپ نے بلایا؟" نازنین نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا' بیٹھو یہاں ہمارے پاس۔" افتخار صاحب نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی بابا جان! سب خیریت ہے؟" نازنین نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! تمہاری خالہ نے آفاق کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟" افتخار صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"جیسے آپ لوگ مناسب سمجھیں۔" نازنین نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! تم خود بتاؤ اگر تمہیں اعجاز پسند ہے تو تم ہمیں ابھی بتادو۔ جو بھی ہوگا تمہاری خوشی کے مطابق ہوگا۔" فرزانہ بیگم نے کہا۔

"اعجاز کے ساتھ بچپن میں کھیل کود اور قربت کی وجہ سے اٹیچمنٹ اور پھر آپ لوگوں کی طرف سے ہماری شادی کی باتوں نے میرے دل میں اُس کی جگہ ضرور بنائی تھی لیکن اعجاز میرا آئیڈیل نہیں ہے۔ آفاق میری طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہر لحاظ سے اعجاز سے بہتر ہے۔ میں نے اعجاز کو بہت کہا تھا کہ وہ آگے پڑھے اور اپنا کیریئر بنائے لیکن اُس نے میری ایک نہیں سنی۔ اب جبکہ میں اتنا پڑھ لکھ گئی ہوں میری اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوسکتی۔ مجھے اپنے ہی جیسا پڑھا لکھا سلجھا ہوا انسان چاہیے بابا جان۔ جسے کسی بھی قسم کا احساس کمتری محسوس نہ ہو اور نہ ہی مجھے اس کے ساتھ رہتے ہوئے کسی قسم کا احساس برتری محسوس ہو۔" نازنین نے ٹھہر ٹھہر کر ہر نقطہ واضح کیا۔

"اس کا مطلب کہ ہماری بیٹی ایک میچور انسان ہے اور ہر چیز کو سمجھے داری سے سمجھ سکتی ہے۔" افتخار صاحب نے مسکراتے ہوئے فرزانہ بیگم سے کہا۔

"آپ خالہ جان کو ہاں کہہ دیں۔" نازنین نے کہا اور وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔

"بس دیکھ لیا ناں آپ نے۔ میں نہ کہتی تھی کہ نازی بھی آفاق کو ہی پسند کرتی ہے۔" فرزانہ بیگم نے خوشی سے کہا۔

"ہاں بھئی' ماں ہو ناں اس لیے اپنی اولاد کی ساری رمزیں جانتی ہو۔" افتخار صاحب نے کہا۔

"بس صبح ہی آپا کو فون کرکے خوش خبری سناتی ہوں۔" فرزانہ بیگم نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”لیکن فرزانہ! ہم احمد اور ثریا کو کیسے منع کریں گے؟“ افتخار صاحب نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔

”آپ بات طے ہونے دیں پھر ہم اُن کے گھر مٹھائی بھیج دیں گے پھر نہ کچھ کہنا پڑے گا اور نہ کچھ سننا پڑے گا۔“ فرزانہ بیگم نے کہا۔

”برسوں پرانی دوستی خراب ہوجائے گی۔“ افتخار صاحب نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”اولاد کی خوشی اور اچھے مستقبل سے بڑھ کر تو نہیں ہوتی ناں دوستیاں۔“ فرزانہ بیگم نے کہا تو افتخار صاحب بھی خاموش ہوگئے۔

......☆☆☆......

نازنین کا موبائل فون بہت دیر سے وائبریٹ کررہا تھا۔ وہ لیکچر لے کر کلاس روم سے باہر نکلی تو اعجاز کی بہت ساری مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔

”اس کا مطلب ہے کہ اعجاز تک خبر پہنچ گئی۔“ نازنین نے سوچا۔ پچھلے ویک اینڈ آفاق سے اس کی نسبت طے کرکے شادی کی ڈیٹ بھی رکھ دی گئی تھی۔ اعجاز کے گھر بھی شگن کی مٹھائی بھیجی گئی تھی۔ جس پر اس کے گھر والوں کی طرف سے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ابھی نازنین یہی سوچ رہی تھی کہ دوبارہ سے موبائل پہ اعجاز کا نام جگمگانے لگا۔ نازنین نے کال ریسیو کرکے کان سے فون لگایا۔

”ہیلو۔“ نازنین نے کہا۔

”تم اتنی ظالم کیسے ہوسکتی ہو نازی؟“ دوسری طرف سے اعجاز کی گھٹی گھٹی آواز سنائی دی۔

”سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں تمہیں بتا نہیں سکی۔“ نازنین نے افسردگی محسوس کرتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

”تم کیسے سب کچھ بھلا سکتی ہو کیسے میری محبت کو ٹھکرا کر کسی اور کی ہوسکتی ہو نازنین! کہاں گئے وہ محبت کے دعوے، وہ وفا کے وعدے؟“ اعجاز نے دُکھی لہجے میں کہا۔

”وہ دعوے اور وعدے اُسی وقت دم توڑ گئے تھے اعجاز جب تم دبئی گئے تھے۔“ نازنین نے تلخی سے کہا۔

”کیا کمی تھی میری محبت میں جو تم نے اس طرح سے میرے پیار کو دھتکار دیا؟“ اعجاز نے کہا۔

”یہ بات تم مجھ سے نہیں خود سے پوچھو۔“

”تم بچپن سے میرے نام کے ساتھ منسوب تھیں۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟“

”ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بارے میں جو بہتر سمجھے وہ فیصلہ کرے۔ بالکل ایسے جیسے تم نے اپنے لیے فیصلہ کیا تھا۔“ نازنین نے تحمل سے کہا۔

”میں نے یہ قدم تمہارے اور اپنے اچھے مستقبل کے لیے کیا تھا۔ تمہارے قدموں میں دنیا کا ہر سکھ ڈالنے کے لیے۔“

”یہ سب کرنے کو کیا میں نے تم سے کہا تھا۔ نہیں ناں تو پھر تم نے اکیلے ایسا فیصلہ کیسے کرلیا۔ میں تمہیں تعلیم مکمل کرنے کا کہتی رہی اور تم دبئی جاکر بیٹھ گئے۔ بتاؤ اس میں میری کیا خوشی تھی؟“ نازنین نے تلخی سے پوچھا۔

”میں کیسے جیوں گا تمہارے بغیر۔ ایک بار بھی سوچا تم نے؟“ اعجاز نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا تم نے سوچا تھا ایک بار بھی جب تم مجھے چھوڑ کر دبئی جارہے تھے؟“ نازنین نے کہا۔

”کچھ بھی ہوجائے نازنین! چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہوجائے۔ تم میری تھیں اور میری ہی رہوگی۔ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھالو اور اپنے کزن سے منگنی ختم کردو۔“ اعجاز کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا جو نازنین کو اندر تک ہلا گیا۔

”اب ایسا ہونا ناممکن ہے۔“ نازنین نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

”ممکن ہو یا ناممکن مجھے پروا نہیں، میں تمہیں جیتے جی تو کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔“ اعجاز نے غصے سے کہا اور فون بند کردیا۔ نازنین اس کے لہجے سے کافی خوف زدہ ہوگئی تھی لیکن پھر وقتی جذباتی پن سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا۔ گھر آکر بھی اُس نے اپنے امی اور بابا سے اس بات کا ذکر کیا تو افتخار صاحب نے اعجاز کی فیملی سے بات کرنے کی یقین دہانی کرواتے ہوئے مطمئن کردیا۔ نازنین کے فائنل ٹرم کے پیپرز ہورہے تھے اور وہ دن رات پڑھائی میں مصروف تھی۔ اعجاز کی دن رات کی کالز سے تنگ آکر اُس

نے اپنا سیل فون ہی بند کر دیا تھا تاکہ وہ دھیان لگا کر امتحان کی تیاری کر سکے۔ امتحانوں سے فارغ ہوتے ہی اس کی شادی آفاق کے ساتھ طے تھی۔ آج اُس کا آخری پیپر تھا اور وہ صبح جلدی ہی اپنے بابا جان کے ساتھ کالج روانہ ہوگئی تھی۔ اپنا آخری پیپر دے کر جب وہ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی تو اعجاز کو سامنے کھڑا دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ نازنین کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکا تھا۔

''تم یہاں' کب آئے تم پاکستان؟'' نازنین نے حیرت سے پوچھا۔

''کل رات کو پہنچا ہوں' تم کیا سمجھی کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دوں گا؟'' اعجاز کے لہجے میں کڑواہٹ اور آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔

''بھول جاؤ مجھے۔ یہی بہتر ہے تمہارے۔ لیے بھی اور میرے لیے بھی۔'' نازنین نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

''میری بات سنو۔'' اعجاز نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''میرا ہاتھ چھوڑو اعجاز! سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' نازنین نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''ابھی میرے ساتھ گھر چلو اور اپنے ماں باپ سے انکار کرو شادی سے۔ تم جو کہوگی میں وہ کروں گا۔ میں واپس آ گیا ہوں۔ صرف تمہاری خاطر۔'' اعجاز نے سنجیدہ انداز میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''سوری اعجاز! ایسا نہیں ہو سکتا اب۔ تم نے بہت دیر کر دی آنے میں۔'' نازنین نے کہا اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہی۔ میں نہیں جی سکتا تمہارے بغیر۔ تم کیسے بھول سکتی ہو بچپن کا پیار' کیسے مجھے نظر انداز کر سکتی ہو' دیکھو مجھے' دیکھو میں وہی ہوں تمہارا اعجاز۔'' اعجاز نے التجائیہ انداز میں آنسو بھری نگاہوں سے کہا۔

''یہ سب تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا اعجاز! اب کوئی فائدہ نہیں ان باتوں کا۔ میں بہت آگے نکل چکی ہوں' جو جگہ تم خالی چھوڑ گئے تھے وہ اب کسی اور نے لے لی ہے۔'' نازنین نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

''نازنین! میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں نہیں جی سکتا تمہارے بغیر۔'' اعجاز نے اُسے پھر سے پکارا لیکن وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی کالج کے اوور ہیڈ برج پہ چڑھنے لگی۔ اعجاز بھی اس کے پیچھے پیچھے التجائیں کرتا چلنے لگا لیکن اُس نے کوئی بات نہیں سنی۔

''نازنین! آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ تم انکار کرو گی شادی سے یا نہیں؟'' اعجاز نے اس کے سامنے آ کر اُس کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' کبھی بھی نہیں۔'' نازنین نے کہا اور اس کو سامنے سے ہٹاتی آگے بڑھ گئی۔ اعجاز کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے چہرے کو بھگو گئے لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے آنسو پونچھ کر نازنین کو زور سے پکارا اور اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا۔

''نازنین! تم میری تھیں اور میری ہی رہو گی' میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔ تمہارے ساتھ جی نہیں سکا تو کیا ہوا۔ تمہارے ساتھ مر تو سکتا ہوں۔'' اعجاز نے چلاتے ہوئے کہا تو اس کے الفاظ نے نازنین کے بڑھتے قدم جکڑ لیے۔ اُس نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اعجاز کے ہاتھ میں پستول تھا۔ نازنین کے مڑ کر دیکھتے ہی اُس نے دو بار فائر کیے جو سیدھا نازنین کے سینے پہ لگے اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔ فائرنگ کی آواز سے آس پاس لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہر طرف چیخ و پکار اور ہل چل مچ گئی۔ نازنین کے گرتے ہی اعجاز نے پستول اپنی کن پٹی پہ رکھی اور گولی چلنے کی زوردار آواز بھیڑ میں مچی بھگدڑ میں گم ہوگئی۔ خون میں لت پت اعجاز اور نازنین کے بے جان وجود اپنی حسرتوں کی کہانی آپ سنا رہے تھے۔ آس پاس کھڑے افراد کے چہروں پہ خوف و ہراس کے تاثرات تھے۔ کالج کا اوور ہیڈ برج جو سبز رنگ کا تھا اب کسی کی ناکام محبت کی لالی سے سُرخ ہو چکا تھا۔

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی
READING
Section

کبھی مشکلوں کا تھا سامنا کبھی راحتوں میں گزر گئے
وہ جو دن تھے میرے شباب کے تیری چاہتوں میں گزر گئے
کبھی راز داں نے ستم کیا کبھی خود رقیب سے جا ملے
وہ جو لمحے تھے میرے پیار کے وہ رقابتوں میں گزر گئے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

درمکنون کی زبانی یہ حقیقت جان کر کہ پرہیان صمید صاحب کی بیٹی نہیں ہے ساویز انتہائی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے جبکہ اچانک انکار پرہیان کے لیے بھی اذیت ناک ہوتا ہے ایسے میں ساویز اس کی ذات پر کیچڑ اچھالتے سارہ بیگم کے گناہ سے آگاہ کرتا اور اتنا بڑا سچ چھپانے پر اسے کافی برا بھلا کہتا ہے جبکہ پرہیان یہ سب جان کر شاکڈ رہ جاتی ہے وہ ان حالات کا ذمہ دار سارہ بیگم کو ٹھہراتی ہے۔ جن کی وجہ سے صمید اور مریہ بیگم میں نہ صرف اختلافات پیدا ہوئے بلکہ ان کی اولاد بھی ایک دوسرے سے الگ ہوگئی تھیں۔ سارہ بیگم اس انکشاف پر حیران رہ جاتی ہیں اپنی اذیت پر یہ الزامات برداشت کرتے وہ خاموش ہو جاتی ہیں جبکہ یہ تمام حقیقت زواریا بھی جان لیتا ہے اور وہ اس معاملے کی سچائی جاننے کے لیے کرنل صاحب سے ملتا ہے اور ان کی زبانی بہت سے حقائق اس کے سامنے آتے ہیں کہ وہ سارہ بیگم کی بجائے مریہ کا بیٹا ہے اور درمکنون اس کی بہن ہے۔ صیام کو ورکشاپ پر کام مل جاتا ہے لیکن گھر کے حالات اب بھی خاصی ابتری کا شکار ہوتے ہیں جب ہی وہ اپنی کمپنی میں لون کا مطالبہ کرتا ہے لیکن درمکنون صاف انکار کر دیتی ہے۔ صمید حسن اپنی بیٹی پرہیان کے دکھ پر تڑپ اٹھتے ہیں اور ساویز کے والد احمد آفندی سے بات کرتے ہیں جب ہی آفندی صاحب کی زبانی انہیں تمام باتوں کا پتا چلتا ہے۔ اپنی بیٹی کی اس تحقیر پر وہ خاموش نہیں رہتے اور سارہ بیگم کے بے گناہ ہونے کا اظہار کرتے ہوئے مریہ بیگم کے بذات خود چھوڑ جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ آفندی صاب کے الفاظ انہیں شدید تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں' دوسری طرف زواریا تمام حقیقت جاننے کے بعد بیرون ملک واپس لوٹ جاتا ہے جبکہ اس کی یہ گمشدگی صمید صاحب کو مزید رنج میں مبتلا کر دیتی ہے کرنل صاحب کے سامنے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہیں زاویار کو یہ سب پہلے بتا دینا چاہیے تھا لیکن اب وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مریہ اور درمکنون کی طرح وہ بھی ان سے دور ہو گیا تھا۔ ساویز اپنا پرپوزل درمکنون کو پیش کرتے اپنی شادی ٹوٹنے کی اصل وجہ بھی بتا دیتا ہے جبکہ درمکنون پرہیان اور سارہ بیگم سے اپنی حق تلفی کا بدلہ لینے کی خاطر اس پرپوزل پر غور کرنے کے لیے کچھ وقت طلب کرتی ہے۔ عمر درمکنون سے بات کر کے قمر بھائی کی بیٹی شہرو کی پاکستان آمد کی اطلاع دیتا ہے۔ شہر اور حویلی پہنچ کر کتاب ماضی کے بند اوراق کو پھر سے کھولنا چاہتی ہے جہاں ہر طرف اذیت ہی اذیت رقم ہے اظہار صاحب اور زلیخاں بی بی کے چار بیٹے ان کا کل سرمایہ ہیں تاہم اظہار کے بڑے بھائی عباس اور ان کی درمیان شروع سے ہی حسد و بغض کی فضا قائم رہی اور یہی حسد بالآخر حویلی کے مکینوں کو مٹا کر راکھ کر دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

دریچوں سے کبھی بے ساختہ جھانکوں
بنا آہٹ کے دروازوں کو کھولوں
کبھی یوں ہی پلٹ کر راہ دیکھوں
کہ جیسے کوئی پیچھے آ رہا ہے
میرے چاروں طرف سرگوشیاں ہیں
جھلک دیتی ہوئی کتنی شب ہیں
میرے آگے میرے پیچھے سے گزریں
میں چونکوں سانس روکوں کانپ جاؤں
مگر اگلے ہی پل چاروں طرف سے
حقیقت کے اندھیرے لوٹ آئیں
مجھے جھنجھوڑ کر باور کرائیں
ادھر تو دور تک کوئی نہیں ہے
ابھی آہٹ تو ابھری تھی شجر سے
کوئی پنچھی تھا دروازے کے پیچھے
زمین پر رنگ برسے تھے گھٹا سے
کسی تتلی کے پر الجھے ہوئے تھے
دریچے سے کوئی جھانکا تھا تارا
یہاں کب کوئی آیا تھا ہمارا؟
یہاں کب کوئی آیا تھا ہمارا؟

اس رات حویلی میں کیا ہوا تھا؟
رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی مگر شہرزاد کو نیند نہیں آ رہی تھی تبھی وہ باہر لان میں چلی آئی تو مجبوراً ہادیہ کو بھی اس کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر آنا پڑا۔ شب کی خاموش فضا میں سبک روی سے چلتی ہوائیں اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھیں مگر شہرزاد کے خیال سے وہ پتھر بنی بنا سردی کی پروا کیے اس کے پہلو میں بیٹھی رہی۔ اسی دوران اس نے شہرزاد سے پوچھا تھا۔
"اس رات حویلی میں کیا ہوا تھا شہرزاد؟ کیا تھا اس رات میں ایسا کہ جس پر تمہارے خاندان کا کوئی فرد کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں۔" وہ یہ سوال پہلے بھی کئی بار پوچھ چکی تھی مگر شہرزاد نے اسے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جواب دیتی بھی کیسے اس کی ماں نے کبھی اسے اس رات کے بارے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ اب تک اپنی ماں سے اس نے حویلی اور حویلی کے مکینوں کی جتنی کہانی سنی تھی وہ بس ایک طوفانی رات پر آ کر ختم ہو جاتی تھی۔
ایک ایسی رات جس میں تباہی ہی تباہی تھی مگر کوئی بھی اسے اس رات کی حقیقت بتانے کو تیار نہیں تھا نہ اس کی ماں شہربانو اور نہ ہی تایا عمر عباس...... تبھی اس کی روح بے چین تھی۔
ہادیہ کے نیٹ پر ملنے سے قبل اس کی کسی سے بھی دوستی نہیں تھی وہ زیادہ وقت اپنی پڑھائی میں مصروف رہتی یا پھر

بے مصرف سوچوں میں...... وہ سوچیں جو صرف پاکستان میں موجود پرانی حویلی کے گرد طواف کرتی تھیں‘ وہ پرانی حویلی جو اس کے بزرگوں کی جاگیر تھی اور جس سے ملحقہ احاطے میں اس حویلی کے تمام مکینوں کی آخری آرام گاہیں بھی تھیں۔

اس کے دادا اظہار ملک‘ دادی زلیخا بی بی‘ بڑے تایا خضر عباس‘ چھوٹے تایا نظر عباس‘ اس کے بابا قمر عباس سب ایک ساتھ ابدی نیند سو رہے تھے۔ اس حویلی کی نشانیوں میں سے اگر کوئی باقی بچا تھا تو وہ صرف عمر عباس تھا جسے مریہ رحمن کے عشق کے بعد اس حویلی کے اجڑنے کا درد برباد کر گیا تھا۔

ایک ٹانگ میں ہلکی سی معذوری کے بعد جس میں وقت سے لڑنے کی ہمت ہی ختم ہوگئی تھی۔ کشادہ حویلی سے ملحقہ احاطے میں اس کی اکلوتی پھوپو شگفتہ بی بی کی آخری آرام گاہ بھی تھی جو بھری جوانی میں راہِ عدم کو سدھار گئے تھے۔ وہ درد سے مسمار نہ ہوتی تو اور کیا کرتی؟

''پلیز بتاؤ ناں شہزاد! اس رات حویلی میں کیا ہوا تھا؟''

''پتا نہیں‘ مما مجھے اس رات سے آگے کی کوئی بات بتانے کو تیار نہیں‘ اسی لیے میں یہاں آئی ہوں یہاں کوئی تو ایسا ہوگا جسے حویلی کی کہانی معلوم ہوگی جو حویلی پر اچانک سے ٹوٹنے والی قیامت کے بارے میں کچھ جانتا ہوگا۔''

''ممکن ہے ایسا ہو لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو؟''

''نہ ہوا تب بھی میں کہانی ادھوری چھوڑ کر پاکستان سے نہیں جاؤں گی‘ میں جان کر رہوں گی کہ میرے بزرگوں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''ہوں‘ مجھے اس مشن میں ہمیشہ تم اپنے ساتھ پاؤ گی۔''

''شکریہ ہادی! میں واقعی نہیں جانتی تھی کہ انٹرنیٹ پر مجھے تم جیسی پیاری‘ مخلص دوست مل جائے گی۔''

''ہوں جانتی تو میں بھی نہیں تھی کہ ہوا کے دوش پر جس لڑکی کی دکھی شاعری سن سن کر میں اس کے عشق میں مبتلا ہوچکی ہوں وہ ایک روز واقعی یوں حقیقت بن کر مجھ سے سچ مچ آن ملے گی۔ قسم سے شہرو میں اتنی خوش ہوں تمہیں حقیقت میں دیکھ کر کہ تم میری خوشی کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔'' وہ واقعی بے حد مسرور تھی‘ شہزاد زیرلب مسکرادی۔

کالج لائف کے دوران ہی اس پر شاعری کے دورے پڑنے شروع ہوگئے تھے اور یوں اس نے اپنے اندر کے غبار کو لفظوں کے پیرہن میں لپیٹ کر مختلف ریڈیو اسٹیشنز کی خصوصی نشریات کی زینت بنانا شروع کردیا۔ یہیں ریڈیو ڈوئچے ویلے جرمنی کے ایک پروگرام میں اس کی ہادیہ سے دعا سلام ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ دعا سلام گہری دوستی میں بدل گئی۔ ہادیہ کے دل کو شہزاد کے نام اور اس کی شاعری میں چھپے عجیب سے درد نے بے حد متاثر کیا تھا سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اس کے لبوں پر بس ایک ہی نام ہوتا تھا ''شہزاد''

گھر والے شہزاد نامی لڑکی سے اس کی اتنی محبت دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے اور گھر میں لوگ ہی کتنے تھے۔ ایک بڑے بھائی عاشر جن میں ہادیہ کی جان تھی‘ ایک ان کی بیوی حائقہ‘ جن کے ساتھ اس کے جان سے پیارے بھائی نے پسند کی شادی کی تھی۔ ایک ان کی تین سالہ بیٹی عرشیہ‘ جو ہادیہ سے بے حد کلوز تھی۔ ایک چھوٹا بھائی عشارب جو حال ہی میں یونیورسٹی سے فارغ ہوا تھا اور جس کی اپنی ہی ایک علیحدہ دنیا تھی اور سب سے آخر میں بے حد مشفق اور پیار کرنے والی نانو‘ جنہوں نے ان تینوں بہن بھائیوں کو ماں بن کر پالا تھا اور کبھی حقیقی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔

گھر کے یہ ٹوٹل چار افراد ہی ہادیہ کی پوری کائنات تھے کیونکہ وہاں پیار تھا محبت تھی امن تھا اور سب سے بڑھ کر گھر میں ہادیہ کو بے حد اہمیت دی جاتی تھی۔ بے حد چاہا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے نیٹ پر ملنے والی اپنی عزیز دوست شہرزاد کو سمندر پار سے اپنے گھر بلوالیا تھا۔ وال کلاک اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجا رہا تھا جب ہادیہ نے بمشکل جمائی روکتے ہوئے شہرزاد سے پوچھا۔

''کیا آج تمہیں نیند نہیں آرہی؟''

''نہیں' کیا تمہیں آرہی ہے؟''

''ہوں' مگر تمہیں یوں چھوڑ کر میں نہیں سوسکتی۔''

''تم پاگل ہو ہادیہ! اور کچھ نہیں۔''

''وہ تو میں ہوں۔'' شہرزاد کے مسکرا کر اٹھ کھڑے ہونے پر وہ بھی مسکرائی اور پھر دونوں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

❀......❀......❀

اگلی صبح خاصی روشن تھی' بہت دنوں کے بعد پھیلی ہلکی ہلکی سی دھوپ نے جیسے ہر چیز کے حسن کو نکھار دیا تھا۔ ہادیہ اور شہرزاد ابھی ناشتے سے فارغ ہی ہوئیں تھیں کہ مریرہ ان سے کال پر ایڈریس لے کر وہاں پہنچ گئی تھی۔

عشارب گھر پر نہیں تھا جبکہ ہادیہ کی بھابی بھی اپنے شوہر عمر کے ساتھ اپنے گھر والوں سے ملنے گئی ہوئی تھی تبھی مریرہ کی ملاقات وہاں ہادیہ کی نانو سے ہوئی تھی۔ ہادیہ کی نانو کے حویلی والوں سے ماضی میں بہت اچھے تعلقات رہے تھے اسپیشلی وہ شہرزاد کی دادی زلیخا بی بی کی بہت اچھی جاننے والوں میں سے نکل آئی تھیں تبھی قمر عباس کی بیوی کے ساتھ ساتھ انہیں مریرہ سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی تھی۔

مریرہ شہربانو اور شہرزاد کو لینے آئی تھی' شہرزاد کی خواہش حویلی میں قیام کی تھی مگر مریرہ نے اس کی خواہش کو پورا نہیں ہونے دیا۔ وہ شام ڈھلنے سے پہلے ہی انہیں ہادیہ کے گھر سے لے کر نکل آئی تھی۔ گاڑی وسیع روڈ پر فل اسپیڈ کے ساتھ بھاگ رہی تھی جب شہرزاد نے مریرہ سے پوچھا۔

''دری! کیسی ہے مریرہ پھوپو؟''

''ٹھیک ہے' اکثر تمہارا پوچھتی ہے' تمہیں یاد کرتی ہے۔'' یکسوئی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے شہرزاد کو جواب دیا تھا۔ شہربانو چپ چاپ گاڑی کے باہر کے مناظر میں کھوئی رہیں۔

''میں بھی اسے بہت یاد کرتی ہوں' آفٹر آل وہ میری بچپن کی بہترین دوست ہے۔'' شہرزاد کے چہک کر کہنے پر مریرہ کے لبوں نے چند ساعتوں کے لیے بے ساختہ خاموشی اختیار کی تھی۔

''عمر بتارہا تھا تم پاکستان اور حویلی میں انٹرسٹڈ ہو۔''

''جی پھوپو! میں نے بہت پہلے سے سوچا ہوا تھا کہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستان ضرور آؤں گی اور پھر وہیں رہوں گی اپنی پرانی حویلی میں۔ اس حویلی میں جہاں میرے بزرگوں کی آرام گاہیں ہیں' جہاں میرے بابا کو عین عالم شباب میں موت کی نیند سلا کر مٹی کے سپرد کردیا گیا تھا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا حویلی میں جس نے میرے خونی رشتوں کے سارے چراغ بجھا ڈالے۔ میرے دادا' دادی' میرے تایا' میری پھوپو سب کو ابدی نیند سلادیا' آخر ان کا کیا قصور تھا؟ اگر کوئی قصور تھا تو پھر میرے بابا کی پہلی بیوی کو کیوں کچھ نہیں کہا گیا' وہ کہاں گئیں؟''

"تم یہ سب جان کر کیا کرو گی؟"
"کچھ نہیں' صرف بدلہ لوں گی جن لوگوں نے میرا خاندان تباہ کیا میں انہیں پھانسی کے پھندے تک لے جاؤں گی۔"
"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے شہرو! تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے عمر انکل نے کچھ نہیں کیا ہوگا؟"
"کیا ہوگا' مگر وہ انصاف کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے' میں آپ کو کامیاب ہوکر دکھاؤں گی' ان شاء اللہ۔" وہ صرف جذباتی نہیں پُرعزم بھی تھی۔ مریہ نے اس بار خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ پرانی حویلی کے رازوں کو حل کرنا بھلا اتنا آسان کہاں تھا۔

❀......❀......❀
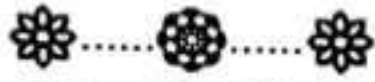
آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ شہزاد کے شہر کوچ کرنے کے بعد ہادیہ کی زندگی پھر سے پرانی روٹین پر آگئی تھی۔ صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کام کاج میں جتنے رہنا اور رات میں تھک ہار کر سوچنا۔
عمر کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں۔ وہ پچھلے چار پانچ سال سے سعودیہ میں مقیم تھا اور اکیلا سارے گھر کی کفالت کا بوجھ اٹھا رہا تھا کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے باوجود عشارب کو ابھی کوئی اچھی جاب نہیں ملی تھی۔ اس رات اس کی سعودیہ روانگی کی فلائٹ تھی تبھی ہادیہ بے حد اداس تھی۔ رات دیر تک وہ تینوں بہن بھائی نانو کے پاس بیٹھے' گزرے ہوئے وقت کی باتیں دہراتے رہے تھے۔ عمر نے والدین کی وفات کے بعد عشارب اور ہادیہ کو کبھی ماں باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اپنی مشکلات کی پروا کیے بغیر اس نے ان دونوں کی ہر خواہش کو پورا کیا تھا تبھی دونوں بہن بھائی اس سے بے حد اٹیچ تھے۔
اسی کی محبت کی وجہ سے اس گھر میں اس کی بیوی کی حیثیت کسی مالکن سے کم نہیں تھی۔ اپنے بہن بھائیوں اور نانو کی طرح عمر اپنی بیوی اور بیٹی پر بھی جان چھڑکتا تھا' اور کیوں نہ چھڑکتا' جیسے بہن بھائیوں کے ساتھ اس کا خون کا رشتہ تھا بالکل ایسے ہی بیوی بھی اس کی پسند کی تھی جس کے ساتھ اس کا دل جڑا ہوا تھا۔ عمر کی بے تحاشا دیوانگی اور سپورٹ نے ہی اسے بہت زیادہ ڈھیل دے رکھی تھی۔ وہ گھر میں عمر کے علاوہ اور کسی کو بھی منہ نہیں لگاتی تھی' زیادہ وقت اس کا اپنے کمرے میں ہی گزرتا البتہ عمر کی عدم موجودگی میں عشارب اس کے سارے کام سرانجام دینے کی ڈیوٹی سنبھالتا اور کیوں نہ سنبھالتا آخر اس کی چھوٹی بہن تانیہ میں اس کی جان جو اٹکی ہوئی تھی۔ عشارب نے بھائی کی شادی پر ہی اسے دیکھا تھا اور بس تب سے ہی دل ہی دل میں وہ اسے پسند کرنے لگا تھا مگر نانو اور ہادیہ ابھی اس سے بے خبر تھیں۔
عمر کی فلائٹ کا ٹائم ہوگیا تھا' وہ عشارب اور ہادیہ کو ہمیشہ کی طرح ڈھیروں نصیحتیں کرکے' نانو کا خیال رکھنے کی تلقین کرتا ائرپورٹ کے لیے نکل گیا تھا' عشارب بھی اس کے ہمراہ تھا۔ ہادیہ اس رات بہت دیر تک جاگتی رہی تھی۔

❀......❀......❀

تھکن حد سے سوا تھی۔ جاب کی تلاش میں جوتیاں چٹخاتے یہ اسے دوسرا ہفتہ تھا مگر منزل تھی کہ ملنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اوپر سے پچھلے تین روز سے اس کی بائیک خراب تھی' جس کی وجہ سے وہ پبلک ٹرانسپورٹ سے سفر کر رہا تھا۔
صبح سے ہلکی ہلکی ہوتی پھوار نے اس کے آفس سے نکلتے ہی اچانک تیز بارش کا روپ دھار لیا تھا' عشارب کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ تیز بارش میں ایک دو اسٹاپ بدل کر جس وقت وہ گھر پہنچا اس کے کپڑے پور پور بارش میں

بھیگ چکے تھے۔
ہادیہ کچن میں تھی۔ وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالتا نانو کے کمرے کی طرف چلا آیا جو حسب معمول مغرب کی نماز کے بعد ذکر واذکار میں مصروف تھیں۔ عشارب بھیگے جوتوں اور کپڑوں کی پروا کیے بغیر سیدھا جا کر ان کی گود میں لیٹ گیا۔
''آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں نانو؟''
''ہوں' تمہاری گھر واپسی کا انتظار کر رہی تھی' آج لیٹ ہو گئے؟''
''جی نانو' بارش کی وجہ سے بس نہیں مل رہی تھی میں نے بتایا تو تھا آپ کو کہ لیٹ ہو جاؤں گا آپ پریشان نہ ہوں۔''
''ہوں بتایا تھا مگر بچے چاہے جتنے بھی بڑے اور سمجھ دار ہو جائیں' ماؤں کے دل ان کی فکر میں دھڑکنا کبھی نہیں بھولتے۔''
''بالکل صحیح کہا آپ نے' بھائی کہاں ہیں؟'' وہ اب سائیڈ پر بیٹھ کر بھیگے جوتے اتار رہا تھا۔ نانو کی انگلیاں جو تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں ایک دم سے تھم گئیں۔
''عاشر کے ساتھ باہر کھانا کھانے گئی ہے۔''
''کیوں..... آج گھر میں دال پکی ہے کیا؟''
''نہیں' مٹن پلاؤ اور کوفتے پکائے ہیں ہادیہ نے مگر اس کا موڈ نہیں تھا گھر کھانا کھانے کا۔''
''چلیں کوئی بات نہیں' ان کی حالت بھی تو ایسی ہے کہ گھر میں گھٹن محسوس ہوتی ہو گی پھر عاشر بھائی بھی تو کل جاب پر واپس چلے جائیں گے' آپ ایویں ان کی طرف سے دل خراب نہ کیا کریں۔''
''مجھے کیا ضرورت ہے اس کی طرف سے دل خراب کرنے کی جو اسے اور اس کے شوہر کو اچھا لگے کرتے پھریں میری بلا سے۔'' نانو کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی' وہ مسکرا دیا۔
''ہادیہ کی دوست کا چلہ پورا ہوا کہ نہیں؟'' اٹھتے اٹھتے اس نے یونہی سرسری سا پوچھ لیا تھا' تبھی وہ دوپٹے سے گیلے ہاتھ خشک کرتی وہیں چلی آئی۔
''کتنی بار کہا ہے تمہیں میری دوست کا ذکر احترام سے کیا کرو۔''
''کیوں؟ تمہاری دوست کیا کسی ملک کی وزیر خارجہ ہے۔''
''یہی سمجھ لو۔''
''ہونہہ..... شکل دیکھی ہے اس کی وزیر خارجہ والی؟''
''دیکھی ہے' تم سے تو ہزار گنا زیادہ پیاری ہے۔''
''بس..... یہی خوش فہمی اور بدزبانی تم لڑکیوں کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔'' دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تھی' نانو نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔
''تم کہاں کے مولانا صاحب ہو' صرف تمہاری وجہ سے میری دوست یہاں سے گئی ہے۔''
''کیوں' میں کیا اس کی دن رات نقلیں اتارتا تھا۔''
''اور نہیں تو کیا' کون سی بدتمیزی ہے جو تم نے اس کے سامنے نہیں کی' خوامخواہ مجھ سے جھگڑنا' بار بار میرے کمرے کا مین سوئچ آف کرنا اور جان بوجھ کر اپنے ان گندے کبوتروں کے ڈربے صاف نہیں کرنا تاکہ سارے گھر میں بساند

پھیلے اور وہ چپ چاپ یہاں سے بھاگ جائے۔''
''او...... ہیلو! خبردار جو تم نے میرے کبوتروں کی شان میں ایک لفظ بھی مزید کہا تو۔''
''تو...... کیا کرلو گے تم؟ خود جو ہر وقت منہ پھاڑ پھاڑ کر میری دوست کی شان میں قصیدے پڑھتے رہتے ہو وہ۔''
''تمہاری دوست اور میرے کبوتروں میں بہت فرق ہے۔''
''واقعی' کہاں وہ نائس لڑکی اور کہاں یہ گندے کبوتر۔''
''نانو دیکھ رہی ہیں آپ اسے؟'' وہ تپا' نانو نے اپنا سر پیٹ لیا۔
''تم دونوں کبھی سدھرو گے یا میں یہ حسرت لے کر ہی دنیا سے چلی جاؤں گی۔''
''دنیا سے جانے سے پہلے اسے تھوڑی سی تمیز سکھا جا۔ یہ گا نہیں تو سسرال میں جوتیاں کھائے گی۔''
''تم اپنا اخلاق بہتر کرو' میری فکر میں کڑھ کڑھ کر دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔''
''شکل دیکھو اپنی جا کر آئینے میں۔''
''عشارب! تمیز سے بات کرو' بڑی ہے وہ تم سے۔'' اس بار نانو نے ڈپٹا' وہ سلگ اٹھا۔
''بس آپ ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتی رہنا' اسی لیے تو اتنی سر چڑھی ہوئی ہے یہ' جنگلی بلی کہیں کی۔'' خفگی سے کہتا وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا' پیچھے نانو تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

بہت دنوں کے بعد ہلکی ہلکی دھوپ بکھری تھی' کرنل صاحب نے لان میں کرسیاں لگوالیں۔ عائلہ گھر پر نہیں تھی وہ مارکیٹ گئی ہوئی تھی' سدید فریش ہونے کے بعد لان میں ہی چلا آیا۔
''کیسے ہو برخوردار!'' سدید پر نظر پڑتے ہی انہوں نے سامنے پھیلا اخبار سمیٹ کر سائیڈ پر رکھا۔ سدید نے ان کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔
''ٹھیک ہوں بابا! بس تھوڑی سی تھکن فیل ہو رہی تھی تو دیر تک سویا رہا' عائلہ کہاں ہے؟''
''مارکیٹ گئی ہے گھر کی کچھ ضروری چیزیں لانی تھیں اسی لیے آفس سے چھٹی کرلی۔ تم نے منگنی کی بات کی اس سے؟''
''جی بابا بہت خوش ہو رہی تھی۔''
''بہت اچھی بچی ہے عائلہ!'' کرنل صاحب کے لبوں پر صرف ایک پل کے لیے ہلکی سی مسکان آئی پھر سمٹ گئی۔
''تم نے اپنے مشن کے بارے میں بتایا اسے؟''
''نہیں بابا! وہ بہت حساس ہے میں فی الحال اس سے کچھ بھی شیئر نہیں کرنا چاہتا۔ اسے ابھی یہی پتا ہے کہ میں آئی ایس آئی جوائن کرنا چاہتا ہوں۔''
''ہوں' یہ راستہ بہت کٹھن ہے سدید! اس راستے پر آبلہ پا چلنے والوں کے نشان کبھی کبھی صحرا کی اڑتی ریت کے زروں سے ملتے ہیں۔''
''جانتا ہوں بابا! مگر میرے حوصلے کمزور نہیں' اپنے وطن اور اپنے دین کی سربلندی کے لیے اگر میرا جسم خاک کے زروں کی نذر بھی ہوجائے' ٹکڑوں میں بھی بٹ جائے تب بھی میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ یہ حق کا راستہ ہے اور میں راہِ حق کا مسافر...... شہادت میری منزل ہے بابا پھر منزل کی طرف بڑھنے کا خوف کیسا۔''
''راہِ حق کے مسافروں کو خطرات کا خوف نہیں ہوتا میرے بچے۔''

”ٹھیک کہا آپ نے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میری ایک ہی خواہش ہے اپنے وطن اور اپنے دین کی سربلندی‘ یہ زندگی تو اللہ نے جنت کے بدلے خرید لی ہے بابا! بس مجھے دکھ ہوتا ہے جب میں غیر مسلموں سے یہ سنتا ہوں کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ان بدبختوں کو تاریخ کے اوراق پلٹ کر دکھاؤں جب فتح مکہ کے موقع پر ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بدترین کافروں کے لیے عام معافی ایک اعلان فرمایا‘ نہ صرف عام معافی کا اعلان فرمایا بلکہ اپنے بدترین دشمنوں کو اپنی جان سے پیاری ہستیوں کے قتل بھی معاف کردیئے حالانکہ وہ دن بدلہ لینے اور گردنیں کاٹنے کا دن تھا بالکل ویسے ہی جیسے کافر مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے اپنی کورس کی کتابوں میں مسلمان بادشاہوں کی تاریخ پڑھی ہے بابا‘ کہ کیسے ہزاروں سال مختلف خطوں پر حکمرانی کے باوجود انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ بہترین انسانیت کا سلوک روا رکھا۔ ان کے حقوق کو اہمیت دی۔ امن اور انصاف کی بہترین مثالیں رہتی دنیا تک کے لیے قائم کیں مگر یہ ہمارے اندر کا نفاق اس نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا بابا! ہمارے شاندار ماضی کو خاک میں ملانے والے ہم خود ہیں‘ آپ دیکھیں ہم نے خود اپنے بچوں کے کورس کی کتابوں سے مسلمانوں کی تاریخ‘ پاکستان کی ابتداء کی کہانی‘ ارض وطن کے نئے خطے کے باسیوں کے ساتھ ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے اسباق اتنی ہوشیاری اور آسانی سے اڑا دیئے کہ کسی کو بڑے پیمانے پر اتنی بڑی رونما ہونے والی تبدیلی محسوس ہی نہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو اپنی شاندار تاریخ اور اپنے ساتھ ماضی میں ہونے والی زیادتیوں سے محروم کردیا۔ ہمیشہ کے لیے بے خبری کی برزخ میں دھکیل دیا اور آپ جانتے ہیں ہم نے ایسا کیوں کیا؟ اپنے دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی خوشنودی کے لیے۔“ وہ خاصا دل برداشتہ تھا‘ کرنل صاحب کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”مجھے ساری دنیا میں امن و سلامتی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے امریکہ اور اس کے حامیوں کی کھلم کھلا دہشت گردی کا دکھ نہیں ہے بابا! مجھے دکھ ہے تو اپنوں کی غلامی کا‘ اپنوں کی غداری کا‘ آپ دیکھیں گیارہ ستمبر 2009ء کو تباہ ہونے والے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا نقصان امریکہ کا نقصان تھا اس ملک کا جو کبھی ہمارا خیر خواہ اور وفادار نہیں رہا جس نے ہمیشہ ہمارے داخلی معاملات میں ٹانگ اڑا کر ہمیں عظیم ترین نقصانات سے دوچار کیا جس نے ہمیشہ ہماری مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ہمارے مقابلے میں ہمارے دشمن کی مدد کی مگر ہم نے کیا کیا بابا! اسی امریکہ کو خوش کرنے کے لیے ہم نے اللہ اور اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں پر زندگی اور انسانیت کے دروازے بند کردیئے۔ مہمان ملک کے سفیر سمیت ہم نے چوزوں کی طرح سب کے اندھیروں میں اپنے ہی شہری پکڑ پکڑ کر ان کی بولی لگادی اور ایک ایک فرد ایک ایک جان کے دام وصول کرلیے۔ ہم نے کیوں نہیں سوچا کہ حاکم اعلیٰ اللہ رب العزت کی پاک ذات ہے‘ امریکہ نہیں۔ ہم نے کیوں اپنی سرحدیں خود اپنے ہی ملک کی تباہی اور نقصان کے لیے استعمال ہونے دیں؟ وہ جنگ ہماری جنگ تو نہیں تھی پھر ہم نے اپنوں کو اس کا ایندھن کیوں بنادیا؟ جس کام کے ذمہ دار محض چند لوگ یا کوئی ایک گروہ تھا اس کی سزا پورے عالم اسلام۔ کے مسلمانوں کو کیوں ملی؟ کیوں ہم نے غیر دشمن ممالک کی ایجنسیوں کو اپنے ملک میں گھسنے دیا‘ اسی وقت پکڑ کر سر کیوں نہیں کچلا ان کا؟“ وہ اب روہانسا ہورہا تھا‘ کرنل صاحب کے اندر کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔

”جب میں نے فوج جوائن کی تھی تو میرے بھی اس وطن کی مٹی کے لیے ایسے ہی جذبات تھے سدید! میرے خون میں اتنی ہی گرمی تھی جو قربانیاں اسلام کے لیے برصغیر کے لٹے پٹے مسلمانوں نے دیں‘ اس کے بعد قائداعظمؒ کو پختہ یقین تھا کہ ان کا جہاز جب ارض وطن پر لینڈ کرے گا تو جہاز میں سوار تمام افسران سرزمین پاکستان پر قدم

رکھتے ہی اللہ رب العزت کے حضور سجدے میں گر پڑیں گے مگر ان کا یقین چوٹ کھا گیا نئی سرزمین پر نئے خواب اور نئی توقعات لے کر اترنے والے تمام افسران سجدے میں گر کر اپنے پاک رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے اپنے اپنے حصے میں آنے والی اراضیوں کے پیچھے دوڑ پڑے تبھی قائد نے فرمایا تھا کہ ''افسوس میرے حصے میں سارے کھوٹے سکے ہی آئے ہیں'' انہی کھوٹے سکوں نے بعد میں اس عظیم انسان کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی ارض وطن کے کونے کونے میں اپنے ایمانوں کی منڈیاں لگالیں۔1948ء میں گوادر سپورٹا گ منی اور مقبوضہ جموں کشمیر کے ساتھ ملحقہ جو علاقے کے حصے میں آئے تھے' ہندوستان نے واپس چھین لیے مجھ سے پوچھو میرے کیا جذبات تھے اس وقت صرف اسی سانحے نے مجھے فوج میں بھرتی ہونے پر اکسایا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں۔ ظلم اور ناانصافی کا سر کچل دوں مگر میں بے بس تھا' وہ رات جب قدرت اللہ شہاب کو چینی حکومت کی طرف سے فون آیا کہ ان کی فوج بھارت سے اپنے کچھ علاقے واپس لینے میں فتح یاب ٹھہری ہے اگر پاکستان بھی اپنے مقبوضہ علاقے چھڑوانا چاہتا ہے تو اسے بتائے اس رات وہ شخص تین بار صدر مملکت جنرل ایوب خان کو جگانے اور صورت حال سے آگاہ کرنے گیا مگر ملک کے صدر نے اپنی نیند کی قربانی نہیں دی' محض پانچ منٹ کے لیے بھی اٹھ کر فون سننے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس وقت جب مجھے اس بات کا پتا چلا میں خود کو اتنا ہی بے بس محسوس کررہا تھا جتنا آج تم خود کو کررہے ہو۔1971ء کے حالات اور ملک کے دو ٹکڑے ہونے تک میں اپنی ایک ٹانگ اور ایک بازو گنوا چکا تھا' تبھی فوج نے وقت سے پہلے ہی ریٹائرڈ کردیا' تم سوچ سکتے ہو اس وقت میری بے بسی کا؟'' بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے سدید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جس کی اپنی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

''یہ جو حالات تم ابھی دیکھ رہے ہو یہ نئے نہیں ہیں' بہت پرانی داغ بیل ڈالی گئی ہے ان کی۔ بہت راز چھپے ہیں تاریخ کے پنوں پر' کھول کر پڑھنے کی کوشش میں اپنا لہو جلاؤ گے تو کھوٹے سکوں کے ہاتھوں یا تو ماردیئے جاؤ گے یا مر جاؤ گے۔ تم نے سیاچن اور کارگل کے برف سے ڈھکے پہاڑوں کی چیخیں نہیں سنیں' میں نے سنی ہیں۔ تم نے برف تلے دبی لاشوں کا کرب نہیں دیکھا میں نے دیکھا ہے۔ میں گزرے ایک ایک لمحے کا خاموش گواہ ہوں جس کا جرم آشنائی ہے اور تمہیں پتا ہے انسانوں کی بولی لگنے والے اس ملک میں آشنائی سب سے بڑا جرم ہے اس لیے کسی بھی بات پر دکھ مت کرو' جو ہورہا ہے ہونے دو' چپ رہو چپ میں عافیت ہے۔ بس اپنے حصے کا دیا جلاؤ' اپنا فرض نبھاؤ گزرتے وقت کی کتاب میں درج حادثات پر کڑھنا چھوڑ دو۔''

''مگر کیوں بابا! یہ تو بے حسی ہے اور مسلمان کبھی بے حس ہوکر نہیں جی سکتا۔''

''ہوں' اسی لیے تو شہید کردیا جاتا ہے یا بیچ دیا جاتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو وہ لوگ جو لاپتہ افراد کی لسٹ میں درج جانے کن کن عقوبت خانوں میں درندگی کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں وہ زندہ ہیں؟ وہ لوگ جن کا خود امریکہ کو بھی نہیں پتا کہ وہ اس کو مطلوب بھی نہیں تھے پھر بھی اس کے حوالے کیوں کیے گئے' وہ زندہ ہیں؟ نہیں میرے بچے وہ بھی زندہ نہیں ہیں۔ دشمن اپنی چال میں اپنی سازش میں کامیاب ہوگیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک میں اللہ اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بندوں پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر ان پر زندگی کے دروازے بند کیے جارہے ہیں جبکہ اقبال نے کہا تھا ''ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حال میں رہنے دو' غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو' اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر برصغیر کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء

کے نشانات کے سوا وہاں اسلام کے پیرو اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ جو اس ملک کی جڑوں میں دشمن ایک تیر سے دو شکار کر رہا ہے' ایک طرف بارودی سرنگیں بچھا کر وطن عزیز کا نقصان کرتا ہے تو دوسری طرف اپنی حرکتوں کو مورد الزام اللہ کے نیک بندوں کو ٹھہرا کر ان کا سوانگ رچا کر اسلام اور اسلامی روایات کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے' تم کس کس نقصان کا دکھ کرو گے؟'' وہ سچے محب وطن تھے تبھی ان کے لہجے میں درد تھا' سدید نے اپنی آنکھوں کے گوشے سختی سے دبا لیے۔

''آپ میرے لیے دعا کرنا بابا! میں پھر سے وطن عزیز کی عوام کو پاک فوج کے لیے ایک مٹھی کی طرح متحد کرنے میں کامیاب ہو جاؤں' آپ دعا کرنا بابا! میں اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنے افسران کو ایسا پیغام دے جاؤں کہ وہ ہمیشہ میرے کردار پر فخر کریں اس وطن کی مائیں جب جیالوں کی سرفروشی کے لیے ہاتھ اٹھائیں تو ان کے تصور میں ماضی کا کوئی جنرل اپنے بُرے تاثر کے ساتھ نہ ابھرے بلکہ برف کے پہاڑوں پر بیٹھے وہ شہزادے نظر کے سامنے آئیں کہ جن کے سونے جیسے رنگ سردی کی شدت نے سونولا دیئے ہیں۔''

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' کرنل صاحب نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

''تمہیں میرے ادھورے خوابوں کو پورا کرنا ہے سدید! چور راستوں کا پتا لگانا ہے تم نے ان راہزنوں کا پتا لگانا ہے جو دشمن کی رہنمائی کرتے ہیں۔''

''سب کروں گا بابا! بس آپ میری کامیابی کے لیے دعا کیجیے گا۔''

''اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو میرے بچے۔'' کرنل صاحب نے دعا دی اور اس نے ان کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔

❀.......❀.......❀

دور جا کے روتے ہیں
سخت جان لوگوں کے
دکھ عجیب ہوتے ہیں

آسمان جگمگاتے ستاروں سے خوب روشن تھا۔ کرنل صاحب نے عائلہ اور سدید کی منگنی کے لیے ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کی تھی جس میں صمید حسن سمیت چند خاص خاص لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا' مختصر سی اس تقریب کے اختتام پر پرتکلف کھانے کا انتظام تھا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کرنل صاحب تمام مہمانوں کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

عائلہ بہت خوش تھی' آج اس نے وہ ڈریس زیب تن کیا تھا جو پرہیان نے اس کی پسند پر پورے پینتیس ہزار کا خریدا تھا جبکہ سدید آف وائٹ کرتا شلوار میں ملبوس بے حد پیارا لگ رہا تھا۔ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد عائلہ اور سدید فریش ہو کر لاؤنج میں آ چکا تھا۔

''ایک بات کہوں عائلہ!'' اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہوں......کہوں۔'' وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

''تم آج بہت پیاری لگ رہی ہو' قسم سے...... پتا نہیں دلہن بن کر کتنا روپ آئے گا تم پر۔'' وہ سنجیدہ تھا عائلہ شرارت سے مسکرا دی۔

''شکر تمہیں میں بھی پیاری لگی ورنہ تو اس گرل فرینڈ کا بخار ہی نہیں اتر رہا تھا۔''

''تم نے بہت زیادتی کی ہے اس کے ساتھ' دیکھ لو اس روز کے بعد نہیں آئی وہ۔''
''تو تمہارا دل کیوں جل رہا ہے' اچھا ہے ناں خس کم جہاں پاک۔''
''دل تو جلے گا ہی جیسے ہی میں گھر آتا ہوں اور اسے یہ خبر ملتی ہے شدید بارش یا دھوپ کی پروا کیے بغیر ایک منٹ سے پہلے بالکونی میں آ جاتی ہے' تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ اسے دھوپ میں جلتے دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔''
''یہ تکلیف تو ساری عمر رہنی ہے اب کیونکہ جب اسے ہماری منگنی کا پتا چلے گا ساری عمر جلے گی بے چاری''
''تم بہت ظالم اور بے حس ہو عائلہ! سچ میں۔''
''شکریہ اس عزت افزائی کے لیے۔'' اس کے ناٹک پر بنا جلے وہ مزے لے رہی تھی۔ سدید کتنی ہی دیر تک اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔
''کیا ہوا' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟''
''بس ایسے ہی' تمہیں بُرا لگ رہا ہے۔''
''نہیں' بس مجھے تم کچھ اُلجھے اُلجھے سے لگ رہے ہو۔''
''ایسی کوئی بات نہیں ہے' اچھا یہ بتاؤ تم خوش ہو ناں؟''
''ہوں کوئی شک؟''
''نہیں۔'' وہ اب بھی اسے ویسے ہی پُرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
''جب میں چلا جاؤں گا تو تم مس کرو گی؟''
''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے پاگل۔''
''اچھا میرے لیے دعا کرو گی؟''
''کیسی دعا؟''
''یہی کہ میں اپنے ہر مشن میں کامیاب رہوں۔''
''ان شاءاللہ ضرور کروں گی۔''
''اچھا فرض کرو اگر میں واپس نہ آسکا تو تم کیا کرو گی؟''
''تمہارا سر توڑ دوں گی وہاں آ کر اور کیا کرنا ہے۔'' وہ تپی تھی' سدید مسکرا دیا۔ اسے اس نے ایسے ہی دل جلے جواب کی توقع تھی۔
''میرا سر توڑنے کے علاوہ دوسرا آپشن کون سا ہے تمہارے پاس؟''
''اپنے گلے میں پھندا ڈال کر مرنے کا۔''
''ہاہاہا' تو یہ طے ہوا کہ تم میرے سوال کو سنجیدہ نہیں لوگی؟''
''کیوں سنجیدہ لوں' تمہیں مسئلہ کیا ہے تم کیوں مجھ سے ایسے فضول سوال کر رہے ہو؟''
''جسٹ فرض کرنے کو کہہ رہا ہوں یار!''
''مگر کیوں...... میں ایسی فضول اور بے تکی بات فرض بھی کیوں کروں؟''
''ٹھیک ہے مت کرو فرض۔''
''ہاں نہیں کرنا فرض۔''
''مار کھانی ہے؟'' وہ اب پرانے انداز میں پوچھ رہا تھا' عائلہ اسے غصے سے گھور کر رہ گئی۔

''تم سے یہی امید ہے مجھے' آج کے دن بھی کوئی اچھی بات منہ سے نہیں نکال سکتے تم۔''
''اوہ میں تو بھول ہی گیا آج تو ہماری منگنی ہوئی ہے۔''
''شکر ہے' بہت جلدی یاد آ گیا۔''
''اچھا بتاؤ' کیا سننا چاہتی ہو آج؟''
''کچھ نہیں۔''

''سوچ لو' یہ نہ ہو کہ تمہیں ان حسین لمحوں کو کھونے پر پچھتانا پڑے۔'' وہ موڈ میں تھا۔ عائلہ نے خفگی بھری ایک کراری نظر اس پر ڈالی پھر جھٹکے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور دروازہ زور سے بند کرلیا۔

سدید اس کے اس بچکانہ انداز پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ تبھی وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ایک نظر عائلہ کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتا اگلے ہی پل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❀.......❀.......❀

پریہان کی انگلینڈ کے لیے ٹکٹ کنفرم ہوگئی تھی۔ صمید صاحب اور سارا بیگم دونوں نے ہی اسے سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ تو کوئی بات سننے کو تیار تھی' نہ سمجھنے کے لیے اسے اپنا آپ قطعی بے معنی اور حقیر لگ رہا تھا' تبھی اس نے پاکستان سے فوری کوچ کا فیصلہ کیا تھا۔

رات میں جب بھی اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی تو پھر وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک جاتی مگر دوبارہ نیند آنے کا نام نہ لیتی۔ کبھی کبھی اسے یہ سوچ کر خود سے گھن آتی تھی کہ اس کی ماں ایک باکردار عورت نہیں تھی۔ وہ ایک ایسی عورت تھی جس نے کسی کا بسا بسایا گھر اجاڑا تھا نہ صرف گھر بلکہ دو دل اجاڑے تھے۔ دو انسانوں کی زندگی میں درد کی راتیں اتار دی تھیں' اندھیرے بکھیر دیئے تھے۔

اس کی ماں وہ عورت تھی جس نے کسی سے اس کا پیار' اس کا سائبان چھین کر اسے ساری عمر کے لیے در در بدر بھٹکنے پر مجبور کردیا تھا۔ کیا وہ اس عورت اور اس کی بیٹی کا سامنا کرسکتی تھی کہ جن کی خوشیاں ہی اس کی ماں نے لوٹ لی تھیں۔ نیند آتی بھی تو کیسے؟ اسے تو آج کل اپنا سانس بھی گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

آنسو تھے کہ کسی پل آنکھوں کے ساتھ چھوڑنے کو تیار ہی نہیں ہوتے تھے' کیا ساویز آفندی کو کھو کر جینا آسان تھا۔ وہ شخص جو اس کا خواب تھا جو اس کے دکھ اور سکھ کے ہر موسم کا ساتھی تھا جس کے ساتھ مل کر اس نے مستقبل کے ہزاروں خواب آنکھوں میں سجائے تھے کیا اس شخص سے دستبردار ہونا آسان تھا؟

نہیں...... وہ جتنی بھی کوشش کرتی اس شخص کو بھلانا اس کے بغیر خوش رہنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔

لندن ائرپورٹ پر جس وقت وہ اپنا سامان کلیئر کروا کر باہر نکلی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں' شدید سرد موسم میں ہر طرف پھیلی دھند کو اس نے رفتہ رفتہ اپنے اندر اترتے محسوس کیا تھا۔

''تمہیں اس وقت اس طرح سے پاکستان چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا زی!'' پورے سات ماہ کے بعد وہ اپنے دوستوں جولی رابرٹ اور ایک کے درمیان بیٹھا ڈرنک کررہا تھا' جب جولی نے اپنا پیک خالی کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''حالت جنگ کے وقت میدان خالی چھوڑ کر بھاگ آنا بہادر نہیں بزدل لوگوں کا کام ہے۔''

''تو کیا کرتا میں؟ وہاں رہ کر اس باپ کی دن رات پرستش کرتا جس نے میری ماں کے ساتھ دھوکہ کیا۔ زندگی بھر جس نے مجھے میری حقیقی ماں سے دور رکھا' سوائے جھوٹ کے جن کا میرے ساتھ کوئی اور رشتہ ہی نہیں تھا۔'' نشے کی

شدت کے باعث اس کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔ جولی کی نصیحت پر اس نے بہت غصے سے گلاس میز پر پٹخا تھا' تبھی ایبک نے اشارے سے جولی کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔

''ہم تمہارا درد سمجھ سکتے ہیں زی! مگر تم وہی غلطی کیسے دہرا سکتے ہو جو برسوں پہلے تمہاری ماما نے کی' اپنا حق چھوڑ کر مت بھولو کہ تمہارے ڈیڈ کی جتنی بھی جائیداد ہے اس پہ پہلا حق تمہارا ہے اس دوسری عورت یا اس کی بیٹی کا نہیں مگر تم نے یوں وہاں سے چپ چاپ بھاگ کر ان لوگوں کے لیے میدان صاف کر دیا۔''

''بھاڑ میں جائیں وہ اور ان کے منصوبے' میں اپنے باپ کی ہر چیز پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے مگر ان کی نوازشات کے بغیر تم یہاں کیسے رہو گے؟ تم نے ابھی یہاں کوئی جاب یا بزنس اسٹارٹ نہیں کیا' تمہارا ذاتی گھر بھی نہیں' اب تک جس گھر میں رہ رہے ہو وہ بھی تمہارے ڈیڈ کا ہے پھر کیسے رہو گے تم یہاں؟''

''رہ لوں گا' یہ سرزمین اور یہاں کے لوگ میرے لیے اجنبی نہیں' کچھ بھی کر لوں گا مگر اپنے باپ کی نوازشات کی طرف نہیں دیکھوں گا۔''

''یہ عقل مندی کا فیصلہ نہیں ہے۔''

''کچھ بھی ہو میں اب اپنے باپ کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔''

''اس کا مطلب ہے تم اپنا حق خود چھوڑ رہے ہو؟''

''بھاڑ میں گیا حق جب میں اس شخص کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتا۔'' وہ حد سے زیادہ دل برداشتہ تھا' ایبک نے چپ سادھ لی۔ فی الحال اس جذباتی شخص کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دینا بہتر تھا۔

❀......❀......❀

میں رکھ جاؤں گا اپنی دھڑکنیں اس خالی کمرے میں
خاموشی میں کبھی سننا انہیں تحریر کر لینا
ہوا جب کھڑکیوں پر دستکیں دے روشنی جھانکے
کسی کاغذ پر میری یاد کو تحریر کر لینا
یہ سارے کام مشکل ہیں سنو تم کر نہ پاؤ گی
تو یوں کرنا......
کہ میرے پیار کو دل ہی دل میں یونہی زنجیر کر لینا
اڑا دینا میری سب دھڑکنوں کو کھول کر کھڑکی
نکل جانا کہیں باہر......
کسی بازار میں' لوگوں کے ریلے میں
جہاں بس شور ہو ہنگامہ ہو
اک بھیڑ ہو بے قابو لوگوں کی
یہ کمرا چھوڑ جانا اور......
میری یادوں کے اس آسیب جنگل میں
کبھی واپس نہ آنا

اگلے روز صیام بخار کے باوجود آفس چلا آیا تھا' حنان نے اسے فون پر درمکنون کی ناراضگی سے متعلق بتایا تھا تبھی

ماں جی اور بہنوں کے روکنے کے باوجود اس نے ایک اور چھٹی کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ چھٹی کرنے کا فائدہ بھی نہیں تھا' درمکنون کو دیکھے بغیر نہ اسے چین مل سکتا تھا نہ شفا۔ اس روز وہ مکمل وائٹ کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھا جبکہ صیام نے بھی اتفاق سے وائٹ کاٹن کی شرٹ ہی زیب تن کر رکھی تھی۔ بخار کی وجہ سے اس کا چہرہ ہلکا ہلکا سرخ ہو رہا تھا درمکنون نے پروا نہیں کی۔

اپنے کمرے میں طلب کرنے کے بعد وہ اسی نان اسٹاپ ہدایات ہی دیتی رہی تھی' اسی دوران کسی نقطے پر بات کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ذرا سا صیام کے ہاتھوں کے ساتھ ٹچ ہوا تو وہ چونک اٹھی۔

''ارے آپ کو تو بہت تیز بخار ہے لازمی سر میں درد بھی ہو رہا ہوگا۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور اداس دکھائی دے رہا تھا۔ درمکنون نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو غور سے اس کی طرح دیکھنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

''بیٹھیں آپ' میں چائے منگواتی ہوں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے' میں واقعی ٹھیک ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔''

''اوکے مگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو آپ گھر جا سکتے ہیں۔''

''جی۔''

''اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اس کا لہجہ ابھی بھی بے حد فارمل اور خالصتاً حاکمانہ تھا مگر صیام کے لیے اس کی اتنی توجہ اور فکر ہی بہت تھی تبھی وہ اس کے روم سے نکلا تو خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

''السلام علیکم مسٹر صیام! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' یہ ثمرہ تھی اس کی کولیگ اور ضرورت سے زیادہ اس پر مہربان' صیام ہمیشہ اس سے دور دور رہنے اور صرف ضرورت کی حد تک دعا سلام رکھنے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ وہ اس کی خالہ کی بیٹی کلثوم کی بے حد قریبی دوست تھی اور صیام کو ہمیشہ یہی فکر گھیرے رہتی کہ کہیں اس کی ذرا سی بے پروائی سے بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔

اس کی خالہ بہت چرب زبان اور قدرے فتنہ پرور عورت تھی' رائی کا پہاڑ بنانے میں انہیں ویسے ہی کمال درجہ حاصل تھا۔ عشرت کی طلاق میں بھی بڑا ہاتھ خالہ کی کارستانیوں کا تھا تبھی وہ کوشش کرتا تھا کہ خالہ اور اس کی بیٹیوں کو کوئی بھی بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ ویسے بھی خالہ جانے کب سے اسے اپنے داماد کے روپ میں دیکھنے کی خواہش دل میں پالے ہوئے تھیں۔ اس کی بھولی ماں' بہن کے شاطر پن کو نہیں سمجھتی تھیں' تبھی صیام کے بچپن میں ہی اس کی منگنی کا فریضہ بھی سرانجام دے دیا تھا اور اب خالہ اس کی لاکھ کنارہ کشی اور ٹال مٹول کے باوجود اپنی بیٹی کو اس کے آس پر بوڑھی کر رہی تھیں مگر صیام کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اس نے صاف لفظوں میں کئی بار خالہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی آس پر اپنی بیٹی کا مستقبل داؤ پر مت لگائیں اس پر ابھی بہت ذمہ داریاں ہیں وہ اگلے کئی سال تک شادی افورڈ نہیں کر سکتا مگر خالہ کی ثابت قدمی عروج پر تھی۔ وہ اس کے لیے اگلے دس سال تک بھی اپنی بیٹی کو کنواری رکھ سکتی تھی۔

ابھی وہ اس الجھن سے نکلا نہیں تھا کہ منگیتر صاحبہ کی سہیلی جیسے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ایک دم سے سامنے آنے پر وہ خاصا جز بز ہوا تھا۔

''ٹھیک ہوں' ایکسکیوزمی مجھے کچھ کام ہے۔''

''وہ تو ہر وقت ہی ہوتا ہے آج میں آپ کے لیے اسپیشل آلو کے پراٹھے لائی ہوں اپنے ہاتھوں سے پکا کر پلیز آج لنچ میرے ساتھ کرنے میں کوئی بہانہ مت کیجیے گا۔'' وہ مسکرائی اور اس کی فرمائش نے صیام کی پیشانی کے بلوں

میں اضافہ کر دیا تھا۔

"سوری! میری طبیعت ابھی اتنی بہتر نہیں ہوئی کہ میں آپ کے ساتھ آلو کے پراٹھے کھا سکوں" اس بار قدرے خشک لہجے میں کہہ کر وہ حنان کے کیبن کی طرف بڑھ گیا' ثمرہ اس کی اس ادا پر بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

❀.......❀.......❀

اس روز وہ آفس سے جلد نکل آیا تھا وجہ ورکشاپ پر نئی نئی شروع ہونے والی جاب تھی جبکہ وہ کل ورکشاپ کے مالک کو بتائے بغیر چھٹی کرنے کا قصوروار بھی تھا۔ جب وہ ورکشاپ پر پہنچا' ورکشاپ کا مالک موجود نہیں تھا البتہ اس کے بھانجے نے بتایا تھا کہ کل سے ورکشاپ مالک کے اکلوتے بیٹے کی طبیعت بہت خراب ہے اسی وجہ سے کل ورکشاپ بھی بند رہی۔ آج بھی ورکشاپ کا مالک دکان کھول کر سارے معاملات اپنے بھانجے کے سپرد کر کے گھر چلا گیا تھا۔

صیام نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر کے ورکشاپ مالک کے بیٹے کی صحت کے لیے دل سے دعا کی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس کی ڈریسنگ' شاندار پرسنلیٹی اور کچھ پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے ورکشاپ مالک سمیت وہاں کام کرنے والے بھی لڑکے اس کی بے حد عزت کرتے تھے اور یہی بہت تھا۔ درمکنون کو اپنی کسی دوست کی طرف جانا تھا۔

آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد مریم بیگم کو بتا کر وہ اپنی دوست کی طرف نکل گئی تھی۔ واپسی کے سفر میں اس کی دوست اس کے ساتھ آئی تھی کیونکہ اس کی گاڑی خراب تھی اور اسے قریبی ورکشاپ سے گاڑی واپس لینی تھی۔

جس ورکشاپ پر اس کی گاڑی موجود تھی درمکنون نے ٹھیک اسی ورکشاپ کے سامنے بریک لگائی تھی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہاں اسے صیام ورکشاپ میں کام کرتا ہوا دکھائی دے جائے گا۔ اس کی دوست کی گاڑی مکمل تیار تھی مگر وہ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے کسی اور گاڑی پر کام کر رہا تھا' درمکنون بالکل ُسن سی اسے دیکھے گئی تھی۔

پہلی بار اس شخص نے اس کی توجہ حاصل کی تھی' تیز بخار کے باوجود وہ آفس نپٹا کر کہیں اور جاب کر رہا تھا' اس نے اسی وقت حنان کو کال کر کے اس کی جاب کی تصدیق بھی کر لی۔ چند لمحوں کے لیے اسے اپنے کردار پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی' اس کی ماں ایک عظیم انسان دوست شخصیت تھی جس نے کبھی اپنے مرتبے اور عہدے کا غرور نہیں کیا تھا مگر وہ کتنی بے حس تھی کہ اس نے ہمہ وقت خدمت گزار رہنے والے ضرورت مند شخص کی معمولی سی مدد کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا تھا۔ اس روز گھر واپسی پر بھی بار بار گاڑی پر جھکا صیام اس کے تصور میں جھلملاتا رہا تھا۔

اگلے روز اسے ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی وہ اس میں لگ کر صیام کی پارٹ ٹائم جاب والا معاملہ یکسر بھول گئی۔ صیام اس روز تھکن سے چور گھر واپس آیا تو اپنے باپ کو بے حد تکلیف میں مبتلا پایا۔ عشرت اور شگفتہ رو رہی تھیں جبکہ اماں کا چہرہ بھی بے حد پریشان تھا۔

صیام کی طبیعت ابھی تک خود نہیں سنبھلی تھی اس کے باوجود اس نے حنان کو فون کیا اور اگلے ایک گھنٹے میں اپنے باپ کو سرکاری ہسپتال میں داخل کروا دیا' جو تکلیف انہوں نے گھر پر پڑے رہ کر برداشت کرنی تھی وہاں چلو کچھ نہ کچھ تو آرام ملتا۔ سرکار کے نام پر ایک عدد بوتل یا درد کی گولی تو مل ہی جانی تھی پھر گھر والوں کو بھی تسلی ہوتی کہ چلو علاج ہو رہا ہے۔ رات میں اپنے ایک دوست کو ابا کے پاس چھوڑ کر گھر آیا تو سب بھوکے پیاسے متفکر بیٹھے اسی کا انتظار کر رہے تھے وہ منہ ہاتھ دھو کر صحن میں اماں کے پاس آ بیٹھا۔

پچھلے مہینے تین ماہ کا بجلی کا بل جمع نہ کروانے پر ان کی بجلی کٹ گئی تھی' صیام نے ساتھ والے ہمسائے سے درخواست کرکے اس سے عارضی طور پر بجلی کی تار ادھار لے لی تھا۔ اب پندرہ ہزار کا بل آنے پر وہ بھی رقم کا مطالبہ کررہا تھا اوپر سے گلی میں پھیلے تعفن کی وجہ سے عشرت کے چھوٹے بیٹے کو مچھروں نے اتنا کاٹا کہ وہ معصوم تیز بخار میں مبتلا ہوگیا۔ اماں نے اپنے طور پر قریبی ڈاکٹر سے دوالے کر بچے کو کھلائی تھی مگر بخار اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا' پریشانی ہی پریشانی تھی۔ وہ اماں کے پاس آ کر بیٹھا تو عشرت اور شگفتہ بھی قریب چلی آئیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے ابا کی؟''

''پہلے سے بہتر ہیں' ڈاکٹر نے سکون کا انجکشن دے دیا تھا' سورہے تھے میں اپنے ایک دوست کو ان کے پاس بیٹھا کر آیا ہوں۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''کچھ نہیں معمولی سی تکلیف ہے ان شاء اللہ آپریشن ہوگا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''اور آپریشن کب ہوگا؟'' یہ وہ سوال تھا جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا مگر پھر بھی وہ اپنی بہنوں کو تسلی دیتے ہوئے بولا تھا۔

''بہت جلد' میں نے ایک دوست سے قرض کے لیے بات کی ہے تم لوگ دعا کرنا قرض مل جائے تو پہلی فرصت میں یہی کام سرانجام دوں گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' عشرت نے کہا اور سر جھکا لیا تھا' تبھی اس نے پوچھا۔

''کھانا کھایا تم لوگوں نے؟''

''نہیں بھائی' ابا کی پریشانی میں بھوک ہی نہیں تھی۔''

''ابا اب بالکل ٹھیک ہیں' چلو اٹھو کھانا کھاؤ شاباش اور اماں کو بھی لا کر دو' دیکھو چند ہی دنوں میں کتنی کمزور ہوگئی ہیں ہماری اماں۔'' ماں کو بانہوں کے حلقے میں لیتے ہوئے اس نے لاڈ سے کہا۔ جواب میں عشرت اور شگفتہ نے اس سے بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔

''کیا پکایا ہے آج؟'' وہ ان کے نظریں چرانے سے سمجھ گیا تھا کہ یقیناً گھر میں سبزی نہیں آئی تھی اور ایسا ہی ہوا تھا وہ چونکہ بیمار تھا تو اس کی ماں سبزی والے پیسوں سے اس کے لیے گوشت خرید لائی تھیں تاکہ اسے یخنی پلا سکیں۔

صیام کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا' اس کی غلافی آنکھوں کے گوشے ہلکے سے نم ہوئے تھے تاہم اس نے لہجے کو ٹوٹنے نہیں دیا۔

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں اماں اور آج میٹنگ کے بعد آفس میں شاندار ڈنر بھی کیا ہے' میں نے آپ لوگ پلیز اس گوشت کا سالن بنائیں اور یہاں میرے سامنے بیٹھ کر کھائیں۔ پرسوں تک ان شاء اللہ مجھے تنخواہ مل جائے گی تو سارے مسئلے حل ہوجائیں گے۔''

''غریبوں کے مسئلے کبھی حل نہیں ہوتے میرے بچے! ایک مسئلہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا سر اٹھا کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ گھر کے حالات تمہارے سامنے ہیں' اس پر شگفتہ کی ساس صبح سو باتیں سنا کر گئی ہے' کہتی ہے شادی نہیں کرسکتے تو رشتے سے صاف جواب دے دیں ان کے بیٹے کو لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔'' واقعی غریبوں کے مسئلے کبھی ختم نہیں ہوسکتے' صیام کی پریشانی بڑھ گئی۔

''آپ انہیں بتا دیتی اماں کہ ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر رشتہ کرتے وقت تو انہوں نے ایسی کوئی ڈیمانڈ نہیں

رکھی تھی اب ایک دم سے شادی کا بھوت کیوں سوار ہوگیا ہے ان کے سر پر؟"
"پتا نہیں بیٹا کہتی تو وہ یہی ہیں کہ آگے ان کی بیٹی کے سسرال والے جلدی تاریخ مانگ رہے ہیں مگر مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگ رہا ہے۔"
"ہوں' آپ پریشان نہ ہوں جو بھی معاملہ ہے میں پتا لگالوں گا۔ میری بہن اتنی گری پڑی نہیں ہے جتنی ان لوگوں نے سمجھ لی ہے' آپ لوگ کھانا کھائیں پلیز تب تک میں اسد کے لیے دودھ اور کچھ دوا لے کر آتا ہوں۔" مضبوط لہجے میں کہتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر گھر سے باہر آتے ہی خوب دل کا غبار نکالا بے بسی سی بے بسی تھی کہ اس کے سارے رشتے تکلیف میں تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی ان کے لیے کچھ نہیں کر پارہا تھا۔
تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ تازہ دودھ' کیک اور بخار کا مہنگا سیرپ لے کر گھر آیا تو شگفتہ سالن تیار کر چکی تھی' روٹی پہلے پکار کھی تھی۔ عشرت نے اپنے بیٹے کو گود میں لے رکھا تھا اور اماں اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ اس نے دودھ' کیک اور سیرپ عشرت کے حوالے کیا پھر چارپائیاں سیٹ کر کے پیڈسٹل فین آن کردیا۔ وہ بھی خراب ہونے کی وجہ سے رک رک کر چلتا تھا اور شارٹ بھی دیتا تھا تبھی اس نے عشرت اور شگفتہ کو اسے چلانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا مگر اس وقت مچھروں کی وجہ سے اس کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے احتیاط سے وہ سیٹ کر کے چلا دیا تھوڑی فرصت نصیب ہوتی تو لازمی وہ اسے کھول کر خود ہی ٹھیک کرلیتا۔
عشرت نے اپنے بیٹے کو دودھ کے ساتھ کیک کھلا کر' دوا پلادی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ سکون سے سو گیا تو اماں' عشرت اور شگفتہ نے مل کر کھانا کھایا' صیام تب تک اپنی چارپائی پر لیٹ چکا تھا۔ تھکن اور بخار کی وجہ سے اس کا پورا جسم درد کر رہا تھا مگر اسے اپنے درد کی پروا نہیں تھی اس کا ذہن ابا میں اٹکا ہوا تھا اگر وہ بروقت ان کا آپریٹ نہیں کرواتا تو کڈنی اور آنکھ دونوں کا ہی زیادہ نقصان ہونا کا خدشہ تھا اور زیادہ نقصان وہ افورڈ نہیں کرسکتا تھا عجیب بے بسی تھی کہ سوائے اپنے مالک کے حضور مدد کی دعا کے اسے ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا کوئی راستہ ہی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

❀.....❀.....❀

اپنا سب کچھ لٹا دیا ہے مگر
میرے پاس جینے کے سامان بہت ہیں
آنسو ہیں' غم ہیں
نفرتیں ہیں' دھوکے ہیں
اذیتیں ہیں' وحشتیں ہیں
آندھیاں ہیں' طوفان ہیں
سسکتے تڑپتے
نیم مردہ سے خواب ہیں
پتھر ہیں' کانٹے ہیں
ہاں خوشی تو نہیں ہے مگر
گمان بہت ہیں
میرے پاس جینے کے سامان بہت ہیں

آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ وہ لندن ائرپورٹ سے باہر آئی تھی جب مارتھا اس سے آن ملی۔
''اوپرہیان! مجھے یقین نہیں آرہا تم اتنے سالوں کے بعد انگلینڈ واپس لوٹ آئی ہو۔'' وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی تبھی اس نے اس کا گال بھی چوما تھا۔ پرہیان نے جلدی سے اپنی بھیگی پلکیں صاف کیں۔
''تھینک یو' مجھے اندازہ نہیں تھا یہاں اتنی ٹھنڈ ہوگی۔'' مارتھا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی سرخ ناک اور بھیگی آنکھوں کی صفائی پیش کی تھی۔ مارتھا نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے اس کا سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔
''انکل آنٹی اور تمہارا بھائی کیسا ہے؟'' ڈرائیونگ کے دوران اس نے پوچھا تھا۔ پرہیان کے گلے میں جیسے کچھ پھنسنے لگا۔
''ٹھیک ہیں۔''
''تمہارے بھائی کو ابھی چند روز پہلے میں نے یہیں دیکھا تھا ایک بار کلب میں شاید اسے بھی پاکستان راس نہیں آیا۔''
''ایسی بات نہیں ہے' وہ بزنس کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔''
''اوہ میں سمجھی شاید پاکستان میں دل نہیں لگا۔''
''اچھا یہاں پہنچ کر تم نے اس سے رابطہ کیا؟''
''ہوں کئی بار کال کی ہے مگر اس کا نمبر ریسپانس نہیں دے رہا۔''
''اوہ...... کیا تم نے اسے بتایا نہیں تھا کہ تم یہاں پہنچ رہی ہو؟''
''نہیں' میں نے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ان سے رابطہ نہ ہوا اسی لیے تم سے رابطہ کیا۔''
''پھر اب کیا کروگی؟''
''فی الحال تو تمہارے ساتھ جارہی ہوں' بعد میں فریش ہوکر ان سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کروں گی۔''
''لیکن اگر اس سے رابطہ نہ ہوا تو؟''
''کیوں نہیں ہوگا اگر فون پر نہ ہوسکا تو ہم ایک کے گھر چلیں گے' وہ ہمیں بھائی کے اپارٹمنٹ تک لے جائے گا۔''
''ہوں یہ ٹھیک ہے ویسے یوں اچانک سے انگلینڈ کیسے آنا ہوا؟''
''بس یونہی پرانے دوستوں کی یاد ستا رہی تھی۔''
''جھوٹ...... تم صرف دوستوں کی یاد میں انگلینڈ آنے والی نہیں ہو۔''
''میں سچ کہہ رہی ہوں مارتھا! کچھ پرانے دوستوں کی یاد تھی اور کچھ نیک عزائم۔''
''مائے گاڈ' کہیں تم کوئی دھماکہ کرنے کا پلان لے کر تو نہیں آئیں؟''
''بے فکر رہو میں ایسی نہیں ہوں۔''
''تھینک گاڈ' میں تو ڈر رہی گئی تھی۔'' ڈرائیو کرتے ہوئے مارتھا نے اس کا دل جلایا تھا' تاہم وہ پروا کیے بغیر بے نیازی سے باہر دیکھتی رہی۔ کچھ پل گاڑی میں خاموشی رہی تھی پھر مارتھا نے ہی اس خاموشی کا گلہ گھونٹا وہ زیادہ دیر چپ بیٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔
''ایلی اکثر یاد کرتا ہے تمہیں' پتا ہے اس نے اپنا بہت شاندار گھر بنالیا ہے' ماں باپ سے علیحدگی بھی ہوگئی۔''

''اوہ' تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟''
''ملنے آیا تھا وہ مجھ سے اس ویک اینڈ پر' پہلے سے بہت کمزور ہوگیا ہے تم دیکھو گی تو شاید پہچان بھی نہیں پاؤ۔''
''ایسا کیوں؟''
''وہی ڈرنک کی زیادتی یار!''
''اوہ' کیا اس نے شادی نہیں کی؟''
''نہیں۔''
''کیوں؟''
''پتا نہیں' وہ اس ٹاپک پر کسی سے بات نہیں کرتا۔''
''ہوں اور اس کی گرل فرینڈ کا کیا بنا جو ہندوستان سے آئی تھی؟''
''چھوڑ دیا اسے' وہ واپس ہندوستان چلی گئی۔''
''بہت الجھا ہوا شخص ہے یہ ایلی۔''
''ہوں' بالکل تمہارے بھائی کی طرح۔''
''میرا بھائی فلرٹ نہیں ہے۔''
''الجھا ہوا تو ہے۔''
''کہہ سکتی ہو۔'' اس بار اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے رخ پھیرا' مارتھا کا اپارٹمنٹ آچکا تھا۔
پرہیان نے گاڑی سے اتر کر اپنا سامان نکالا' اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ یہ عجیب کھیل کھیلے گی۔ وہ جو کسی کی دلہن بن کر زندگی کی خوشیاں سمیٹنے جارہی تھی کیسے ایک دم سے بے سروسامان ہوکر رہ گئی تھی۔
الوداع کہے ہوئے گلی کوچوں میں دوبارہ آباد ہونا پڑ گیا تھا۔ مارتھا نے سیڑھیاں کراس کرکے اپارٹمنٹ کا لاک کھولا تو شراب کی بو کا ایک تیز جھونکا پرہیان کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ وہ بمشکل اپنی ابکائی روک پائی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے جو ہال نما کمرا نظر آیا تھا اس میں جا بجا شراب کی خالی ٹن' پلیٹوں میں بچا ہوا حرام گوشت اور کچھ خالی ریپر بکھرے دکھائی دے رہے تھے وہ پہلے قدم پر ہی ہچکچائی گئی۔
''سوری' رات انیل نے جاب ملنے کی خوشی میں پارٹی دی تھی یہ سب اسی کے آثار ہیں' آؤ تم آجاؤ اندر۔'' مارتھا نے آگے بڑھ کر قالین پر بکھری ہوئی چیزیں تیزی سے سمیٹنا شروع کردیں' پرہیان نے خاصی مجبور ہوکر اپارٹمنٹ کے اندر قدم رکھا تھا۔

❀......❀......❀

رات کھولے تھے کچھ پرانے خط
پھر محبت دراز میں رکھ دی

رات آدھی سی زیادہ بیت چکی تھی مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ عجیب بے سکونی تھی کہ نیندوں کے سلسلے ہی ٹوٹ گئے تھے۔ اپنے بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں پر دھرے بازوؤں پر سر ٹکائے اس کی سوچوں کے گھوڑے بہت سال پہلے کا سفر طے کررہے تھے۔
اس رات حویلی میں بہت رونق تھی' شگفتہ اور قمر عباس کی مہندی کا اکٹھا فنکشن رکھا گیا تھا۔ عمر نے اس کے ساتھ مل کر حویلی کو اتنا خوب صورت سجایا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ تعریف کررہی تھی۔ وہ دونوں صبح سے کام میں

اتنے مصروف تھے کہ کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ عمر کام کر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ لگی اسے ضرورت کی مختلف اشیا پکڑا رہی تھی وہاں گاؤں میں چونکہ سب ہی اس سے واقف تھے لہٰذا کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ وہ کیوں عمر کے ساتھ ہر کام میں پیش پیش ہے۔ بے جی اسے دو تین بار کھانے کے لیے بلا چکی تھیں مگر وہ ہر بار ''ابھی آئی چاچی'' کہہ کر انہیں ٹال دیتی۔

اظہار ملک صاحب اپنے بڑے بیٹوں کے ساتھ باہر کے کاموں میں مصروف تھے مگر پھر بھی وہ دو تین بار اسے کام کاج میں مصروف دیکھ کر پیار دے گئے تھے۔ پوری حویلی کو دلہن کی طرح سجانے کے بعد عمر چھت پر آیا تو مریرہ بھی ساتھ تھی۔ گاؤں کی کھلی فضا میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا شام کے وقت بے حد بھلی محسوس ہوتی تھی۔ شگفتہ، عمر اور مریرہ کو وہیں چھت پر کھانا دے گئی تھی۔

''آج مہندی کا فنکشن ہے مریرہ! مگر ابھی تک تمہارے شوہر نامدار نہیں پہنچے' کیا بات ہے کہیں تم دونوں کے درمیان کوئی ناراضگی تو نہیں ہے کیونکہ میں نے ان تین چار دنوں میں تمہیں اس سے بات کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔'' ہاتھ دھو کر کھانا شروع کرنے سے پہلے عمر نے خاصے سنجیدہ انداز میں اس سے پوچھا تھا' وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' یہاں گاؤں میں موبائل فون تو ہے نہیں جو میں ہر وقت اس کا سر کھاتی رہوں' لینڈ لائن نمبر میں اسے دینا بھول گئی۔''

''تو تم خود کال کرلو اسے۔''

''ضرور کرلیتی اگر اس کا نمبر یاد ہوتا۔''

''اُف...... کیسی لڑکی ہو تم یار' تمہیں اپنے شوہر کا نمبر یاد نہیں۔'' عمر ہنسا تھا' وہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

''میں ایسی ہی ہوں' تم سے بہتر مجھے کوئی نہیں جانتا ہوگا۔''

''ہوں' صمید حسن سے شادی کیسے ہوئی' تمہاری پسند تھا یا کرنل انکل نے زبردستی کی؟'' وہ سوال جو اسے کتنے دنوں سے مضطرب کر رہا تھا بالآخر لبوں پر آ گیا تھا۔ مریرہ نے اس سوال پر بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر کیسے ہوئی یہ شادی؟'' وہ جیسے سب جان لینا چاہتا تھا' مریرہ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

''صمید میرے اسکول کے باہر ٹھیلا لگاتے تھے' ان کے والدین کی وفات ہوچکی تھی اور وہ بالکل اکیلے تھے' بڑے ابو کو ان کے حالات کا علم ہوا تو وہ انہیں اپنے گھر لے آئے اپنا بیٹا بنا کر' سکندر بھائی ان دنوں اپنا ماسٹرز مکمل کر رہے تھے اور بڑے ابو کو ان کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی تھی۔''

''پھر؟''

''پھر رفتہ رفتہ صمید اپنی شرافت اور فرماں برداری سے بڑے ابو کے دل میں گھر کرتے گئے' انہی دنوں سکندر بھائی پاکستان آئے تو بڑے ابو نے اپنی خراب طبیعت کے پیش نظر ان کی بُریرہ سے شادی طے کردی جبکہ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے' ہوتے بھی کیسے؟ وہ تو پہلے ہی وہاں دیار غیر میں کسی اور کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا کر شادی رچا چکے تھے مگر اس وقت بڑے ابو یا ہم میں سے کوئی بھی ان کے اس راز سے آگاہ نہیں تھا خود بریرہ بھی نہیں' شادی کے بعد وہ فقط چند روز رہ کر واپس ایبروڈ چلے گئے اور دوبارہ پلٹ کر پیچھے کی خبر نہیں لی۔ بریرہ امید سے ہوچکی تھی اس نے سکندر بھائی کو بھی اس بات سے آگاہ کردیا مگر وہ تب بھی لوٹ کر نہیں آئے بعد میں بابا

کی ہدایت پر صمید نے ان کے بارے میں پتا کیا تو ان کی دوسری شادی والی حقیقت علم میں آئی۔ بڑے ابو نے یہ خبر بڑے حوصلے سے سنی تھی مگر بریرہ حوصلہ نہ رکھ سکی' وہ اسی دکھ میں ایسی چارپائی سے لگی کہ پھر اٹھ ہی نہ سکی۔ صمید نے تب بھی میرا اور بڑے ابو کا بہت ساتھ دیا تھا' حوصلہ بڑھایا بعد میں بریرہ کی موت کے بعد میری حالت بہت خراب رہنے لگی تھی تبھی بڑے ابو نے میری شادی کا فیصلہ کرلیا تاکہ میں بہل جاؤں۔ بریرہ کے دکھ سے نکل آؤں' اسی لیے بڑے ابو نے صمید کے ساتھ میری فوری شادی کا فیصلہ کرلیا بعد میں مجھ سے اور صمید سے پوچھا تو ہم دونوں نے بھی ان کی خوشی کے لیے ہاں کردی۔''

''ہوں' اس کا مطلب ہے یہ مکمل طور پر ارینج میرج تھی۔''

''ہوں کہہ سکتے ہو۔'' ایک بار پھر اس نے نظریں چراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''تم خوش ہو ناں اس کے ساتھ؟''

''ہوں......''

''مگر مجھے نہیں لگتیں۔''

''اپنی آنکھوں کا علاج کرواؤ۔''

''صمید خیال رکھتا ہے تمہارا؟''

''ہوں۔''

''مگر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو؟''

''میں جھوٹ نہیں بولتی۔''

''جھوٹ نہیں بولتیں تو خوش بھی نظر نہیں آتیں۔''

''میں خوش ہوں عمر! تم ایویں خوامخواہ ٹینشن لے رہے ہو۔''

''اوکے مان لیتا ہوں بچوں کے بارے میں کیا سوچا؟''

''کچھ بھی نہیں کیوں کہ صمید بچوں کے حق میں نہیں ہیں۔''

''وہاٹ...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''سچ کہہ رہی ہوں' اس کی ماں کی ڈیتھ ڈلیوری ٹائم میں ہوگئی تھی اسی لیے اس کے اندر یہ خوف بڑھ گیا ہے' کہ کہیں مجھے کچھ ہو نہ جائے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔''

''ہوں کہہ سکتے ہو مگر میں بچوں کے بغیر ادھوری ہوں عمر! میں اپنی خوشی اس کے فضول سے وہم کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔'' پہلی بار اس نے اس کے سامنے دل کھولا تھا' عمر نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ دوبارہ چنگیر میں رکھ دیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)
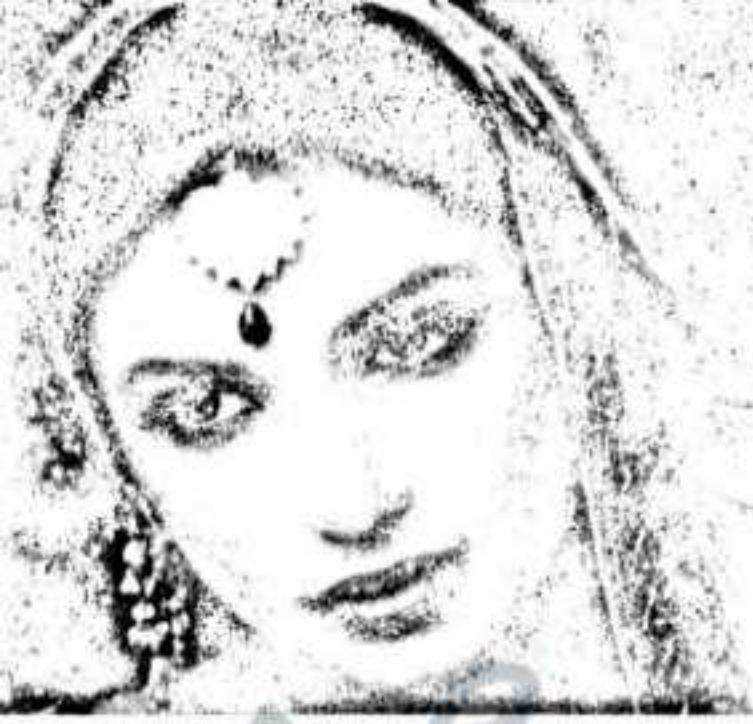
یہ سچ ہے دور نہیں منزل مراد مگر
ہمیں حیات کا کچھ اعتبار بھی تو نہیں
حیات و موت کے اسرار کوئی کیا سمجھے
کہ زندگی میں سکون و قرار بھی نہیں

میں نے آئینے میں اپنے عکس پر ایک نظر ڈالی' نیا کارٹن کا تھری پیس سوٹ جس کا شوخ رنگ الگ ہی چھب دکھا رہا تھا۔ میچنگ ٹاپس اور بریسلیٹ' ہلکا پھلکا میک اپ اور کیچر میں سمٹے بال میں نے چہرے پر ایک ٹرائل مسکراہٹ بکھیری۔

''ہم......م......م......'' عام دنوں کی بہ نسبت ذرا سی تیاری نے میری شخصیت کو نکھار دیا تھا' اوپر سے موسم سرما میں میرا چہرہ پورے سال کی بہ نسبت رہتا بھی فریش تھا اور اس وقت اپنے آپ کو سجا سنورا دیکھ کر' تازہ ہو جانے والے موڈ کی بدولت اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔

میں ایک خوش شکل وخوش لباس خاتون کی تصویر پر پوری اتر رہی تھی اور کہیں سے بھی ایک آٹھ سالہ بیٹے اور گیارہ سالہ بیٹی کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔ ابھی خود ساختہ تعریفیں آئینے سے وصولنے کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ باہر سے میری بیٹی کے خوشی سے چلانے کی آواز آئی۔

''آپا...... بڑی پھوپو۔'' اس نے بہت جوش سے سلام کیا تھا۔ لمحہ بھر کی بات تھی' خوش اخلاقی' نمائشی مسکراہٹ' خوش شکل خاتون کا خاکہ غڑاپ سے آئینے میں ہی غائب ہو گیا تھا۔

''اُف اللہ......'' صدمے کے مارے میرے منہ سے یہی نکل سکا۔ میں نے تڑپ کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا' صبح کے گیارہ ہی تو بجے تھے۔

اتوار کے دن اس وقت کسی کے گھر جانے کے لیے ناشتا وغیرہ کا کھڑاک سمیٹ کر تیار ہو جانا میرے نزدیک بہت پھرتی کا متقاضی تھا اور آج میں نے اسی تیزی' پھرتی اور چستی کا عملی مظاہرہ کر ڈالا تھا کیونکہ میں پورے پندرہ دن کے بعد طے شدہ معمول کے مطابق میکے جانے کے لیے نکل رہی تھی۔

''لو...... ٹپک پڑیں صبح صبح۔'' میں نے دانت کچکچا کر واش روم سے نکلتے صائم کو دیکھا۔

''اوہو...... تو کیا ہو گیا تم بھی تو جا رہی ہو۔'' انہوں نے حسب عادت میرا جی جلانے کا فریضہ نبھایا۔

''تم بھی تو جا رہی ہو۔'' میں جل ہی تو گئی تب کے ان کی نقل اتاری۔

"اب آپ کی اماں جان جانے دیں تب ناں۔" میں نے ہاتھ میں پکڑا برش ڈریسنگ پر دے مارا جوابا وہ مجھے گھور کر رہ گئے۔

"کچھ نہیں کہیں گی۔" اب وہ خود اطمینان سے بالوں میں برش کررہے تھے۔

پتا نہیں کیوں میں ان کا یہ مطمئن انداز برداشت نہیں کرپاتی' خاص طور پر اس وقت جب مجھے شدید غصہ آئے اور وہ بیٹھے انجوائے کریں۔ چند لمحے میں ان کا چہرہ غصے سے گھورتی رہی' پھر ہر چیز کو لاحاصل جان کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ گھر سے نکلنا ہو اور بن بتائے کوئی مہمان آجائے مجھے اس سے ہمیشہ سے چڑ ہی رہی تھی۔ چاہے میری اپنی نندیں ہی کیوں نہ ہو۔

سلگتے ارمانوں پر مسکراہٹ جو نہ صرف سامنے والے کے لبوں پر سجی ہو بلکہ آپ کو بھی زبردستی اپنے منہ پر چپکانی پڑے اُف......! کون کہتا ہے کہ یہ مسکراہٹ سب مسائل کا حل ہے اور مشکلات سے بچاتی ہے اور مسائل کو چٹکیے سے حل کردیتی ہے فلاں......فلاں......جب دل جل رہا ہو تو یہی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا سا کام دیتی ہے اور کچھ نہیں۔

"خیریت تو ہے' کہاں کی تیاری ہے؟" آپا جان گلے ملتے ہوئے پوچھ رہی تھیں چونکہ وہ عمر میں صائم سے بڑی تھیں اس لیے سب سے چھوٹی بھابی کے لیے عام طور پر ان کا لہجہ اور رویہ مشفقانہ ہی ہوتا تھا مگر مجھے پتا نہیں کیوں منافقانہ لگتا۔

"ان کا کیا پوچھتی ہو بی بی! ملا کی دوڑ تو مسجد تک ہی ہوتی ہے۔" میری ساس نے کھٹاک سے پاندان کا ڈھکن بند کرکے تخت کی سفید براق چادر پر اپنے پیر سمیٹ کر گاؤ تکیے سے کمر ٹکالی۔

"آئے ہائے اماں تو ظاہر ہے بچیاں اپنے میکے بھی نہ جائیں تو کہاں جائیں۔ ماں باپ سے کٹ تو نہیں سکتی ناں۔" آپا جان مسکراتے ہوئے واپس تخت پر بیٹھ چکی

"ایک گلوری مجھے بھی بنادیں اماں! تم جاؤ شبانہ! خیر سے جاؤ اور سب کو میرا اسلام دعا کہنا۔" انہوں نے تو گلو خلاصی کروادی تھی مگر جان چھوٹنی اتنی آسان کہاں۔

"آئے تو کیا ناشتا نہیں کروگی' یہ شبانہ پانچ منٹ میں تیار کردے گی۔" اماں نے ہرگز میری چستی اور میزبانہ صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ میرا دم نکلنے والا ہوگیا' نیا سوٹ میچنگ جیولری اور میک اپ سب پر اوس پڑنے لگی تھی۔

"نہیں نہیں' تم جاؤ میں نے سعدی کو فون کردیا ہے آج یسی کو ادھر ہی چھوڑ دئے وہی آکر بنادے گی۔ یہ لوگ تو اب نکل ہی رہے ہیں میں ویسے بھی فجر کے بعد چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھالیتی ہوں۔" آپا جان نے لاؤنج میں آتے صائم کو دیکھ کر کہا' جو انہیں سلام کررہے تھے۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو' خوش رہو' اولاد کی خوشیاں دیکھو۔" وہ بالکل ماؤں والے انداز میں صائم کو دعائیں دے رہی تھیں اور جنہیں دینی چاہئیں وہ جزبز ہوتی سر جھٹک رہی تھیں۔

میں نے دل ہی دل میں اپنی قسمت کو کوستے ہوئے بچوں کو آواز دی اور چلنے کے لیے کہا مگر حقیقت یہ تھی کہ اپنی ساس کا کہا ہوا ایک ہی فقرہ میرا موڈ برباد کرچکا تھا۔

❁......❁......❁
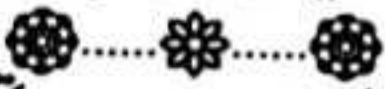
گاڑی منزل کی طرف رواں دواں تھی' بچے نانی امی کے یہاں جانے کے خیال سے بہت خوش تھے۔ سنہری صبح کی میٹھی دھوپ اور سرما کی ٹھنڈی ہوا' میں نے جان بوجھ کر فرنٹ سیٹ کا شیشہ کھول رکھا تھا مگر بچوں کا جوش اور موسم کی خوب صورتی بھی میرا موڈ بحال کرنے میں ناکام تھی اور حال یہ تھا کہ میں منتظر ہی تھی کہ اُدھر صائم کوئی بات کریں اور اِدھر میں حساب چکتا کروں حالانکہ بہت بار میں اچھے موڈ میں اعتراف کرچکی تھی کہ صائم بس الویں میرے غصے کا شکار ہوجاتے ہیں۔

کسی اور پر آیا غصہ اتار پھینکنے کے لیے استعمال نہیں

کروں گی مگر افسوس کہ ہر بار غصہ آجاتا پھر اترنے کے بعد مجھے ان کی اچھائیوں سمیت اپنی تمام اچھائیاں، وعدے، ارادے بھول جاتے تھے بلکہ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح میرے ذہن سے بھی غائب ہوجاتے تھے۔

”کیا بات ہے اتنی چپ چپ کیوں بیٹھی ہو؟“ بالآخر صائم نے مجھے چھیڑنے کا رسک لے ہی لیا۔ چند لمحے میں نے جان بوجھ کر بے نیازی دکھائی جب ادھر سے کم از کم تین بار اصرار ہوا تو میں پلٹی۔

”تو آپ کے خیال میں ایسی کون سی خوش خبری مل گئی جس کے لیے میں بھنگڑے ڈالتی پھروں۔“

”اپنی ماں سے ملنے جارہی ہو یہ خوش خبری کم ہے کیا؟“ انہوں نے حسب عادت مضحکہ اڑا کر میرے غصے کو دو چند کیا (نادانستہ)۔

”جی طعنے سن کے بڑی نند کے سامنے بے عزتی کروا کر۔“ مارے غصے کے بے ربطہ سا بول کر میں نے گیلی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

”اوفوہ...... ایسا بھی کیا کہہ دیا اماں نے، چھوڑو ناں تم بھی بس......“ ایک یہ ان کی ہر وقت، ہر بات کو بس چھوڑ دینے کی عادت......

”ہر بات چھوڑ دوں، جو دل کرے بولتی رہیں، میں سنے جاؤں اور جب بولنے لگوں تو چھوڑ دوں۔ کیوں؟ اپنی بیٹیاں کتنی پابندی سے ہر ہفتے چکر لگاتی ہیں، کبھی میں نے ایک لفظ بھی کہا پھر مجھے کیوں کہا انہوں نے۔“ میری آواز بلند ہوگئی۔ گاڑی سگنل پر رکی ہوئی تھی، انہوں نے ایک تنبیہی نگاہ مجھ پر ڈالی۔

”آہستہ بولو۔“

”کیوں آہستہ بولوں اور یہ چالاکیاں نہیں ہوتیں مجھ سے کہ چپکے چپکے بیٹھی دوسروں کو آگ لگاتی رہوں، ان کی زندگیاں عذاب کروں۔“ آج تو مجھے زیادہ ہی غصہ آگیا تھا۔

”کیا زندگی عذاب کردی انہوں نے تمہاری، ایک ذرا

سی بات کہہ دینے سے تمہاری زندگی......'' وہ بھی بھڑ کے مگر پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ذرا ذرا سی باتیں ہی بڑھ کر بڑی بن جاتی ہیں۔'' غصے اور صدمے کے مارے میری حالت غیر ہوگئی میں نے تلملا کر رخ بدل لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب میں ان سے کوئی بات نہیں کرنے والی' امی کے یہاں پہنچ کر بھی نہیں۔

❁......❁......❁
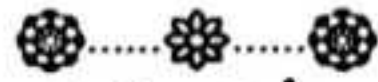
''نانی امی...... نانی امی......'' بچے اپنے ننھیال آ کر ہمیشہ ایسے ہی خوش ہوتے تھے' امی ان سے لاڈ کرتی تھیں۔ ابو ان کو سیر کراتے اور میرے بھائی بھی ہر وقت ان کے ناز نخرے اٹھاتے تھے۔ ابھی چونکہ کسی بھائی کی شادی نہیں ہوئی تھی لہٰذا بھاوج نام کی کوئی نخریلی خاتون جو نند کو دیکھ کر منہ چڑھائے یا بچوں کو بلاوجہ ڈانٹے' ڈپٹے میرے گھر میں نہیں پائی جاتی تھی۔

آپ کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ ایسا کہتے وقت میں بھول گئی ہوں کہ میں خود بھی کسی کی بھابی ہوں' جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر بات یہ ہے کہ میں نے خود اپنی نندوں کے سامنے' کسی بات پر منہ نہیں بنایا خیر منہ بنانے کا فائدہ ہی کیا۔ کون سا میرے منہ کی کسی نے پروا کرنی ہے' جنہیں کرنی چاہیے وہ تو خود اپنا منہ لے کر واپس دروازے سے ہی پلٹ گئے' گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی امی ابو کو سلام کہلوا دیا۔

سچی بات ہے میری اتنی سی صاف گوئی ان کی سماعت اور مزاج پر بہت گراں گزری تھی۔ اپنی ماں کے خلاف باتیں نہیں سن سکے اور میں جو دن رات سنتی' برداشت کرتی ہوں وہ...... میری طبیعت پھر سے مکدر ہونے لگی' میں وہاں سے سر درد کا بہانہ کر کے اٹھ گئی۔ عافیت اسی میں تھی کہ گیسٹ روم میں جا کے تنہا اپنا غم غلط کیا جائے۔

❁......❁......❁
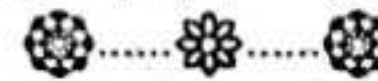
میرا سسرال اچھا خاصا بھرا پُرا خاندان ہے ماشاءاللہ' پانچ بھائی' تین بہنیں۔ آٹھ بہن بھائیوں کی اس فیملی میں صائم بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور دو بہنوں سے بڑے یعنی چھٹے نمبر پر تھے۔

میں جب بیاہ کر آئی تو گھر میں میری ایک جٹھانی اور دو کنواری نندیں رہتی تھیں۔ گھر کا ماحول بس ٹھیک ہی تھا' چھوٹی موٹی باتیں تو خیر ہر گھر میں ہو جاتی ہیں مگر شادی کے بعد کچھ ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تین منزلہ اس گھر کے اوپری پورشن سگے بھائیوں کی فیملیز کے بجائے کرائے داروں سے کیوں آباد تھی۔

میری ساس کی زبان الامان...... الامان...... ادھر میں نے باورچی خانے کا چارج سنبھالا اور ادھر میری ساس نے اپنا۔ اس کے بعد میں تھی اور ان کی باتیں' میں خود چونکہ لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور بھاگتی تھی لہٰذا مطمئن تھی کہ میری ازدواجی زندگی بخیریت گزرے گی مگر اتنی تلخ زبان رکھنے والی ساس کا تو میں نے تصور تک نہ کیا تھا چونکہ شادی سے پہلے کے بیشتر معاملات آپا جان نے سنبھالے اور نمٹائے تھے لہٰذا شادی کے بعد ہی اماں بی کی زبان کے جوہر کھل کے سامنے آ رہے تھے۔

پہلی بار کھانا پکاتے ہوئے میں نے گوشت کے سالن میں دہی کی جگہ ٹماٹر ڈال دیئے' دہی ختم تھا اور میں نے سوچا انہیں بتانے کا کیا فائدہ کوئی دہی لا کر دینے والا تو ہے نہیں مگر...... رات کو کھانے کی میز پر انہوں نے سب کے سامنے میرے وہ لتے لیے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے میرے آنسو بہہ نکلے نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ حیرت وصدمے کی بات یہ تھی کہ صائم سمیت میری نندیں اور جیٹھ' جٹھانی اتنے اطمینان سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے گویا ٹی وی پر کوئی ڈرامہ چل رہا ہو۔ مجھ سے وہاں سب کے درمیان بیٹھے رہنا دوبھر ہوگیا' مصیبت یہ تھی کہ میں وہاں سے اٹھ کر کوئی بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا اور بدتمیز کا ٹیگ خود پر لگوانا نہیں چاہتی تھی۔ میری ساس بے نیازی سے کھانا ختم کر کے چلتی بنیں' ایک ایک کر کے سب ہی اٹھ گئے میرے سامنے سے پلیٹ اٹھاتے ہوئے میری جٹھانی چپکے سے بڑبڑائیں۔

باتوں سے خوش بو آئے

⌘ علم دل کو اس طرح تازہ کرتا ہے جیسے بارش خشک زمین کو۔
⌘ کسی سے ملو تو اس طرح ملو کہ دوسرا دوبارہ ملنے کی خواہش کرے۔
⌘ زندگی میں اچھے کام کرو' موت کے بعد یاد رکھے جاؤ گے۔
⌘ زبان اگر تلوار نہیں مگر تلوار سے زیادہ تیز ہے۔
⌘ خاموشی ایک ایسا درخت ہے' جس پر کبھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔
⌘ جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔
⌘ ایسا پھول مت چنو جو خوب صورت ہو مگر اس میں خوش بو نہ ہو۔
⌘ وفا کے پھول برساتے رہو تاکہ تمہیں کوئی نفرت کے شعلے میں نہ جلا سکے۔
⌘ کسی کا دل نہ دکھاؤ' ہو سکتا ہے اس کے آنسو تمہارے لیے سزا بن جائیں۔
⌘ کسی کو نفرت کی نگاہ سے مت دیکھو ہو سکتا ہے کبھی یہ وقت تم پر بھی آ جائے۔
⌘ اچھا دوست پانے کی خاطر پہلے خود اچھا بنو۔
⌘ اگر تمہیں کوئی یاد نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں' اصل بات تو یہ ہے کہ کوئی خود کو فراموش نہ کرے۔

ماریہ کنول ماہی......گوجرانوالہ

''بڑی بی کی پرانی عادت ہے' برداشت کر لو اور کوئی چارہ نہیں۔'' میں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو وہ ترحم آمیز انداز میں مجھے دیکھ کر باہر چلی گئیں۔ ٹیبل صاف کرنے کے بعد میری نند میرے پاس آئی میں تب بھی سر جھکائے آنسو پینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''بھابی......'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بھابی! آئی ایم سوری' یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا' مجھے آپ کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ امی کو سالن میں ٹماٹر بالکل پسند نہیں۔ بھابی پلیز آپ روئیں مت۔''

اس کا اتنا کہنا اور خیال کر لینا ہی میرے لیے کافی تھا۔ وہ پلیٹ میں تازہ گرم سالن لے کر آئی تھی' اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر میرے منہ میں ڈالا اور جیسے میرا دل ہی جیت لیا اس کے بعد تو جیسے ایک سلسلہ چل پڑا۔

صائم کی دیکھا دیکھی میں بھی اپنی ساس کو امی' اماں جی کہنے لگی حالانکہ وہ میری امی کی شخصیت سے ذرا میل نہیں کھاتی تھیں۔ روٹھنا اور ناراض ہونا ان کا مشغلہ تھا اور مقابل کو بلا لحاظ سب کے سامنے یا تنہائی میں بے عزت کرنا ان کی بچپن کی عادت...... ظاہر ہے بچپن کی عادت میں اب اس عمر میں تو تبدیلی نہیں آ سکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ان کی بڑی چار بہوؤں میں سے ایک بھی ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہ تھی۔ لے دے کے ایک صائم ہی تھے جن کو اپنی ماں کے بڑھاپے کا خیال تھا اور لحاظ بھی مگر میرے دل میں ان کی باتیں سن سن کر اتنا غبار جمع ہو گیا کہ یکے بعد دیگرے اپنے گھروں کی ہو جانے والی نندیں جو مجھے بے انتہا عزت اور پیار دیتی تھیں ان کی دل جوئی بھی میرے دل میں ان کے لیے گنجائش بنانے میں ناکام رہی تھیں۔ میں دلی اور ذہنی طور پر ان سے تو دور ہو گئی تھی مگر ساتھ ہی ایک گھر میں رہنا بھی مشکل ہوتا چلا گیا اور اب یہ حال تھا کہ امی ہر وقت صائم کو جورو کا غلام اور بیوی کا پلو پکڑ کر چلنے والا مرد گردانتی تھیں اور میں صائم سے اس لیے ناراض رہتی تھی کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ انہیں صرف اماں کی پروا ہے میری نہیں۔ گھر کے ماحول کی اس کھینچا تانی کا اثر میرے مزاج پر پڑا تو اس کی تلخی سے وہ لوگ بھی محفوظ نہ

رہے جنہوں نے ایک وقت میں امی کے مزاج کی ترشی کو سہارنے اور سمجھنے میں میری مدد کی تھی جو جٹھانی ساتھ رہتی تھیں وہ بھی جلد ہی تنگ آ کر کرائے کے گھر میں چلی گئیں پھر بھی خدا کا شکر تھا کہ سب ہی معاملہ فہم اور تعاون کرنے والے تھے ورنہ میرے اندر تو میری ساس نے قوت برداشت کا ایک قطرہ تک نہ چھوڑا تھا۔

❀ ❀ ❀

''شبانہ...... شمی اٹھ جاؤ' دیکھو عصر ہونے والی ہے۔''

امی کی نرم آواز میرے کانوں میں پڑی تھی' جانے کب سوچتے اور آنسو بہاتے میری آنکھ لگ گئی تھی۔

''اُف خدایا...... پورا دن گزر گیا' کیا میں اتنی دیر سوتی رہی۔'' میں خود پر حیرت کرتی اٹھ بیٹھی' امی کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جو انہوں نے مجھے پکڑایا۔

''صائم آتا ہوگا' منہ ہاتھ دھو کر حلیہ درست کرلو۔''

''اونہہ......'' ان کے نام کے ساتھ ہی صبح والی تلخی منہ پھاڑے میرے سامنے کھڑی تھی۔

''انہیں میرے حلیے یا حالت سے کیا سروکار۔'' میرے جلے دل سے آہ نکلی۔

''کیوں' خیر تو ہے' کوئی بات ہوگئی کیا؟'' میں نے بے زاری سے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا بات ہوگی' وہی معمول کی مصیبتیں۔'' امی پھیکے پن سے مسکرا کر مجھے دیکھنے لگیں' انہیں بھی میری ساس کے مزاج سے خوب آگاہی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی زبان کے جوہر کسی سے مخفی رکھنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش نہیں کی تھی۔

''صائم کا فون آیا' کب تک آئیں گے لینے؟''

''تمہارا موبائل بج رہا تھا بیگ میں' بچے کہہ بھی رہے تھے کہ پاپا کا ہوگا مگر میں نے ہی بیگ چھونے نہ دیا۔''

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' میں نے فوراً چائے ختم کر کے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لاؤنج میں آ کر اپنا بیگ دیکھا پر خیال آیا امی نے صفائی کرنے کے ارادے سے جب چیزیں سمیٹی ہوں گی تو اپنی وارڈ روب میں رکھ دیا ہوگا میں بیگ لے کر واپس پلٹی تو امی خالی کپ اٹھا رہی تھیں۔

''چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنا سیکھو شمی! تم نے بیگ بھی یوں ہی لا کر بے پروائی سے رکھ دیا تھا۔'' مگر میرا دھیان امی کی طرف نہیں صائم کی طرف سے آنے والی چھ مسڈ کالز کی طرف تھا' میں نے جلدی سے نمبر ملا۔

''ہیلو...... جی جی...... کیوں...... اچھا ٹھیک ہے۔''

''کیا ہوا؟'' امی میرا اترا ہوا منہ دیکھنے لگیں۔

''جلدی لینے آئیں گے' ڈنر بھی نہیں کریں گے۔ سمی اور زینی آئی ہوئی ہیں گھر پر انہوں نے پائے پکائے ہیں۔'' میں نے اپنی نندوں کا نام لیا۔

''چلو تو تم تو کھا کر چلی جانا۔'' میں نے بے دلی سے سر ہلایا۔ امی میری افسردگی بھانپ چکی تھیں' کہنے لگیں۔

''چلو...... بھابی کی بری کے لیے جو نئے جوڑے لیے وہ تو دیکھ آ کے' جب سے آئی ہو کمرے میں گھسی ہوئی ہو۔'' بھائی کی شادی نزدیک تھی' اسی کی تیاریاں دیکھنے کے لیے امی نے آج بطور خاص مجھے بلوایا تھا۔ صبح تیاری کے وقت تو میں بھی بہت ایکسائیٹڈ تھی مگر اب میرا دل مکمل طور پر اچاٹ ہو چکا تھا۔ جبھی جھلملاتے جوڑے اور میچنگ کے دمکتے ہوئے دیدہ زیب زیورات بھی میری مزاج بہی نہ کر سکے۔

❀ ❀ ❀

گھر پر حسب توقع ایک میلہ سا لگا ہوا تھا' کچن میں سمی اور زینی کے ساتھ میری بڑی بھتیجی نیناں بھی تھی۔ دوسرے نمبر کی جٹھانی بھی فیملی سمیت موجود تھیں۔ آپا جان کے میاں اور بچے' سمی اور زینی کے بچے اور خاوند۔ گو کہ گھر خاصا کھلا سا تھا' پھر بھی اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا لگ رہا تھا۔ راستے بھر صائم کی خاموشی بھی بے حد کھلی تھی جبھی اس وقت سب کو دیکھ کر دل خوش ہونے کی بجائے مزید بوجھل سا ہو گیا۔

''آپا چھوٹی چاچی آ گئیں۔'' اپنی بھتیجی نیناں سے میری اچھی دوستی تھی' جبھی وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی باقی

تمام جملہ اہل خانہ بھی اپنے اپنے انداز میں خوشی سے ملے سوائے...... میں نے اپنے مخصوص تخت پر براجمان اماں جی کو سلام کیا۔

"آ گئیں بھابی! گھر میں سب خیریت ہے۔" یمی اور زینی بھی کچن سے باہر آ گئیں۔

"ہاں ہاں سب ٹھیک ہی ہوگا' ماشاء اللہ چہرے پر بارہ تو یہاں آنے کے بعد بجے ہیں۔" ان کے لبوں سے تیر نکلا اور سیدھا میرے دل میں جا گھسا۔

میرے مسکراتے لب سمٹ گئے' میں نے ایک اڑتی نگاہ لاؤنج میں موجود حضرات پر ڈالی جو بھی تھا گھر کی خواتین کی بات الگ تھی وہ تو سب ہی اماں کے تیر کھاتی رہتی تھیں مگر اپنے جیٹھ اور نندوئیوں کے سامنے اس عزت افزائی پر میرا چہرہ یقیناً سرخ ہوگیا تھا۔ صورت حال کو گمبھیر تا سے بچانے کے لیے جلدی سے اٹھی۔

"یہ بتا رہے تھے پائے پکائے ہیں آپ لوگوں نے؟"

"ظاہر ہے جب خاتونِ خانہ کو سیر سپاٹوں سے فرصت نہیں ملے گی تو باہر سے ہی لوگ آ کر پکائیں گے۔" میرا خون کھول اٹھا۔

"یہ ہی کامیاب طریقہ ہے جو آئے خود ہی پکائے اور کھا پی کر چلتا بنے یہاں کون سی پروا ہے کسی کو۔" لاؤنج کی آوازیں گم ہو چکی تھیں' ایک بار پھر سناٹا بولنے لگا۔

"اوہو اماں! کیا ہوگیا ہے' چھوڑیں ناں۔" یمی اور زینی کھسیانی سی ہنسی ہنسیں۔

"جب بیسیوں بار آ کے پکے پکائے کھاتے ہیں تو ایک بار آ کر پکا نہیں سکتے کیا' آخر کو یہ ان کا اپنا گھر ہے۔" دانت کچکچا کر سلگتے لہجے میں میں نے بھی جواب دے ہی ڈالا۔

"لو دیکھ لو بس یہ ظرف ہے ان کا۔" حاضرین محفل کو میری بات نے ہکا بکا کر دیا تھا مگر بس دو چار پل کے لیے پھر اماں کی بڑھتی آواز نے اس کیفیت سے فوراً نکال بھی لیا' جانے آپا جان کہاں تھیں اس وقت۔

نظم

مجھے وقت بدلنے کی روداد سنا کر
پرانی یادوں کو بھلا کر
میری روح کو بے رخی کی مٹی میں دفنا کر
وہ نئے سرے سے جینے کی
مجھے تلقین کر گیا ہے
میں اس سے کیسے کہوں
وقت تو بدل جاتا ہے
محبت کب بدلتی ہے
یہ تو ازل سے ابد تک
شب و روز کی تبدیلی میں
موسموں کے تغیر میں
یہ کب بدلتی ہے
یہ تو ہی رہتی ہے
ایک مبہم آس بن کر
اک اداس شام کی سرخی کی مانند
اک بے نام سی خود سے ضد
سوچوں کی یلغار
ہاں یہی تو ہے محبت
ہاں بدلتے ہیں تو
فقط انداز......
اک انداز چھپا لینے کا
اک انداز لا دینے کا
اک خواب نامکمل کی
ادھوری حقیقت کو
محبت ہی تو کہتے ہیں
تو پھر جب بدلتی نہیں محبت
تو پھر کیوں لوگ کہتے ہیں
کہ......
اب وقت بدل گیا ہے
ہاں وقت بدلتا ہے ضرور
مگر......
محبت کب بدلتی ہے

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

"تو......" یہی اماں کی طرف جبکہ زینی میرا ہاتھ تھام کر معاملہ دبانے ہی لگی تھی مگر اب مشکل تھا۔

"تمہارے باپ کا دیا نہیں کھاتیں میری بیٹیاں! خدا کا شکر ہے سب اپنے گھر بار والے ہیں۔ یہ تو میرا دم سلامت ہے جو دو گھڑی آ کر پوچھ لیتے ہیں ورنہ منہ دھو رکھو بی بی! تم پر تو کوئی تھوکے گا بھی نہیں آ کے۔" میری ساس کی قینچی کو روکنا اب سب کے بس سے باہر تھا۔

"میں کسی کو اپنے منہ پر تھوکنے کی اجازت دوں گی بھی نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا اور زینی کا ہاتھ جھٹک کر کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا، تمام چھوٹے بچے میرے بیڈ پر چڑھے کارٹون دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے بچوں سمیت سب کو کمرے سے بھگایا اور اوندھے منہ بستر پر گر کر رونے لگی۔ باہر اب بھی وہی واویلا جاری تھا۔

❁......❁......❁

جلتی آنکھیں، بھاری پپوٹے، سوکھے لب اور دکھتا سر...... میری حالت رات کے مقابلے میں بہت بدتر تھی، مجھے دردِ شقیقہ کی شکایت رہتی تھی اور بقول میرے مجھے یہ بیماری بھی میری ساس کی طرف سے تحفتاً بخشی ہوئی تھی، ورنہ شادی سے پہلے تو میں نے سر کے درد کا نام تک نہ سنا تھا۔

"آہ......" میں نے بے قرار ہو کر دکھتے سر کو دائیں بائیں پٹخا۔

"بخار تو نہیں ہے۔" جبھی اپنے نزدیک کسی کی مہربان آواز سنائی دی، میں نے سوجی آنکھیں کھول کر بمشکل دیکھا۔ صائم بستر پر بالکل میرے پاس بیٹھے تھے، میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔ پاس ہی یسمی کھڑی تھی پریشان اور پشیمان۔

مجھے گزشتہ رات کا تمام ماجرا فوراً یاد آ گیا اور اماں کے وہ کلمات بھی جو وہ میری شان میں دیر تک بولتی رہی تھیں۔ میری آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر کنپٹیوں کی طرف بہہ نکلے۔

"چلو بس کرو کوئی نہیں سب خیر ہے۔" صائم کی بھاری آواز سرگوشی کی صورت میرے جلتے دل پر پھاہے رکھ رہی تھی۔ جبھی میرے سر پر جیسے کسی نے پھوار سی برسائی۔ ایک ٹھنڈا، معطر سا جسم و جان کا مہکا احساس دماغ کی ایک ایک رگ میں سکون اتارنے لگا۔

کسی کی ملائم پوریں بہت نرمی سے میرا سر گدگدا رہی تھیں۔ یہ یقیناً یسمی تھی جو میرے سر میں جڑی بوٹیوں سے بنے خاص تیل کی مالش کر رہی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اس کے ہاتھ میری کنپٹیاں، بھوئیں، پیشانی اور سر سہلا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ جب درد کا اثر زائل ہونے لگا اور طبیعت کی بحالی کے آثار میرے چہرے پر نظر آنے لگے تب اس نے دھیرے سے مجھے پکارا۔

"بھابی......" میں نے نم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"بھابی...... امی نے کل آپ کو جو کچھ بھی کہا میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ پتا نہیں وہ اتنی کڑوی کیوں ہیں حالانکہ میری ماں ہیں مگر میں جانتی ہوں انسان کے سارے اعمال پر اس کی زبان پانی پھیر دیتی ہے۔ ان کا طرزِ عمل غلط ہے اس طرح تو دوسروں کے دلوں میں محبت اور جگہ بننے کے بجائے نفرت اور بے زاری پیدا ہو جاتی ہے۔" میں چپ چاپ اس کا نادم لہجہ سن رہی تھی، وہ دھیرے دھیرے میرے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"انہوں نے بھی جوانی میں بہت کڑا وقت دیکھا ہے، عمر کے اس حصے میں پہنچتے پہنچتے ان کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے وہ مجبور ہیں، ان کی عادتیں اتنی پختہ ہیں کہ انہیں اس طرح سے بول کر یا بحث کر کے بدلا نہیں جاسکتا۔ انہیں برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بھابی!"

"چاہے ہم ان کی عمر کو جاتے جاتے ان ہی کی طرح تلخ ہو جائیں، بات بے بات اور جگہ بے جگہ دوسروں کو بے عزت کرنے والے۔" ترشی سے بولتے ہوئے میری آواز بھرا گئی۔

"اللہ نہ کرے بھابی! آپ میں، مجھ میں اور ان میں یہ ہی تو فرق ہے، آپ تو پڑھی لکھی باشعور عورت ہیں۔ اللہ سے دعا کریں، اللہ ہمارے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگوں کو ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیں کسی بھی لحاظ سے ایسا بننے سے بچائے کہ لوگ ہماری موجودگی سے بےزار ہوں اور ہماری غیر موجودگی میں سکون محسوس کریں، آمین۔" اس کی دھیمی پُراثر آواز قطرہ قطرہ امرت جل کی طرح میری سماعتوں میں اتر کر دل و دماغ کو روشن کرتی جارہی تھی۔ نرم ملائم انگلیوں کی پوریں اب بھی مساج میں مصروف تھیں۔

"ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی عزت بھی کرتے ہیں، وہ میری سگی ماں ہیں بھابی! میں چاہ کر بھی ان کو بُرا بھلا نہیں کہہ سکتی پھر بھی ان کی باتوں سے آپ کا دل دکھا، میں اس کے لیے آپ سے معذرت کرتی ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوچکی تھی، اتنی کڑوی زبان والی بداخلاق عورت کی اتنے حسن سلوک والی بیٹیاں یقیناً میرے لیے نعمت خداوندی سے کم نہ تھیں۔ اس کا ہاتھ تھام کر میں نے لبوں سے لگایا۔

❀ ❀ ❀

بھائی کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی مگر مشکل سے۔ بارات والے دن اماں پورچ میں پانی کی وجہ سے سلپ ہوگئیں۔ ہم سب تقریب کے لیے نکل ہی رہے تھے، میری تو جان نکل گئی ہال کے بجائے ہسپتال بھاگنا پڑا اور جب پتا چلا کہ رات یہیں رکنا ہوگا تو دل خون کے آنسو رو دیا مگر بھلا ہو میرے سسرال والوں کا، خاندان بھرا پڑا ہو تو مسئلے مسائل تو ہوتے ہیں مگر دلوں میں میل نہ ہو تو پھر یہی لوگ کام بھی بہت آتے ہیں۔

آدھے گھنٹے کے اندر سب ہی ہسپتال پہنچ گئے اور مجھے اور صائم کو شادی میں روانہ کردیا۔ میرا بارات کے ساتھ امی کے گھر واپس جانے کا ارادہ تھا اس میں رخنہ پڑ گیا۔ مجھے بھی اپنی ساس کے ہاسپٹلائز ہونے کے بعد یہ بات کچھ مناسب نہ لگی کہ میں امی کے یہاں رک جاؤں۔ اماں ایک دن رک کر گھر آگئیں، اللہ کا شکر تھا کہ فریکچر نہیں ہوا تھا، معمولی خراشیں اور ٹخنے پر ذرا سی سوجن تھی، فی الحال وہ چلنے سے قاصر تھیں۔ میں نے بھی تمام باتیں بھلا کر ان کی خدمت کی جواباً انہوں نے بھی مایوس نہیں کیا۔

سچ ہی تھا کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے کسی نہ کسی دن مل ہی جاتا تھا، دنیا میں نہ بھی ملے تو اللہ کے یہاں تو ضرور ہی ملے گا۔ ہاں یہ ہوا کہ گھر میں مستقل مہمانوں کی آمد کی وجہ سے بھاگم دوڑی میں ولیمہ اٹینڈ کیا، جس کا کئی دن ملال رہا کیونکہ میرے بعد گھر کی پہلی شادی تھی تو ظاہر ہے اس لحاظ سے تیاریاں بھی خاص تھیں اور جوش و خروش بھی دیدنی تھا۔

خیر اللہ جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے یہی سوچ کر گھر کے کام دھندوں میں لگ گئی اور بھائی کی شادی کے بعد کافی دن میکے کا رخ نہیں کرسکی یہاں تک کہ ایک دن امی کا بلاوا آپہنچا، وہ یوں کہ کھیر پکائی کی رسم میں مجھے بلا رہی تھیں۔

❀ ❀ ❀

امی نے خاصا اہتمام کر ڈالا تھا، تمام چیزیں خود ہی بنائی تھیں۔ میری اور کوئی بہن تو تھی نہیں جو اُن کا ہاتھ بٹاتی اس لیے ایک حد تک میری نئی نویلی بھاوج یعنی ماہا نے ہی ان کا ساتھ دیا۔ امی نے فی الحال اس سے صرف کھیر ہی پکوائی تھی۔ پہلی پہلی بار تھا پتا نہیں اتنے لوگوں کا کھانا ٹھیک سے پکا پاتی یا نہیں اس لیے میں نے خود ہی سب کرلیا، رات میں کام سمیٹنے کے بعد وہ تھکی تھکی سی مجھے بتارہی تھیں۔

"اچھا کیا ویسے بھی سب گھر کے طور طریقوں میں فرق ہوتا ہے، جب تک وہ یہاں سب کی پسند نہ پسند کو ٹھیک سے جان نہ لے ہیلپ کردیا کریں۔ لیٹ جائیں میں تلوے اور ایڑھیوں پر مساج کردوں بہت آرام ملے گا۔" امی نے سر ہلایا۔

"ویسے میں نے محسوس کیا ہے اس میں احساس ذمہ

داری ذرا کم ہی ہے جہاں کچھ کھاتی پیتی ہے کپ اور پلیٹیں فوراً اٹھا کے نہیں رکھتی‘ روز رات کو گھنٹوں اپنی ماں اور بہنوں سے فون پر باتوں میں لگی رہتی ہے۔“ امی خالصتاً ساس کے روپ میں ڈھل چکی تھیں‘ میں مسکرادی۔

”ارے امی! یہ شروع کے دن ایسے ہی ہوتے ہیں‘ بے پروا‘ بے فکر‘ مگن...... ذمہ داری پڑے گی تو سمجھ جائے گی۔“

❀......❀......❀

”آئے ہائے یہ چاولوں کا کیا حشر کردیا؟“ امی کی تیز آواز پر میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

”امی وہ گھر سے فون آ گیا تھا تو میرا دھیان ادھر لگ گیا۔“

”تو گھر سے فون کرنے والوں کو کہہ دیتیں کہ دو منٹ بعد فون کرنا‘ ایسی کون سی اہم بات تھی جو اسی وقت......“ میں کھانا بھول کر حیرت سے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی جو اس وقت ایک مکمل ساس کا روپ دھار چکی تھیں۔ وہ کہیں سے بھی وہ مشفق ماں نہیں لگ رہی تھیں جو ہمیشہ سسرال کے معاملات کو سہل انداز میں نمٹانے میں میری رہنمائی کرتی تھیں۔

”بس امی! خیال ہی نہیں رہا۔“ وہ سر جھکا کر بولی۔

”تو خیال رکھا کرو ناں‘ اگر ایسے ہی بے خیالی میں رہیں تو بس ہوگیا کام۔“

”امی کیا ہوگیا ہے؟“ اب مجھے مداخلت کرنی ہی پڑی تھی۔ ”ٹھیک ہیں بس ذرا چپک گئے ہیں۔“ میں نے سرسری انداز اپنایا۔

”ارے رہنے دو تم تو یہ تو‘ روز کا معمول ہے‘ ایک بار بتائے دے رہی ہوں تمہیں یہ جو لڑکیاں ہر وقت فون اور ٹی وی سے چپکی رہتی ہیں ناں اور جن کے ہر روز میکے کے چکر لگتے ہیں یہ گرہستی نہیں کرسکتیں۔“ دھیمی آواز لیکن طنزیہ لہجہ۔

”امی...... ی...... ی۔“ میں نے بے اختیار انہیں ٹوکا۔ ٹیبل پر میرے ابو اور دونوں بھائیوں کے ساتھ صائم بھی موجود تھے ان کے سامنے ماہا کو اس طرح کہنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔

ڈائننگ ٹیبل پر خاموشی چھا گئی‘ ماہا چاولوں سے کھیل رہی تھی مگر میں جانتی تھی وہ در پردہ اپنے آنسو پینے میں مشغول ہے۔ مجھے اس وقت اس میں اور خود میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ سالوں پہلے کا منظر پھر سے جی اٹھا تھا‘ فرق صرف یہ تھا کہ یہ میرا میکہ تھا اور اس کا سسرال‘ امی کے رویے سے مجھے بے حد شرمندگی محسوس ہونے لگی اور اب میرے دل میں ایک خیال نے سر اٹھایا اپنے میکے میں مجھے وہی کردار ادا کرنا تھا جو میرے سسرال میں میری نندیں ادا کررہی تھیں۔

گھروں کو جوڑے رکھنے کے لیے‘ رشتوں میں بھرم اور محبت قائم رکھنے کے لیے مجھے وہی شرمندگی اور خفت کی گٹھڑی اٹھانی تھی جو ایک عرصے سے میری نندوں نے اٹھائی ہوئی تھی۔ اپنے میکے میں‘ جنم لینے والے سسرالی رشتوں سے محبت اور عزت وصولنے کے لیے مجھے بھی عزت دینی اور محبت بانٹنی تھی اور کسی اور کے نہیں۔ اپنی سگی ماں کے لگائے گئے زخموں کا مداوا کرنا تھا جس حد تک ممکن ہوتا۔

میں کھانے کے بعد کچن میں آئی‘ ماہا دروازے کی طرف پشت کر کے سنک کے آگے کھڑی تھی۔ میں جانتی تھی وہ رو رہی تھی‘ میں یہ بھی جانتی تھی کہ مجھے اس سے کیا کہنا تھا اس کے آنسوؤں کو ہنسی میں بدل کے اس کے دل کا بوجھ کیسے بانٹنا تھا۔ میں نے پیچھے سے جا کے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں ریزہ ریزہ تو ہوتا ہوں پر شکست کے بعد
مگر نڈھال بہت دیر تک نہیں رہتا
جواب مل ہی تو جاتا ہے ایک چپ ہی نہ ہو
کوئی سوال بہت دیر تک نہیں رہتا

موسم گرما کی حدت اب قدرے کم ہوچکی تھی فضا میں ہلکی سی خنکی در آئی تھی وہ آج صبح سے ہی صحن میں لگی کیاریوں کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی۔ دادی اماں وہیں تخت پر بیٹھی تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اور اس کی اماں کچن میں پراٹھے بنانے میں مصروف تھیں۔ پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوش بو سے اس کا دل بھی اب للچانے لگا تھا وہ کام ختم کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اوپری منزل سے آتی تائی اماں کی آواز نے اسے شدید کوفت میں مبتلا کرڈالا تھا۔

''کرن بیٹا! میری طبیعت ٹھیک نہیں' اپنی امی سے کہو چار پراٹھے بنا کر اوپر بھیج دیں لائبہ کو کالج اور اسد کو اسکول بھی جانا ہے۔'' وہ جانتی تھی کہ ایسا ہی کوئی حکم صادر ہوگا۔

''لو جی میری پیاری اماں! ہوگئے تائی اماں کے ڈرامے شروع' آپ کو کس نے کہا ہے کہ اتنا اچھا کھانا پکایا کریں۔'' اس کی آواز قدرے تیز تھی' دادی اماں بھی کھل کے مسکرائی تھیں۔

''بُری بات بیٹا! وہ تمہاری بڑی ہیں' کتنی بار سمجھایا ہے ایسی فضول گوئی مت کیا کرو۔'' امی نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا تھا وہ ایسی ہی تھیں سادہ لوح' ہر ایک کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار۔

''اُف امی! آپ بھی کتنی بھولی ہیں' تائی اماں الگ رہتی ہیں پھر بھی ہر وقت خدمت کے لیے آپ کو آوازیں دیتی رہتی ہیں جب آپ بیمار ہوتی ہیں کبھی نیچے جھانک کے دیکھا انہوں نے۔'' وہ وہی کہہ رہی تھی جو بچپن سے دیکھتی آئی تھی وہ اپنی اماں سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔

''وہ بڑی ہیں آئندہ ایسا مت بولنا۔'' نجمہ نے پراٹھے اور چائے کی کیتلی بڑی سی ٹرے میں رکھ کے اس کے ہاتھ میں تھمائی اور وہ ماں کو گھورتی ہوئی بجھے دل کے ساتھ اوپر آ گئی' اس کا دل اب ناشتا کرنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ دادی اماں نے بھی کچھ بولنا مناسب نہ سمجھا وہ جانتی تھیں' نجمہ ایسی ہی ہے۔

❁......❁......❁

''احمد صاحب میں نے کہہ دیا ہے اس بار ہم قربانی ضرور کریں گے وہ بھی الگ' یہ نہ ہو کہ ہر دفعہ کی طرح اپنی اماں کے ہاتھ میں جا کے پیسے تھما دیں کہ لو اماں! تم قربانی کرلو' ایک ہی گھر ہے ہمارا۔'' سفینہ تائی احمد صاحب کے مسلسل کان کھا رہی تھیں۔ عید قرباں میں ایک ماہ رہ گیا تھا سو وہ اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھیں ہر سال اپنے میکے میں ہونے والی قربانی کی شاندار دعوت وہ کبھی نہ بھولتی تھیں پورا خاندان اکٹھا ہوتا تھا سو اس بار انہوں نے پکا تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ بھی قربانی کرکے اپنے میکے والوں کی ویسی ہی شاندار دعوت کریں گے۔

''قربانی ہوتی تو ہے گھر میں' تم کرو یا اماں بات تو ایک ہی ہے نہ سفینہ! تم سمجھتی کیوں نہیں۔'' احمد اپنی بیوی کی ہٹ دھرمی سے کافی پریشان تھے۔

''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں سننا احمد صاحب! ہوش کے ناخن لیں' بچی جوان ہوگئی ہے کل کلاں کو اس کی شادی بھی کرنی ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے بس اس بار ہم قربانی ضرور کریں گے اور میں اپنے سارے خاندان کو بلاؤں گی دعوت میں۔ بھئی وہ جب ہمارے گھر آئیں گے' مل کے بیٹھیں گے' لائبہ کو صحیح سے پرکھیں گے' تب ہی تو بات بنے گی نا۔'' انہوں نے بھی تاک کے نشانہ لگایا تھا۔ وہ جانتی تھیں لائبہ کی شادی والی دھمکی ضرور کارآمد ثابت ہوگی اور یہی ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی' بھلا تم سے کوئی جیت سکتا ہے۔'' ہار مانتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھے بنا کہ ان کی شریک حیات کی آنکھوں میں کیسی چمک اتر آئی تھی دکھاوے اور نمود و نمائش کی۔

❁......❁......❁

پورا دن کرن کا موڈ شدید آف رہا تھا احتجاجاً اس نے اماں سے بات تک نہیں کی تھی نہ دوپہر کا کھانا کھایا نہ شام کا ناشتا سب کے ساتھ کیا تھا۔ خود کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش میں صبح سے گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی کبھی الماریاں صاف کرتی تو کبھی گھر کے جالے۔ دادی خوب جانتی تھیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے جب ہی تو چائے کے ساتھ سموسے لے کر اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

''میں جانتی ہوں بیٹا! تم اپنی ماں سے خفا ہو' تمہاری اماں بہت ہی سیدھی سادی ہے اور تمہاری تائی اماں شروع سے ایسی ہیں۔ جب ہی تو میں نے اوپر والا پورشن بنوا کے اسے الگ کر دیا تھا مگر بھلا ہو تمہاری اماں کا جنہوں نے تمہاری تائی کو بڑا سمجھتے ہوئے ان کی خوب خدمت کی۔ تمہیں بھی پرائے گھر جانا ہے اس لیے سمجھا رہی ہوں کہ بیٹا کسی کا کوئی کام کر دینے سے نہ ہم چھوٹے ہوجاتے ہیں نہ ہی ہمارے ہاتھ گھس جاتے ہیں۔ عورت کی زندگی ہی گھر کا کام کرنا ہے اور سسرال میں اصل عزت ہی اسی سے ہے۔ آج دیکھ لو پورے خاندان بھر میں تمہاری ماں کی سلیقہ مندی کی اس کے اچھے ہونے کی کیسی عزت ہے۔ اب تم بھی یہ کھاؤ اور اپنا موڈ ٹھیک کرو' ایک نہ ایک دن تمہاری تائی اماں کو اپنی دیورانی کا خیال ضرور آئے گا۔'' دادی اماں نے بات کچھ اس طرح سمجھائی کہ کرن کی سمجھ میں آگئی' اب وہ مسکراتے ہوئے چائے اور سموسوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

دادی اماں (نسرین شاہ) اور خالد شاہ کے دو ہی سپوت تھے احمد شاہ اور زاہد شاہ۔ خالد شاہ مشینوں کا کام کرتے تھے یوں زندگی کا گزر بسر اچھے سے ہوجاتا تھا۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو گریجویشن تک پڑھایا پھر اس کے بعد دونوں نجی فرم میں ملازمت کرنے لگے۔ ان دنوں خالد شاہ کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی وہ پھیپھڑوں کے مرض میں مبتلا تھے ایسے میں نسرین کو احمد کی شادی کا خیال آیا تھا۔ نسرین نے اپنی بھانجی کی بیٹی سفینہ سے احمد کا نکاح کر دیا یوں ایک مہینے میں ہی وہ اس گھر کی بہو بن گئی۔ نسرین کا خیال تھا کہ بہو گھر سنبھالے گی اور وہ اپنے بوڑھے شریک

حیات کی اچھے سے خدمت کر پائیں گی مگر ایسا نہ ہوا شادی کے ایک ہفتے بعد ہی خالد شاہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے' دونوں بیٹے اپنے باپ کی موت کے بعد ڈھے سے گئے' ایسے میں نسرین نے اپنے آنسو چھپا کے اپنے بیٹوں کو سنبھالا اور خود کو سخت کرلیا۔

آہستہ آہستہ سب اپنی روٹین پر آنے لگا نسرین نے گھر پر دھیان دینا شروع کردیا تھا جب ہی ان پر سفینہ کے پھوہڑ پن اور زبان درازی کا ادراک ہوا تھا انہوں نے اسے اپنا سمجھ کے بڑی بہو بنایا مگر وہ تو کھوٹا سکہ نکلی تھی۔ نسرین نے سفینہ کو ہر چیز سمجھانا اور اسے ٹوکنا شروع کردیا نتیجتاً ان کے گھر میں بھی وہی ساس بہو کا روایتی رشتہ قائم ہوگیا۔ دو سال تک انہوں نے جیسے تیسے گزارا کیا پھر بڑی سی کمیٹی ڈال کے گھر بنوایا۔ زاہد کی شادی اپنی دور پرے کی رشتہ دار کی بیٹی نجمہ سے کی' ابھی نئی نئی شادی تھی سو انہوں نے سفینہ کو الگ نہیں کیا تھا مگر جلد ہی اس کی نوبت بھی آ گئی تھی۔

ایک طرف سفینہ کا پھوہڑ پن تھا تو دوسری طرف نجمہ کی سلیقہ مندی' سفینہ نجمہ سے نہ صرف جلنے لگی تھی بلکہ ہر وقت اس پر طنزیہ جملے بھی کسنے لگی تھی۔ نجمہ سیدھی سادی تھی' کبھی پلٹ کے جواب نہ دیتی' نسرین کو نجمہ کی بڑی فکر تھی اس لیے جب سفینہ نے لائبہ کو جنم دیا اس کے کچھ عرصے بعد ہی نسرین نے سفینہ کو اوپر شفٹ کردیا۔ جھگڑے تو اب ختم ہوگئے تھے مگر نجمہ کی خدمتیں ساری زندگی چاہنا تھیں' یہی بات نسرین کے لیے پریشان کن تھی۔

❀......❀......❀

اگلے روز احمد نے آ کے ماں کو اپنی الگ قربانی کرنے کا فیصلہ سنا دیا تھا گھر کے سب ہی افراد حیران تھے۔

''پگلا تو نہیں گئے ہو احمد! تمہاری بیوی کی حرکتوں کی وجہ سے میں نے اس گھر میں دو چولہے جلانے کی اجازت دی مگر کان کھول کے سن لو یہ الگ الگ قربانی والا معاملہ اس گھر میں نہیں ہوگا۔ عید ہمیشہ ہم سب ساتھ مناتے ہیں اس بار بھی ساتھ منائیں گے۔'' دادی اماں کا فیصلہ اٹل تھا احمد گھبرا گئے۔ بیوی کو منع بھی نہیں کرسکتے تھے۔

''اماں پلیز' بات سمجھیں سفینہ اس عید پر اپنے سارے خاندان بھر کو بلانا چاہتی ہے اس کا کہنا ہے کہ لائبہ اب بڑی ہوگئی ہے لوگ آئیں گے جائیں گے تو اس کی کہیں بات بنے گی۔'' احمد نے جھجکتے ہوئے ساری بات کہہ دی تھی' اماں پل میں سفینہ کی چالاکی کا معاملہ سمجھ گئی تھیں۔

''بہانے نہ بناؤ......'' اس سے پہلے کہ اماں بات مکمل کرتیں زاہد اٹھ کر آ گئے تھے۔

''رہنے دیں اماں! اگر بھائی قربانی کرنا چاہتے ہیں تو کرنے دیں' کسی کو قربانی کے لیے منع نہیں کرنا چاہیے۔ بھائی قربانی کریں یا ہم ایک ہی بات ہے گھر تو ایک ہی ہے نا۔ قربانی تو ایک ہی ہوگی نا۔'' زاہد کی بات اماں کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے کرلو اپنا شوق پورا۔'' انہوں نے اجازت دے دی تھی' احمد صاحب خوشی خوشی اٹھ کے چلے گئے۔

''بیٹا! تم چھوٹے ہو وہ بڑا لیکن اس نے کبھی بڑا پن نہیں دکھایا۔'' اماں افسردہ سی ہوگئی تھیں۔ زاہد نے اماں کو گلے لگالیا ان کا موڈ فوراً ٹھیک ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀
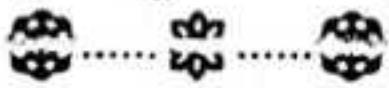
عید قرباں میں اب صرف ایک ہفتہ رہ گیا تھا احمد صاحب پچیس ہزار لے کے منڈی پہنچ گئے تھے۔ ہر سال وہ اماں کو قربانی کے لیے پچیس ہزار ہی دیتے تھے اور پچیس ہزار زاہد دیتا تھا دونوں کے پیسے ملا کے اچھا جانور آ جاتا تھا لیکن اس بار سفینہ کی ضد اور کم عقلی کے باعث آج وہ اکیلے کھڑے تھے۔ مہنگائی کے اس طوفان میں پچیس ہزار کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ وہ دو دن تک مختلف منڈیوں میں خوار ہوئے تب کہیں جا کے

ایک چھوٹا سا بچھڑا ان کے ہاتھ آیا۔ گھر لائے تو ماسوائے سفینہ کے کسی نے نقص نہ نکالے' سب ہی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''اسے نیچے ہی باندھ دیں احمد! نجمہ کو تو صحیح سے دیکھ بھال کرنی آتی ہے جانوروں کی' ہر سال وہی تو یہ کام کرتی ہے۔'' انداز طنزیہ تھا دادی اماں نے انہیں گھورا۔

''ہاں ہاں بھابی! کیوں نہیں قربانی کے جانوروں کی تو خوب خدمت کرنی چاہیے جب ہی تو قربانی کا حق ادا ہوتا ہے۔'' سادہ سی نجمہ اس بار بھی خدمت کے لیے خود آگے بڑھی تھی۔ دادی اماں سمیت کرن کو بھی غصہ آیا تھا وہ اپنی اماں کی اکلوتی اولاد جو تھی مگر یہاں پروا کس کو تھی۔ احمد گائے باندھ کے چلے گئے' پیچھے نجمہ اس کے دھیان کو رہ گئی جس سفینہ کو قربانی کا شوق تھا وہ ایک بار بھی نیچے جھانکنے نہ آئی تھی۔

''کیا ایسی ہوتی ہے قربانی۔'' کرن سوچ کے رہ گئی۔

❀.........❀.........❀
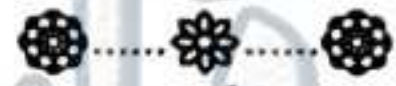
اپنے سارے خاندان کو وہ عید کے دوسرے دن کا دعوت نامہ بذریعہ ٹیلی فون پہنچا چکی تھی بس اب نجمہ سے بات کرنا باقی تھی۔ آج کل ان کے پارلر کے چکر لگ رہے تھے اور اس کام میں انہوں نے بے چاری لائبہ کو بھی گھسیٹ لیا تھا' فیشل کرالو' آئی برو بنالو' ہیئر کٹنگ کرالو' اچھی طرح تیار ہوا کرو یہ سب وہ اپنی بیٹی کو سکھا رہی تھیں۔ نہیں سکھایا تھا تو یہ کہ بیٹا کچن صاف رکھا کرو' برتن اکٹھے نہ کیا کرو' ہاتھ کے ہاتھ دھو دیا کرو۔ جھاڑو صحیح لگایا کرو' کونے کھدروں میں کچرا جمع رہ جاتا ہے۔ روٹی گول بنایا کرو' سالن کا مصالحہ ٹھیک بھونا کرو۔ وہ جیسی خود تھیں ویسی ہی ان کی بیٹی تھی' سارا دن اسد گھر میں کچرا پھیلائے رکھتا۔ وہ بھی صاف نہ کرتیں بس صبح جو ایک بار صفائی ہو جاتی تو دوبارہ نہ ہوتی۔ دادی اماں تو اوپر آتی نہ تھیں بے چاری کرن کے ہی چکر لگتے تھے' اسے گندگی برداشت نہ تھی سو اس کا اوپر دل ہی نہ لگتا ورنہ لائبہ سے اسے کوئی خاص بیر نہ تھا۔ کرن ماں کا پرتو تھی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت' سو دادی کو بھی اس کی فکر نہ تھی۔ فکر تھی تو لائبہ کی آخر کو ان کا خون تھی' نام تو ان کا ہی خراب ہونا تھا بیاہ کر جاتی تو یہ کہا جاتا کہ ''ماں نہ سکھا پائی تو کم از کم دادی ہی سکھا دیتیں۔'' مگر وہ دادی کے پاس بیٹھتی کب تھی ان کی سنتی کب تھی' جب سے گائے آئی تھی بے چارا اسد ہی فارغ اوقات میں نیچے آ جاتا تھا۔

گائے کے ساتھ کھیلتا رہتا' کرن سے اس کی بنتی بھی بہت تھی۔ عید میں تین دن رہ گئے تھے سفینہ لائبہ کے ہمراہ نیچے آئی تو کرن نے پہلو بدلا تھا' جانتی تھی تائی اماں بنا مطلب کے کبھی نیچے نہیں آتیں۔

''نجمہ! فارغ ہو تو ذرا یہاں آؤ۔'' دادی سے دعا سلام کے بعد انہوں نے کچن میں چائے بناتی نجمہ کو آواز دی تھی۔

''جی آئی بھابی!'' جھٹ چائے کی ٹرے کباب کے ہمراہ لے آئی۔

''بھئی وہ تم نے پچھلی عید پر بریانی اور پائے اتنے زبردست پکائے تھے نہ میری تو زبان سے ابھی تک اس کا ذائقہ نہیں گیا۔ کیا کروں تمہارے ہاتھ کا کھانا تمہارے جیٹھ جی کو بھی بڑا پسند ہے وہ تو بس یہی کہتے ہیں بھئی کھانا پکاؤ تو نجمہ کی طرح سو میں سوچ رہی ہوں کہ عید کے دوسرے دن کھانا تم پکاؤ اوپر' میرے بھی سب گھر والے آئیں گے' بھئی مجھ سے یہ سب اکیلے نہیں ہوگا۔ میں مدد کردوں گی تمہاری پھر یہ لائبہ اور کرن بھی تو ہیں ویسے بھی تو عید تو ہم سب مل کے ہی مناتے ہیں نا۔'' وہ فطرتی مطلبی تھیں دل میں دیورانی کے خلاف بغض پالے' اپنا کام نکلوانے کے لیے وہ اوپری دل سے اس کی تعریف میں رطب اللسان تھیں دادی اماں نے اشارے سے نجمہ کو منع کرنا چاہا تھا۔

''بھئی جب قربانی الگ کر رہی ہو' دعوت تم کر رہی

ہوتو نجمہ کیوں کام کرے؟'' اس سے پہلے کہ نجمہ ہاں کرتی دادی فوراً بول پڑی تھیں۔ سفینہ نے دل ہی دل میں اپنی ساس کو کوسا تھا۔

''ارے نہیں امی! آپ کیسی باتیں کررہی ہیں، بھابی صحیح تو کہہ رہی ہیں اتنا سب وہ اکیلے کیسے کریں گی۔ میں آجاؤں گی بھابی، آپ فکر نہ کریں۔'' نجمہ نے فوراً ساس کی بات کی نفی کی، کرن کو بھی بہت غصہ آیا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کون سا نجمہ کے میکے والوں کو بلایا تھا سفینہ نے مگر وہ نجمہ تھی ہر کام میں آگے۔

''شکریہ نجمہ!'' سفینہ نے چائے پیتے ہوئے کہا پھر کام کا بہانہ کرکے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لائبہ بھی ماں کے پیچھے ہوئی جو کام کرنے آئے تھے وہ تو ہو ہی گیا تھا جاتے جاتے انہوں نے اپنی قربانی کی گائے تک کو دیکھنا گوارا نہ کیا تھا بلکہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے منہ پر کپڑا رکھ لیا تھا تاکہ بدبو نہ محسوس ہو۔

❀......❀......❀
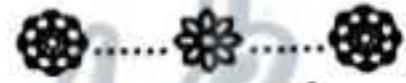
عید قرباں کا دن بھی آن پہنچا تھا احمد اور زاہد نے مل کے گائے ذبح کی تھی اب باقی کی ذمہ داری خواتین کی تھی احمد نے سارا گوشت سفینہ کے آگے لاکے رکھ دیا تھا۔

''ارے بھئی یہ کیا کررہے ہیں آپ، بھلا میں کب سے گوشت وغیرہ بنانے لگی۔ آپ نجمہ کو دیں یہ سب، مجھے تو متلی شروع ہوجاتی ہے ابھی تو اتنا کام ہے کل کا۔'' سفینہ نے ہاتھ جھاڑے تھے۔ جبکہ نجمہ چپکے چپکے رو رہی تھی ایک ہفتہ میں اسے اس پیارے سی گائے سے اتنی محبت ہوگئی تھی۔ اپنے ہاتھ سے کھلاتی تھی، نہلاتی تھی صفائی کرتی تھی اور اصل قربانی بھی تو یہی ہے اپنی پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا۔ سفینہ کو کب قربانی کے اصل مفہوم سے آگہی تھی اس کے لیے تو دکھاوا ضروری تھا، دعوت ضروری تھی۔ نجمہ نے سارا گوشت صاف کرکے غریبوں کا حصہ الگ کیا۔ سفینہ چیخی تھیں مگر کسی نے ان کی نہ سنی پھر سفینہ کی ہدایت کے مطابق رشتہ داروں کے حصے بنادیے۔ گوشت پکایا مگر نجمہ سے کھایا نہیں گیا اس کا دل اداس تھا۔

❀......❀......❀

آج صبح سے ہی نجمہ اوپر تھی، اپنی بھابی کے ہدایت ناموں پر کسی مشین کی طرح عمل کررہی تھی۔ لائبہ کیا خاک کام کراتی اسے تو فیشن پرستیوں سے فرصت نہ تھی۔ کرن کا دل جل رہا تھا، ماں صبح سے کام میں لگی تھی مجبوراً کرن نے ہی ان کی مدد کی۔ دادی اماں اوپر آئی نہیں تھیں، شام کو سب مہمان آنا شروع ہوگئے تھے کرن بھی نیچے آگئی تھی سلیقے سے تیار ہوئی وہ کہیں سے بھی اوور نہیں لگ رہی تھی جبکہ لائبہ نے بے تحاشا میک اپ تھوپ رکھا تھا جو بھی مہمان آیا وہ نیچے ہی آیا تھا۔ صاف ستھرا گھر اپنی سلیقہ مندی کا ثبوت دے رہا تھا جو آیا سراہ کے گیا۔

نجمہ نے تمام مہمانوں کو پہلے کولڈرنک اور گھر میں بنے سموسے سرو کیے پھر سب مل کے اوپر چلے گئے۔

کرن نے جان بوجھ کے اوپر کی صفائی ستھرائی پر توجہ نہیں دی تھی اس کا ماننا تھا کہ اس کی تائی اماں کے گھر والوں کو بھی تو پتا چلے کہ وہ کتنی سلیقہ مند ہیں نجمہ تو خود بے چاری کچن میں مصروف تھی صبح سے۔ اس نے سوچا تھا کہ کم ازکم صفائی وغیرہ تو بھابی خود ہی صحیح سے کرلیں گی مگر دیواروں پر لٹکے جالوں اور جگہ جگہ کارپٹ پر مٹی دیکھ کے وہ بھی شرمندہ ہوگئی تھیں۔

سفینہ کی بھابی آسیہ نے ہر چیز نوٹ کی تھی یہ وہی بھابی تھیں جن کے بیٹے سے سفینہ لائبہ کا رشتہ کرنا چاہتی تھیں ان کا بھتیجا انجینئر تھا خوب صورت تھا اور کیا چاہیے تھا۔

''بھئی کھانا تو بہت زبردست پکا ہے۔'' پائے، شامی کباب، بریانی، بہاری بوٹی اور میٹھے میں کھیر اور کسٹرڈ جیسے کئی لوازمات تھے سب ہی نے کھانے کو سراہا تھا۔

''ہماری چچی کھانا پکاتی ہی ایسا ہیں کہ انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ۔'' اس سے پہلے کہ سفینہ سارا کریڈٹ اپنے سر لیتیں چودہ سالہ میٹرک کے اسٹوڈنٹ اسد نے سچ بتاتے ہوئے اپنی ماں کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

''وہی تو کبھی ایک دو بار میں نے سفینہ کے ہاتھ کا کھانا کھایا ہے جب ہی تو میں سوچ رہی تھی کہ یہ سفینہ کے ہاتھ کا نہیں۔ بھئی واہ نجمہ! تمہارے ہاتھ میں تو بڑا ہی ذائقہ ہے یقیناً تمہاری بیٹی بھی اچھا پکاتی ہوگی۔'' آسیہ نے پہلے نجمہ کو پھر کرن کو ستائشی نظروں سے دیکھا تھا سفینہ بل کھا کے رہ گئی تھیں۔

''جی شکریہ!'' نجمہ مسکرائی' کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا جو کرن نے بنائی تھی۔ لائبہ کو کہاں فرصت تھی کچن میں جانے کی' آسیہ سفینہ کو اک سائیڈ پر لے گئی تھیں۔

''تمہاری بھتیجی کرن کی کہیں بات وغیرہ تو طے نہیں ہوئی۔'' سوال ایسا تھا سفینہ ٹپٹا گئی تھیں۔

''کیوں بھابی...... خیریت؟'' وہ یہی بول پائی تھیں۔

''تمہیں پتا تو ہے میں اپنے بیٹے نائل کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہوں تم پچھلی بار آئی تھیں تو تمہیں بتایا تھا نہ میں نے۔ بھئی میں تو بیٹی کی ماں کو دیکھ کر لڑکی پرکھتی ہوں' جیسی ماں ہوتی ہے ویسی بیٹی۔ تمہاری دیورانی ساس کے ساتھ ابھی تک نباہ رہی ہے' تمہارا بھی اتنا کام کرتی ہے اتنی سلیقہ مند ہے بھئی اس کی بیٹی بھی اس کے جیسی لگتی ہے' میں تو اسی سے نائل کا رشتہ کروں گی۔ تم بتاؤ اس کا رشتہ ہوا کہ نہیں پھر میں تمہاری ساس سے بات کرلوں گی۔'' وہ سفینہ کے دھواں ہوتے چہرے کو نظر انداز کیے بنا اپنی بات کہنے میں مصروف تھیں۔

''مگر بھابی! لائبہ بھی تو آپ کی بھتیجی ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ کرن کا رشتہ کیسے مانگ سکتی ہیں۔'' سفینہ نے دوٹوک بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

''برا مت ماننا سفینہ مگر میرا ایک ہی بیٹا ہے میں نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے الگ رہے جس طرح تم اپنی ساس سے نہ نبھاہ کر پائیں' ہوسکتا ہے کہ تمہاری بیٹی بھی نہ نباہ کر پائے اور تمہاری اور لائبہ کی سلیقہ مندی تو مجھے پتا ہی ہے۔ میں جانتی ہوں تم نے یہ دعوت بھی اسی لیے رکھی' اتنی قربانی کی مگر سفینہ تم مجھے عزیز ہو اسی لیے سمجھا رہی ہوں کہ قربانی کسی دکھاوے کا نام نہیں ہے۔ قربانی تو وہ ہے کہ ہم اپنے جانور کو عزیز رکھیں' خدمت کریں' گھن نہ کریں پھر اپنی پیاری چیز اللہ کی راہ میں قربان کر کے غریبوں کی مدد کریں۔ ہم تمہاری دعوت اس لیے کرتے ہیں کہ تم اس گھر کی بیٹی ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے دکھاوا سمجھو اور دکھاوے کے لیے تم بھی دعوتیں کرتی پھرو۔ عید قرباں کا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ اسد نے مجھے بتایا کہ مامی ہم تو الگ گائے لائے لیکن نیچے قربانی کی' چچی نے سب کام کیا ہے۔ وہ بچہ ہے سچ بولتا ہے لیکن تم بڑی ہو بڑا پن دکھاؤ۔ میں تمہاری ساس سے بات کر کے آتی ہوں۔'' جنہیں آج تک کوئی آئینہ نہیں دکھا پایا تھا' انہیں آسیہ ایک لمحہ میں آئینہ دکھا گئی تھیں۔ انہوں نے قربانی کی' دکھاوا کیا اور ہار بیٹھیں لیکن یہ ہار ضروری تھی انہیں احساس دلانے کے لیے' اپنا کل سنوارنے کے لیے۔ وہ روئی نہیں تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ غلط ہیں' ابھی انہیں بہت کچھ کرنا تھا سب سے پہلے اللہ سے معافی مانگی تھی اس کے بعد نجمہ سے۔

آج سے انہیں اپنی گرہستی سلیقہ سے سنبھالنی تھی تاکہ کوئی بیٹی اپنی ماں کی وجہ سے بن بیاہی نہ رہ جائے۔ اس عید پر قدرت نے ان کے زرد آنچل میں آگہی کے ستارے بھر دیئے تھے' اب ہر صبح روشن ہونی تھی۔

مری وحشت علاج غم ہوئی ہے
کہ رونے سے اذیت کم ہوئی ہے
ہنسی آتی ہے اپنے آنسوؤں پر
کہ یہ برسات بے موسم ہوئی ہے

''مما میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ مجھے شاپنگ پہ ساتھ لے کر چلیں مجال ہے جو آپ کبھی میری بات مان لیں۔'' دعا نے رنگ برنگے کپڑے دیکھتے ہوئے نخوت سے کہا۔

''توبہ ہے جو اس لڑکی کو کبھی کچھ پسند بھی آجائے حد ہے بھئی ایسی لڑکی پورے خاندان میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے حسن پرست چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی خوب صورتی کو ڈھونڈتی رہتی ہے سارے جہاں کو مما کی پسند کی گئی چیزیں اچھی لگیں مگر یہ لڑکی انسان کو ذلیل وخوار کرا کے رکھ دے مما آپ اسے ساتھ ہی لے جایا کریں۔'' دعا سے بڑی رامین نے بہن کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جبکہ زینب بیگم چپ چاپ صوفے پر بیٹھی تھیں ایک تو سارا دن بازار میں پھرنے کی تھکاوٹ اوپر سے ان کی صاحب زادی کے نخرے۔ دعا تھی ہی ایسی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر ریجیکٹ کردیتی سارے خاندان میں حسن پرست مشہور تھی حتی کہ کالج میں بھی یہی معاملہ تھا دوستی بھی چن چن کے خوب صورت لڑکیوں سے کی ہوئی تھیں۔ محترمہ ناک پہ مکھی نہ بیٹھنے دیتیں بڑی اماں جب اسے سمجھاتیں خاندان کی دوسری لڑکیوں کی مثالیں دیتیں تو ہمیشہ وہ کھلکھلا کر کہتی۔

''بڑی اماں نایاب ہیں ہم' کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے۔''

☆☆☆

''بڑی اماں پلیز آپ مما اور بابا کو سمجھائیں یہ کیا نیا تماشا شروع کردیا ہے انہوں نے۔'' دعا نے رونی صورت بنا کر کہا۔

''اے لڑکی تمیز سے بات کرو آخر بتاؤ ہوا کیا ہے؟''

''بڑی اماں آپ کو نہیں پتا کہ آپ کے اس چہیتے پوتے شانزل کا رشتہ آیا ہے میرے لیے اور رامی آپی بتا رہی تھیں کہ بابا انہیں جلد ہی ہاں کہہ دیں گے کیونکہ تایا ابو نے کافی عرصہ سے بابا کو رشتے کا کہہ رکھا تھا اگر یہ

رشتہ ہوگیا تو یاد رکھیے گا میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی آپ میری صورت دیکھنے کو بھی ترس جائیں گی۔" دعا نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

بڑی اماں اس کی بات سنتے ہی مسکرانے لگیں انہیں یقین تھا جیسے ہی دعا کو رشتے والی بات کا پتہ چلے گا وہ انہی کے پاس آئے گی اور منتیں کرے گی آخر میں دھمکیاں دے گی۔

"دیکھو لڑکی والدین ہمیشہ اپنے بچوں کا بھلا ہی سوچتے ہیں تمہارا باپ مجھ سے اس رشتے کے سلسلے میں رائے لے چکا ہے اور میری طرف سے ہاں ہی ہے کیا کمی ہے ہمارے شانزل میں ماشاء اللہ پڑھا لکھا ہے خوبرو ہے اور......!" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتیں دعا نے چیختے ہوئے انہیں روکا۔

"بڑی اماں......!"

"یہ آپ نے اس جل ککڑے کالے کوے شانزل کو خوبرو کس خوشی میں کہا ہاں بولیں...... توبہ توبہ اللہ جھوٹ نہ بلوائے جو ایک بار اسے دیکھے دوسری بار دیکھنے کی ہمت خود میں نہ پائے۔" دعا ہمیشہ شانزل کی سانولی رنگت کو تضحیک کا نشانہ بناتی تھی۔

"اللہ پوچھے تم سے دعا نجانے کب سدھرو گی تم، کتنی بار سمجھایا ہے میں نے تمہیں ایسی بات نہ کیا کرو مگر تم بھی نجانے کس مٹی کی بنی ہو کوئی بات پلے ہی نہیں پڑتی چیخنا چلانا بند کرو، جاکر اپنے باپ کے سامنے انکار کرو۔" بڑی اماں نے ناراضگی سے کہتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیرلیا۔

......☆☆☆......

فیاض احمد اور رضا احمد دو ہی بھائی تھے ان کے والد کے انتقال کو دس سال گزر چکے تھے دونوں بھائی اپنی ماں پر جان چھڑکتے تھے چونکہ رضا احمد چھوٹے تھے اور لاڈلے بھی زیادہ تھے بڑی اماں انہی کے پاس رہتی تھیں، شانزل اکثر انہیں زبردستی اپنے گھر لے جاتے۔ فیاض احمد کے دو بچے رومیلہ اور شانزل جبکہ رضا احمد کے تین بچے دو بیٹیاں رامین اور دعا، ایک بیٹا علی جو سب سے چھوٹا تھا۔

فیاض صاحب کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ وہ دعا کو اپنی بہو بنائیں نٹ کھٹ سی چھوٹے بچوں کی طرح شرارتیں کرتی دعا انہیں بے حد عزیز تھی وہ اپنی خواہش کا اظہار کئی بار رضا صاحب کے سامنے کرچکے تھے۔ اب کی بار انہوں نے اس سلسلے میں تفصیل سے بات کی تھی وہ شانزل کی شادی جلد از جلد کرنا چاہتے تھے رومیلہ کی شادی کے بعد گھر کی ساری رونقیں ہی ختم ہوگئی تھیں۔

رضا صاحب نے گھر آکر سب سے پہلے ساری بات بڑی اماں کو بتا کر ان کی رائے مانگی تھی وہ اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتے تھے رشتہ کرنے سے پہلے سب کا اور خصوصاً دعا کا راضی ہونا ان کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

رامین نے مما کی زبانی جب اس رشتے کا سنا تب سے وہ بہت خوش تھی شانزل جیسا پیارا شخص اس کی بہن کا نصیب بنے گا اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہوتی۔

......☆☆☆......

دعا کے رونے دھونے اور انکار کے باوجود تایا ابو کو ہاں کردی گئی تھی اور وہ آج نکاح کی رسم ادا کرنے آئے تھے۔ دعا کا غصے سے برا حال تھا اس کی سب تدبیریں ناکام ہوگئی تھیں بڑی اماں اس سے سخت ناراض تھیں کیونکہ ان کے سامنے دعا نے ان کے لاڈلے پوتے کی شان میں گستاخی کی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو بہرحال وہ اپنے بابا سے بہت پیار کرتی تھی اور ان کو انکار کرنا ناممکن تھا۔

"ماشاء اللہ ہماری بٹی تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔" تائی امی نے اسے دیکھتے ہی بلائیں لی نکاح کی رسم کی جاچکی تھی سب بے انتہا خوش تھے دعا نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا اس کا دل کررہا تھا یہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے سب خواب

چکنا چور ہوگئے تھے کبھی کبھی دوسروں کی خاطر انسان وہ کام بھی کرلیتا جو اس کے لیے بہت مشکل ہوں اپنے خوابوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھنا اس کے لیے بہت کٹھن تھا اپنے گھر والوں کی خوشی کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ اس نے پی لیا تھا بے اختیار اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''آپی۔'' اس نے قریب بیٹھی رامین کا ہاتھ پکڑا۔

''پلیز مجھے کمرے میں لے چلیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' رامین فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی مما سے کہہ کر وہ اسے روم میں لے آئی جہاں اسے کھل کر رونے کا موقع مل گیا تھا۔

''دعا پلیز چپ کرو تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔'' رامین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرے سب خواب ٹوٹ گئے رامی آپی آپ کے ساتھ یہ سب ہوتا تو آپ کو پتہ چلتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ہمارے لیے وہ فیصلہ کرنا جس میں دل کو مارنا پڑے۔ اس وقت مجھے جو تکلیف محسوس ہورہی ہے وہ صرف میں جانتی ہوں۔'' وہ رامین کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''دعا شانزل بہت اچھا لڑکا ہے میں یقین سے کہہ سکتی ہوں وہ ایک بہترین ہم سفر ثابت ہوگا بیکار اور فضول کی باتیں سوچنا بند کرو اب بس۔'' رامین کی باتوں کا ہی اثر تھا اس کے آنسو بہنا بند ہوگئے تھے۔

......☆☆☆......

شادی کی ڈیٹ عیدالاضحیٰ کے بعد رکھی گئی تھی رامین کی رخصتی بھی دعا کی ساتھ ہی ہونی تھی۔ رامین خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی ہر چیز اپنی پسند سے لے رہی تھی بقول بڑی اماں جب استعمال ہی ساری چیزیں دلہن نے کرنی ہیں تو کتنا اچھا ہو وہ اپنی ساری شاپنگ اپنی پسند سے خود کریں۔

دعا کی طرف سے مکمل خاموشی تھی اس نے سارا اختیار مما دیدیا تھا کہ جو بھی شاپنگ وہ کریں گی وہی اسے بھی پسند آجائیں گی زینب بیگم نے حیرت سے

اسے دیکھا تھا کیا واقعی یہ انہی کی دعا ہی ہے نا؟ ہر چیز اپنی پسند سے لینے اور دوسروں کی پسند کی ہوئی چیزوں سے کوسوں دور بھاگنے والی ان کی نک چڑھی بیٹی میں اتنی بڑی تبدیلی اچانک کیسے آگئی تھی۔

☆☆☆

''بڑی اماں کیا آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟'' اپنے تخت پر لیٹی ہوئی بڑی اماں کے سر پر دعا نے پیار سے ہاتھ رکھا۔

''میں نے آپ سے معافی مانگ لی پھر بھی آپ ناراض ہیں؟'' اس کی بھرائی ہوئی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی، بڑی اماں نے اٹھ کر اسے اپنے نحیف بازوؤں میں بھر لیا میری بچی بھلا میں تم سے ناراض ہوسکتی ہوں میں تو بس تمہیں ذرا سا احساس دلا رہی تھی اپنوں کی ناراضگی اور ذرا سی دوری سے کس قدر تکلیف ہوتی ہے تم تو میری جان ہو میری لاڈلی بیٹی میری شہزادی۔'' بڑی اماں نے اس کے آنسو پونچھ کر پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''بڑی اماں میں نے بہت غلط کیا اپنے ساتھ آپ سب کے ساتھ میں غلط تھی مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، خوب صورتی ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں، خوب صورت ہونا اہم نہیں سیرت اور اخلاق اگر انسان کا اچھا ہو تو آپ ساری دنیا کو خوب صورت لگیں گے میں نے ہمیشہ خوب صورت سے خوب صورت چیزوں کو ترجیح دی۔ کچھ قصور تو آپ سب لوگوں کا بھی تھا آپ لوگ اگر ہمیشہ میری ضد پوری نہ کرتے تو حسن میری ترجیح کبھی نہ ہوتا رہی سہی کسر میری کالج فرینڈز نے پوری کردی بڑی اماں وہ ہمیشہ مجھے اس بات کا شدت سے احساس دلاتی تھیں کہ میرے لیے تو کوئی شہزادہ آئے گا جو مجھ سے بڑھ کر حسین ہوگا جتنی حسین میں ہوں اس سے بڑھ کر خوب صورت چیزیں مجھے ملنی چاہیں مگر اب مجھے احساس ہوگیا ہے اللہ پاک ہمیشہ ہم سے بہتر چیزیں لے کر بہترین عطا فرماتا ہے ہمیں اللہ کی رضا میں راضی رہنا چاہیے وہ جو بھی کرتا ہے ہماری بھلائی کے لیے ہی کرتا ہے ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے میں نے بہت ناشکری کرلی مگر اب آپ کی دعا سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی آپ کی دعائیں قبولیت کا درجہ پاچکی ہیں۔'' دعا نے مسکراتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا۔

رامین جو بڑی اماں کو چائے دینے آئی تھی اور اتفاقاً ان کی ساری باتیں سن چکی تھی دعا کی اس تبدیلی پر منہ کھولے ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اور حیرت سے دعا کو تکنے لگی۔

''آپی منہ بند کریں مکھی چلی جائے گی۔'' دعا نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ بڑی اماں کی ہنسی بھی کمرے میں گونج اٹھی تھی۔

ضروری تو نہیں صرف خوب صورتی کو اہمیت دی جائے؟ جو وقت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے دیر سے ہی سہی پر دعا کو بھی اس بات کی سمجھ آگئی تھی اس نے شکر ادا کیا اور اللہ کے فیصلے پر مطمئن ہوگئی۔ دیکھنے والی آنکھ اگر خوب صورت ہو تو ساری دنیا خوب صورت لگتی ہے دعا کی آنکھوں سے حسن کی پٹی اتری تو اسے سب کچھ خصوصاً شانزل بہت پیارا لگنے لگا تھا وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کر تائی امی کے گھر جانے کے لیے تیار ہونے لگی یہ خیال آتے ہی کہ شانزل اس وقت گھر پر ہوگا اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

فصل گل ہے

زینب چوہدری

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی

اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہے مراسم ترے، صیاد سے بھی

''شہریار بھائی! جلدی سے پنڈ پہنچو اماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' نگی کی روتی آواز سن کے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دوسری طرف وہ بھی ایسی غیر ذمہ دار کہ بس یہ جملہ بولتے ہی کھٹ سے فون بند کردیا۔ مجھے اس پر خوب تاؤ آیا۔

''حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی۔'' میں نے نمبر ملایا لیکن بے سود وہی جذبات سے عاری آواز ابھری۔

''آپ کا ملایا ہوا نمبر اس وقت بند ہے۔'' میں نے جھنجلا کر فون بیڈ پر دے مارا۔

''پتا نہیں اچانک اماں کو کیا ہوگیا ہے پرسوں تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔'' میں پیکنگ کرتے ہوئے مسلسل اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ آخر پیکنگ مکمل ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ ''حریم کو فون کر کے بتادوں پتا نہیں وہاں کتنے دن لگ جائیں۔ کہیں اماں...... لاحول ولا...... یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔'' میں نے خود کو ڈپٹا اور حریم کا نمبر ملانے لگا۔

حریم میری کلاس فیلو رابعہ کی روم میٹ تھی، پتا نہیں دونوں کی دوستی کیسے ہوگئی تھی کیونکہ حریم رابعہ سے تین چار سال چھوٹی تھی۔ شاید اس لیے کہ دونوں ایک کمرے میں رہتی تھیں۔ وہ کسی فنکشن پر ہماری یونیورسٹی آئیں ہمارا فلمی قسم کا ٹکراؤ ہوا اور میں اسے دل دے بیٹھا وہ البتہ بڑی مشکل سے لائن پر آئی تھی۔ گندمی رنگت کی نازک سی لڑکی تھی، مجھے سب سے زیادہ اس کے بال خوب صورت لگتے تھے، کمر سے نیچے تک آتے کالے سیاہ بال جو اوپر سے بالکل سیدھے جب کہ نیچے آتے آتے لچھوں میں تبدیل ہوجاتے تھے۔ لڑکیوں کے لمبے بال ہمیشہ سے میری کمزوری رہے تھے میں اس کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اس کی آواز نے مجھے ہوش میں لا پٹخا۔

''منہ سے کچھ پھوٹو بھی، کب سے ہیلو ہیلو بول رہی ہوں۔''

''ہیلو حریم! یار میں اماں جارہا ہوں گاؤں بیمار ہوگیا ہے۔''

''کیا...... تم پاگل تو نہیں ہوگئے؟'' اس کی تیز آواز ائیر پیس سے ابھری، میں نے ریسیور پیچھے کر کے بروقت اپنے کان کے پردے کو پھٹنے سے بچایا۔

''مم...... میرا مطلب ہے اماں بیمار ہوگئی ہیں، اس لیے میں گاؤں جارہا ہوں'' بوکھلاہٹ میں الٹا بول گیا شاید۔

''تم بھی جارہے ہو؟'' سارا زور ''بھی'' پر ڈالتے ہوئے اس نے بھاں بھاں کر کے رونا شروع کر دیا۔

''کیا مطلب میں بھی...... میرے علاوہ کوئی اور لور بھی ہے تمہارا۔'' میں غصے سے اکڑا۔

''بکواس مت کرو۔'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ مجھے لگا اگر میرے کان کا پردہ پہلے بچ گیا تھا تو اب ضرور پھٹ گیا ہوگا۔ میں نے جلدی سے ریسیور ہٹا کے کان میں انگلی ڈالی۔ خیر رہی خون نہیں نکلا۔

''یہ حریم تو کسی دن میری جان لے کے چھوڑے گی۔''

''میرا مطلب تھا میں بھی جارہی ہوں اور اب پتا نہیں کتنے دن ہم بات نہیں کرسکیں گے۔'' وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں یار! یہ تو واقعی مسئلہ ہے چلو ہمت مرداں مدد خدا' واپس آ کے بات بلکہ باتیں کریں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کی ورنہ سچ تو یہ تھا کہ میرا اپنا دل بھی اس سے بات نہ کرنے کے خیال سے ڈوب رہا تھا۔

''میں مرد نہیں ہوں جو تم کہہ رہے ہو ہمت مرداں مدد خدا۔'' وہ منہ بگاڑ کے بولی۔

''چلو' ہمت عورتاں مدد خدا' کہہ لیتے ہیں۔'' میں نے قہقہہ لگایا تو وہ بھی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر میں ایک دم ہلکا پھلکا ہوگیا۔

''اچھا یار میں لیٹ ہو رہا ہوں' واپس آ کے بات کروں گا' اپنا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔'' میں نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور بیگ اٹھا کے گھر سے باہر نکل آیا۔

''صاب جی کھلونے لے لو۔'' میں ریل کے انتظار میں اسٹیشن پر بیٹھا تھا کہ ایک بچہ کھلونے لیے میرے پاس آیا۔

''میں تمہیں کاکا لگتا ہوں جو اِن کھلونوں سے کھیلوں گا؟'' مجھے غصہ آیا وہ ٹانگ برابر بچہ مجھے کھلونے دے کر میری بے عزتی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''صاب جی اپنے بچوں کے لیے لے لو۔'' وہ کھلونے ہاتھ میں اٹھائے دو قدم آگے آیا۔

''نہیں شکریہ! مجھے نہیں چاہئیں۔'' میں نے جان چھڑانی چاہی۔

''لے لونا صاب!'' وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

''کہا نا نہیں چاہیے۔'' میں سخت لہجے میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا مگر اس نے جھٹ میری ٹانگ پکڑلی اور ''لے لونا صاب'' کی گردان کرنے لگا۔ میں نے اپنی ٹانگ چھڑانی چاہی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ میں نے غصے میں اپنی ٹانگ کھینچ کر آگے بڑھائی تو وہ بھی میری ٹانگ کے ساتھ لڑھکتا ہوا آگے آ گیا۔

''اُف......'' ناچار اس سے دو کھلونے لے کر بمشکل اپنی ٹانگ کو رہائی دلائی۔ ''نگی کے دونوں بچوں کو دے دوں گا۔'' میں نے سوچا اور مطمئن ہوتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

❁......❁......❁

''ماموں...... ماموں......'' چار گھنٹے ٹرین میں جھک مارنے کے بعد میں گھر پہنچا تو کوئی آٹھ دس بچے میری ٹانگوں سے لپٹ گئے جو تھوڑے بڑے تھے۔ انہوں نے میرے بازوؤں تک رسائی حاصل کی۔

''ماموں یہ کھلونے کس کے ہیں؟'' ان آفتوں کی نظر سب سے پہلے میرے ہاتھ میں موجود کھلونوں پر ہی پڑی۔

''ارمان اور احمد کے۔'' میں نے بوکھلاہٹ میں

ان سب کو پیچھے ہٹایا۔ ''تم سب بھی آئے ہو؟'' حیرت سے آنکھیں پھٹنے لگیں وہ سب کورس میں بولے۔

''جی......''

''یقیناً ان کی امائیں بھی آئی ہوں گی۔ اُف میرے خدا مجھے لگتا ہے یہ دن میری زندگی کے مشکل ترین دن ہوں گے۔'' میں چار بہنوں کا اکلوتا بے چارہ سا بھائی اور وہ چاروں گاؤں میں ہی چوہدریوں' ملکوں کے گھر بیاہی ہوئی تھیں۔ نگی مجھ سے چھوٹی اور باقی تینوں بڑی تھیں اور ان کے یہ درجن بھر بچے۔

''اُف میرے خدا!'' میں نے بمشکل ان سے جان چھڑائی اور اماں کے پاس بھاگا۔ اماں کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھیں اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو بالکل صحت مند نظر آرہی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اماں کی بیماری ڈھونڈنی چاہی۔

''بسم اللہ...... بسم اللہ...... میرا پتر آیا ہے۔'' اماں نے دونوں بازو پھیلائے میں سب کچھ ذہن سے جھٹک کے آگے بڑھا ہی تھا کہ نغمانہ باجی' سکینہ اور نجمی باجی روتی ہوئی دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئیں۔

''اللہ معاف کرے یہ چاروں جب روتی تھیں تو لگتا تھا جیسے کوئی پھٹپھٹی موٹر سائیکل بغیر سائلنسر کے اسٹارٹ ہوئی ہو۔''

''اماں دیکھا...... دیکھا آپ نے اپنے لاڈلے کے کرتوت۔'' نغمانہ باجی اپنے نادیدہ آنسو خشک کرتے ہوئے بولیں تو میں اچھل پڑا۔

''کہیں ان سب کو حریم کے بارے میں پتا تو نہیں چل گیا۔'' میں نے اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑائے مگر سکینہ باجی کی اگلی بات نے مجھے لگام کھینچنے پر مجبور کردیا۔

''اماں یہ صرف نگی کے بچوں کے لیے کھلونے لایا ہے' ہم تو جیسے سوتیلے ہیں نا اس کے۔ آج تک ہمارے بچوں کے لیے تو کچھ نہیں لایا۔''

'' چلو جی' کھودا پہاڑ نکلا چوہا وہ بھی مرا ہوا۔'' میں نے کھا جانے والی نظروں سے تینوں کو دیکھا جو میرا سانس خشک کرچکی تھیں۔ نغمانہ باجی سر پکڑ کے چارپائی پر بیٹھ گئیں اور ایک مرتبہ پھر زور و شور سے رونا شروع کردیا اور مجھے لگا جیسے ایک دفعہ پھر پھٹپھٹی اسٹارٹ ہوگئی ہو۔

''اوفوہ باجی! ایسی بات نہیں ہے میں سمجھا صرف نگی آئی......'' میں نے کہا مگر میری بات درمیان میں ہی کاٹ دی گئی۔

''نہیں نہیں...... شک تو مجھے پہلے ہی تھا مگر آج تُو نے ثابت کردیا ہے تو ہمیں سوتیلی بہنیں سمجھتا ہے' ہم آج ہی چلے جائیں گے یہاں سے۔'' یہ بات نغمانہ باجی کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا تھا' اماں بھی بوکھلا گئیں۔

''نی کھوتیوں وہ ایسا کچھ نہیں سمجھتا' ایسے ہی رو رو کے خود کو ہلکان کررہی ہو۔ اچھا ٹھہر جا میرا پتر تُو جاکے ان کے بچوں کو بھی چیز دلادے۔'' اماں نے پچکارا۔

''کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں؟'' میں ایسے اچھلا جیسے مجھے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ ''میں ان کو کہیں نہیں لے کے جاؤں گا۔'' اپنے متوقع حشر کا سوچ کر میں لرز گیا' ان شرارتی بچوں کے ساتھ جانے سے بہتر تھا کہ میں بہنوں کی ناراضگی سہہ لیتا۔ نجمی نے ایک زوردار چیخ ماری اور فرش پر لڑھک گئی۔

''دیکھا...... دیکھا اماں! ایسے ہوتے ہیں بھائی۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

''تو کیا بھائیوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟'' میں بڑبڑا کے رہ گیا' اماں گھبرا گئیں۔

''شہریار تُو نے سنا نہیں' جالے جا ان کو۔'' ماں تحکمانہ لہجے میں بولیں۔ میں نے بے چارگی سے ایک نظر اماں کو دیکھا اور پھر ان تینوں کو۔

''اچھا انہیں صاف کپڑے تو پہنادو۔'' میں نے ایک آخری کوشش کرنی چاہی۔

''اماں اسے اب ہمارے بچے گندگی کا ڈھیر لگتے

ہیں' ہائے اب ہم کدھر جائیں گے۔ ایک ہی بھائی تھا وہ بھی ایسا نکلا۔'' انہوں نے بھاں بھاں کرکے رونا شروع کیا میں بوکھلا کے باہر نکل گیا۔ واپسی پر میرا موڈ کافی خراب تھا۔ ان تمام بچوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلادی تھیں۔ گھر آتے ہی میں سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا' تین گھنٹے کی نیند کے بعد میں قدرے پرسکون ہوا۔ ابھی سستی سے لیٹا حریم کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دروازہ بج اٹھا۔

''کون ہے؟'' میں نے لیٹے لیٹے اونچی آواز میں بولا۔

''صاب جی میں شبو..... آپ کو وڈی چوہدرانی بلا رہی ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے' تم جاؤ میں آتا ہوں۔'' میں بھرپور انگڑائی لیتے اٹھ بیٹھا۔

''حریم کیا کررہی ہوگی بھلا اس وقت؟'' میری سوچیں پھر بھٹک گئیں۔ ''اسے میری آنکھیں بہت اچھی لگتی تھیں' وہ کہتی تھی تمہاری ان شہد رنگ آنکھوں پر میں دنیا وار کر پھینک سکتی ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور بیڈ سے اتر کے واش روم چلا گیا۔ فریش ہوکے میں باہر نکلا تو حیران رہ گیا۔ پوری حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی جگہ جگہ لائٹیں جل رہی تھیں۔

''ماں صدقے! میرا پتر اٹھ گیا' کب سے انتظار کررہی ہوں تیرا۔'' اماں بڑا خوب صورت نفیس سا سوٹ پہنے میری طرف آئیں۔

''اماں! یہ شادی کس کی ہورہی ہے؟'' میں نے چمکتی دمکتی اماں کو دیکھا ان کی تو آج چھب ہی نرالی تھی۔

''چوہدری حبیب حیدر کے پتر شہریار حیدر کی۔'' اماں نے فخر سے گردن اکڑائی۔ مجھے لگا حویلی کی چھت میرے اوپر آ گری ہو۔

''مم..... میری..... شش..... شادی.....؟'' مجھے سانس لینے میں دقت ہورہی تھی۔

''ہاں پتر وہ جو تیرے چاچے کی دھی ہے نہ ہیرو..... اسی سے۔''

''ہیرو.....'' میری زبان لڑکھڑائی۔ میں نے اسے بچپن میں دیکھا تھا' وہ بہت موٹی تھی اور جتنی موٹی تھی اتنی ہی پھرتیلی بھی۔ جہاں کسی بچے نے غلط کام کیا اس کی پٹائی لگانے آجاتی۔ پورے گاؤں کے بچوں کا دادا بنی پھرتی' غنڈوں والا دادا۔ اسی لیے بچوں نے اس کا نام ہیرو باجی رکھ دیا تھا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ پھر سب ہی اسے ہیرو کہنے لگے۔ ہیرو باجی' ہیرو پتر' ہیرو بہنا وغیرہ کی آواز ہر وقت کانوں میں پڑتی رہتی۔ بھتی ناک اور سانولی رنگت والی وہ لڑکی مجھے شروع سے ہی زہر لگا کرتی تھی۔ بوائے کٹ بالوں کے ساتھ وہ جب اونچے اونچے قہقہے لگاتی تو اور بھی بُری لگتی۔ وہ کلاس فور میں تھی جب میں میٹرک کرنے شہر آ گیا پھر میں گاؤں بس دو چار بار ہی گیا مگر وہ مجھے نظر نہیں آئی' شہر میں اماں ابا مجھ سے خود ہی ملنے آجاتے تھے۔

''اماں..... میں اور اس سے شادی..... نہیں اماں یہ ظلم مت کرو۔'' میں کراہا۔

''میں یہ کرچکی ہوں' تھوڑی دیر میں نکاح ہے تیرا۔ مولوی صاحب آنے والے ہیں یہ کپڑے پکڑ اور جلدی سے تیار ہوجا۔'' اماں بے لچک لہجے میں بولیں تو مجھے بھی غصہ آ گیا۔

''ماں میں ہیرو سے شادی نہیں کروں گا۔'' میں فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ اماں ایسے اچھلیں جیسے انہیں بجلی کا ننگا تار چھو گیا ہو۔

''کیا بکواس کررہا ہے' باپ کی عزت اچھالے گا۔ تجھے پتا ہے نہ کہ تیرا باپ دل کا مریض ہے اس کا خون تیرے سر جائے گا۔'' اماں ناگواری سے تیز تیز بولیں' میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''اماں میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔'' میں نے ڈوبنے سے پہلے ہاتھ پاؤں چلائے حالانکہ اس کا فائدہ کوئی نہیں تھا۔

''جب تُو ہیرو کو دیکھے گا تو اپنی پسند بھول جائے گا۔'' اماں کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی' لہجے میں فخر تھا میں تلملا کر رہ گیا' دنیا کی کوئی بھی لڑکی حریم تو نہیں ہو سکتی نا چاہے وہ پریوں جیسی ہی کیوں نہ ہو اور یہ تو پھر ہیرو تھی۔

''اماں میں بتا رہا ہوں کہ میں بعد میں دوسری شادی ضرور کروں گا۔'' میں نے اماں کو دھمکایا مگر ادھر کمال بے نیازی کا عالم تھا۔

''میری ہیرو میں اتنے گن ہیں کہ تو کسی اور کی طرف دیکھ بھی نہیں سکے گا۔ چل جا اب تیار ہو جا۔'' اماں نے مجھے کمرے میں دھکیلا اور خود گنگناتی ہوئی چلی گئیں۔

❁......❁......❁

آف وائٹ شیروانی پر میرون کلاہ پہنے میں دنیا جہاں کی بے زاری چہرے پر سجائے کمرے سے باہر نکلا تو اماں نے کئی ہرے نیلے نوٹ مجھ پر سے وارے۔ وہ شاید میرے انتظار میں ہی کھڑی تھیں۔

''آج تو میرے پتر کو میری اپنی نظر لگ جائے گی۔'' اماں محبت سے بولیں میں نے ایک نظر اماں کو دیکھا۔ گلابیاں چھلکاتا چہرہ کہیں سے بھی بیمار نہیں لگ رہا تھا یعنی یہ ان سب کی سازش تھی۔ میرا دل چاہا میں نکی کی گردن مروڑ دوں۔

''چل پتر بسم اللہ کر بیٹھ جا۔'' اماں کی آواز مجھے سوچوں سے نکال لائی' میں نے سامنے دیکھا حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ سامنے بہت خوب صورت آٹھ سفید گھوڑوں والی بگھی کھڑی تھی۔

''اماں یہ......'' میں ہکلا گیا۔

''بھئی میرا اکو ایک پتر ہے' کیا اتنا بھی نہ کرتی تیرے لیے۔'' میں اماں کو دیکھ کے رہ گیا۔ بڑی شان سے بارات چلی' میرا ذہن مسلسل حریم کے گرد گھوم رہا تھا۔ ''میں کیسے اس کا سامنا کروں گا' نہیں اسے بتاؤں گا کہ میں جتنا بھی مغرور سہی مگر

لفظ لفظ موتی

☐ عورت کے ہاتھ بغیر مہندی کے بھی اچھے لگ سکتے ہیں اگر وہ خانہ داری میں مصروف ہو۔
☐ آنکھیں بنا کاجل کے بھی اچھی لگ سکتی ہیں اگر ان میں حیا ہو۔
☐ چہرہ بنا میک اپ کے بھی حسین لگ سکتا ہے اگر نامحرم کی نظر سے محفوظ ہو۔
☐ قد بنا اونچی ہیل کے بھی لمبا ہو سکتا ہے اگر کردار میں بلندی ہو۔
☐ بنا ورزش کے بھی عورت فٹ رہ سکتی ہے اگر نماز کی پابندی کرتی ہو۔
☐ لب بنا لپ اسٹک کے بھی خوب صورت لگ سکتے ہیں اگر درود پاک پڑھتے ہوئے ہلتے رہیں۔
☐ اگر اس قوم کی عورت آج بھی حیا کی چادر اوڑھ کر امہات المومنین کے نقش قدم پر چلنے لگے تو امت مسلمہ سنور سکتی ہے۔

جازیہ عباسی......دیول مری

ماں باپ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھ جائے گی ہاں۔'' میرا دل چاہا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے یہاں سے بھاگ کھڑا ہوں اس سے پہلے میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا دلہن کا گھر آ گیا۔ بگھی سے اترتا میں لوگوں کے ہجوم میں آگے بڑھا تو میرے اوپر پھولوں کی بارش ہونے لگی۔

''ہائے نی یہ ہیرو کا بندہ تو رج کے سوہنا ہے۔'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے میں نے سنا تو سر گھما کر بولنے والی کو ڈھونڈا۔ وہ ذرا فاصلے پر چمکیلے کپڑوں میں ملبوس اپنی جیسی لڑکی سے مخاطب تھی۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''اور وہ ہیرو؟ توبہ توبہ نہ رنگ تے نہ روپ۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

اس کے لہجے میں حسد تھا' میری مسکراہٹ سمٹ گئی۔ حریم کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا' کب

میں نے نکاح نامے پر دستخط کیے' کب دلہن کو میرے برابر بٹھایا گیا اور کب رخصتی ہوئی مجھے کچھ پتا نہیں چلا۔ میں روبوٹ کی طرح سارے کام کرتا رہا۔ مجھے رہ رہ کر ہیرو پر غصہ آ رہا تھا۔

''یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے' میں اسے کبھی کوئی خوشی نہیں دوں گا۔'' اب ساری زندگی سسکتے ہوئے گزارے گی ایک باغیانہ سوچ نے میرے اندر سر ابھارا۔

❀......❀......❀
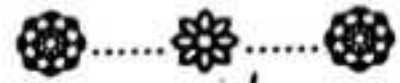
''میں شہریار حیدر! لمس یونیورسٹی کا پوزیشن ہولڈر اس جاہل کو بیوی بناؤں گا کبھی نہیں...... کبھی بھی نہیں۔ میں ہیرو کو سب کچھ بتادوں گا اور حریم سے شادی کرلوں گا۔ شہریار حیدر اپنے کمٹمنٹ کبھی نہیں توڑتا۔'' میں فیصلہ کر چکا تھا اسی لیے اطمینان سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

''شہریار!'' اماں کی آواز سن کے میرے قدم رک گئے' میں فوراً مڑا۔ وہ سلطان راہی بنی مجھے گھور رہی تھیں بس گنڈاسے کی کمی تھی۔

''کہیں اماں کو میرے خطرناک ارادوں کا پتا چل تو نہیں گیا؟'' میرا دماغ الٹی سائیڈ پر دوڑا۔ ''نہیں بھئی یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' میں اسے کھینچ کر اپنی جگہ پر لایا اور سوالیہ نظروں سے اماں کو دیکھا۔

''وے...... وے میں کدھر جاؤں عقلاں دیا کوریا (عقل کے کورے) وہٹی کو منہ دکھائی نہیں دیتی۔'' اماں نے اپنا ماتھا پیٹا۔

''منہ دکھائی تو ایسی دوں گا اماں کہ ساری عمر یاد کرے گی۔'' ایک زہریلی سوچ نے میرے اندر سر اٹھایا۔

''لے پھڑ۔'' انہوں نے خوب صورت سرخ مخملیں کیس میرے ہاتھ میں پکڑایا۔ ''اب جا بھی کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے میرا۔'' اماں مجھے ایسے ہی کھڑا دیکھ کر غصے سے بولیں۔

''اماں ایک بات پوچھوں؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اماں کو دیکھا۔

''نہیں' اب جاتا ہے یا میں اتاروں جوتی؟'' صاف چٹا انکار کرتے ہوئے اماں غضب ناک ہوئیں۔ میں خاموشی سے واپس مڑا' دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تو گلاب کے پھولوں کی خوش بو مجھ سے گلے ملی' وہ گھونگھٹ نکالے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ سرخ کپڑے پہنے وہ کوئی لال سیب ہی لگ رہی تھی۔ موٹی اتنی کے آدھا بیڈ تو اسی نے گھیرا ہوا تھا۔ شکر ہے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی اگر لہنگا ہوتا تو میرے بیٹھنے کی جگہ بھی نہ ہوتی۔ میں نے شیروانی اتار کے زمین پر ماری۔ کلاہ صوفے پر پھینکا' وہ صوفے سے ٹکرایا اور لڑھکتا ہوا زمین بوس ہوگیا مگر اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''ہیرو......'' میرے پکارنے پر وہ موٹی ذرا سا ہلی تو بیڈ یوں ہلا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

''ہیرو میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں' تم میرے ماں باپ کی پسند ہو میری نہیں اور میں بہت جلد اس سے شادی کرلوں گا۔'' میں کٹھور لہجے میں بولا۔

''کیا......؟'' اس نے یک دم گھونگھٹ الٹ دیا۔ کالی سیاہ رنگت پر لگی سرخ لپ اسٹک' میں نے فوراً آیت الکرسی کا ورد شروع کردیا۔

''تم ہیرو کے اوپر سوتن لانا چاہ رہے ہو؟'' وہ غضب ناک لہجے میں بولی تو مجھے پتا چلا اس کا آگے کا ایک دانت بھی ٹوٹا ہوا ہے۔

''ہیرو...... ہیرو باہر آ جا ورنہ تیرا یہ نام نہاد شوہر میرے ہاتھوں ضائع ہوجائے گا۔'' وہ شاید پاگل بھی تھی۔

''اماں ابا میں تم سب کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

''اُف زبیدہ! تم غصے میں کیوں آ گئی ہو' ہم نے تو مذاق کیا تھا اور تم نے سارے مذاق کا بیڑہ غرق

کر دیا۔'' نفیس سے لہنگے میں ملبوس وہ کوئی بہت اسمارٹ سی لڑکی تھی اس کی کمر میری طرف تھی اور میں اتنا حیران تھا کہ اتنا بے ہودہ مذاق کرنے پر آگے جا کے اس کا منہ بھی نہیں توڑ سکا بس چپ چاپ بت بنا ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

''جاؤ شاباش تم! میں دیکھ لوں گی۔'' اس نے موٹی کو باہر بھیجنا چاہا۔

''لیکن ہیرو......''

''اُف یار جاؤ تم میں دیکھ لوں گی۔'' اس نے اس موٹی کو باہر دھکیلا اور دروازہ بند کرکے میری طرف مڑی تو میرے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

وہ حریم تھی' سرخ اور مہندی رنگ کے لہنگے میں مکمل دلہن بنی وہ کوئی اپسرا لگ ہی رہی تھی۔ مجھے لگا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔

''حریم تم......؟'' میرے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا۔

''جی میں......'' دونوں بازو سینے پر باندھے وہ دو قدم آگے بڑھی' میں ہی ہیرو ہوں شہریار اور یہ سب ایک پلان تھا گو کہ یہ سب چھپانے میں مجھے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا مگر ہو گیا۔'' میں ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔

''کیا مطلب؟'' میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اتنے دنوں بعد اتنے خوب صورت روپ میں دیکھوں گا میرے حواس کام کرنا چھوڑ چکے تھے۔

''مطلب میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔'' وہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ''میں یہ بات بہت اچھے طریقے سے جانتی ہوں کہ بچپن میں میں تمہیں زہر سے بھی زیادہ بُری لگا کرتی تھی اور تم بھی مجھے اتنے ہی بُرے لگتے تھے کیونکہ تم بہت خودسر بدتمیز تھے۔ گاؤں کے لوگوں کو تم کسی خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ معصومیت میں تمہیں دوستی کی پیش کش کی مگر تم نے بُری طرح جھڑک دیا۔ میں نے تم سے کبھی بات نہ

کرنے کا فیصلہ کرلیا پھر تم چلے گئے۔ میں کلاس 9th میں تھی جب مجھے پتا چلا کہ میں تمہاری منگ ہوں۔ میں اس دن ٹوٹ کے روئی لیکن میں نے تمہیں سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔'' وہ چند چپ ہوئی اور میں حیرانگی سے ساری کہانی سن رہا تھا۔ وہ مجھے غلط سمجھی تھی میں بالکل بھی خودسر نہیں تھا۔ ہاں بس میری طبیعت تھوڑی نفیس تھی اسی لیے مجھے گاؤں کا ماحول بھی اچھا نہیں لگا۔

''پھر یونیورسٹی میں تم مجھے ملے' میں تمہیں اچھے سے جانتی تھی۔ اماں نے اتنی ڈھیر تصویریں لگائی ہوئی تھیں تمہاری' تم پاگلوں کی طرح میرے پیچھے آئے میں نے جان بوجھ کر تمہیں دھتکارا مگر پھر میرا یہ اپنا دل ہی میرے آگے ڈٹ گیا۔ میں جانتی تھی کہ تمہیں شادی کے لیے گاؤں بلایا جارہا ہے بس اسی لیے میں نے یہ چھوٹی شرارت کی۔ خالہ کو میں نے منع کردیا تھا کہ تمہیں یہ نہ بتائیں کہ میں نے بی ایس کیا ہوا ہے اور نام کی تو مجھے ٹینشن تھی ہی نہیں۔ سب ہیرو ہی بلاتے ہیں مجھے' تمہیں جاننے کے بعد مجھے پتا لگا کہ تم بہت خوب صورت طبیعت کے مالک ہو۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تم اپنے ماں باپ کے کتنے فرماں بردار ہو کیونکہ شہریار جو شخص اپنے ماں باپ کا نہیں ہوتا وہ پھر کسی کا نہیں ہوتا اور مجھے فخر ہے کہ میرا شریک حیات ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔'' وہ بولتے بولتے شرارت سے میری طرف جھکی' میرا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

''چلو اب تو تمہیں یقین آ گیا نہ آزما لیا نہ تم نے مجھے۔'' میں نے بے حد طنزیہ لہجے میں کہا اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ''پلیز اب جاؤ اور چینج کرکے سو جاؤ۔'' میں انتہائی روکھے لہجے میں بولا وہ انگلیاں چٹخاتی اٹھ کے میرے پاس آئی۔

''آئی ایم سوری شہریار! میرا مقصد تمہیں دکھی کرنا نہیں تھا۔'' وہ بہت آہستہ آواز میں بولی۔

''اٹس او کے' اب میری جان چھوڑ دو۔'' میرا لہجہ ویسا ہی تھا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میرا دل تڑپ گیا۔

''تم نے بھی تو مجھے اتنی دفعہ دکھی کیا تھا' میں نے ایک دفعہ کیا تو تمہیں کتنا بُرا لگا۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔ میں اس کی طرف مڑا اور ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''اچھا بس کرو اب۔'' میں نرم لہجے میں بولا اس کے آنسو میرا غصہ مکمل طور پر ختم کرگئے۔

''آئی ایم سوری شہریار!'' اس نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے' میں مسکرادیا۔

''تمہاری اس مسکراہٹ پر میں دنیا وار کے پھینک سکتی ہوں۔'' وہ مجھے دیکھتے ہوئے بڑے جذب سے بولی۔

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم میری آنکھوں پر......'' میں نے جملہ ادھورا۔

''ہاں تو آنکھوں پر بھی نا......'' وہ ہنسنے لگی۔

''میڈم دنیا چھوڑیں آپ صرف اپنی محبت وار دیں' یہ ہی بہت ہے۔'' میں شرارت سے بولتے اس کی طرف جھکا تو وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ اردگرد موجود گلاب کے پھول بھی مسکرانے لگے تھے۔

دھند کے بعد

ہما راؤ

نزدیکیوں میں دور کا منظر تلاش کر
جو ہاتھ میں نہیں ہے وہ پتھر تلاش کر
کوشش بھی کر امید بھی رکھ راستہ بھی چن
پھر اس کے بعد تھوڑا مقدر تلاش کر

"کیا محبت صرف خوب صورت لوگوں کا مقدر ہے؟ بدصورت لوگ ہر شے سے محروم رہتے ہیں؟" اس پر قنوطیت سنوار ہو رہی تھی' اسے ہمیشہ تقدیر سے شکوہ رہا تھا' آئینہ دیکھتی تو اسے تھوڑی سی بھی خوب صورتی نظر نہ آتی اور اس کا احساس محرومی مزید بڑھ جاتا۔

"ربیعہ! تمہارا دل شفاف آئینے جیسا ہے' تم میری نظر میں بہت حسین ہو۔" سلیمان نے سامنے بیٹھی لڑکی کو بے حد محبت سے دیکھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہونا......؟" وہ مشکوک ہوئی تھی۔

"بدگمانی محبت کو آلودہ کردیتی ہے۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

اس پل ربیعہ کو لگا وہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔ اسے خود پر ناز ہونے لگا تھا' اس نے دل و جان سے سلیمان پر اعتبار کرلیا تھا' اس کے سارے دکھ ختم ہوگئے تھے۔ بچپن سے وہ اپنے گھر میں' رشتے داروں میں مذاق کا نشانہ بنتی رہی تھی۔ اس لیے اسے ہر کسی کی محبت پر شک تھا۔

یونیورسٹی میں ایم ایس سی بائیولوجی کی کلاس میں سلیمان احمد سے اس کی دوستی انسیت' اپنائیت پھر محبت میں بدل گئی تھی۔ سلیمان احمد ذہین' اسمارٹ اور بے حد اچھے مزاج کا مالک تھا۔ اس کا تعلق حیدرآباد کے زمیندار گھرانے سے تھا۔

❁......❁......❁

"ربیعہ! تمہیں کیسی لگی تصویر؟" مما نے پوچھا۔

"آپ پلیز ان لوگوں کو منع کردیں۔" اس نے بے زاری سے تصویر ایک طرف رکھ دی۔

اعجاز پختہ عمر کا مرد تھا' جس نے والد کے انتقال کے بعد بڑی ذمہ داری سے رات دن محنت کرکے اپنے گھر کو چلایا تھا۔ چار بہنوں کو بیاہ دیا تھا' اب تنہا تھا اس کی بہنیں ربیعہ کو پسند کرگئی تھیں۔

"مگر کیوں؟ کوئی وجہ بھی تو ہو انکار کی۔" انہوں نے حیرت سے پوچھا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کی سب سے حساس سمجھدار بیٹی انکار کرسکتی ہے۔

"مجھے پسند نہیں ہے۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"بیٹا پسند نہ پسند تو تب ہوتی ہے جب سامنے بہت سے رشتے ہوں آج کل تو اچھی شکل و صورت کی لڑکیوں کے لیے بھی مناسب رشتے ملنا مسئلے بن گئے ہیں۔" انہوں نے بے ساختہ کہا۔

ربیعہ کو شدید دھچکا لگا اس نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا مگر وہ نگاہیں چرا گئیں۔

ان کا یونیورسٹی میں آخری دن تھا' سلیمان کی جدائی کے خیال سے اس کا دل بہت اداس تھا۔

''سلیمان تم جاتے ہی اپنے گھر میں رشتے کے لیے بات کرو گے نہ......''

''بالکل کروں گا۔'' سلیمان نے مینو کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ نہ مانے میرے لیے......؟'' اس کا خدشہ زبان تک آیا۔

''ربیعہ میں تم سے محبت کرتا ہوں' تم سے ہی شادی کروں گا۔ اس لیے میرے گھر والے تمہارے گھر رشتہ مانگنے آئیں گے۔'' اس نے یقین دلایا' ربیعہ کو اطمینان ہوگیا سلیمان چلا گیا وہ انتظار کرنے لگی۔

دوسرے دن اس کا نمبر بند جارہا تھا' تیسرے دن سارا دن نمبر ملایا نمبر مسلسل بند جارہا تھا۔ ربیعہ کا دل ڈوب گیا۔ سلیمان نے میری تصویر دکھائی ہوگی' اس کے گھر والوں نے انکار کردیا ہوگا۔ کوئی بھی کم صورتی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ بے حد پریشان رہنے لگی تھی' بات بے بات مما سے الجھ جاتی' سارا دن کمرے میں بند رہتی۔ گھر والوں کا اصرار اعجاز کے لیے بڑھتا جارہا تھا اور اس کا چڑچڑا پن بھی بڑھتا جارہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں سلیمان کو جلی کٹی سنائیں' بد دعائیں بھی دیں جس نے اسے وہ خوب صورت خواب دکھائے' جن کی تعبیر نہیں دے سکتا تھا اس نے اسے دھوکہ دیا اس کے جذبات اس کے خلوص اس کی محبت کی قدر محض اس لیے نہیں کی کہ وہ صورت نہیں تھی۔ اپنا نمبر تک بند کردیا تھا' اسے سلیمان احمد سے بے حد نفرت محسوس ہونے لگی۔

ربیعہ نے اعجاز سے شادی کرلی' اعجاز حسین اگر بہت اچھا نہیں تو بہت برا شوہر بھی نہیں تھا البتہ اس نے سلیمان کی طرح اسے احساس کمتری سے نکالنے کی کوشش نہیں کی یا وہ شاید ربیعہ کے نازک جذبات سے بے خبر تھا۔

اس کی شادی کو دو سال ہوگئے تھے' ان کی ایک چھ ماہ کی بیٹی نبیہ بھی تھی' کبھی کبھار اگر سلیمان کا خیال آتا تو محض ایک فریبی' دھوکے باز انسان کا امیج ابھرتا۔

وہ نند کے دیور کی شادی میں حیدرآباد آئی تھی' شادی کے فنکشن میں وہ بج سنور کر انجوائے کررہی تھی معاً اس کی نظر دور بیٹھے خود کو گھورتے شخص پر پڑی' اسے دنیا کے تمام مرد دھوکے باز لگتے تھے۔ اس نے بے حد غصے سے اسے گھورا اور نفرت سے منہ پھیر لیا لیکن وہ شخص بڑی بے قراری اور جوش سے اس کی جانب بڑھ رہا تھا' بیساکھیوں کے سہارے اپنی طرف آنے والے شخص کو اب کے اس نے بہت ہمدردی اور دکھ سے دیکھا۔

جب ہی اعجاز اس کی روتی ہوئی بیٹی کو اس کے قریب لے آیا۔ قریب آتے شخص نے اعجاز کو اس کے قریب دیکھا' ٹھٹکا مگر پھر پلٹ گیا۔ ایک پل میں وہ ربیعہ اور اعجاز کا تعلق جان گیا تھا۔

''یہ......یہ کون ہے؟'' ربیعہ کانپ اٹھی۔

''یہ آپا کے سسرالی رشتے داروں میں سے ہے' کراچی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ کراچی سے حیدرآباد آتے ہوئے اس کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔'' اعجاز نے بتایا' ربیعہ کے اعصاب پر گویا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا' وہ چکرا گئی۔

ربیعہ نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا' یونیورسٹی میں حسین لڑکیوں کی کمی نہیں تھی اگر سلیمان احمد کو فلرٹ ہی کرنا ہوتا تو اس کا انتخاب کیوں کرتا؟

''بدگمانی محبت کو آلودہ کردیتی ہے۔'' سلیمان احمد کی بازگشت اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دے رہی تھی۔

فیس بک مقابلہ

اے ارضِ وطن

حنا امین

اے ارضِ پاک تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

ہاں......!

یہ ارضِ پاک جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ جو لا الہ اللہ کے اساس پر حاصل کا گیا تھا۔ قائداعظم جیسے ذی وقار لیڈر نے اس کے حصول کے لیے نہ دن دیکھا نہ رات۔

کام...... کام...... کام اور بس بے پناہ کام...... یہ وطن جب حاصل کیا گیا تو دنیا کی نظر میں محض یہ زمین کا ٹکڑا تھا۔ عالمی نقشے پر ایک اور ملک کے نام کا اضافہ ہوا تھا مگر برصغیر کے غلام مسلمانوں کے لیے اس کی کیا حیثیت تھی یہ آج تک ہم میں سے کوئی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ انگریزوں کی غلامی کا دور ہم پر نہیں گزرا۔ ہندوؤں، سکھوں اور سفید چوہوں کے مظالم ہم نے نہیں برداشت کیے۔

جب یہ سب ہم نے برداشت نہیں کیا تو بھلا یہ ہمیں بغیر محنت کے جھولی میں گرنے والے پھل کی قدر بھی کیوں ہوگی......؟

آج ہمارے اس گھر کے حالات اس قدر دگرگوں ہیں ہمارا یہ خوب صورت وطنِ عزیز از جاں کن مشکلات اور الجھنوں کا شکار ہے۔ ہمیں اس کا خوب اندازہ وخوب ادراک ہے، مگر پھر بھی ہم سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھے بنے رہتے ہیں تاکہ ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے۔

ہم وہ قوم ہیں جو ہر سال چودہ اگست والے دن ہاتھ میں ہرا جھنڈا لیے خوب لہک لہک کر سات سروں) کو ملاتے ہوئے نہایت جوش میں گائے جاتے ہیں۔

"اے ارضِ پاک تو ہمیشہ ہمیشہ رہے"
"اے ارضِ پاک تو ہمیشہ ہمیشہ رہے"

لیکن عملاً ہم صفر ہیں صفر......!

ہمارے ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ جو نوجوان طبقے پر مشتمل ہے وہ بچپن اس مٹی پر چلتے پھرتے، ہنستے کھیلتے، پڑھتے لکھتے گزارتے ہیں۔ جب جوان ہوتے ہیں تو یہی نوجوان یہ کہتے نظر آتے ہیں اس مٹی نے ہمیں دیا کیا......؟ غربت، افلاس، بے روزگاری، کرپشن، غبن، بددیانتی، رشوت......

کبھی یہ سوچا ہم نے کہ ہم نے اس مٹی کو کیا دیا؟ ہم تو نہایت خود غرض ہیں کہ اس دھرتی سے بہت کچھ چاہتے ہیں مگر یہ سوہنی دھرتی تو بڑی بے غرض ہے کچھ بھی نہیں مانگتی' جوانی میں اپنی تمام صلاحیتیں ہمارے نوجوان غیروں میں جا کر لوٹاتے ہیں اور جب بوڑھے ہوتے ہیں یا مرنے لگتے ہیں تو دفن ہونے کے لیے ان کو پھر پاکستان کی مٹی چاہیے ہوتی ہے......

جس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ وطن سے، اس مٹی سے، محبت تو اللہ نے ہماری فطرت میں رکھ دی ہے۔ یہ محبت تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھی اپنے وطن سے تھی۔ جب ہی تو مکہ سے نکلتے وقت پلٹ کر مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا!

"اے مکہ! تو مجھے اس خطۂ زمین پر سب جگہوں سے زیادہ محبوب ہے اگر اس کے رہنے والے مجھے

یہاں سے نہ نکالتے تو میں یہاں سے کبھی نہ نکلتا۔"
ارضِ پاک! یہ صرف ایک زمین کا ٹکڑا ہی نہیں بلکہ اس میں ہمارے معصوم، بوڑھے، بزرگوں کا خون شامل ہے۔ ہم اس زمین کو ہمیشہ ہرا بھرا سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہیں...... ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا وطن میں آئے دن خون کی ہولی کھیلی جائے۔ یہ ایک عہد ہے جس کی پاسداری ہم پر فرض ہے......

میرے وطن تو یونہی آبادر ہے
تیرے ذرے ذرے میں چمک برقرار رہے
اے ارضِ پاک تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

ازقلم روشنی

☆......☆......☆......☆

"اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے"

میرے چمن کے سارے گلوں پر نکھار ہو
اس پرخزاں نہ آئے ہمیشہ بہار ہو

چودہ اگست 1947ء برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خوشیوں اور شادمانی کا وہ مبارک دن تھا کہ جب ایک آزاد اور نیا ملک جوش و ولولوں کے ساتھ پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

شاعرِ مشرق کے خوابوں' آرزوں اور امنگوں کو خالق پاکستان نے جذبہ، جرأت، یقین و محکوم حوصلوں، پختہ ارادوں کو ایمان اتحاد اور تنظیم کی زنجیر میں باندھ کر اپنے ساتھ لاکھوں انسانوں، جاں نثاروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر عملِ پیہم کی صورت ایک آزادانہ اسلامی ریاست پاکستان کی تشکیل دی کہ جس کی کھیتی کے لیے بزرگوں کی کھاد خون کا پانی اور قربانیوں کا بیج بو کر حصول ممکن بن پایا۔

مگر صد افسوس کے وقت کی دھول اور گرد نے ہماری قوم کے ذہنوں اور صلاحیتوں پر زنگ لگانا شروع کردیا۔ وہ مقاصد، عزم، قوت، تمنا، منزل، عہد، وہ سارے خوش حالی اور ترقی کے سبق جو قیام پاکستان کی تحریروں میں پڑھائے اور رٹائے گئے تھے وہ ایک ایک کر کے مٹی ہونے لگے۔

غلامی کی جن زنجیروں سے ہم ابھی وجود کو چھڑوا کر سانس ہی نہ لے پائے تھے وہی آتش دیدہ زنجیریں پھر سے وبال اور جال میں جکڑنے لگیں۔

69 سال پہلے تو ہم انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی جلی سازشوں، عیاری، مکاری کو شکست کی مار مار کر غلامی سے نجات حاصل کر بیٹھے تھے مگر پھر حالات اور وقت کے شکنجے بس پھنستے گئے تو فرقہ واریت، نسلی فسادات، کرپشن، ملاوٹ تعصبات میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ عدل وانصاف اور قانون کے رکھوالے اندھے ہوگئے۔

اے کاش......
اے کاش ہمارے وطن میں وہ امن وامان کی فضا واپس آئے اور دہشت گردی، لاقانونیت، اقربا پروری، بے راہ روی سمیت تمام سماجی برائیوں کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔

یہ وقت کی ضرورت ہے کہ ہم متحد، یک جاں ہوجائیں۔

"اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے"

ہم وطن یہ گلستان تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
اس کا ہر سود و زیاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
قائد اعظم کی کہتے ہیں امانت ہم جسے
ورثا یہ اے مہرباں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
وقت کا ہے یہ تقاضا متحد ہو جائیں ہم
کب سے دشمن آسماں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

راغب مرادآبادی

ازقلم ایمان علی

☆......☆......☆......☆

"یہ ملک تو اب رہنے کے قابل نہیں رہا، میں نے

تو اپنے بیٹے کو باہر بھیجنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔بس پیسوں کے لئے ہاتھ پاؤں ماررہا ہوں۔''

اس آواز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروائی میں جو بیرے کو چائے کا آڈر دے کر انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھی اپنے بائیں جانب والی ٹیبل کی طرف۔ دیکھا جہاں دو حضرات ملکی حالات پر گفتگو کرتے ہوئے اس ملک کی ابتر حالت زار پر خیال آرائی کررہے تھے،اس قسم کی باتیں اکثر لوگوں سے سننے کو ملتی ہیں اسی لیے سر جھٹک کر دوبارہ اپنی ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں شاید آج کا تازہ اخبار جو مختلف ہاتھوں میں جانے کی وجہ سے باسی ہوگیا تھا دھرا تھا وقت گزاری کے لئے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

اخبار کیا تھا اس ملک کی بگڑتی ہوئی حالت زار کا پلندہ تھا۔ سیاسی حکمرانوں کے ایک دوسرے پر الزامات، قتل و غارت گری، مہنگائی، چوری ڈاکے کی خبر مرچ مصالحے لگا کر شائع کی گئی تھیں۔اخبار دیکھ کر ہی جی اتنا مکدر ہوا کہ واپس ٹیبل پر پٹخ دیا اور نظریں ہوٹل کے گلاس ونڈو سے نظر آتی دکانوں اور ان پر بنے رہائشی فلیٹس پر مبذول کردی جہاں سبز ہلالی پرچم اور جھنڈیاں اپنی آن بان سے لہرا رہی تھیں کیونکہ چودہ اگست کی آمد آمد تھی اور لوگ اپنی دکانوں اور مکانوں پر ''پرچم اور جھنڈیاں'' لگا کر اپنی حب الوطنی کا جیتا جاگتا ثبوت پیش کررہے تھے میرے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی ہم لوگ جو رمضان میں بڑے بڑے دستر خوان سجا کر سچے، پکے ''مسلمان'' اور چودہ اگست کو سبز ہلالی پرچم اور جھنڈیاں لگا کر ''سچے محب الوطن'' ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔وہ وطن جو دو قومی نظریے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا جس کے لیے لاکھوں افراد نے اپنے گھربار اور جانوں کی قربانیاں دیں وہ ملک سیاست دانوں کے لیے اکھاڑا بنا ہوا ہے جس ملک کے رہنے والے لوگوں نے آزادی کی فضا میں سکھ چین سے رہنے کا سوچا تھا وہاں مہنگائی، رشوت، چوری ڈاکہ، جان و مال کا خطرہ، کسی عفریت کی طرح مسلط کیا جاچکا ہے اور مہنگائی کی چکی میں پستے ہوئے عوام ..... یہ ہے قائد کا پاکستان.....تو ایسا لگتا ہے خدانخواستہ وہ سب قربانیاں رائیگاں جاچکی ہیں۔ ہماری بداعمالیوں کے باعث ہم پر جابر، غاصب اور کرپٹ حکمران مسلط کیے جاچکے ہیں جنہیں ہم خود شوق سے ووٹ ڈال کر یا دھاندلیوں سے منتخب کرتے ہیں۔

ہوٹل کی تلخ فضا سے باہر قدم رکھا تو نظر مختلف ٹھیلوں پر جمع ہوئے ننھے منھے نونہالوں پر ٹھہر گئی جو روشن آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے چودہ اگست کو بھرپور جوش و جذبے سے منانے کے لئے سبز پرچم، سبز ہلالی بیج اور جھنڈیوں کی خریداری سے مشغول تھے اپنے ملک کے آنے والے مستقبل کو دیکھ کر ہوٹل کے ماحول کی کرواہٹ اور تلخی فضا میں تحلیل ہوتی محسوس ہوئی۔یہ بچے ہی ہمارے آنے والا کل ہے اور اس کل کو روشن بنانے کے لئے ہمیں ''آج'' محنت کرنا ہوگی۔

''تمہیں پتا ہے میں نے اپنی چھت پر بہت ساری جھنڈیاں لگائی ہیں اور دو پرچم بھی۔'' اپنے سے آگے چلتے ہوئے دو بچوں کی خوشی و سرشاری سے بھرپور آواز نے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

تمہیں پتا ہے ہمارے اسکول میں چودہ اگست کو ملی نغمے کا مقابلہ ہے میں نے بھی اس میں حصہ لیا ہے۔پتا ہے کون سا ملی نغمہ پڑھوں گا؟''

''کون سا.....؟''

''یہ وطن تمہارا ہے

تم ہو پاسبان اس کے
یہ چمن تمہارا ہے
تم ہو نغمہ خواں اس کے"
ان میں سے ایک بچے نے اپنی معصوم، پیاری آواز میں مشہور ملی نغمہ گنگنایا۔
آہستہ آہستہ دور جاتے بچوں کی آواز مدہم ہونے لگی۔
"تم نے نیوز دیکھی قصور سکینڈل کی اب تو اس ملک میں ہمارے بچے بھی محفوظ نہیں۔"
میرے پاس سے گزرتے آدمی کی آواز کسی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں لگی، میری نظر نے ہجوم میں گم ہوتے ان دو پیارے بچوں کا تعاقب کیا جنہوں نے آگے چل کر اس ملک کا پاسبان بننا ہے۔ اس لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کیے گئے ملک کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔ یہ ننھی ننھی امید کی کرنیں ہی ہمارے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں۔ ہم ہی لوگ ہیں جنہوں نے ان نو عمر معماروں کو پر سکون، پر تحفظ، ملک دینا ہے۔ ان کی تربیت اس اطوار پر کرنی ہے کہ صرف پرچم لہرا کر یا جھنڈیاں لگا کر ہی اپنے ملک سے محبت اور محب الوطن شہری ہونے کا ثبوت نہیں دلوانا بلکہ اپنے علم، قابلیت، ذہانت اور ہنر سے اس ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے اور اس ملک کو ان خطوط پر استوار کرنا ہے جس کے خواب علامہ اقبال اور قائداعظم نے دیکھے تھے۔
تب ہمارا یہ پیارا وطن ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گا۔
خان حریم

☆......☆......☆......☆

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

وطن......! پروردگار دو عالم کی عطا کردہ بے بہا نعمتوں میں سے ایک انمول نعمت۔ ہمارا سائبان، نگہبان، شناخت فخر، مان، تحفظ کا بے کراں احساس، رگوں میں لہو کی طرح گردش کرنے والی سچی بے کھوٹ محبتوں کا امین۔ ایسی محبت جس سے جدائی نے سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آبدیدہ ہو کر یہ کلمات کہنے پر مجبور کردیا کہ
"اے مکہ! مجھے تجھ سے بہت پیار ہے مگر کیا کروں، تیرے بیٹے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔"
ہمارا وطن پاکستان قدرت کا ایک بہت بڑا انعام بن کے ہمیں ملا تھا ایک ایسا انعام جس کی بنیادوں کی آبیاری ہمارے آباؤ اجداد نے اپنے خون سے کی۔ برصغیر پاک و ہند کے ایک وسیع و عریض رقبے پر انتہائی جاہ وجلال سے حکمرانی کرنے والی مسلم قوم اپنی انفرادی و اجتماعی کوتاہیوں کے باعث ذلت و رسوائی کی ایک ایسی مثال بن گئی جس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ دنیائے ارض کی مکار و سازشی انگریز قوم نے انہیں غلام بنا کر تباہی و بربادی کی نئی داستانیں رقم کیں۔ لیکن پارے کا وجود بھلا کبھی ٹھہر سکا ہے۔ مسلم قوم تو روز ازل سے کبھی غلامی کے لیے وجود میں ہی نہ آئی تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قرآن پاک کی صورت میں جو ضابطہ حیات دیا ہے اس کی ۱۱۴ سورتوں، ۶۶۶۶ آیات، کے کئی لفظ، کسی حرف میں غلامی کے آداب ہی شامل نہیں ہیں تو سدا غلامی کیونکر ممکن تھی بھلا؟ نظریاتی بنیادوں پر حاصل کیا گیا یہ پہلا ملک ایک ایسی سرزمین ہے جسے اسلام کا قلعہ قرار دیا گیا۔ بارود اور خون کی بارش اور آتشیں سمندر سے گزر کر جس طرح میرا وطن وجود میں آیا ہے اس کی کہانیاں صفحہ قرطاس پر بکھیرنا ممکن ہی کہاں ہے؟ میرے وطن نے پیدائش کے پہلے روز سے انتہائی صعوبتیں جھیلی

ہیں۔اس کے بانی ومعمار ایک ایک کر کے اس پر اپنی جان نثار کرتے رہے۔لیکن مصائب کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ جاری وساری رہا۔کبھی دشمن نے حملے کیے تو کبھی اپنوں نے اسے انمٹ زخم دیے۔لیکن صد آفرین میرا وطن اپنی افواج وعوام کے سہارے ان کا مقابلہ کرتا رہا۔اس کے سپوتوں نے سینوں پر بم باندھ کر اس دھرتی کو روندنے کے لیے آنے والے ٹینکوں کو تباہ کیا۔ایک عالم گواہ بنا کہ یہ وطن ہمیشہ کے لیے ہی بنا ہے۔اس کی طرف بڑھنے والے ہر طوفان کو اسی قوت سے واپس موڑا گیا عشق کے امتحاں ابھی اور بھی تھے اے کی جنگ میں اس ملک کو اپنے وجود کے ایک ٹکڑے سے ہمیشہ کے لیے محروم بھی ہونا پڑا مگر اس کا باقی ماندہ وجود اس کو تقویت دینے کے لیے پر عزم رہا۔فرقہ واریت کی ایسی باد سموم چلی جس نے اس گلشن کی کلیوں اور پھولوں کی ذہنی سطح پر بہت زہریلے اثرات مرتب کیے۔لیکن ہر دور میں کوئی نہ کوئی مرد مجاہد اس کی آن بان شان کے لیے اس عہد کے فرعون کا مقابلہ کرنے آتا رہا۔میرے وطن پر جب بھی سختیاں آئیں میرے ہم وطن ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر اس کے سامنے ڈٹ گئے۔

گزشتہ دو دہائیاں پاکستانی تاریخ کا کڑا ترین وقت ثابت ہوئی ہیں اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ جن پہ تھا تکیہ وہی پتے ہوا دینے لگے۔ہماری سیاسی قیادت کی بے حسی اور کمزوریوں نے اسے ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ہر طرف اس کے وجود کو خطرات لاحق ہیں۔عوام کو مہنگائی، روزگار، بجلی، پانی، گیس اور پیٹرول کے بحران میں الجھا کر ان کے ایمانی جذبوں کے ہتھیار کند کیے جا رہے ہیں۔ہر طرف ظلمت چھانے لگی ہے۔جان، مال، آبروئیں سر عام نیلام ہونے لگی ہیں۔عوام بھوک اور افلاس سے بے حال ہے تو ان کے چرواہے، ان کے حکمران خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔بچوں سے جنسی بازار گرم کرایا جا رہا ہے تو کہیں تعلیمی درسگاہیں ذبح خانے بن رہی ہیں۔عورتیں زمانہ جاہلیت کا عملی نمونہ بنی پھر رہی ہیں۔نوجوان نسل انٹرنیٹ اور موبائل کے گورکھ دھندے سلجھانے میں مصروف ہے۔

قدرتی مناظر ومعدنیات سے مالا مال اس ملک پر ہر مغربی قوم نظریں گاڑے بیٹھی ہے۔امداد کے بہانے یہاں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ہر طرف مایوسی وناامیدی کا دور دورہ ہے۔لیکن مجھے آج بھی یقین ہے کہ ۷۹۶۰۹۶ مربع میل پر محیط چار صوبوں میں اگر اکائی پیدا ہو جائے تو ہر اندرونی وبیرونی دشمن ہمیشہ کے لیے نیست ونابود ہو جائے گا۔

میرے وطن کے سپوتو......!

خدارا ہوش میں آؤ اپنے اعمال درست کرو ورنہ تم میں سے مسلط کیے گئے یہ چرواہے کہیں تمہیں پھر سے رسوا نہ کر دیں۔اٹھو......! کہ یہ وطن تمہارے لیے اللہ کا انعام ہے۔اسے سنبھالو۔اٹھو کہ یہ تمہارے نبی ﷺ کے دین کا گہوارہ ہے۔اٹھو کہ یہ تمہارا سائبان ہے۔اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں کو نیست ونابود کر دو، اپنا گھر غیروں کے ناپاک قدموں سے محفوظ رکھو۔

پروردگار سے دعا ہے کہ یہ وطن تا قیامت تک سلامت وآباد رہے آمین۔اس کے وجود سے ہماری بقا ہے۔جو یہ نہیں تو زندگی محض شرمندگی ہے۔

از قلم......زویا اعجاز

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

ناصر احمد...... گوجرانوالہ

جواب:۔ اللہ کے بن جاؤ، اللہ کے بندے آپ کے بن جائیں گے۔ ذکرواذکار میں دھیان دیں۔

اسماء...... فیصل آباد

جواب:۔ 111 بارروزانہ، سورۃ القریش پڑھ کر کامیابی کی دعا مانگیں۔

سدرہ نوشین...... ھری پور

جواب:۔ اللہ خیر کرے گا۔

آپ 11 روز تک 111 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر پانی پر پھونک کر پانی پئیں بھی اور ملیں بھی۔ بس کافی ہے۔

حرا ریاض...... سرگودھا

جواب:۔ رات سوتے وقت آیتہ الکرسی 41 بار (رکاوٹیں و بندشیں ختم ہونے کی دعا مانگیں)

بعد فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، 70 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں۔

آپ خود 101 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر دکان کے چلنے میں رکاوٹیں و بندشیں ختم ہونے کی نیت کر کے پانی پر پھونک کر وہ پانی شوہر، دکان میں چھڑکیں بھی اور پیئیں بھی آپ بھی پئیں۔

عائشہ، ثنا...... سیالکوٹ

جواب:۔ رشتہ کیلئے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74، روزانہ فجر کے بعد (قضا نہ ہو) 70 بار پڑھیں 120 دن اور رات میں 41 بار آیتہ الکرسی۔ دعا رکاوٹیں و بندشیں ختم ہوں۔ چہرے کے لیے ہومیو سے رجوع کریں۔

بشیراں بی بی...... بورے والا

جواب:۔ بی بی 11 دن تک 111 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر پانی پر پھونک کر گھر میں بھی چھڑکیں اور سب گھر والوں کو پلائیں 11 دن بعد 41 بار روزانہ آیتہ الکرسی پڑھ کر دعا مانگیں سب کاموں میں جو رکاوٹیں ہیں وہ سب ختم ہوں۔ اول و آخر 11،11 بار درود شریف۔

مہوش مغل...... کوٹلہ

جواب:۔ چہرے کا مسئلہ ہومیو سے علاج کرائیں۔

رات ہونے سے پہلے 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر دعا مانگیں کہ مجھ پر اور منگیتر پر جو کچھ بھی کرایا گیا ہے وہ ختم ہو اول و آخر 11،11 بار درود شریف۔

راحیلہ محمود...... بھاولنگر

جواب:۔ آپ روزانہ 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر پانی پر پھونک کر سب گھر والوں کو پلائیں اور گھر میں چھڑکیں۔

بہن کو کہیں سورۃ والضحیٰ روزانہ رات میں 101 بار پڑھ کر شوہر کے راضی ہونے کی دعا مانگیں۔

زاھرہ بی بی...... میلاد چوک، اٹک

جواب:۔ آپ اپنی نظر اتاریں ٹھیک ہو جائیں گی۔

خالدہ بی بی...... اٹک

جواب:۔ آیتہ الکرسی 41 بار پڑھ کر پانی پلایا کریں۔

طیبہ خاتون...... شالیمار ٹاؤن،

لاہور

جواب:۔ بہن سے کہیں رات سونے سے پہلے آیتہ الکرسی 21 بار پڑھ کر دعا کریں کہ عثمان پر جو کچھ بھی ہے وہ ختم ہو، دن میں کسی وقت سورۃ والضحیٰ 21 بار پڑھ کر شوہر کو محبت ہو کی دعا مانگیں۔

شازیہ...... ڈیفنس کراچی

جواب:۔ (جہاں بہتر ہو وہاں ہو)

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھیں پھر دعا مانگیں۔

بی بی شمائلہ...... ھری پور

جواب:۔ سورۃ القریش ہر نماز کے بعد 21 بار آپ خود اور شوہر پڑھ کر نوکری اور گھر میں ایڈجسٹ منٹ کی دعا مانگیں۔

راحیلہ...... سمندری

جواب:۔ اسی وظیفے کو مکمل کریں، تاکہ سب معاملات ختم ہوں۔

عفرا صادق...... ملتان

جواب:۔ 313 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر پانی اور تیل پہ دم کر کے دیں بچی کو۔ تیل سے مالش کرے اور پانی 21 روز تک استعمال کریں 21 دن بعد دوبارہ پانی اور تیل پڑھ کر دیں (3 بار ایسا کریں)

احمرین...... کراچی

جواب:۔ آپ عشا کی نماز کے بعد 21 بار آیۃ الکرسی پڑھیں اور فجر والا عمل جاری رکھیں۔

قرۃ العین عینی...... پاکپتن

جواب:۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم۔ (روزانہ ایک تسبیح)، باقی آپ کوشش رکھیں ملازمت مل جائے گی۔ دعا ہے آپ کے جذبوں والا رشتہ ملے۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے دسمبر ۲۰۱۵ء

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ....

بیاضِ دل

میمونہ رومان

سعیدہ..... ستیانہ

حاصل زیست ہمیں کیا ملا؟
دردِ زندگی ملا اعتبار نہ ملا

دعائے سحر انا احب..... فیصل آباد

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو میرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے
دلا! یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

نائلہ بدر..... خیر پور ٹامیوالی

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

شفق راجپوت..... گوجرہ

اہل نظر کے بخت میں کس نے یہ لکھ دیا
رہنا کسی کے ساتھ محبت کسی کے ساتھ
ہوتی ہے اس کے دل کو کسی اور کی طلب
رکھتی ہے عمر بھر اسے قسمت کسی کے ساتھ

مدیحہ کنول..... پسرور، چشتیاں

کبھی ننگے پاؤں دھوپ میں پھرنا کبھی تتلیاں پکڑنا
واہ کنول! بچپن کے وہ دن بھی کتنے حسین تھے

جاذبہ عباسی..... دیول، مری

روگِ عشق لگا تو چند دن بھی
زندہ نہ رہ سکا جاذبہ
وہ شخص کہ جس نے کبھی
آبِ حیات پیا تھا.....!

حرا رمضان..... اختر آباد

اس کی تمنا ہے کہ اسے اس سے مانگوں
مگر ضد ہے میری کہ تقاضا اپنا اصول نہیں

علمہ شمشاد حسین..... کورنگی، کراچی

نہ دل میں ناراضگیاں نہ خلوص میں ملاوٹ کوئی
وہ بچپن کے دن بھی کمال ہوا کرتے تھے

صائمہ محبوب..... لیہ

بہت مشکل سے ہوتی ہے تجارت تیری یادوں کی محسن
منافع کم سہی لیکن گزارہ ہو ہی جاتا ہے

اقصیٰ زرگر، سنیاں گزرہ..... جوڑہ

جتنے بھی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں
لہجے کے فرق سے انہیں تلوار مت بنا

نگین افضل وڑائچ..... شادیوال، گجرات

میں روز پلاتا ہوں اسے زہر کا ساغر
اک درد جو اندر ہے مرتا ہی نہیں

ارم کمال..... فیصل آباد

فلک سے توڑ لایا ہوں مگر پھر سے نئی ضد ہے
ستارے میں نہیں لیتی مجھے تم چاند لا کر دو

سمیرا تعبیر..... سرگودھا

تو بھی نہ ملا تو کدھر جاؤں گا
سوکھے پتوں کی طرح بکھر جاؤں گا
یوں بھی ہوگا تم دیکھنا اے دوست
تم سے بچھڑوں گا اور مر جاؤں گا

ثناء رسول ہاشمی..... صادق آباد

خزاں کا وادیٔ گل سے گزرنا روک دیتا ہے
کوئی تو ہے جو طوفانوں کا رستہ روک دیتا ہے
کوئی لشکر بکھر جاتا ہے موجوں کے تلاطم میں
کسی کے واسطے اللہ دریا روک دیتا ہے

حافظہ حمیرا شہزادی..... فیصل آباد

کتاب سادہ رہے گی کب تک؟
کبھی تو اس کے باب کا آغاز ہوگا
جنہوں نے بستیاں اجاڑ ڈالیں
کبھی ان کا حساب ہوگا

پارس شاہ..... چکوال

میں نے سمندر سے سیکھا ہے جینے کا سلیقہ
چپ چاپ سے بہنا اور اپنی موج میں رہنا

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

یہ فقط عظمت کردار کے ڈھب ہوتے ہیں
فیصلے جنگ کے تلوار سے کب ہوتے ہیں
جھوٹ تعداد میں کتنا ہی زیادہ ہو
اہل حق ہو تو بہتر بھی غضب ہوتے ہیں

ثمر عباس، لیلیٰ شاہ...... جنڈانوالہ

کیا اب اس مرض کی تشخیص ممکن ہے؟
میں غلطی سے محبت کر بیٹھا ہوں

شاہ دل...... گجرات

بے کار خیالوں سے لپٹ کر نہیں دیکھا
جو کچھ بھی ہوا ہم نے پلٹ کر نہیں دیکھا
اس ڈر سے کہ کٹ نہ جائیں بے تابی کے راستے
آنکھوں نے تیری راہوں سے ہٹ کر نہیں دیکھا

بختاور افتخار...... عارف والا

آؤ کسی شب مجھے ٹوٹ کر بکھرتا دیکھو
میری رگوں میں زہر جدائی اترتا دیکھو
کس کس ادا سے تجھے مانگا ہے رب سے
آؤ کبھی مجھے سجدوں میں سسکتا دیکھو

وقاص عمر...... حافظ آباد

ملو کہ آج کوئی بات رو برو کرلیں
یہ کیوں ہیں دوریاں کچھ اس پر گفتگو کرلیں
کریں گے پھر سے عنایت تمہارے چہرے کی
کہ پہلے آنکھوں کو اشکوں سے باوضو کرلیں

عابدہ مقبول چوہدری...... نامعلوم

ملاقاتیں نہیں ممکن احساس ہے لیکن
تمہیں دل یاد کرتا ہے بس اتنا یاد رکھنا

پاکیزہ علی...... جتوئی

قصہ غم دل کافر کا سناتے کس کو
اجنبی شہر کا ہر شخص ہی مومن نکلا

صدف سلیمان...... شورکوٹ

تمہارے بعد گزریں گے بھلا کیسے ہمارے دن
[illegible]ے بچیں گے تو دسمبر مار ڈالے گا

مونا شاہ قریشی...... کبیر والا

آئین وفا میں ترمیم کرکے
وہ ہجر کی دفعات نافذ کر گیا
پوچھی جو حیرانی سے وجہ جفا ہم نے
وہ کندھے اچکا کر خدا حافظ کہہ گیا

مسز نگہت غفار...... کراچی

کوئی تو پھول کھلائے دعا کے لہجے میں
عجب طرح کی گھٹن ہے ہوا کے لہجے میں
نہ جانے خلق خدا کون سے عذاب میں ہے؟
ہوائیں چیخ پڑیں التجا کے لہجے میں

انزلہ خان، تہمینہ خان...... ہنی ٹوپی

مجھے نہیں چاہیے اس کے بعد کوئی پہچان تہمینہ خان
میرے لیے یہی کافی ہے کہ امت محمد سے ہے نسبت میری

ایس انمول...... بھابڑہ شریف

ہوا کے دوش پر رکھا ہوا چراغ ہوں میں
بجھ بھی جاؤں تو ہواؤں سے شکایت کیسی

سونیا قیوم...... نامعلوم

مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ

تجھے خوابوں میں دیکھنے والے
کتنی مشکل سے جاگتے ہوں گے

فاطمہ...... وہاڑی

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے محسن
میں یوں بھی پھول تھا مجھے بکھرنا ہی تھا

مہوش ضمیر...... کراچی

تمہیں دیکھیں نہ دیکھیں یہ عادت ہے شب کو
تمہارے خواب کی سونے سے پہلے آرزو کرنا

دیا آفریں...... شاہدرہ

میرے سرکش ترانے سن کے دنیا یہ سمجھتی ہے

کہ شاید دل کو میرے عشق کے نغموں سے نفرت ہے
مگر اے کاش دیکھیں وہ میری پرسوز راتوں کو
میں جب تاروں پر نظریں گاڑ کے آنسو بہاتا ہے
رخ کومل شہزادی...... سرگودھا

وہاں تک تو ساتھ چلو جہاں تک ساتھ ممکن ہے
جہاں حالات بدلیں گے وہاں تم بھی بدل جانا
صائمہ کنول...... کبیر والہ

کتنا دور نکل گئے رشتے نبھاتے
خود کو کھودیا اپنوں کو پاتے پاتے
لوگ کہتے ہیں ہم مسکراتے بہت ہیں
اور ہم تھک گئے درد کو چھپاتے چھپاتے
جویریہ ضیاء...... ملیر کراچی

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
ہالہ سلیم...... اورنگی ٹاؤن کراچی

لاعلم تھے لاعلم ہی رہتے تو اچھا تھا
انہیں ہم سے محبت نہیں، حقیقت جان لیوا ہے
اشنہ غفار...... کراچی

خاک سے بنے انسان میں اگر خاکساری نہیں
تو اس کا ہونا نہ ہونا ہی خاک ہے
ہانیہ خان...... سعودیہ

ضروری نہیں کہ پوری ہو ہر خواہش لیکن
اپنی خواہشوں کو دبالینا بھی آسان نہیں ہوتا
مانا کہ ٹوٹے ہوئے پھولوں سے خوشبو نہیں آتی
مگر انہیں کتابوں میں سجالینا بھی آسان نہیں ہوتا
نزہت جبین ضیاء...... کراچی

خوشیوں سے ناراض ہے میری زندگی
دوستی کی محتاج ہے میری زندگی
ہنس لیتی ہوں لوگوں کو دکھانے کے لیے
ورنہ درد کی کتاب ہے میری زندگی
سدرہ شاہین...... پیرووال

اس کے ہاتھ پر اپنا نام دیکھا تو میں بہت خوش ہوئی
وہ معصوم سے لہجے میں بولا تیرا ہم نام کوئی اور بھی ہے
اقصیٰ...... چکوال

کوئی وعدہ نہیں پھر بھی انتظار تیرا تھا
دور ہونے پر بھی اعتبار تیرا تھا
نجانے کیوں بے رخی کی تُو نے ہم سے
کیا ہم سے بھی زیادہ کوئی طلب گار تیرا تھا
سیدہ ضوباریہ...... پشین

لاپتا کیا مجھ سے میرے خوابوں کی بستی کو
تیرے فریب نے ڈبویا میری امید کی کشتی کو
اے حیاتِ غمزدہ! میں تجھے جی کے پچھتائی
پامال کیا تُو نے میری نایاب ہستی کو
نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

خود کو میرے دل میں ہی چھوڑ گئے
تمہیں تو ٹھیک سے بچھڑنا بھی نہیں آیا
مومل شاہ...... حیدر آباد

اسے بتانا، غمِ زمانہ فریب دے گا خیال رکھنا
وفا کی راہوں سے لوٹ جانا، فریب دے گا خیال رکھنا
جو قہر ٹوٹا ہے میرے دل پہ یہ قہر ٹوٹے نہ اب کسی پر
یوں دل جلانا، یوں گھر لٹانا، فریب دے گا خیال رکھنا
فاطمہ خٹک...... میانوالی

ایسے رہا کرو کہ لوگ آرزو کریں
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے
طلعت نظامی...... کراچی

پھر ایک لیلیٰ گھری ہوئی ہے نئے زمانے کی تلخیوں میں
پھر اب وعدہ امر ہوا تو محبتوں کا پتا چلے گا
محبتوں میں تو پتھروں کو بھی موم ہوتے سنا ہے لیکن
تمہارے دل پر اثر ہوا تو محبتوں کا پتا چلے گا

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

ساگ گوشت

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
ہری مرچ	چھ عدد
ٹماٹر	ایک عدد
میتھی	دو چھوٹی گٹھی
تیل	آدھا کپ
پیاز	آدھا کپ (تلی ہوئی)
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
دہی	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ
قصوری میتھی	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

پالک کو صاف کر کے ابال لیں۔ اب پالک کو ہری مرچ، ٹماٹر اور میتھی کے ساتھ بلینڈ کر کے رکھ لیں۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا، نمک اور بکرے کا گوشت ڈال کر دس منٹ کے لیے فرائی کریں۔ اب اس میں دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اس کے بعد ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ گوشت تقریباً پک جائے۔ اب بلینڈ کیا ہوا پالک کا مکسچر شامل کر کے ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آ جائے۔ آخر میں دودھ اور قصوری میتھی ڈال کر فرائی کریں اور نکال لیں۔

ثمن رحمان...... اکبر روڈ، کراچی

پسندے آلو

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
تیل	تین سے چار کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	دو عدد (چھوٹی)
ٹماٹر	دو عدد
آلو	دو عدد
لال مرچ	دو عدد (سوکھی)
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	ایک چوتھائی گٹھی
موٹی ہری مرچ	دو سے تین عدد

ترکیب:۔

پہلے بیف انڈر کٹ کے پسندے کاٹ کر اسٹیک ہیمر یا کسی وزنی چیز سے تھوڑے سے کچل لیں۔ اب کڑاہی میں تیل گرم کر کے ادرک لہسن کا پیسٹ اور پسندے شامل کریں اور اتنا بھونیں کہ گوشت کا پانی خشک ہو جائے۔ اب اس میں پیاز، ٹماٹر، آلو، سوکھی لال مرچ اور نمک شامل کر کے تھوڑا سا پانی ڈال کر ڈھک کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ دس سے بارہ منٹ بعد آلو گل جائیں تو کٹی کالی مرچ، کٹی لال مرچ، ہرا دھنیا اور ایک کی دو کی ہوئی موٹی ہری مرچ شامل کر کے مکس کر لیں اور سرو کریں۔

مہوش آفتاب...... ضلع جہلم

لال قلع حلیم

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	ایک کلو بون لیس
گیہوں	دو سو پچاس گرام
جو	ایک سو پچیس گرام
تیل	دو کھانے کے چمچ
چنے کی دال	ایک کپ

مونگ کی دال	ایک چوتھائی کپ
مسور کی دال	ایک چوتھائی کپ
ارہر کی دال	ایک چوتھائی کپ
تیل	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
نمک	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ

حلیم کے ساتھ سرو کرنے کے لیے

پیاز (تلی ہوئی)	حسب ضرورت
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	حسب ضرورت
پودینہ (کٹا ہوا)	حسب ضرورت
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	حسب ضرورت
ادرک (کٹی ہوئی)	حسب ضرورت
لیموں کے سلائس	حسب ضرورت
گھی	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے گیہوں اور جو کو رات بھر کے لیے دو کھانے کے چمچ تیل میں بھگو کر رکھیں۔ اب اسے بلینڈ کر لیں۔ پھر چنے کی دال، مونگ کی دال، مسور کی دال اور ارہر کی دال کو چار سے پانچ گلاس پانی کے ساتھ پکائیں، یہاں تک کہ دالیں گل جائیں۔ اب انھیں ٹھنڈا کر کے بلینڈ کر لیں۔ پھر ایک کپ تیل گرم کر کے ادرک لہسن کا پیسٹ، پیاز، نمک، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا اور دہی ڈال کر بھونیں۔ اب اس میں گائے کا گوشت اور آٹھ سے دس گلاس پانی ڈالیں اور ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائیں۔ پھر چمچ سے گھوٹیں اور اسے بلینڈ کی ہوئی دالوں کے ساتھ مکس کریں اور ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں اور ہاتھ سے چمچ چلاتے رہیں۔ آخر میں اس میں پسا گرم مصالحہ شامل کر کے چمچ چلائیں۔ پھر اسے تلی پیاز، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ، ادرک، لیموں کے سلائس اور دو کھانے کے چمچ گھی کے ساتھ سرو کریں۔

نجمہ بیگم...... کہروڑ پکا

اچاری قورمہ

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
لال مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
رائی	آدھا چائے کا چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گڑ	دو کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

ایک برتن میں گائے کا گوشت ڈال کر تین کپ پانی، نمک اور ہلدی کے ساتھ اتنا اُبالیں کہ گوشت گل جائے اور ایک کپ یخنی رہ جائے۔ ایک برتن میں آدھا کپ تیل گرم کریں۔ اس میں ثابت لال مرچ اور رائی ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں۔ پھر اس میں اُبلا ہوا گوشت، تلی پیاز، پسی لال مرچ، زیرہ، کلونجی، ادرک لہسن کا پیسٹ اور گڑ ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ اس کے بعد بچی ہوئی یخنی، دہی اور لیموں کا رس ڈال کر دس منٹ تک ڈھک کر پکائیں۔ اس کے بعد ڈھکن ہٹا کر اتنا بھونیں کہ تیل اوپر

آجائے۔ گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

مہرین...... سیٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

مغز مصالحہ

اجزاء:۔

مغز	چار عدد
دہی	آدھا کلو
پیاز	ایک کپ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	دو چائے کا چمچ
ہری مرچ	چھ سے آٹھ عدد
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک بڑے پین میں مغز، پانی اور ایک چائے کا چمچ ہلدی ڈال کر اُبال لیں۔ اب ایک باؤل میں مغز پر دہی لگا کر میرینیٹ کرلیں۔ پھر ایک پین میں تیل ڈال کر میتھی دانہ، لہسن پیسٹ، نمک، پیاز، لال مرچ پاؤڈر اور ایک کھانے کا چمچ ہلدی ڈال کر بھون لیں۔ جب خوشبو آنے لگے تو اس میں مغز ڈال دیں اور بھون لیں۔ اب ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں اور آنچ دھیمی کرلیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو ڈش آوٹ کرلیں۔ ہرا دھنیا سے گارنش کر کے گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

ارم ناز...... کراچی

مٹن رائس

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
بکرے کا گوشت	آدھا کلو
کٹے آلو	تین عدد
کٹے ٹماٹر	چار عدد
سلائس میں کٹی پیاز	ایک عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسی لال مرچ	دو چائے کے چمچ
نمک	دو چائے کے چمچ
ثابت ہری مرچ	چار عدد
کٹا ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔

چاول کو حسب ضرورت پانی میں بیس منٹ کے لیے بھگو دیں۔ ایک برتن میں آدھا کپ تیل گرم کریں۔ اس میں سلائس میں کٹی پیاز ڈال کر ہلکی گلابی ہوجانے تک فرائی کرلیں۔ پھر اس میں گرم مصالحہ، بکرے کا گوشت اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب کٹے ٹماٹر، ڈیڑھ چائے کا چمچ نمک، ہلدی اور پسی لال مرچ ڈال کر مزید بھونیں۔ اس کے بعد ایک کپ پانی ڈال کر مٹن کے آدھا گل جانے تک ڈھک کر پکائیں۔ پھر کٹے آلو اور مزید ایک کپ پانی ڈال کر ڈھک دیں۔ اب اسے مٹن اور آلو کے مکمل گل جانے تک پکنے دیں۔ بھیگے ہوئے چاول، بقیہ آدھا چمچ نمک اور ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر ڈھکیں اور چاول تیار ہونے تک پکالیں۔ آخر میں پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھیں۔ آخر میں ثابت ہری مرچ اور کٹا ہرا دھنیا ڈال کر پیش کریں۔

مریم گل...... لاہور

کوفتے

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
انڈہ	ایک عدد
ہری پیاز	چار عدد
لہسن	چھ جوئے

پیپری	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
دار چینی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	دو چائے کے چمچ
دہی	دو کھانے کے چمچ
تیل	چار کھانے کے چمچ
پودینہ	چار کھانے کے چمچ
شاشلک اسٹک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گائے کا گوشت، انڈہ، ہری پیاز، لہسن، پیپریکا، کالی مرچ، پسی دار چینی، نمک، زیرہ، دہی اور پودینے کو اچھی طرح پیس لیں۔ اب اس کے بالز بنا کر شاشلک اسٹکس پر لگائیں۔ آخر میں تیل گرم کر کے بنائے ہوئے کوفتے گولڈن براؤن کریں۔ مزے دار گرلڈ کوفتے تیار ہیں۔

نگہت وقار...... کراچی

مٹر گوشت بریانی

اجزاء:۔

گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول (ابلے ہوئے)	ڈیڑھ کلو
گھی	ڈیڑھ پاؤ
دودھ	آدھا کلو
لونگ	دس گرام
بڑی الائچی	دس گرام
آلو	ایک پاؤ
پیاز	ایک پاؤ
دھنیے کا پانی	ایک چوتھائی کپ
مٹر دانے	آدھا پاؤ
زعفران	تھوڑا سا
دہی	ایک پاؤ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گوشت کی بوٹیوں پر نمک مَل کر انہیں ایک طرف رکھ دیں اور کچھ دیر کے بعد ان پر دہی مَلیں۔ چند منٹ بعد اسی گرام گھی میں پیاز سرخ کرنے کے بعد اس میں گوشت، لونگ، بڑی الائچی اور دہی ڈال کر بھونیں اور ساتھ ہی دھنیے کا پانی ڈال دیں۔ جب یہ پانی خشک ہو جائے تو ابلے ہوئے چاولوں کو دودھ کے ساتھ دیگچی میں گوشت کے اوپر بچھا دیں۔ ایک طرف آلو اور مٹر کے دانے بھی بچھا کر دیگچی کا منہ آٹے سے بند کر دیں اور نرم آنچ پر دَم دیں۔ پھر اس کے نیچے سے آگ ہٹا دیں اور ڈھکنے پر انگارے رکھ دیں۔ چند منٹ بعد ڈھکنے پر ایک پتھر رکھ کر کچھ دیر تک دَم پر رہنے دیں۔ پھر چولہے سے اتار لیں۔ جب آگ پتیلی کے نیچے سے ہٹائی جائے تو یہ ضروری ہے کہ آگ پتیلے کے چاروں طرف رکھی جائے۔ اور اگر چاول کا رنگ زرد رکھنا ہو تو آخری مرحلے پر زعفران ڈال دیں۔

فائزہ بٹ...... رینبو سینٹر، کراچی

کلیجی پیاز

اجزاء:

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
تیل	۴ سے ۵ کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	۲ عدد ابال کر کاٹ لیں
ہری مرچ	دو عدد
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چوتھائی گٹھی

ترکیب:۔

پہلے بکرے کی کلیجی کو چھوٹی بوٹیوں میں کاٹ لیں۔ اب کڑاہی میں تیل اور ادرک لہسن پیسٹ شامل کر دیں۔ جیسے ہی وہ تھوڑا سا پک جائے تو کلیجی شامل کر کے اتنا بھونیں کہ تمام پانی خشک ہو جائے۔ پھر اس میں پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ، پسی لال مرچ، نمک، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، جائفل جاوتری، قصوری میتھی اور ہلدی شامل کر کے تھوڑا سا مکس کریں۔ آدھا کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ہرے دھنیے سے گارنش کر کے گرم گرم سرو کریں۔

طلعت نظامی......کراچی

چانپ

اجزاء:

پیاز دو عدد	درمیانی (سلائس کی ہوئی)
ہرا دھنیا	آدھا کپ
ہری مرچ	آٹھ عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
تیل	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:۔

بلینڈر میں پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ثابت کالی مرچ، دہی، لیموں کا رس اور نمک ڈال کر بلینڈ کر لیں۔ اب چانپوں کو اس مکسچر سے دو گھنٹے کے لیے میری نیٹ کر لیں۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں گرائنڈ کیے ہوئے مکسچر کو پانچ منٹ کے لیے فرائی کر لیں، یہاں تک کہ وہ براؤن ہو جائے۔ اب اس میں چانپیں ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کر کے ڈھکیں اور پکنے کے لیے چھوڑ دیں، یہاں تک کہ گل جائیں۔ آخر میں انھیں فرنچ فرائز کے ساتھ سرو کریں۔

ہالہ سلیم......کراچی

گرم مسالا ران

اشیاء:۔

بکرے کی ران	ایک عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوئے	چار سے چھ عدد
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
پودینہ (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	چار عدد
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ڈیڑھ کپ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کچا پپیتا پیسٹ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ران کو اچھی طرح صاف کر کے گہرے کٹ لگا لیں۔ اب اس پر نمک اور پپیتا پیسٹ لگا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ گرائنڈر میں ادرک، لہسن، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچیں، زیرہ اور نمک ملا کر گرائنڈ کر کے ہرا مسالا تیار کر لیں۔ دہی میں پسا ہوا ہرا مسالا اور گرم مسالا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور یہ آمیزہ ہاتھوں کی مدد سے پوری ران پر اچھی طرح لگائیں اور دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پتیلی میں چھ کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے مسالا لگی ران اس میں ڈال کر بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں اس کے بعد پلٹ دیں اور مزید بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں، سرخ ہونے پر اور گوشت گل جانے کے بعد نکال لیں۔ گرم مسالا ران تیار ہے۔ سلاد اور ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

روبین احمد

خشک جلد پر میک اپ

موسچرائزلوشن خشک جلد کے لیے استعمال ہوتا ہے'یہ جلد کونمی اورروغن فراہم کرتا ہے۔ چکنی جلدکواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خشک جلد پرآپ میک اپ اسٹک استعمال کرسکتی ہیں۔جس سے خشکی ظاہر نہیں ہوگی۔آئلی بیس اس کے لیے بہتر ہے۔

نارمل جلد یا ملی جلی جلد پر میک اپ

یہ جلدسب سے بہتر ہوتی ہے'اس جلد کی حامل خواتین چکنی اور پانی کی آمیزش والی دونوں میک اپ بیس استعمال کرسکتی ہیں۔

زرد رنگت پر میک اپ

پیلاہٹ مائل یازرد رنگت رکھنے والی خواتین کوگلابی اور ہلکے اورنج شیڈ کے امتزاج والی فاؤنڈیشن یا اسٹک خریدنی چاہیے کیونکہ اس شیڈ کی فاؤنڈیشن لگانے کے بعد ان کے جسم کی جلد کا رنگ چہرے کے رنگ سے زیادہ متضاد نہ لگے گا۔

اس کے علاوہ دوسرا شیڈ پیلاہٹ مائل براؤن اور گلابی کا بھی لیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں رنگوں کی فاؤنڈیشن لگانے سے پہلے انہیں یک جان کرلیا جائے'اس سے چہرے پر قدرتی تازگی اور گلابی پن کا احساس پیدا ہوگا۔

سیاہ رنگت پر میک اپ

سیاہ رنگت والی خواتین کو ہلکے نارنجی یا گلابی شیڈ کی فاؤنڈیشن لینا چاہیے۔اس سے ان کے چہرے پر صحت مند تازگی کا تاثر ابھرے گا اور گورا کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے ان کی رنگت اور بری لگنے لگے گی' اس لیے ایسی رنگت پر ایسی بیس استعمال کریں جو دیکھنے میں اچھی لگے۔

حساس جلد پر میک اپ

حساس جلد بہت نازک ہوتی ہے'ایسی جلد رکھنے والی خواتین ہمیشہ جلد کے مسائل کا شکار رہتی ہیں'کبھی دانے نکل آتے ہیں تو کبھی الرجی ہوجاتی ہے ایسی خواتین کو چاہیے کہ وہ جو فاؤنڈیشن استعمال کریں اس میں چکنائی شامل نہ ہو کیونکہ ان کی جلد کے مسامات ویسے ہی زیادہ چکنائی خارج کرتے ہیں اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ادویات پر مشتمل فاؤنڈیشن استعمال کریں۔

کیل اور مہاسوں پر میک اپ

ایسی جلد پر میک اپ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے' کیوں کہ کیل مہاسے چکنائی کی وجہ سے نکلتے ہیں۔ اس لیے ایسا میک اپ بالکل استعمال نہ کریں جس میں چکنائی ہو'واٹر بیس ہی بہتر رہے گی۔

گندمی رنگت پر میک اپ

گورے رنگ پر ہر طرح کا میک اپ ہوجاتا ہے'لیکن اگر گندمی رنگت رکھنے والی خواتین میک اپ کے سلسلے میں سلیقے سے کام نہ لیں تو ان کا چہرہ بدنما اور رنگ سیاہ نظر آنے لگتا ہے۔ گندمی رنگت والی خواتین کو چاہیے کہ میک اپ خریدتے وقت اپنے ہاتھ کی اسکن پر فاؤنڈیشن یا میک اپ اسٹک لگا کر چیک کرلیں۔ بیس سائٹ Base Sitc خریدیں' جو ان کی رنگت سے تھوڑا سا فیئر ہو۔

سرخی مائل رنگت پر میک اپ

سرخی مائل رنگ پر ہر وقت سرخی رہتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سرخ دھبے بھی نظر آتے ہیں خاص طور پر ناک کی نوک' تھوڑی' رخساروں اور ماتھے پر سرخ نشانات واضح ہوتے ہیں۔ ایسی جلد رکھنے والی خواتین کو چاہیے کہ وہ پیلاہٹ مائل گلابی رنگت کی فاؤنڈیشن یا اسٹک کا انتخاب کریں کیونکہ اس شیڈ کی بیس چہرے کی سرخی کو بھی چھپائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ چہرہ قدرتی سرخی سے محروم بھی نہ رہے گا۔

گیسوئے حسن

چہرے کا میک اپ بالوں کے اسٹائل کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ بالوں کی آرائش کا اندازہ وقت کے ساتھ کافی بدل

گیا ہے کچھ دنوں پہلے تک بیک کا منگ کا رجحان تھا مگر اب بالوں کو سیدھے سادھے انداز میں بنانے کا فیشن ہے۔ آج کل پف بنانے کا رجحان بھی بہت بڑھ گیا ہے اگر بال لمبے ہیں تو پیچھے سے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا باندھ لیں۔ ہلکے بالوں کے لیے بہتر ہے کہ اسے پرم کروا کر گھنا کرلیا جائے۔ چھوٹے بالوں کے لیے چند مخصوص اسٹائل ہیں ان دنوں زیادہ تر خواتین چھوٹے بالوں کو بلو ڈرائی کرلیتی ہیں۔ ان دنوں بالوں کے جو اسٹائل ان ہیں ان میں سادہ یا فرنچ چوٹی بنانا سادہ جوڑا بنانا سوئس رول بنانا وغیرہ وغیرہ۔

ہیئر اسٹائل

ہیئر اسٹائل بنانے سے پہلے چند ہدایات

بالوں کا صاف ہونا ضروری ہے اچھی طرح دھلے ہوئے ہوں۔

بالوں میں جیل لگائیں یا پھر موس لگائیں۔

بالوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط رکھیں تاکہ ہیئر اسٹائل بناتے ہوئے بال ڈھیلے نہ ہوں۔

ہیئر اسٹائل بناتے وقت ٹیل کوم استعمال کریں۔

ہیئر اسٹائل بنانے کے بعد ہیئر اسپرے کریں۔

گلیٹر لگائیں اور اگر چاہیں تو Beads بھی لگالیں۔

زیگ زیگ مانگ۔

بالوں میں کنگھی کیجیے پھر ٹیل کوم سے بالوں میں زیگ زیگ کی طرح کنگھی کریں اور پیچھے لاکر ختم کردیں۔ مانگ نکالنے سے پہلے بالوں کو جیل لگالیں پھر مانگ نکال کر کنگھی سے سیٹ کرلیں۔

چار بلوں والی چٹیا۔

پہلے کنگھی کرکے بالوں کو چار حصوں میں تقسیم کریں پھر سادی چٹیا کی طرح تین بلوں کی چٹیا بنائیں اور دائیں سائیڈ کا بل چھوڑ کر دوسری طرف کے تین بل بنائیں اور چٹیا بنائیں۔ پہلے دائیں طرف کے تین بل بنا کر چٹیا بنائیں پھر بائیں طرف کے تین بل بنا کر چٹیا بنائیں۔

کھجوری چٹیا۔

سب سے پہلے کنگھی کریں اور پیچھے کی طرف سے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں پھر دائیں طرف کے بالوں کے حصوں میں سے نیچے سے ایک لٹ نکال کر بائیں طرف کے بالوں میں اوپر شامل کردیں۔ اسی طرح بائیں طرف کے بالوں کے حصے میں سے نیچے سے ایک لٹ نکال کر دائیں طرف کے بالوں کے اوپر شامل کریں یوں ایک مرتبہ دائیں سے ایک مرتبہ بائیں طرف سے لیں اور چٹیا بناتیں جائیں۔

رسی نما چٹیا۔

پہلے بالوں میں اچھی طرح کنگھی کریں اور بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں پھر ہر حصے کو الگ الگ ایک ہی رخ پر بل دیں اور پھر اکٹھا کرکے ایک دوسرے کے اوپر کرتے ہوئے بل دے کر چٹیا بناتیں جائیں۔

فرنچ چٹیا۔

پہلے بالوں میں اچھی طرح کنگھی کریں اب سر کے اوپر بالکل درمیان میں سے بالوں کی ایک چھوٹی اور پتلی سی لٹ لے کر چٹیا بنائیں۔ اس کے تین ہی بل بنانے ہوں اب ہر دائیں والے بل میں ہر دائیں طرف سے بالوں کی موٹی لٹ شامل کریں پھر بائیں طرف سے بالوں کی لٹ لیں اور بائیں طرف والے بل میں شامل کرلیں۔ اسی طرح ایک لٹ دائیں طرف سے ایک بائیں طرف سے لینی ہے۔ گردن تک کریں اس کے بعد نیچے سادہ چٹیا بنالیں۔

راؤنڈ فرنچ۔

دائیں طرف سے کان کے اوپر سے بال اٹھائیں اور کنگھی کریں پھر فرنچ کی طرح باہر کی طرف اوپر سے ایک ایک لٹ لے کر چٹیا بناتی جائیں۔ سامنے سے ایسا لگے گا جیسے ہیر بینڈ لگایا ہوا ہے آگے سے پیچھے تک فرنچ چٹیا کی طرح بناتیں جائیں۔ ایک طرف سے دوسری طرف تک راؤنڈ بن جائے گا۔ آخری سرے کو جہاں سے چٹیا بنانا شروع کی تھی وہیں پیچھے کی جانب لاکر اندر کی طرف موڑ کر پن لگادیں راؤنڈ فرنچ تیار ہے۔

نیرنگ خیال

ایمن وقار

حمد باری تعالیٰ

اے ارض و سمٰوات کے خالق و مالک
تجھے واسطہ محمدی ﷺ
تجھے واسطہ پنجتن
میری ذات کو ایمان کا شعور دے
میری نفس کو روحانیت کا سرور دے
میری فکر کو تُو کمال دے
میری نظر کو تُو نورا جال دے
اے ارض و سمٰوات کے خالق و مالک
مجھے اپنے عشق میں نڈھال کر
نہ رہے میرے من میں کسی کا خوف و ڈر
مجھے دیدۂ بینا کر عطا
اے ارض و سمٰوات کے خالق و مالک
تُو غفور ہے تُو کریم ہے
تیری ذات اعلیٰ و عظیم ہے
بخش میری خطا مجھے معاف کر
خزانہ مغفرت سے اب میری جھولی بھر

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ

نعت رسول مقبول ﷺ

ہے ازل سے ابد تک اک فرماں
نفرت کے قابل کبھی ہوتا نہیں انساں
خدمت کعبہ بہت قیمتی ہے مگر
اس سے کہیں بیش قیمت ہے انساں
سارے نبی ہیں مجھ کو جان سے پیارے
محمد مصطفیٰ ﷺ پر فدا ہے میری جاں
آپ ﷺ ہیں جیسے ویسا نہیں کوئی
پوری کائنات میں آپ ﷺ کا ثانی کہاں
جنت کی خوش بو قریب آ رہی ہے
مدینے کی طرف جو قافلہ ہے رواں
محبت مصطفیٰ ﷺ ہے اولین شرط ایمان کی
محبت مصطفیٰ ﷺ ہے مومن کی زیست کا ساماں
ذات کا تو ممکن ہی نہیں واجد
صفت کا احاطہ بھی ممکن کہاں
بخشش کی فکر مجھے اس لیے بھی نہیں
میرے آقا ﷺ ہیں رحمت دو جہاں
اللہ کی ہے توفیق واجد
میں بھی ہوں آپ ﷺ کا ثناء خواں

واجد محمود قریشی

جانے کیوں؟

بہت سے خواب
دیکھے تھے......
بہت سی خواہشیں
کی تھیں......
مگر......!
ہر خواہش
ادھوری رہی
ہر خواب حسرتوں
میں بدل گیا
پھر......
جانے کیوں
تجھے پانے کی
خواہش کی......
تیرے ساتھ کا
خواب دیکھا......!

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان

غزل

تیری یادیں آنسو اور غم
کرتے گئے میرا آنچل نم
آج چلا وہ جانب غیر
تھا کبھی جو میرا ہم دم

پیتے پیتے دکھ کے گھونٹ
اک دن مر جائیں گے ہم
الجھا الجھا اپنا مقدر
دلدل رستہ' پیچ و خم
وہ چاند ستارہ میں خاک
اس تک کیسے پہنچیں ہم
بھول نہ پائیں گے تجھے
کیوں کرتا ہے تو وہم
تمنا ہے بس یہ دل کی
تیرے نام پر نکلے دم
میری کیا اوقات ہے لوگو
سب ہیں اوپر والے کے کرم

فصیحہ آصف خان...... ملتان

میرے پیارے وطن کے نام

اے میرے محبوب وطن
اے میرے پیارے وطن
تجھ کو ہم نے حاصل کرنے میں
کئی ماؤں نے اپنی گودیں اجاڑیں
کئی سہاگنوں نے اپنی مانگیں سونی کیں
کتنے بھائی کٹے' کتنے کارواں لٹے
پر اے وطن!
سب رائیگاں گیا' سب رائیگاں گیا
اے وطن تیری جڑوں کو اب
تیرے اپنے ہی کھوکھلا کررہے ہیں
پھیلا ہے ہر جگہ رعونت کا طلسم
روشنیوں کی جگہ تاریکیوں نے لے لی
ظلمت کی سیاہی بکھیر کے
تیری آہ و بکاہ کا تماشہ دیکھ رہے ہیں
تیری گلیوں میں خون کی رلیا منا کے
تجھے تیرے اپنے ہی غلیظ کررہے ہیں
پر اے میرے وطن!
تجھ سے ہے اب یہ وعدہ ہمارا
امیدوں اور حوصلوں کی شمع لے کر
ہم تجھ کو اب پھر سے روشن کریں گے
محبت و علم کے جھنڈے تھام کر
تیری گلیوں کو اب پھر سے پر امن بنائیں گے
اے میرے محبوب وطن
اے میرے پیارے وطن

عائشہ بی بی...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

پہاڑا

لاکھ سر پٹختی ہوں
بھولتے ہی نہیں ہو
بچپن میں کیا گیا
دو کا پہاڑا
ہو جیسے تم......!

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن

دل کی خواہش ہے کہ

دل کی خواہش ہے کہ
کوئی یوں آ ملے
زرد موسم میں بھی پھول کھلنے لگے
راستے خود ہمیں لے کے چلنے لگے
اس کی سنگیت میں دنیا بھی جنت لگے
دل کی دھرتی پہ جب اس کی نظر پڑیں
دھڑکنیں ساز کی تار ہونے لگیں
درد گانے لگے' مسکرانے لگے
خواب آنکھوں کی چوکھٹ پر رقص کریں
رات بھر ہم اسے بیٹھے تکتے رہیں
باتیں کرتے رہیں' باتیں سنتے رہیں
چاند تکتا رہے رات ڈھلتی رہے
دل کی خواہش ہے کہ
کوئی یوں آ ملے
پھر جدائی نہ ہو' بے وفائی نہ ہو
میں جو چپ بھی رہوں میرے دل کی سنے
ساتھ ہنسنے لگے ساتھ رونے لگے

دنیا جلنے لگے
دل کی خواہش ہے بس
کوئی یوں آملے......!

وقاص عمر بنگڑ نو..... حافظ آباد

غزل

درد میرا کس نے جانا ہے
جو اپنا ہے وہی بیگانہ ہے
اب کیوں سمجھاؤں میں تم کو
یہ راز بڑا پرانہ ہے
تیری ہم سفر بس ایک میں ہوں
یہ حقیقت ہے تو کیا فسانہ ہے
یوں دل نہ میرا جلایا کرو
تم پرائے ہو ہم نے مانا ہے
تم لاکھ دور ہو جاؤ ہم سے
تیرا دل ہی میرا ٹھکانہ ہے
دعویٰ کرتے ہو محبت کا
تو میری چاہت کو کیوں بھلانا ہے
چاہے جتنا بھی ستم کرلو
میرا دل تیرا ہی دیوانہ ہے
کبھی فرصت ملے تو میرے گھر آنا
ایک وعدہ یاد دلانا ہے
تو سات سمندر بھی پار چلا جا
روبا کے پاس ہی لوٹ کے آنا ہے

عروبہ عباس..... کوٹلہ جام، بھکر

الوداع

سفر ہو اگر لازم
اسے لازم ہی تم رکھنا
مجھے تم چھوڑ کہ جانا
ہر ناتا توڑ کے جانا
کوئی بھی آس مت دینا
کوئی امید مت دینا
اپنا رختِ سفر باندھو
یوں ہی ہنستے چلے جانا
مگر......
تم آنکھوں سے مجھے
کبھی الوداع مت کہنا

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

نظم

ہنسنے کے عادی تو
پہلے بھی نہ تھے جاناں
تجھے ملنے سے پہلے بھی
چپ چاپ ہی رہتے تھے
کوئی کتنا ستم ڈھاتا
کوئی کیسے بھی آزماتا
مجھے کیا فرق پڑتا تھا
ان سارے مصائب سے
ہمت سے ہی لڑنا تھا
اور مجھے دیکھو ذرا
لڑی تھی میں
ہاں مگر......
اپنے قدموں پر پورے قد سے کھڑی تھی میں
پھر قسمت نے مجھے تم سے ملایا
اور میں نے جرم محبت کر کے
خود کو تیری نظروں میں بے مول کر ڈالا
پھر بھی میں اقرار کرتی ہوں
تیرے قابل نہیں ہوں پر
میں تم سے پیار کرتی ہوں
اور یہی سچ ہے
تیری بے رخی سہتی ہوں
پیار میں قربانی تو ہوتی ہے
محبت کی کڑی قیمت چکانی تو ہوتی ہے
بس اتنا ہو ہر دن تیری دید ہو جائے
ہماری عید ہو جائے

سیدہ جیا عباس..... تلہ گنگ

ہم سفر

میرے ہم سفر ہیں تیرے نام
میری دل کی ساری دھڑکنیں
میرے خواب میری چاہتیں
میرے ہم سفر ہیں تیرے نام
میں اپنی جان تک تجھ پر وار دوں
یہ بصارتیں تجھے سونپ دوں
کوئی دکھ نہ ملے تجھ کو کبھی
تُو پھولوں کی طرح کھلا کرے
میری روز و شب کی عبادتیں
میرے ہم سفر ہیں تیرے نام

ارم وڑائچ..... شادیوال، گجرات

بے وفا لوگ

کہاں وفا کے بدلے وفا دیتے ہیں لوگ
اب تو محبت کی بھی سزا دیتے ہیں لوگ
یہ پہلے سجاتے ہیں دلوں میں خواب چاہتوں کے
پھر تعبیروں کو آگ لگا دیتے ہیں لوگ
دو دلوں کو ملانا دور کی بات ہے
ملتے دلوں کو جدا کر دیتے ہیں لوگ
دوسروں کو ڈبو کے غموں کے سمندر میں
پھر ساحل پر کھڑے مسکرا دیتے ہیں لوگ
ذرا دیکھ تو یہ مطلب پرستوں کی دنیا ہے
یہاں قدم قدم پر دغا دیتے ہیں لوگ

سعدیہ رشید بھٹی..... فیصل آباد

محبت

محبت لفظ ہے ایسا
کہ جس کو جان کر بھی ہم
ناآشنا سے لگتے ہیں
محبت کھیل ہے ایسا
کہ جس کو کھیلنے پر ہم
جاں سے کھیل جاتے ہیں
محبت ہی تو ہے اے زندگی
کہ جس میں جیت کر بھی ہم
اکثر ہار جاتے ہیں

زندگی وفا..... بھکر

نظم

اپنے بخت پر ناز کیوں نہ کروں میں
کہ محبت کے اس قحط زدہ دور میں
جہاں سچی رفاقت و محبت
ناپید ہوتی جا رہی ہے
خوشیاں ریت کی مانند
ہاتھوں سے پھسلتی ہی جا رہی ہیں
تو ایسے بے رنگ موسموں میں
تمہاری بے پایاں چاہت
میری زندگی و دل کی
بنی ہے راحت
خواہش جو میری دل میں جنم لے
کہنے سے قبل ہی پوری کردے
غلطیوں کو میری نظر انداز کردے
لہجے کو اپنے اک ساز کردے
روٹھوں گر میں تو مجھ کو منائے
رو پڑوں تو مجھے ہنسائے
تو ایسے ہم سفر کو پا کے
کیوں نہ شکر ادا کروں میں
اپنے بخت پر ناز کیوں نہ کروں میں
یاالٰہی.....!
محبت کے یہ راگ
تا عمر سنتی رہوں میں
سدا پھول چاہتوں کے
چنتی رہوں میں

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤالدین

غزل عید

میری الجھی بکھری سانسوں کو ایک بار تو تم سلجھا جاؤ
تیری دید کی پیاسی ہوں اب تک مجھے اب تو دید کرا جاؤ

سمندر کے پاس کھڑے ہیں ہم تم اے ہم سفر میرے
میرے راج دلارے ساجن میری اب تو پیاس بجھا جاؤ
ہم جیسے مسافر لوگوں کا رب جانے کہاں ٹھکانہ ہے
تیری کشتی میں صدیوں سے آئی ہوں مجھے اب تو پار لگا جاؤ
میرے دیس کی بھولی بھالی سب گلیاں ویران ہے
تم گردو آ کے ان سیراب کے بن کے بارش آ جاؤ
تم بن ہے ادھوری اب ہر عید میری بخشی
تم آ کے میرے آنگن میں میری اب تو عید کر جاؤ

صباء الیاس...... ماہندر

سندر سپنا ٹوٹ گیا

بچپن کے دن بھی کتنے حسین ہوتے ہیں
شرارتیں نادانیاں اور ہنسنا ہنسانا
کبھی امی کی ممتا بھری آغوش میں چھپ جانا
روٹھی امی کی گردن میں بانہیں ڈال کر ان کو منانا
کبھی بابا کا چشمہ چھپا کر ان کو ستنا
کبھی سمندر کے کنارے گھروندے بنانا
بچپن کی شرارتوں سے الجھتے
جب ہم پہنچے جوانی کی دہلیز پر
آنکھیں موندے اک نئے سفر پر ہوئے رواں
یہ کیسا سفر ہے اور کیسا ہم سفر
آنکھیں میچے اس کے سنگ چلتے ہی گئے
دور...... دور بہت دور
اجنبی کے سنگ سنگ چلتے ہی گئے
ایک دوجے کا ہاتھ تھامے
پیارے پیارے بابل اور میا سے دور
آنکھ کھلی تو ہم تھے...... بستر تھا
وہ بچپن کی سکھیاں
وہ بابل کا آنگن
وہ میا کی دہلیز
سب چھوٹ گیا
ایک سندر سپنا ٹوٹ گیا

مسز نگہت غفار...... کراچی

نظم

آج......
اک عجب سماں دیکھا
ننھی سی اک لڑکی تھی
چہرہ جھلسا ہوا
ہاتھ جھلسے ہوئے
پاگل خانے میں
زنجیروں سے بندھی لڑکی
جسے بیٹی ہونے کے جرم میں
باپ نے زندہ جلا ڈالا تھا
خلاؤں میں گھورتی وہ پاگل لڑکی
بے حد محبت سے
یہ لفظ گنگنا رہی تھی
اے خدا...... میرے ابو سلامت رہیں
اے خدا...... میرے ابو سلامت رہیں
کسی بھی لفظ کے معنی سے انجان لڑکی
سر کو دائیں سے بائیں جنبش دیتی
بس گنگنائے جا رہی تھی
گنگنائے جا رہی تھی
آنکھوں میں پکارے جانے والے کے لیے
ڈھیروں محبت کے چراغ جلائے
گنگناتی ہوئی پاگل لڑکی
اور...... اس کے الفاظ
اے خدا...... میرے ابو سلامت رہیں
اے خدا...... میرے ابو سلامت رہیں

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

غزل

محبت کی سبھی غزلیں اگر ترتیب دیتی ہوں
سنو اہل وفا والو! ہنر ترتیب دیتی ہوں
کہیں جانا بھی ہو مجھ کو تو راتوں کی وحشت میں
کسی صحرا نوردی کا سفر ترتیب دیتی ہوں
میرا اہل سخن میں بھی کبھی تو ذکر ہوتا ہے

میں اپنی شاعری ذوق نظر ترتیب دیتی ہوں
میری نظمیں میری غزلیں کسی احساس کی خوش بو
میری شہرت کا باعث ہیں اگر ترتیب دیتی ہوں
میرے گھر کے دریچے میں کہیں سایہ نہیں ملتا
میں اپنے صحن کے اندر شجر ترتیب دیتی ہوں
میری آنکھیں سمندر کی کہیں لہروں کی صورت میں
فری میں سمندر کی بھنور ترتیب دیتی ہوں
فریدہ جاوید فری......لاہور

غزل

یہ کیسا درد مقدر میں لکھ دیا اس نے
مرے نصیب کو پتھر میں لکھ دیا اس نے
میرے وجود کو تخلیق کی قبا دے کر
شکست ذات کے محور میں لکھ دیا اس نے
میں جس کے واسطے سورج کشید کرتی رہی
شکستہ رات کے منظر میں لکھ دیا اس نے
مرے وجود کے کھلتے ہوئے گلابوں کو
ہوائے دست ستم گر میں لکھ دیا اس نے
میں ایسا رشک تمنا ہوں جس کو تمثیلہ
ہمیشہ دیدۂ اختر میں لکھ دیا اس نے
تمثیلہ لطیف......پسرور

آنچل

وہ آنچل کا تمہارے سر سے سرکنا یاد آتا ہے
گلی میں چلتے ہوئے ڈرنا تمہارا یاد آتا ہے
کبھی برستی ہوئی بارش میں جب تم بھیگ جاتے ہو
وہ بھیگا ہوا آنچل تمہارا یاد آتا ہے
کبھی آنچل اوڑھے جب کبھی کھڑکی میں آتے ہو
گلی میں اک نظر کرنا وہ ہم پر یاد آتا ہے
شہزادی......راولپنڈی

شیشے کا نگر

جس کی انگڑائی نے توڑا شیشے کا نگر
رخ کی بگڑائی نے بکھیرا شیشے کا نگر
ویراں بستی ملی، جدھر تھا شیشے کا نگر
لہو لہو ہوا بدن، لہو لہو تھا شیشے کا نگر
محبت قید تھی وہاں جسے کہتے ہیں شیشے کا نگر
اسے آزاد جو کیا، بکھر گیا شیشے کا نگر
زندگی میں دکھ ملا، کھو دیا شیشے کا نگر
خوشی ملتی تو شاید پا ہی لیتے شیشے کا نگر
خواب تعبیر سچ نکلتی، قائم رہتا شیشے کا نگر
امید ٹوٹی، آرزو سسکی، چیخ گیا شیشے کا نگر
ماہ نور نعیم......بھکر

غزل

ان گلی بازاروں میں کیا رکھا ہے
سبھی در دیواروں میں کیا رکھا ہے
وہ جاذب نظر ہی نہ رہا
بھلا حسیں نظاروں میں کیا رکھا ہے
کوئی منت مراد نہ ہو پوری
درگاہوں اور مزاروں میں کیا رکھا ہے
رس گھولتی تھی کانوں میں ہنسی اس کی
یہ گنگناتی آبشاروں میں کیا رکھا ہے
سازِ الفت ہے جو بج اٹھا ہے
وگرنہ دل کے تاروں میں کیا رکھا ہے
وہ تھا جو فقط من کو بھاتا تھا
یہ لاکھوں ہزاروں میں کیا رکھا ہے
موسم گل وہی جو گزرا اس کے سنگ
اب کہ زید بہاروں میں کیا رکھا ہے
رانا محمد زید......فیصل آباد

ہما احمد

پیاری بہن راحیلہ روالپنڈی کے نام

پیاری راحیلہ! السلام علیکم امید ہے آپ بخیر و عافیت سے ہوں گی۔ آنچل کی معرفت آپ کے قیمتی تحائف اور خطوط موصول ہوئے آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ نفسانفسی کے اس دور میں کسی کے لیے اتنا وقت نکالنا اور اتنی پیاری ڈھیر ساری چیزیں خریدنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اپنی نازی کی تحریروں اور اپنے آنچل کے ساتھ یہ تعلق ہمیشہ بنائے رکھیے گا۔ اللہ آپ کو اس کا بہترین جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ آپ کی بے پناہ محبت کے جواب میں ان شاء اللہ میں آپ کی فرمائش پوری کروں گی اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا شکریہ۔ آنچل سے منسلک وہ تمام بہنیں جو ناچیز کو اپنی محبت اور دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں آنچل کی معرفت اپنی پسندیدگی اور پیغامات مجھ تک پہنچاتی ہیں آپ سب کی محبت مجھ پر قرض ہے ان شاء اللہ یہ قرض ضرور ادا کرنے کی کوشش کروں گی۔ فی الحال ناچیز کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ فی الوقت مجھے آپ کی خصوصی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے فی امان اللہ یار زندہ صحبت باقی۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

پیاری دوست کے نام

السلام علیکم! امید ہے میری ساری پیاری پیاری سہیلیاں خوش اور مزے میں ہوں گی سب سے پہلے تو (گف گروپ) وامیہ سارہ بشریٰ عاصمہ عامرہ ماہرہ عاشی صدف صوبی ازاق شہزادیوں کیسی ہو بے وفا ہو تم سب کبھی نہ ملنے آئیں اور نہ کوئی پیغام۔ سارہ ایان بھائی کو اتنا دور کیوں بھیج دیا میرے ثمر بھائی بھی دبئی چلے گئے ہیں۔ عاصمہ جانو سنا ہے آپ کو کچھ کچھ ہوتا ہے اور ہم آنٹی بننے والے ہیں اور حمزہ بھائی کیسے ہیں؟ عامرہ شہزادی پھر کب طاہر بھائی آرہے ہیں اور شادی کے کیا ارادے ہیں۔ عاشی میری جان تم بہت خوش نصیب ہو تصور بھائی بہت اچھے ہیں۔ صدف میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی اتنی تمہاری یاد آتی ہے اور تمہاری طرف سے کوئی رابطہ ہی نہیں آئی مس یو سو مچ ٹو آل آف یو۔ پلیز صدف مجھ سے رابطہ ضرور کرنا آنچل کے ذریعے۔ (ماہندر گروپ) مہوش شیراز صنم شمائلہ سعدیہ ارم صوفیہ حمیرا نیا انداز کیسا لگا بہت اچھا لگے گا جب پڑھوگی تم سب۔ میرے دیس کی پیاری پریوں خدا تم سب کو خوش رکھے اور تم سب کے نصیب اچھے کرے تم سب بھی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

صباء الیاس...... ماہندر

تمام پریوں کے نام

السلام علیکم! تمام دوستو کڑیو چڑیو کیسی ہو بھئی ماہ رخ یاد کرنے کا شکریہ۔ شمع کیسی ہو بھئی اور ثوبیہ اپنی مما کو بولو شادی کردیں تمہاری بھی ترقی ہوجائے گی جتنی مرضی کرلینا یہ تم پر منحصر کرتا ہے بھئی۔ یار مائنڈ نہ کرنا مذاق کررہی ہوں یار شادی سے پہلے مزے ہی مزے ہیں اور شادی کے بعد زندگی بورنگ ہے۔ انجم انجم شاہ زندگی نورین لطیف نورین شاہد فریحہ جیا آپی سباس آپی ارم کمال الوینہ میڈم اور تمام فرینڈز کو سلام اور ثناء میری گڑیا میری شہزادی تم نے کہا کہ آپی میرا ذکر ہی نہیں کرتی ثناء تم مجھے اتنی پیاری لگتی ہو خصوصاً جب تم بولتی ہو اتنی معصومیت ہوتی ہے تمہارے چہرے پر تمہیں فٹ پیار کرنے کو دل کرتا ہے۔ دل لگا کر پڑھو اور ہمیشہ کامیاب رہو اور سعدیہ اب شادی کرہی لو یار تم سے کتنی چھوٹی ہوں مما بن گئی ہوں اور تم کیوں آزاد پھر رہی ہو اور جو ڈائجسٹ تم نے منگوائے تھے کسی آتے جاتے کے ہاتھ بھیج دینا میں نے ان میں سے ایک بھی نہیں پڑھا سوائے قسط وار کے اور روبی ڈیئر! کیسی ہو یار ملتان کا چکر لگاؤ گی اور حفصہ کو سلام عبدالہادی کی تین چار پاریاں کرنا باقی سب کو سلام اللہ حافظ۔

نورین شفیع..... ملتان

پاپا جی کے نام

السلام علیکم! پاپا جی کیسے ہیں آپ؟ پاپا جی 11 نومبر کو آپ کی برتھ ڈے تھی تو ہماری طرف سے سال گرہ بہت بہت مبارک ہو۔ پاپا جی آپ کو ہمیشہ سے ہی ہم سے شکایت تھی کہ ہم آنٹی سے زیادہ پیار کرتے ہیں آپ سے نہیں تو پاپا جی ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ آنٹی سے زیادہ ہمیں آپ سے پیار ہے۔ آپ میں تو ہم سب بہن بھائیوں کی جان ہے۔ پاپا اگر ہفتے میں ایک بار آپ کو دیکھ نہ لیں تو پتا نہیں ہمیں کیا ہونے لگتا ہے تو اس وقت ہم آپ کی تصویر دیکھ کر ہی گزارہ کر لیتے ہیں تو کبھی کبھی آپ کو بلانا بھی پڑ جاتا ہے۔ پاپا جی آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہمیں آپ سے ہی زیادہ پیار ہے (ہاہاہا)۔ ریحان علی مرتضیٰ اور آنٹی کا بھی خیال رکھیے گا اس کے علاوہ صبا زرگر ریحان علی، چچی آمنہ اور نور سحر کو بھی سال گرہ کی مبارک ہو اور ہاں خود مجھے بھی سال گرہ کی بہت مبارک اور آخر میں تمام فرینڈز کو سلام اللہ حافظ۔

سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر...... جوڑہ

پریوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے میری ڈارلنگ فائزہ سرور کو سال گرہ کی بہت بہت مبارک۔ اللہ تمہیں ہمیشہ بہت ساری خوشیاں دے اور زندگی کے ہر میدان میں کامیابیاں تمہاری مقدر میں لکھ دی جائیں۔ ایم فاطمہ سیال (محمود پور) مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ طیبہ نذیر آپ کیسی ہو؟ آپ کی نظم "سکون" اچھی تھی۔ نگین افضل وڑائچ دھیان سے اب تمہارا رزلٹ آنے والا ہے (ہاہاہا)۔ سب کو پتا چل جائے گا میری بہن بہت لائق ہے دلی دعا ہے تمہارا یہ رزلٹ بھی پہلے کی طرح اچھا رہے آمین آج کے لیے اتنا ہی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عائشہ نور عاشا...... گجرات

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ڈیئر آنچل فرینڈز! کیا حال ہے یقیناً ٹھیک ہوں گی آپ لوگ۔ روشنی وفا صاحبہ آپ کا خط پڑھا! آپ نے دوستی کی آفر کی پچھلے ماہ ڈھیروں مصروفیت کی بناء پر جواب نہیں لکھ سکی۔ اس کے لیے بہت بہت معذرت، روشنی وفا مجھے آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے اور آنچل فرینڈز پرنس افضل شاہین کی پرنسز پروین آپ کا کیا حال ہے؟ اللہ آپ کو چاند سا بیٹا عطا کرے آمین۔ میرے ملک پر اللہ رحم فرمائے دہشت گردی کا خاتمہ ہو آمین۔ اس دعا کے ساتھ رب راکھا۔

رشک وفا...... برنالی

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ نگینہ عمران آپ تو بہت مصروف ہستی ہوگئی ہیں (ماشاء اللہ) اسکول کیسا جا رہا ہے آپ کا؟ اور جس کام کے لیے آپ نے دعا کا کہا تھا وہ کہاں تک پہنچا؟ چاند اور تارے کو میری طرف سے پیار کرنا۔ کاجل شاہ آپ تو بالکل ہی غائب ہوگئی ہیں خیریت؟ فرحت اشرف کیسی ہو؟ کیا کرتی ہو آج کل؟ 6 نومبر شکیلہ تمہارا جنم دن ہے ہیپی ہیپی ریٹرن آف دی ڈے۔ بہت حیران ہو رہی ہوگی نا تم؟ آپی پروین افضل شاہین آپ تو بلبل ہیں آنچل کی (سچی) نزین شاہد کہاں گم ہو جاتی ہیں آپ، کوئی خیر خبر ہی نہیں۔ جیا باجی کیسی ہیں آپ اور آپ کی بیٹی؟ دعائے سحر چندا کیسی ہو آپ؟ طیبہ نذیر، شمع مسکان، عائشہ پرویز، دیا آفرین، دلکش مریم، شاہ زندگی کیسی ہیں آپ سب؟ سب کے لیے بہت سا سلام اور دعا او کے فرینڈز خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں اللہ حافظ۔

روبی علی...... سید والا

فیملی کے نام

میرے سویٹ سے بھائی قاسم (فرام دبئی) کو سلام۔ کیسے ہو قاسم جی! اور سناؤ کیسی گزر رہی ہے لائف دبئی مال سے میرے لیے کیا شاپنگ کی ہے۔ تم ہم سب کو بہت یاد آتے ہو خاص کر عید والے دن آئی مس یو۔ میرے کیوٹ سے بھانجے شازم کو دوسری سال گرہ کی بہت ساری مبارک باد (اللہ تمہاری عمر دراز کرے) آمین۔ شاہ ویز تم کیسے ہو بے مصباح میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں، کیسی ہو تم؟ میری طرف سے میرے کنجوس بہنوئی بھائی احمد کو بہت سارا

سلام دینا (لو مصباح اب تو تم خوش ہو نا) تم بھائی احمد سے بولنا کہ وہ بیلنس لوڈ کرواتے وقت اپنی غریب سالی کو بھی یاد کرلیا کریں اور میرے سوہیٹ سے کزن (وقاص) کو نکاح کی بہت ساری مبارک باد۔

عروسہ پرویز...... کالس

دل والوں کے نام

السلام علیکم! پیاری دوستوں کیسی ہو آپ سب؟ جاناں اور نورین شاہد کہاں ہو آپ دونوں؟ شاہ زندگی کاجل شاہ کہاں گم ہیں؟ کاجل آپ کی پرنسز کیسی ہے؟ شاہ گروپ آپ بھی انٹری دے ہی دو یار! شمع مسکان کبھی ہمیں بھی یاد کرلیا کرو۔ اریبہ شاہ مقدس رباب ملالہ اسلم سباس گل سارہ چوہدری انا احب طیبہ نذیر ماہ رخ رشک حنا (میری شادی نہیں ہوئی بس تاخیر کی وجہ سے لیٹر شائع نہیں ہوا) لاڈو ملک ایس بتول شاہ رشک وفا جیا عباس شاہ زویا خان بنگش سنیاں زرگر ماہ رخ سیال حمیرا عروش عدن چوہدری عاشی زرش بخاری (زری) برا تو نہیں لگا زری کہنا اور باقی سب دوستوں کو بھی پیار بھرا سلام۔ بلیو مون دوستی کریں گی ہم سے؟ اس کے علاوہ میری کالج فرینڈز تابندہ (انایا) ماریہ (لیہا) اور فروا (مینڈکی...... سوری یار لیا آر سوئیٹ) کو بھی سلام۔ شاہ تمہاری 10 اکتوبر کو شادی تھی اس کی مبارک باد خوش رہو اور کے اللہ حافظ۔

پارس شاہ...... چکوال

موسٹ کیوٹ کپل کے نام

السلام علیکم! ڈیئر سٹ مسٹر اینڈ مسز ملک! امید ہے آپ بخیریت ہوں گے میں آپ کے امیزنگ کپل کی اداؤں کی مداح ہوں۔ ثانیہ ملک نومبر میں آپ کی برتھ ڈے ہوتی ہے میری جانب سے دلی مبارک باد۔ شعیب سر سینٹر کنٹریکٹ میں آپ نام آ گیا ہے آئی ایم سو ہیپی فار یو۔ مبارک ہو آپ کو بہت۔ مجھے لگا تھا کہ پشاور سے ہم جیت جائیں گے پر کوئی بات نہیں یہ ایونٹ تو بہت آئیں گے ان شاء اللہ اگلے میں ہم جیت جائیں گے بس آپ اپنے سیالکوٹیز کو ذرا کس کر رکھا کریں۔ ویل ہے لیکن اگر بد قسمتی سے کسی میچ میں آپ رنز نہ کرو تو ان سے تو کچھ ہوتا ہی نہیں۔ عدیل ملک کو واپس لانے کے لیے شکریہ انگلینڈ کے اگینسٹ سیریز کے۔ یے ڈھیروں نیک خواہشات۔ ثانیہ ملک آپ کو اس سیریز میں بہت مس کروں گی اگر آپ وہاں نہ ہوئیں تو آپ دونوں کا کپل بہت نائس ہے دعا ہے آپ ہمیشہ خوش رہیں آمین۔

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

پروین افضل اور دوستوں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر پروین افضل شاہین میری خواہش تھی کہ میں آپ سے آنچل کے توسط مخاطب ہوں پر کبھی نہ ہو سکی۔ آپ نے مجھے صبیرہ کی پیدائش پر مبارک باد دی مجھے بہت اچھا لگا اور خوشی بھی ہوئی۔ ڈیئر میں نے اس وقت جب میرا ایک پاؤں قبر میں اور ایک دنیا میں تھا تب بھی آپ کے لیے بہت سی دعائیں کی اور روز کرتی ہوں دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو بھی اولاد سے نوازے آمین۔ آپ کو ماں کے رتبے پر فائز کرے اللہ رب العزت ہمیشہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے۔ ایس انمول ماہ رخ سیال لاڈو ملک عائشہ لک عاشو جاناں ملک عائشہ خان شانزے خان عائشہ خیان (عاشی) شہناز اینڈ شازیہ اقبال صنم ناز مسز مازیہ ڈ دلکش مریم فریحہ شبیر ماریہ کنول ماہی عتیقہ عابد دوست بن سکتے ہیں ہم شاہ زندگی۔ سب کو دل کی گہرائیوں سے سلام محبت جن کے نام رہ گئے ان کو بھی سلام۔ نادیہ فاطمہ سباس بہت نائس لکھتی ہو زور قلم اور زیادہ۔ عبدل اللہ پاک تمہیں دراز عمر صحت مند زندگی دے میرے مجازی خدا آپ میں خوش گوار تبدیلی نے خوشی دی خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں آپ۔ میری تمام فیس بک فرینڈز کو سلام اور دعائیں۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد

اجنبی مگر آشناؤں کے نام

السلام علیکم! بہت عرصے بعد آنچل میں انٹری دی ہے کیا ہے نہ پہلے سا اچھا وقت ہے نہ اپنے اپنے رہے۔ دوست دوست نہ رہے وقت کی نہ جانے یہ کیسی ہوا چلی ہے۔

آنچل بھی اجنبی سا لگ رہا ہے یا دل ہی بدل چکے ہیں پھر بھی ان سب دوستوں کو سلام جو میرے لیے آنچل میں بھی کبھار کچھ لفظ لکھ دیتی ہیں جو گزرے وقت کی یادوں کی ہلکی سی لہر دل میں لے آتی ہے۔ اللہ کرے آنچل سے وابستہ تمام لوگ سدا سلامت رہیں، کامیاب رہیں، اللہ کی رحمت سدا رہے ان پر آمین۔ نازی آپی اینڈ سمیرا آپی کو نئی زندگی بہت مبارک ہو اللہ ہمیشہ آپ لوگوں پر رحمتوں کے پھول نچھاور کرے آمین۔ ہیر شاہ تم بہت غلط کرتی ہو جانی، کب سدھر وگی پگلی! موسٹ ویلکم ان دیپال پور، بہت اچھا لگے گا جب تم اور میں ساتھ میں ہوں گے، میری مزے مزے کی باتیں کھا کر تم بہت انجوائے کروگی۔ پاک پتن بھی جائیں گے، حضرت بابا فرید گنج شکر کے دربار پر، بہت اچھا لگے گا اور تمہیں بہت سکون ملے گا، خیریت سے آؤ، ہمیشہ خوش رہو۔ پری چوہدری کیا کہوں، کبھی کبھی بہت غصہ آجاتا ہے تم پر، کبھی دل بہت شدت سے روتا ہے تیرے حال پر، اللہ تمہیں تمہاری آزمائشوں میں کامیاب کرے۔ جانی یہ دنیا ہے، ہی آزمائش اللہ تمہارا شمار ان خوش قسمت لوگوں میں کرے جنہیں وہ بے پایاں نوازتا ہے۔ تمہاری دلی آرزو ضرور پوری ہوگی، ہمت مرداں مدد خدا جاری رکھو جانی۔ ڈھیروں دعائیں اور سلام مس یو پری! گڑیا اور مدھو جانے کہاں غائب ہیں، آتا ہے نہ پتا نہ رابطہ کیا۔ یہ امید نہ تھی مجھے آپ سے، کرن آپی نئی زندگی مبارک ہو، سدا سلامت رہیں آپ۔ بہی برتھ ڈے ٹو یو، اماں کو پیار باقی سب کو سلام۔ صائمہ بہت بہادر ہو آپ، اللہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھے حوصلہ دے آپ کو آمین۔ سویٹ سی انزا خوش رہو، اللہ پاک آپ کے مسائل حل فرمائے۔ امیمہ رباح کہاں غائب ہو، رابطہ کرو مجھ سے۔ ثنا علی، فزا چوہدری، کو سلام۔ امن گروپ کے لیے ڈھیروں دعائیں، سال گرہ مبارک ہو زارا جانو باقی سب خوش رہیں جن کا نام نہیں لکھا اُن سے بھی اجازت چاہتی ہوں۔

لاڈو ملک...... دیپال پور

تعلیم کا درخشاں ستارہ قرۃ العین (عینی) کے نام

پیاری عینی اس دفعہ بھی حسب معمول تعلیم کے میدان میں گرینڈ چھکا تم نے ہی مارا، تمہیں اس کے لیے کئی دعاؤں کے ٹرک مبارک ہوں (پہنچ جائیں تو بتا دینا) یار تم تو ہمارے خاندان کی کریم ہو اور ملالہ یوسف بھی ہو، میٹرک سے پہلے بھی ہمیشہ فرسٹ اور سیکنڈ کی پوزیشن لیتی رہی اور میٹرک میں پورے پنجاب بورڈ میں دوسری پوزیشن (کامرس) حاصل کی اور اب سیکنڈ ائیر (کامرس) میں بھی پورے فیصل آباد بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کی (کیپ اٹ اپ) مجھے تم پر بے حد فخر ہے اور اللہ کرے تم اس فخر کو اور بڑھاؤ، میری دعا ہے کہ تعلیم کے میدان کے علاوہ تم زندگی کے ہر میدان میں ٹاپ آف دی لسٹ رہو اور ہر جگہ چاند بن کر چمکو آمین لیکن ایک بات ہے کہیں اپنی اس بڑی بہن کو بھول نہ جانا۔ ماموں امتیاز، مامی تسنیم، عمران، فوزیہ اور رضوان آپ سب کو قرۃ العین (عینی) کی یہ کامیابی بہت مبارک ہو۔

ارم کمال...... فیصل آباد

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل فرینڈز فائقہ سکندر فائی آپ شادیوال آئی تھیں یہ جان کے خوشی ہوئی آپ مجھ سے ملی کیوں نہیں، شادیوال آپ کے کوئی رشتہ دار رہتے ہیں پہلے آپ میرے سے ملو نہ پھر میں آپ کو اپنا موبائل نمبر دوں گی اوکے۔ تمنا بلوچ آپ پہلی لڑکی ہو جس نے مجھے سنجیدہ سمجھا ہے (ویسے میں اتنی سنجیدہ بھی نہیں ہوں) اب آپ مجھے مخاطب کرنے سے گریز مت کیجیے گا، دوست بات کرتی رہا کیجیے گا اب اوکے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کی بے نام سی اداسی کو جلد ختم کردے آمین۔ عائشہ دین محمد مجھے لائک کرنے کا شکریہ، ہمیشہ خوش رہیں۔ ثناء رسول ہاشمی آپ مجھے دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں، نوازش ہے آپ کی ورنہ میں اس قابل کہاں ہوں۔ فوزیہ سلطانہ جی آپ کہاں گم ہیں اور عظمیٰ رفیق، عظمیٰ فرید، شگفتہ، کشور بلوچ (ننکانہ صاحب) آپ سب بھی آنچل کی سب بہنوں کی بہت شکر گزار ہوں کہ سب مجھے دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں آپ سب کی محبتوں کی مقروض ہوں میں۔ میرے خیال سے دعاؤں سے بڑھ کر کوئی قیمت چیز نہیں ہے میری نظر میں اسی لیے تو وقت نہ

ہوتے ہوئے بھی خط لکھ رہی ہوں۔ میرے بھائی ابوبکر کی شادی تھی 30 ستمبر کو اور کام بہت زیادہ تھے تو مجھے تھکاوٹ ہوگئی تھی آخر میں آنچل سے وابستہ سب لوگوں کے لیے ڈھیروں دعائیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور آپ کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا فرمائے آمین۔ آپ سب کی دعاؤں کی طلب گار آپ کی بہن۔

طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات

مہر علی اور میرے اپنوں کے نام

السلام علیکم! میری طرف سے تمام آنچل فرینڈز کو محبتوں سے لبریز سلام قبول ہو۔ کیا حال چال ہے جناب؟ اتنے عرصے سے میں غائب تھی کیا آپ لوگوں نے مجھے یاد بھی نہیں کیا؟ پچھلے مہینے میرے بڑے ابو کی ڈیتھ ہوگئی تھی جس کی وجہ سے میں بری طرح اپ سیٹ رہی ہوں۔ میری اپنی تمام فرینڈز سے درخواست ہے پلیز میرے بڑے ابو کی بخشش کے لیے دعا کیجیے گا ہائے پرنس کیسی ہو ارے مسکان جی پہچانا نہیں آپ نے۔ میں گڑیا ہوں یار! میں نے سوچا اس بار تمہیں آنچل کے توسط برتھ ڈے وش کروں گی' اکتوبر میں تمہاری برتھ ڈے تھی بہت بہت مبارک ہو۔ میری رب سے دعا ہے کہ مہر علی کو لاکھوں نہیں کروڑوں سال جینے کی مہلت دے آمین (چاہنے والے زیادہ ہیں نا) دلاور بھائی (مہر دلاور اقبال) آپ کی 10 اکتوبر کو برتھ ڈے تھی بہت بہت مبارک ہو بلکہ ڈبل مبارک ہو۔ شوروم بھی تو آپ کا مکمل ہوگیا ہے تو پھر کب کھلا رہے ہیں مٹھائی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی لمبی زندگی عطا کرے آمین۔ بھائی میرا دل چھوٹا نہ کریں آپ کو بھی وش کرنے ہی لگی تھی' اللہ تعالیٰ آپ کو میرے کیوٹ برادر کے ساتھ اسی طرح ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ میری پیاری نٹ کھٹ سی زیب امانت 28 ستمبر کو تمہاری برتھ ڈے تھی سوری یار لیٹ وش کررہی ہوں' بہت بہت مبارک ہو۔ میری پیاری نازی! سب سے پہلے آپ کو جنم دن مبارک ہو' اللہ آپ کو زعیم بھائی کے ساتھ ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ پلیز نازی آپی میرے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ کی نند عاصمہ اقبال جیسی سہیلی دے۔ جو گیارہ صفحات کا اگر خط نہ بھی لکھے تو پانچ صفحات کا تو ضرور لکھے ہاہاہا۔ مجھے تو بہت دلچسپ لگی ہے آپ کی شادی کی اسٹوری۔ کیفہ سکندر 14 اکتوبر' آمنہ غلام نبی 15 اکتوبر' کشمالہ اقبال 18 اکتوبر اور دعائے سحر 8 اکتوبر کو آپ کی برتھ ڈے ہوتی ہے سب کو بھرپور طریقے سے مبارک دے رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی دلی خواہشات پوری فرمائے اور ہم سب آنچل کے توسط سے جڑی رہیں' آمین۔ وی ٹی آئی فرینڈز کیسی ہو بھئی؟ آنچل فرینڈز دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب کرے اور مس طاہرہ کو مزید ہمت اور توفیق دے ہمیں برداشت کرنے کی (آہم) مس رانا پلیز آپ ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہیں آئی ریکوئسٹ یو غصہ مت کیا کریں۔ آمنہ بٹ دیکھ لو اسپیشلی نام لکھ رہی ہوں کیسی ہو؟ یقیناً اچھی ہی ہوگی ہے نا (ہاہاہا) عائشہ آپ کا بازو ٹھیک ہوگیا ہے' چلو کوئی بات نہیں میں دعا کروں گی ٹھیک ہوجائے گی۔ نمرہ' حرا' ایمن' لاریب' کرن' قندیل' ردا' فرحانہ کیسے ہو تم سب؟ اوہ سوری صالحہ نام بھول گئی لیکن دل چھوٹا نہ کرو کیسی ہو ثمرین گل (ثمرہ) اریبہ' پشل' عائشہ' محسونا' میرب' سمونا' صدف' سدرہ امید ہے تم لوگ بھی زندگی سے بھرپور قہقہے لگاتی پھر رہی ہوگی۔ اقراء (مخدوم پور) یار خانیوال کے تمہیں سموسے اچھے نہیں لگتے' کبھی مخدوم پور کے تو کھلادو۔ شاہ زندگی' سامعہ ملک' عائشہ پرویز' جاناں ملک' پارس شاہ' ارم کمال' پروین افضل شاہین' فریحہ شبیر' حرا قریشی' طیبہ نذیر' مونا شاہ' انا احب کہاں غائب ہو؟

ملالہ اسلم..... خانیوال

مایہ کنول ماہی' تمنا بلوچ' طیبہ نذیر کے نام

السلام علیکم! آنچل کی تمام فرینڈز کو دل کی گہرائی سے سلام عرض کرتے ہیں۔ پیاری دوستو ارم کمال' حمیرا نوشین' طیبہ نذیر' سامعہ ملک پرویز' شزا بلوچ' انعم زرین' سائرہ زرین آپ سب کو میری اپریل 2015ء کی تحاریر پسند آئی بہت شکریہ۔ جون 2015ء کرن ملک آپ نے کس طرح اندازہ لگایا کہ میں کم سن لڑکی ہوں' بہر حال اب تو آپ کو پتا

چلا گیا کہ میں بچی نہیں ہوں۔ ڈیئر تمنا بلوچ آپ نے جو بھانجے بھانجیوں کو دعائیں دی' بہت ہی اچھا لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا' ہماری دعائیں بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کی دوستی دل سے پسند ہے ویسے میرا تعارف پسند کرنے کا شکریہ۔ سویٹ جیا عباس آپ کی دوسری نظم "تم نہ آ سکے" بھی پسند آ گئی ہے۔ پروین دعاؤں کے بدلے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی' اللہ آپ کو خوش رکھے۔ پیاری ماہ رخ' رشک حنا آپ نے لکھا کہ آپ مجھے مس کرتی ہیں ویسے آپ کے لیے عرض ہے کہ میں مس "مس" نہیں مسز ہوں (ہی ہی ہی) اب آپ سوچیں گی کہ یہ نجم تو بالکل پاگل ہے'اب بیٹھ کر لفظ مس پر غور کرتی رہو (ہاہاہا) طیبہ نذیر' پروین افضل' ماریہ کنول آپ میرا شعر' تبصرہ اور سوالات پسند آئے' شکریہ۔ پیاری ماہی آپ نے لکھا کہ مجھے دوست کے پیغام میں کسی نے یاد نہیں کیا' دیکھو اب میں نے آپ کو دل سے یاد کیا ہے امید کرتی ہوں کہ اپنے دوستوں میں ضرور شامل کریں گی۔ سمیرا حیدر' سائرہ حیدر' آپ کا سلام اور عید مبارک قبول ہے' ہماری طرف سے بھی بہت بہت سلام دعائیں۔ سندس رفیق' مناہل بشیر' لائبہ مہر یادگار لمحے پسند کرنے کا شکریہ۔ طاہر ملک آپ کو عید کی نظم پسند آئی شکریہ' کوشش کروں گی کہ دل کو چھو لینے والی شاعری لکھوں' اپنی دعاؤں میں ضرور یاد کیجیے گا ویسے میں بھی جلال پور پیر والا کی رہنے والی ہوں۔ آنچل کی باقی دوستوں میں سدرہ مرتضیٰ' نری نیازی' آمنہ حبیب' ارم کمال' جاذبہ عباسی' رانی اسلام' سامعہ ملک' دلکش مریم' عائشہ پرویز' زویا خان' وثیقہ زہرہ' کرن ملک' شاہ زندگی' دعائے سحر' انعم خان دعائیں۔ چندا مثال کے چچا جان آنچل کی بہن حمنی سحر کے والد کے انتقال پر بے حد افسوس ہوا' اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ چندا اور حمنی اور ان کے تمام اہل خانہ ہماری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں' اللہ سب کو حوصلہ دے یہ غم برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے آمین

نجم انجم......کراچی

آنچل پریوں اور دوستوں کے نام

السلام علیکم! دوستوں اینڈ پریوں کیسی ہیں آپ سب؟ امید کرتی ہوں سب خوش باش ہوں گی اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ سب کو پھولوں کی طرح مسکراتا رکھے آمین۔ خط لکھنے کی وجہ ہے تمنا بلوچ جس نے مجھے یاد کیا تو جی تمنا بلوچ آپ بھی بالکل میری طرح اداس موسم کی کوئل ہیں مگر میں نے کبھی اداسی کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا' اندر سے بہت گہری ہوں مگر شکل و حرکت سے ایک دم نٹ کھٹ سی ہوں اس لیے آج تک کوئی مجھے جان نہیں پایا۔ دعائے سحر اینڈ ربیعہ اسا' اور آپ دونوں کو خدائے بزرگ و برتر صبر و جمیل عطا فرمائے آپ کی والدہ محترمہ کی وفات کا بہت دکھ ہوا ویسے ربیعہ! آپ کا بھتیجا کہیں گم ہو گیا ہے' ضرور بتانا۔ پروین افضل اینڈ ارم کمال! آپ دونوں مجھے بہت یاد آتی ہیں (آئی لو یو یار) ارم کمال آپ کو میں نے آنٹی کہا تو آپ نے اچھا خاصا مائنڈ کیا تھا یار سوری! انزہ ہت جبیں' نگہت غفار' طیبہ نذیر' حافظہ سمیرا' شیریں گل' شمع مسکان' عائشہ پرویز کیسی ہیں آپ سب؟ آمنہ امداد کہاں غائب ہو یار تم' شزا بلوچ' نزہت شرف آپ کیسی ہیں آپ سب کے لیے دعائیں اینڈ اللہ حافظ۔

ماریہ کنول ماہی......گوجرانوالہ

اپنوں کے نام

السلام علیکم! یقیناً سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے' سب سے پہلے رابعہ آپ کو بی اے میں' فیصل' عائشہ' زرقا آپ کو میٹرک میں' ولید آپ کو نائنتھ میں پاس ہونے کی بہت بہت مبارک ہو۔ تنزیلہ آپی آپ کو بی بی کی بہت مبارک ہو۔ ردا اسجد موٹی تھوڑا کم ہنسا کرو اتنا ہنستی ہو اور اتنا کھاتی اُف موٹی ہاہا......اقراء اسحاق تم بہت مغرور ہو گئی ہو خیر تو ہے نا؟ اقراء صادق کیسی ہو چڑیل کہیں کی۔ مس سمیرا تصدق الوداع جلدی آئیے گا' آپ سب کا انتظار کریں گے۔ زرقا اداس نہ رہا کرو' ہنسا بھی کرو ایسے ہاہاہا۔ بینش ارشاد اسکول میں خوش آمدید کہتے ہیں آپ کو' آنچل فرینڈز' طیبہ نذیر' ساریہ چوہدری' ثوبیہ' شاہ زندگی' پرنس افضل شاہین' جیا' آپی' انا' احب آپ سب کیسی ہیں؟ کبھی مجھے بھی یاد کر لیا کریں آپ

لوگ۔ سب خوش رہیں ہنستے مسکراتے رہیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا آپ سب کی دوست رب راکھا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیا حال چال ہیں سب کے۔ امید ہے کہ سب ٹھیک ہوں گی مجھے آپ سب لوگ بے حد پسند ہو میں بھی آنچل فرینڈز میں شامل ہونا چاہتی ہوں کیا آپ لوگ مجھ ناچیز سے دوستی کرو گے؟ آپ سب کے جواب کا انتظار رہے گا دیکھتے ہیں کہ کون پذیرائی بخشتا ہے اللہ حافظ۔

انیلہ سخاوت...... میانوالی

سویٹ ٹیچر (مس نویدہ جی) کے نام

السلام علیکم! ٹیچر جی امید کرتی ہوں آپ ایمان وصحت کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ 16 نومبر ایک اہم دن یعنی آپ کی سالگرہ کا دن ہوتا ہے میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے غم آپ کے قریب بھی نہ آئے۔ دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ آپ کو سرخرو کرے ہمیشہ مسکراتی رہیں آمین۔ ہمارے سر جی کہتے ہیں کہ سالگرہ وش کرنا یا منانا ایک فضول چیز ہے مجھے یہ تو نہیں پتا کہ آپ کے نزدیک یہ کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ہے کہ زندگی ایک غموں کا دریا ہے یہ کسی کو خوشیاں خود سے نہیں دیتی ہمیں خود سے چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کرکے اسے خوشیوں میں بدلنا پڑتا ہے۔ اس لیے جب ہم کسی کی زندگی سے جڑی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہیں تو ہمیں بھی خوشی ملتی ہے اور دوسروں کو بھی۔ انسان تھوڑی دیر کے لیے غموں کو بھول جاتا ہے اور خوابوں کی دنیا میں آجاتا ہے اور زندگی ایسے ہی گزرتی ہے ورنہ تو تھم جاتی ہے۔ تھوڑا زیادہ ہی بول گئی سوری۔ ایک مرتبہ پھر سالگرہ مبارک اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے اللہ حافظ۔

کنول رانا...... ستیانہ

کھٹی میٹھی نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! ڈیئر نازیہ کیا حال ہے آپ کا؟ آپ کا نام جب بھی آنچل کے صفحات پر دیکھتی ہوں تو بہت پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں اور اب یہ یادیں میں آپ کے ساتھ بھی شیئر کروں گی۔ سب سے پہلے تو آپ سے یہ سوال کروں گی کہ کیا آپ ریڈیو پر یاسمین طاہر کے پروگرام "سات رنگ" میں خط لکھا کرتی تھیں؟ اگر آپ وہی ہیں تو مجھے آپ کو آنچل میں دیکھ کراتنے عرصے بعد ملنے پر بہت خوشی ملی۔ مجھے آپ کا ناول "جھیل کنارہ کنکر" بہت اچھا لگا میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں۔ میری دعا ہے کہ سدا ہنستی مسکراتی رہیں کامیابیاں حاصل کریں اور خوشیاں ہی سمیٹیں ہر میدان میں اور پروین افضل شاہین جی آپ سے میرا سوال ہے کہ کیا آپ کے شوہر پرنس افضل شاہین بھی ریڈیو میں خط لکھتے رہے ہیں اگر واقعی ہی وہ لکھتے رہے ہیں تو بہنا آپ سے اور افضل بھیا سے مل کر دلی خوشی حاصل ہوئی سدا خوش رہو آمین اللہ حافظ۔

فرزانہ ندیم اقصیٰ رمضان سلطانہ کرن...... کمالیہ

آنچل کی تمام دوستوں کے نام

السلام علیکم! آنچل کی پیاری پیاری سے آپیو آنٹیو اور دوستو، میں بھی آنچل میں شامل ہوگئی ہوں آپ سب جو بھی میرا یہ پیغام پڑھیں ان سب سے درخواست ہے کہ ہم سے بھی دوستی کریں۔ میں 4th کلاس میں پڑھتی ہوں میں بہت ہی نائس ہوں اور کیوٹ گڑیا ہوں آپ سب کو میں پڑھتی ہوں۔ ہم سے پوچھیے یادگار لمحے بیاض دل میں پڑھتی ہوں پیغام بھی شوق سے پڑھتی ہوں میرا دل کرتا ہے کہ میری مما کی طرح میرے نام بھی پیغام آئے۔ پروین آنٹی حمیرا قریشی باجی ارم کمال کرن ملک وثیقہ زمرہ لائبہ میر عائشہ پرویز ماہی کنول سلمیٰ گوری خان جازبہ عباسی رخ کومل طاہرہ ملک آنٹیز کو سلام اور نجم انجم (مما) کو بھی سلام اللہ حافظ۔

نورین انجم...... کراچی

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

پانچ عادتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے بچوں کی پانچ عادتیں بہت پسند ہیں۔“

☆ وہ مٹی سے کھیلتے یعنی تکبر اور غرور کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

☆ وہ رو کر مانگتے ہیں اور اپنی بات منوالیتے ہیں۔

☆ جھگڑتے ہیں پھر صلح کرلیتے ہیں یعنی دل میں حسد، بغض اور کینہ نہیں رکھتے۔

☆ جو مل جائے کھالیتے ہیں جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کی حرص نہیں کرتے۔

☆ مٹی کے گھر بناتے ہیں اور کھیل کر گرادیتے ہیں یعنی بتاتے ہیں کہ دنیا مقامِ بقا نہیں بلکہ مقامِ فنا ہے۔

مسرت فاطمہ رشید..... فیصل آباد

اچھی باتیں

❖ تیز ہواؤں کی سازشوں سے کھلے ہوئے دروازے اس بات کی علامت نہیں کہ کوئی بھی کسی بھی گھر میں داخل ہوجائے۔

❖ کیا انسان اتنا گرسکتا ہے کہ انسانیت بھی اس پہ شرمندگی محسوس کرنے لگے۔

❖ کڑواہٹ انسان کے اندر سے بیماری کے جراثیم ختم کردیتی ہے۔

❖ جس کا کوئی نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے۔

❖ رشتہ کہہ دینے سے رشتہ تو رہتا ہے لیکن رشتوں کے ساتھ جڑی ہوئی ذمہ داریاں اور احساس وجذبات کو بھی نبھانا پڑتا ہے۔

❖ انسانیت کو بلند رکھنا ہی اصل عبادت ہے۔

❖ جو احسان کرتا ہے وہ ہمیشہ خاموش رہتا ہے اور جس پر احسان کیا جائے اس کو بولنا چاہیے۔

❖ خدا جس سے محبت کرتا ہے اسے امتحان میں ضرور ڈالتا ہے۔

شازیہ نرگس..... نور پور

فرمانِ رسول اکرم ﷺ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”انسان کی ہر چیز اس کی عمر کے ساتھ کمزور ہوجاتی ہے ماسوائے دو چیزوں کے۔“ لالچ..... آرزو..... جو بجائے کم ہونے کے بڑھتی رہتی ہے۔

سامعہ ملک پرویز..... خان پور، ہزارہ

سنہری باتیں

کبھی بھی کسی کے چہرے کو مت دیکھو کیونکہ ظاہری شکل وصورت سے اکثر لوگ فریب کھاجاتے ہیں اگر وفا صرف سفید رنگت میں ہوتی تو نمک زخموں کی دوا ہوتا۔

انسان کی اصل موت اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی کے دل اور دعاؤں سے نکل جاتا ہے۔

سیدہ جیا عباس..... تلہ گنگ

آنسو

❖ سیپ جب روتی ہے تو اس کے آنسو موتی بن کر

نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔
❖ چاند جب روتا ہے تو اس کی چاندنی پھولوں پر اپنے آنسو ثبت کر جاتی ہے
❖ لیکن انسان...... جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اس کے آنسو نہ موتی بنتے ہیں نہ شبنم بلکہ اس کی طرح مٹی میں مل جاتے ہیں۔

ہالہ سلیم..... کراچی

زندگی

❖ زندگی سے زیادہ محبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ سب سے آخر میں سب سے حسین دھوکہ بھی زندگی ہی دیتی ہے۔
❖ دنیا میں ہر شخص جنت میں جانا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے مرنا نہیں چاہتا۔
❖ ہمیشہ مسکراتے رہو زندگی خود بخود خوب صورت ہو جائے گی کیونکہ ہر غم میں مسکرنا بہاروں کا شیوہ ہے۔
❖ عمل کے چراغ سے زندگی کو منور کرو جس طرح چاند ستارے اپنی کرنوں سے دنیا کو منور رکھتے ہیں۔
❖ زندگی میں سارے دکھ سمجھ کے ہیں اگر آپ کو آگ کی خاصیت معلوم ہے تو آپ شعلوں کو بھی پکڑ سکتے ہیں۔
❖ زندگی کا آنکھوں کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق ہے جب انسان کو زندگی ملتی ہے تو آنکھیں کھولتا ہے اور جب روٹھتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

توبیہ بلال صبح...... ظاہر پیر

والدین کی خصوصی توجہ کے لیے

✦ جس بچے پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ دھوکا دینا سیکھ جاتا ہے۔
✦ جس بچے کا ہر وقت مذاق اڑایا جاتا ہے وہ بزدل بن جاتا ہے۔
✦ جس بچے پر تنقید کی جاتی ہے وہ ہر چیز کو رد کرنا سیکھتا ہے۔
✦ جس بچے کو ہر وقت مار پیٹ کا سامنا ہوتا ہے اس کی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔

جبکہ......
✦ جس بچے پر شفقت برتی جاتی ہے وہ محبت سیکھ جاتا ہے۔
✦ جس بچے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس میں اعتماد بڑھتا ہے۔
✦ جس بچے کو سچ بولنا سکھایا جاتا ہے وہ انصاف کرنا سیکھتا ہے۔
✦ جس بچے کی تعریف کی جاتی ہے وہ اچھی چیزوں کو پسند کرتا ہے

لیکن

✦ جس بچے کی بے جا خواہشات پوری کی جاتی ہیں وہ سرکش اور خود سر ہو جاتا ہے۔

مبین ناز...... فیصل آباد

میرا بکرا

وہ ہمارا بکرا تھا مگر اس سے ہم نوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا شناسائی نہ تھی
نیلی آنکھیں، حسین کان، لمبی ٹانگیں تھیں مگر
نخرے والا تھا بہت، کوئی بکری اسے بھائی نہ تھی
قربانی کے وقت تھا عجب آنکھوں میں التجا
کبھی یہ حال کہ میرے بستر پر آ کر سو جاتا
اب یہ مرحلہ مجھے اس کے بناء نیند آتی نہ تھی
وقت قرباں میرا حال بے حال ہوا
پھر بھی خوشی تھی کہ دائمی جدائی نہ تھی

ارم کمال...... فیصل آباد

دعا

میں نے مانگی ہے تیرے لیے دعا کہ......
تجھے کبھی نہ کوئی دکھ ملے
تجھے زندگی کا ہر سکھ ملے
تیرا دل نہ ہو کبھی خفا
تو مسکراتا سدا
میں نے مانگی ہے تیرے لیے یہ دعا کہ......
رحیم تجھ پر رحم کرے

اور دکھائے تجھ کو سیدھی راہ
تیرے گھر میں بھی سکون ہو
اور ٹل جائے ہر بلا
وہ رحمان ہے میرا مالک
کرے گا قبول میری دعا
کہ تجھے زندگی کا ہر سکھ ملے
اور نہ کبھی تجھے کوئی دکھ ملے آمین

روشی وفا...... ماچھیوال

انمول موتی

⌘ جہالت روح کی فاقہ کشی ہے(جون ایلیا)

⌘ ان کی خاموشی سے ڈرو جن کا آپ نے دل دکھایا ہے کیونکہ اگر انہوں نے کچھ کہا نہیں یا کیا نہیں تو بدلے میں اللہ ضرور کرے گا۔

⌘ کچھ زندہ لوگ ہمارے اندر اپنے کردار کی وجہ سے قبل از وقت مر جاتے ہیں۔

⌘ لفظ اور رویے ریت پر بنے نقش نہیں ہوتے کہ وقت کی لہریں ان کے نقوش مٹا دیں بلکہ یہ دل پر کندہ ہو کر اپنے آثار تادیر قائم رکھتے ہیں۔

⌘ کسی بے قصور انسان کو ذلیل کرتے ہوئے آپ، اسے اس کی اوقات یاد نہیں دلا رہے ہوتے بلکہ اپنی اوقات دکھا رہے ہوتے ہیں۔

فرحین آصف عمران...... کراچی

قصوروار

میاں بیوی کی لڑائی نقطہ عروج پر پہنچ گئی تھی' بیوی سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"کاش میں نے امی کی بات مان لی ہوتی اور تم سے شادی نہ کرتی۔" شوہر نے ایک دم ٹھنڈا پڑتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"تمہارا مطلب تمہاری ماں نے تمہیں مجھ سے شادی سے روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں۔" بیوی نے روتے ہوئے کہا۔

"اُف خدایا میں خوامخواہ اس بے چاری عورت کو آج تک بُرا بھلا کہتا رہا۔" شوہر نے خود کلامی کے انداز سے کہا۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

نگاہوں کا بیان

⌘ نماز کی حالت میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے۔

⌘ نماز میں جب قیام پر کھڑے ہو تو نظریں سجدے کی جگہ پر رکھو کہ ہمیں اس زمین میں جانا ہے۔

⌘ جب رکوع کرو تو پاؤں دیکھو کہ ہماری جان پاؤں سے نکلنا شروع ہوگی۔

⌘ جب سجدہ کرو تو ناک کی سمت دیکھو کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے ناک ختم ہوگی۔

⌘ اور جب التحیات میں بیٹھو تو نظریں جھولی میں ہونی چاہیے کہ میری جھولی اب بھی خالی ہے۔

ثناء اینڈ سمارہ یونس...... چک درکاں

چٹکلہ

گرل...... "ہیلو کیا کر رہے ہو؟"
بوائے...... "شیو کر رہا ہوں۔"
گرل...... "جب بھی میں تم کو کال کرتی ہوں تم شیو کر رہے ہوتے ہو تم دن میں کتنی دفعہ شیو کرتے ہو؟"
بوائے...... "تیس سے چالیس دفعہ۔"
گرل...... "تم پاگل ہو؟"
بوائے...... "نہیں، میں نائی ہوں۔"

طاہرہ غزل...... جتوئی

باتوں کی خوشبو

○ دل بچوں کی طرح ہونے چاہئیں جو شرارتیں تو کریں مگر سازشیں نہیں۔

○ دوست اگر سو بار روٹھے تو سو بار مناؤ کیونکہ موتیوں کی مالا ٹوٹنے پر بھی دوبارہ بنائی جاسکتی ہے۔

○ مذہب اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہ انسان کو انسان کے مقام پر رکھتا ہے۔

○ یا اللہ تو واحد بادشاہ ہے جو مانگنے پر خوش اور نا مانگنے پر ناراض ہوتا ہے' اے اللہ ہمارے ایمان' جان' عزت اور آبرو کی حفاظت فرما آمین۔

سلمیٰ فہیم گل......لاہور

انمول موتی

○ مصائب گناہوں کا نتیجہ ہوتے ہیں اور گناہ گار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مصیبتوں کے نزول کے وقت واویلا کرے (امام ابوحنیفہ)

○ دنیا میں ان ہی لوگوں کو عزت اور عظمت حاصل ہوتی ہے جنہوں نے اپنے استادوں کا احترام کیا ہوتا ہے (سرسید احمد خان)

○ دوسروں کا بھلا کرتے وقت یقین رکھو کہ تم اپنا بھلا کررہے ہو (فارابی)

○ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے (البیرونی)

ملالہ اسلم......خانیوال

اچھی اچھی باتیں

◐ قابل رحم ہے وہ قوم جو ٹکڑوں میں بٹی ہو اور اس کا ہر ٹکڑا اپنے آپ کو قوم سمجھے۔

◐ جس انسان کے دل میں روشنی نہ ہو وہ چراغوں کی محفل سے کیا حاصل کرے گا۔

◐ عورت کی کتاب دنیا ہے وہ کتابوں سے اتنا نہیں سیکھتی جتنا دنیا سے۔

◐ ایک پل کا غرور ستر سال کی عمر کی عبادت کو ختم کردیتا ہے۔

◐ پاؤں گیلا کیے بغیر سمندر تو پار کیا جاسکتا ہے لیکن آنسو بہائے بغیر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔

◐ زندگی ایک پھول ہے اور محبت اس کا شہد۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

تھرمامیٹر

ڈاکٹر نے تھرمامیٹر خاتون کے منہ میں رکھا اور کہا۔ ”کچھ دیر منہ بند رکھیے۔“

خاتون کو خاموش دیکھ کر خاوند نے پوچھا۔ ”ڈاکٹر صاحب! یہ چیز کتنے کی آتی ہے۔“

عائشہ پرویز......کراچی

پیر کامل

ہر انسان کو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر پیر کامل کی اشد ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ بچہ ہے، جوان ہے یا بوڑھا ہے۔ ہمیں رہنمائی تو تب بھی چاہیے تھی جب ماں کی گود میں تھے رہنمائی تو تب بھی چاہیے تھی جب ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا گیا۔ رہنمائی تو اب بھی چاہیے جہاں ہر انسان خود کو علم کی ڈگریوں کی بنیاد پر پڑھا لکھا اور پرفیکٹ سمجھتا ہے صرف کاغذوں کی وجہ سے ان دو ٹکڑوں پر غرور اور تکبر دکھا کر دوسروں کو ذلیل کرتا ہے۔

پیر کامل تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ کے پیارے رسول جن کی رو رو کر مانگی گئی دعاؤں کی وجہ سے آج ہم محفوظ اور اللہ کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں تو جھوٹے اور خود سے بنائے گئے رشتوں کے بجائے انسان اس پیر کامل کا تقدس کیوں نہیں کرتا جو آج بھی ہماری لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں اور تاقیامت ان کی ذات ہمیں رہنمائی دیتی رہے گی۔

شیریں گل......تمن، تلہ گنگ

انسان

کسی انسان نے کوئل سے کہا۔ ”تو کالی نہ ہوتی تو کتنی اچھی ہوتی۔“

سمندر سے پوچھا۔ ”تو کھارا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“

گلاب سے پوچھا ”تجھ پر کانٹے نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔“

تینوں نے ایک ہی جواب دیا۔

”اے انسان تجھ میں دوسرو کے عیب ڈھونڈنے کی عادت نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔“

غزل عبدالخالق......فیصل آباد

اقوال زریں

◐ ابر کے سائے اور غرض مند کی دوستی کا کوئی فائدہ نہیں، اعتماد روح کی مانند ہے ایک بار چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔

◐ اپنی غلطی چاہے ذلت کی ہو نصیحت کی بات چاہے کڑوی ہو قبول کرو۔

☯ جب نیکی تمہیں مسرور کرے اور برائی افسردہ کرے تو تم مومن ہو (رسول کریم ﷺ)

☯ پیغمبروں کی میراث علم ہے اور فرعون و قارون کی میراث مال ہے۔

☯ لوگوں سے ملو تو اخلاق کی بنیاد پر اور کٹو تو اعمال کی بناء پر۔

☯ وہ بنیاد جو کبھی نہ ہو "عدل ہے" اور وہ تلخی جس کا آخر شیرینی ہو "صبر ہے"۔ وہ شیرینی جس کا آخر تلخ ہو شہوت ہے وہ بلا جس سے دلوں کو بھاگنا چاہیے عشق ہے۔

☯ حضرت شفیق بلخیؒ سے ایک شخص نے وصیت چاہی فرمایا اگر "یار چاہتا ہے تو تجھے خدائے برتر کافی ہے اگر ہمراہ چاہتا ہے تو کراماً کاتبین کافی ہیں۔ اگر کام چاہتا ہے تو عبادت کافی ہے اگر وعظ چاہتا ہے تو مرگ کافی ہے۔ جو کچھ کہا گیا اگر تجھے پسند نہیں تو جہنم کافی ہے۔"

☯ بولنا عظیم ہے خاموشی اس سے عظیم تر۔

نا معلوم...... نا معلوم

داغ تو چلا جائے گا

ایک پٹھان شادی کی تقریب میں گیا' کھانے کا وقت ہوا سب لوگ کھانا کھانے لگے۔ پٹھان کو پلیٹ نہ ملی اس نے سالن جھولی میں ڈالا اور کھانے لگا کسی نے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟ کپڑے خراب ہو جائیں گے۔"

پٹھان۔ "داغ تو چلا جائے گا مگر یہ کھانا دوبارہ نہیں آئے گا۔"

کنول رانا...... ستیانہ

افسانچہ

خون آلودہ چھرا لیے جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا' چھوٹا بچہ سہم کر ماں کے پیچھے چھپ گیا۔ خون میں ڈوبا ہوا لباس' خون جیسی سرخ آنکھیں' بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ وہ خوف ناک لگ رہا تھا اس نے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ مجھ سے بچ نہیں پائے گا۔" سب نے کونے کی طرف اشارہ کیا تو اس نے نظروں ہی نظروں میں جانچا اور جا کر گردن سے پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر بچے کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر اس قصائی نے بکرے کو ذبح کر کے ہی دم لیا۔

تبسم بلوچ...... آزاد کشمیر

فیلنگز

□ ضرور سچ چھپا ہوتا ہے جب انسان کسی کو کہتا ہے "صرف مذاق تھا یار"

□ ایک احساس چھپا ہوتا ہے جب کہتا ہے "مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا"

□ ایک درد چھپا ہوتا ہے جب یہ کہتا ہے "اٹس اوکے"

□ ایک ضرورت چھپی ہوتی ہے جب یہ کہتا ہے "مجھے اکیلا چھوڑ دو"

□ ایک گہری بات چھپی ہوتی ہے جب کہتا ہے "پتا نہیں"

حرا رمضان...... اختر آباد

سنہری باتیں

❁ جس کی امید اللہ کے ساتھ وابستہ ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا' ناکام وہ ہوتا ہے جس کی امیدیں دنیا والوں کے ساتھ وابستہ ہوں۔

❁ اپنے آپ کو گلاب کی طرح بنالو کیونکہ وہ ان ہاتھوں میں بھی خوش بو چھوڑ جاتے ہیں جو اس کو مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

❁ زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے موت آجائے۔

❁ مایوس وہ ہوتا ہے جو اللہ پر یقین نہیں رکھتا اور محروم وہ ہوتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔

علمہ شمشاد حسین...... کورنگی' کراچی

مسکرایئے

بیوی۔ "میں جب بھی گانے لگتی ہوں تو آپ اٹھ کر باہر کیوں چلے جاتے ہیں۔"

شوہر۔ "تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ میں تمہیں مار رہا ہوں۔"

نمرہ اسلام...... خیر پور ٹامیوالی

شہلا عامر

السلام علیکم! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ نومبر 2015ء کا شمارہ حاضر خدمت ہے ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے جب آپ لوگوں کو سال نو کی مبارک باد دی تھی اور اب جیسے وقت ہاتھ سے ریت کی طرح پھسلتا جارہا ہے۔ اب اگلا شمارہ دسمبر کے حوالے سے ہوگا آپ بہنیں جلد ہی دسمبر کے حوالے سے اپنی نگارشات ارسال کردیں۔ اب بڑھتے ہیں آپ بہنوں کی بزم کی جانب:۔

کنول رانا...... ستیانہ۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف، پیار بھرا سلام قبول ہو۔ آنچل بہت ہی اچھا رسالہ ہے "محبت دل کا سجدہ ہے" کا اختتام بہت زبردست رہا۔ سباس گل جی بہت نائس ابھی ستمبر کے شمارے پر ہی تبصرہ کروں گی ورنہ پھر دیر ہوجاتی ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" کا آغاز بہت اچھا ہے نازیہ کنول نازی جی ایک اور ناول لکھنے پر مبارک باد۔ "عید کا تحفہ" بھی پسند آیا "ٹوٹا ہوا تارا" اب بور ہوتا جارہا ہے۔ میرے خیال میں اب اسے ختم ہی کردیں تو بہتر ہے اس کے علاوہ ڈائجسٹ میں شاعری بہت زبردست ہورہی ہے۔ مجھے اس کے مستقل سلسلے سارے ہی بہت پسند ہیں۔ سب سے فیورٹ "دوست کا پیغام آئے" ہے اچھا جی اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

اے ایف افتخار...... عارف والا۔ السلام علیکم شہلا آپی! کیسی ہیں؟ سرورق میں ماڈل کی آنکھیں اور جیولری زیادہ پیاری لگی سب سے پہلے بات کرتے ہیں "محبت دل کا سجدہ ہے" کی کیونکہ پچھلے ماہ میں مصروفیت کے باعث لکھ نہ سکی تھی۔ سباس گل جی دل خوش ہوگیا اینڈ پڑھ کر قسم سے۔ بہت زبردست، بہت شاندار اختتام تھا۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف کیونکہ اگر پچھلا تبصرہ کرتی رہوں گی تو یہ کب کروں گی۔ سب سے پہلے چھلانگ لگا کر پہنچے "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف، پہلے مصطفیٰ اور شہوار کی ناراضگی کی وجہ سے اپ سیٹ تھے اور اب نئی الجھن۔ پڑھ کر ذہن بُری طرح ڈسٹرب ہوگیا لیکن کہانی کھلنی شروع ہوگئی ہے۔ مجھے پہلے ہی لگتا تھا شہوار مصطفیٰ کی کزن ہے لیکن ولی اور روشی کا بابا صاحب سے کیا تعلق ہے سمجھ نہیں آیا۔ "موم کی محبت" سارے امتحان شرمین کے لیے کیوں؟ راحت آپی شرمین پر رحم کریں صفدر کو زیبا کو معاف کردینا چاہیے آخروہ چاہتا کیا ہے؟ نازیہ کنول نازی اس بار "شب ہجر کی پہلی بارش" نے دکھی کردیا۔ ناولٹ میں "ترے عشق نچایا" مزہ آیا پڑھ کر لیکن آئندہ ماہ دیکھ کر بہت بُرا لگا۔ "میرا رو ٹھا صنم" محبت میں تو انا نہیں ہوتی پھر ان کے درمیان کہاں سے آگئی خیر زبردست گریٹ مکمل ناول ابھی پڑھے نہیں۔ افسانے سارے اچھے لگے "حنا کے رنگ" سب ڈیزائن اچھے تھے۔ باقی ابھی پڑھا نہیں تو تبصرہ کیا کروں، سدا ہنستی مسکراتی رہیے، دعا میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

☆ آپ بھی اسی طرح مسکراتی محفل میں شامل رہیے گا۔

صبا خان...... ڈی جی خان۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو آنچل کے عید نمبر پر اتنا متناسب ٹائٹل پیش کرنے کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ ماڈل کا میک اپ بھی نگاہوں کو چبھا نہیں پیرہن بھی اچھا لگا۔ اس کے بعد مکمل ناول پڑھے جو کچھ خاص متاثر نہ کرسکے۔ اس کے بعد ناولٹ پر نگاہ دوڑائی "میرا رو ٹھا صنم" ٹھیک تھا مگر نگہت عبداللہ کا "ترے عشق نچایا" پڑھ کر مزہ آیا۔ نگہت عبداللہ کی والدہ کی انتقال کا سن کر بہت افسوس ہوا ان تک تعزیت پہنچادی جائے۔ اب افسانوں کی باری آئی نزہت جبین ضیاء کا افسانہ "تیرے روبرو" اور ام ایمن نعیم کا "قربانی" اچھا لگا۔ فرح طاہر کا افسانہ بھی ٹھیک ہے اس کے بعد صدف آصف کا افسانہ "زبان دراز" پڑھا ایک موثر اور مکمل تحریر جس میں معاشرے میں پھیلی برائیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ قربانی کے فلسفے کو بھی اجاگر کیا۔ سلسلے وار ناولز کی باری سب سے آخر میں آئی ٹھیک لگے باقی تمام سلسلے اچھے لگے۔

☆ نگہت عبداللہ تک آپ کے تعزیتی کلمات ان سطور کے ذریعے پہنچے جارہے ہیں۔

اسماء نور عشاء...... بھوج پور۔ السلام علیکم! پیاری شہلا آپی امید ہے خیریت سے ہوں گی اکتوبر کے شمارے کا

ٹائٹل دل کو کچھ بھایا نہیں (معذرت کے ساتھ)۔ سب سے پہلے "شب ہجر کی پہلی بارش" پر پہنچے واہ نازیہ جی کیا خوب صورت ناول لے کر آئی ہیں آپ یہ ناول امید ہے سب ناولز سے بڑھ کر ہوگا۔ یمیرا جی پلیز ولید کے ساتھ کچھ برا نہ ہوا نا بے چاری تو مر ہی جائے گی۔ "ترے عشق نچایا" زبردست بہت خوب صورت ناول لیکن جب ہماری پیاری سی آنکھوں نے آخر میں باقی آئندہ دیکھا تو پھر دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے آخر کو بڑے سمجھ دار لوگ ہیں آپ۔ "میرا روٹھا صنم" بھی بہت اچھی تحریر تھی۔ افسانے سارے ہی بیسٹ تھے۔ "بیاض دل" میں بختاور افتخار کا شعر دل کو چھو گیا آنچل والو! آپ سے ایک دفعہ پہلے بھی ریکوئسٹ کی تھی پھر ہاتھ جوڑ کر کرتے ہیں پلیز عفت سحر طاہر سے ناول لکھوائیں اور ہاں جی حیاء بخاری سے بھی۔ نازیہ جی آپ کا ناول "مائے نی میں کنوں آکھاں" پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کیا ہوتا اگر تحریم کے ساتھ بھی کچھ اچھا ہوتا۔ اکتوبر کا شمارہ ٹائٹل کو چھوڑ کر بہت شاندار رہا، پروین آپی اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اولاد جیسی نعمت سے مالا مال کرے آمین اب اجازت اللہ حافظ۔

☆ آپ کی خواہش کو جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بی، کنول خان...... موسیٰ خیل۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں آپ سب کے اس ماہ آنچل مقررہ تاریخ سے پہلے مل گیا۔ آنچل کا ہاتھ میں آتے ہی خود پر قابو نہیں رہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آنچل میں گم کوئی کچھ بھی کہتا رہے ہمیں تو کچھ بھی سنائی نہیں دیتا۔ اس ماہ کا آنچل کافی بیسٹ رہا سب سے پہلے اپنا "ویسٹ فیورٹ"، "موم کی محبت" پڑھا صبیح احمد کی موت کا بہت دکھ ہوا۔ اذان کو پتا چلے گا کہ اس کے پاپا اس دنیا میں نہیں رہے تو کیا گزرے گی اس کے دل پر۔ شرمین نے بالکل ٹھیک کیا عارض کے ساتھ اور بوبی کو نہ جانے کب عقل آئے گی جلدی جلدی سے عارض کی حقیقت صنوبر پر کھول دیں تا کہ زیبا اور صفدر ٹھیک ہو جائیں۔ نازیہ کنول نازی کا ناول "مائے نی میں کنوں آکھاں" بہت ہی زبردست تھا نازی آپی کے ہر لفظ میں جادو ہے تحریم بے چاری کے ساتھ بہت برا ہوا اسے عبدالہادی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ندیم کو ٹھکرا کر عبدالہادی کو چنا اور کیا ملا۔ نازی آپی اسی طرح اچھا اچھا لکھتی رہا کریں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھا ساویز پر کافی غصہ آیا اسے پریہان کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پریہان بے چاری کا کیا قصور ہے زاویار کا اپنی بہن پریہان کے فکرمند ہونا اس کے لیے پریشان ہونا اچھا لگا وہ کیوں ملک سے باہر چلا گیا اپنی بہن چاہے اس کی حقیقی بہن نہیں ہے تو کیا ہوا رشتے تو احساس کے ہوتے ہیں نا۔ "زبان دراز" صدف آصف کا بھی اچھا افسانہ تھا زینت جیسی ہی عورتیں ہوتی ہیں جو دوسروں کے گھر تباہ کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ اپنی خامیاں چھپا کر دوسروں پر تنقید کرتی ہیں دعا کا کردار بہت اچھا لگا سب کا خیال رکھنے والی پیاری سی لڑکی نوازشوں کی تو کمی نہیں۔ شکر ہے رعنا کو احساس ہو گیا مائیں ہی

ہوتی ہیں جو ہر وقت اپنی اولاد کے لیے فکر مند ہوتی ہیں ان کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔ اللہ سب کی ماؤں کو سلامت رکھے آمین۔ ''تیرا عکس میرے روبرو'' ہلکی پھلکی تحریر کافی اچھی لگی۔ بیاض دل میں سدرہ اسحاق' سندس رفیق سندر کے شعر پسند آئے۔ نیرنگ خیال سارے کا سارا بیسٹ رہا۔ ہم سے پوچھئے تو شائلہ آپی آپ کی تو کیا ہی بات ہے اتنے اچھے جواب کہاں سے بناتی ہیں آپ' بالکل کرارے کرارے پڑھ کر مزہ آجاتا ہے۔ حنا کے رنگ مہندی کے ڈیزائن کوئی خاص پسند نہیں آئے (معذرت کے ساتھ)۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی اب تک اتنا ہی اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

یاسمین کنول...... پسرور۔ السلام علیکم! سرورق کی ماڈل عشا خان دوپٹے کے پنچ سے پیاری لگ رہی تھی' فیروزی آنچل اور جیولری غضب کی تھی۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل نے بڑے دلچسپ جوابات دیئے' سروے پسند آیا۔ نازیہ کنول نازی کا مکمل ناول ''مائے نی میں کنوں آکھاں'' بہت اچھا لگا۔ نگہت عبداللہ کی تحریر ''ترے عشق نچایا'' قابل تعریف رہی۔ افسانوں میں ''تیرا عکس میرے روبرو'' اور ''قربانی'' پسند آئے۔ بیاض دل اور نیرنگ خیال بہت پسند آئے۔ ہم سے پوچھئے اچھا لگا۔ حنا کے رنگ عید کی مناسبت سے بہت اچھے لگے' الغرض آنچل عید کے موقع پر بہت اچھا لگا' باقی باتیں آئندہ اجازت' اللہ حافظ۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! بڑا نے کیا بات ہے ہر ماہ آنچل میں شرکت کرنے کی باتیں دھری رہ جاتی ہیں میری ہر کوشش بے کار جاتی ہے اب بھی میں باقاعدہ پورے شمارے پر تبصرہ نہیں کرسکتی ہاں مگر سلسلہ وار ناولز پر تبصرہ ضرور کروں گی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا جی کچھ تیزی لائیں ناول میں اور انا کو کچھ عقل دیں' شہوار کے بعد انا' تنہا ہیں یہ دونوں دوستیں؟ سمیرا جی سچ بتاؤں' مجھے تو نہیں مگر میری کزنز کو اب یہ اسٹوری بور کررہی ہے۔ ہر ماہ ایک ہی بات سننے کو ملتی ہے کچھ خاص نہیں ہورہا۔ نازی کی اسٹوری نے اچھا اسٹارٹ لیا ہے' امید ہے ہر اسٹوری ہمیں بور نہیں کرے گی اور پلیز اسے زیادہ لمبا بھی مت کیجیے گا ورنہ اسٹوری کا چارم ختم ہوجاتا ہے۔ ''موم کی محبت'' اس اسٹوری کے تو کیا کہنے' رائٹر صاحبہ تو جانے کیا سوچ بیٹھے ہیں ابھی تک کچھ خاص پلے نہیں پڑا۔ مکمل ناولز پڑھنے میں بھی مزہ آرہا ہے پلیز سمیرا شریف' نگہت سیما' ضوبار یہ ساحر سے کوئی جاندار سا مکمل ناول لکھوائیے۔ اب بات کروں گی مستقل سلسلوں کی۔ ''بیاض دل'' یقین جانیے جتنے اچھے شعر ہمیں بیاض دل سے پڑھنے کو ملتے ہیں کسی جریدے کے کسی سلسلے سے نہیں ملتے اکثر فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کس کو بہترین قرار دیا جائے۔ نیرنگ خیال نئی اچھوتی شاعری پڑھنے کو ملتی ہے ہر شاعر کا اپنا انداز اپنی سوچ ہوتی ہے۔ دوست کا پیغام آئے کیا کہوں یہ سلسلہ بہت ہی دل چھوتا ہے' جو دوست یاد کرتی ہیں ان کا تہہ دل سے شکریہ۔ مدیحہ کنول بھی پھولوں کے شہر آنا ہو تو پھولوں کی ملکہ کو شرف ملاقات ضرور بخشنا۔ شاہ زندگی اور دیگر دوستوں جن میں نئی سے لے کر پرانی قاری شامل ہے سب کے لیے محبت بھرا اسلام اور دعائیں۔ ہمارا آنچل دوستوں سے ملاقات کسے بُری لگتی ہے ان کی بارے میں جاننے کی تو دل خواہش کرتا رہتا ہے جب خواہش کی تکمیل ہوتی ہے تو واقعی میں اچھا لگتا ہے۔ یادگار لمحے ہمارے قارئین کافی باذوق قسم کے ہیں اعلیٰ انتخاب بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں جو کہ خوش آئندہ بات ہے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی' اللہ پاک آپ سب اور اس ملک پر رحمتوں کا نزول کرے آمین۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد۔ سرورق بس ٹھیک ہی تھا' درجواب آں میں مدیرہ صاحبہ بہت پُرخلوص اور اپنائیت بھرے انداز میں بہنوں سے مخاطب ہوتی ہیں کہ دل خوش ہوجاتا ہے۔ ہمارا آنچل میں حافظہ صائمہ کو سال گرہ مبارک' تعارف اچھا تھا جی آپ کا۔ فاخرہ گل اس مرتبہ بھی بہنوں کی عدالت میں حاضر تھیں۔ فاخرہ جی آپ کا انٹرویو دوبارہ چھپ گیا۔ ''موم کی محبت'' دنیا کے حقیقی رنگوں سے آشنا کرا رہی ہے۔ ''تیرا عکس میرے روبرو'' ہلکا پھلکا سسپنس لیے پیاری سی تحریر۔ نزہت صاحبہ آپ نے ہمیں یاد رکھا' بہت شکریہ۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' پہلے سے کہیں دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ زیب النساء کے مرنے کا پڑھ کر دکھ ہوا' نئے کرداروں کی آمد سے ناول پر مزید چاند لگ گئے ہیں۔ ''اور سفر کتنا باقی ہے'' سیدہ ضوباریہ کا ناول بہترین رہا' میدان مارلیا ضوباریہ جی آپ نے۔ ''مجسمہ ساز'' اچھی کاوش تھی' سمیہ عثمان کی۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں' ایمن وقار صاحبہ آپ سے ہماری پکی والی ناراضگی' وجہ تو آپ بخوبی جانتی ہیں۔

عائشہ نور عاشا...... گجرات۔ السلام علیکم! اکتوبر کا شمارہ 24 کو مل گیا گویا عیدی مل گئی ہو' ٹائٹل اچھا رہا اس کے بعد بے صبری سے درجواب آں دیکھا' صد افسوس میں لیٹ ہوچکی تھی اس کے بعد ''حمد و نعت'' پڑھی بے حد پسند آئیں۔ حجاب پر چکی

خوش خبری پڑھ کر دل خوش ہوگیا' اس کے بعد سلسلہ وار ناول پڑھے انا پر بہت ترس آتا ہے کاش انا کا اظہار محبت ولید سن لیتا' اب آتے ہیں مستقل سلسلوں کی طرف۔ بیاض دل میں پاکیزہ علی اور عائشہ سعد کا انتخاب اچھا رہا۔ نیرنگ خیال بے شک سب کا خوب تھا مگر انسان ہمیشہ اس چیز کو سراہتا ہے، جس میں اس کے جذبات کی مشابہت ہوتی ہے سو...... وثیقہ زمرہ کی نظم نے دل کو چھوا۔ ڈش مقابلہ میں کشمیری گوشت ضرور ٹرائی کروں گی اور بیوٹی گائیڈ سے کوئی لینا دینا نہیں جناب! میں ویسے ہی بہت خوب صورت ہوں۔ کام کی باتیں سب زبردست تھیں' مہندی کے ڈیزائن بہت پسند آئے۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھیں اس لیے ان کا تبصرہ نہیں ہوسکا۔ ندا علی عباس یاد کرنے کا بہت شکریہ' مجھے آپ کی دوستی جان سے قبول ہے۔ ایم فاطمہ سیال آپ کی دوستی بھی قبول ہے آخری بات ستمبر کی شمارے میں "محبت کا فسانہ" کہانی بہت ہی زبردست تھی۔ ندا حسین اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہنا چاہوں گی آپ نے اپنی تحریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ چال استعمال کیا ہے کہ نعوذ باللہ...... اللہ بہتر چال چلنے والا ہے اور یہ اللہ کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ امید کرتی ہوں آپ کو برا نہیں لگا ہوگا کیونکہ اللہ تو ہمیشہ اچھا کرتا ہے اور اچھے کے لیے تدبیر کا لفظ بہترین ہے' اب اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ آداب آپی کیسی ہیں آپ؟ یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ اس بار بھی آنچل کا ہر سلسلہ کمال تھا۔ نگہت عبداللہ کا ناولٹ "ترے عشق نچایا" بہت عمدہ تحریر تھی' ویل ڈن نگہت جی۔ سلسلے وار ناول بھی بیسٹ تھے۔ نازی جی کیا کمال لکھا "مائے نی میں کنوں آکھاں" بہت نائس تحریر تھی۔ بیاض دل میں بھی اشعار بہت عمدہ تھے۔ یادگار لمحے بھی دل فریب تھا' شمائلہ آپی کی محفل ہنسی سے بھرپور تھی باقی سب سلسلے بھی بہت اچھے تھے سب پڑھنے والوں کو سلام دعا' میں یاد رکھیے گا' اپنے وطن عزیز کے لیے دعا کریں۔

ثانیہ مسکان...... گوجر خان۔ آنچل اسٹاف اینڈ ڈیئر ریڈرز السلام علیکم! امید ہے سب ہنستے بستے ہوں گے' آنچل ہمیشہ کی طرح بروقت ملا۔ تمام اسٹوریز ٹاپ کی تھیں' سلسلہ وار ناولز ہمیشہ کی طرح سپرہٹ رہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں ولید کو اس طرح دیکھ کر بہت دکھ ہوا' بے چاری انا کی آزمائشیں بڑھتی ہی جارہی ہیں' اب تو شہوار کا ستارہ بھی گردش میں آگیا ہے۔ کچھ بھی ہو مصطفیٰ کو شہوار پر اعتبار ہونا چاہیے۔ لیاز اور کاشفہ کو کڑی سزا ملنی چاہیے۔ نازیہ جی کے ناول میں مجھے بس شاعری ہی پسند آتی ہے ان کے کریکٹر کی نفسیات میری سمجھ سے باہر کی ہے۔ سمیرا از دا بیسٹ' اے الف افتخار آپ کو میرا شعر پسند آیا' شکریہ۔ سباس گل کا ناول ختم ہونے پر دلی خوشی ہوئی' اللہ تمام محب پاکستانیوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

نجم انجم...... کورنگی' کراچی۔ آئینہ کی تمام بہنوں کو السلام علیکم! آج 23 تاریخ ہے اور میں بہت ہی بور ہورہی تھی مغرب کی نماز سے ابھی فارغ ہی ہوئی تھی اتنے میں گلی میں آواز ابھری پیپر...... پیپر...... میرے کان کھڑے ہوگئے ملک صاحب نے پکارا "موٹی گائے جاؤ تمہارا بابا آگیا" اور میں جلدی سے سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے آئی دروازہ کھولا تو دیکھا بابا (اخبار والے) کھڑا تھا اس نے ہاتھ میں آنچل تھاما تھا میں نے جلدی سے سلام کیا اور پیسے دے کر آنچل تھامے بڑی خوشی محسوس ہوئی کہ عید سے پہلے ہی آنچل ملا تھا ورنہ تو اکثر لیٹ ملتا ہے اور میں تبصرے سے بھی محروم ہوجاتی تھی بہرحال جلدی سے سرورق کو دیکھا عشا خان بہت ہی دلکش لگ رہی تھی۔ آنچل میں سب سے پہلے اپنا نام تلاش کرتی ہوں پڑھتی بعد میں ہوں' جیسے میں نے آنچل کھولا تو میری بیٹی نورین بھاگ کر آئی اور کہا "مما پہلے مجھے دیکھنے دیں تاکہ میرا نام آیا ہے یا نہیں" کیونکہ پچھلے ماہ نورین انجم نے خط لکھا تھا باجی نے جواب دیا تھا۔ میں نے کہا نہیں پہلے میں دیکھوں گی بے چارہ آنچل بھی میری طرف تو کبھی نورین کے ہاتھ میں تھا نتیجہ یہ نکلا کہ آنچل کا کور نورین کے ہاتھ میں چلا گیا اور باقی آنچل میری طرف آگیا (ہاہاہا)۔ بہرحال پرانی یادیں تازہ ہونے کی وجہ سے آنچل مکمل نہیں پڑھ پائی' جتنا پڑھا ہے اس پر تبصرہ کروں گی۔ "مائے نی میں کنوں آکھاں" بہت ہی خوب صورت کاوش تھی اور "ترے عشق نچایا" بہت پسند آئی۔ نزہت جبین ضیاء اور طلعت نظامی کے افسانے خوب صورت لگے اور میری پسندیدہ رائٹر رفعت سراج کی آنچل میں آمد کا سن کر بہت خوشی ہوئی۔ رفعت سراج کی "شہریاراں" میں احسن اور شہوار کا کردار آج تک نہیں بھول پائی' خوش آمدید بہت انتظار کروں گی "چراغ خانہ" کا اور پرانی دوست نبیلہ خان مون کے یادگار لمحے پڑھے' شکر ہے کہ مون خیریت سے ہے اتنے عرصے تک کہاں غائب تھیں' حاضری لگاؤ۔ بیاض دل میں طیبہ نذیر اور فیاض اسحٰق کے اشعار پسند آئے اور سندس رفیق سندر

نے بھی اچھا لکھا۔ نیرنگ خیال میں محمد بلال روہیز' کراچی کی غزل اچھی تھی' اور چندا چوہدری کی غزل بھی خوب رہی۔ دوست کے پیغام میں تمنا بلوچ کے چاہت بھرا اسلام قبول کیا' آپ کو بھی سلام۔ یادگار لمحے میں پاکیزہ ایمان' عائشہ سلیم اور جویریہ ضیاء نے خوب لکھا۔ ہم سے پوچھیے میں تو سب کے سوالات اچھے لگے اور جوابات ان سے بھی زیادہ۔ بس صرف مجھے ہی شامل نہیں کیا جاتا۔ سب کو سلام اللہ حافظ۔

نورین شفیق...... ملتان۔ السلام علیکم! ڈیئر شہلا آنٹی اینڈ آنچل کی پیاری پیاری کڑیو! کیا حال ہے' ٹھیک ہو؟ میں اللہ کے کرم سے ٹھیک ہوں۔ اب آتی ہوں کچھ تبصرے کی طرف سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف' شکر ہے کہانی کچھ آگے بڑھی۔ شہوار اور مصطفیٰ میرے فیورٹ کردار ہیں' ان کے ساتھ کچھ بُرا نہیں ہونا چاہیے اور پلیز ولید کو ٹھیک کرکے انا کے ساتھ شادی کروادیں اور یہ کاشفہ دل کرتا ہے تینوں بہن بھائیوں کا گلہ دبا دوں' ہر وقت بُرا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ کہیں تابندہ چوہدری صاحب کی بیٹی تو نہیں؟ اور عباس اور ہادیہ کو ایک کردیں اور سمیرا اور نازی شادی کی بہت مبارک' صدا خوش اور صدا سہاگن رہیں' آمین۔ اُف خدایا اتنے ماہ بعد لکھ رہی ہوں سمجھ میں ہی نہیں آرہا کیا لکھوں' ساری باتیں' تعریفیں' تبصرے سب گڈمڈ ہورہے ہیں۔ کچھ یہ ازعان کا بچہ پڑھنے نہیں دیتا' اتنا شرارتی ہوگیا ہے پہلے چھوٹا تھا اسے گود میں لے کر رسالہ پڑھ لیتی تھی اب سال کا ہوگیا ہے جیسے ہی میرے ہاتھ میں رسالہ دیکھے گا فوراً پاس پہنچ جاتا ہے' پڑھنے نہیں دیتا' اچھا بھئی اللہ حافظ۔ سب کو سلام' اتنا کچھ لکھنا تھا لگتا ہے اب ایک لفظ بھی نہ لکھا جائے گا' اس کی کلاس لیتی ہوں' بائے۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ۔ آداب جناب! بجو جان! طبیعت سیٹ ہے نا' آنچل اب کی بار مجھے 28 تاریخ کو موصول ہوا اور یہ میری آنچل تاریخ کا سب سے لیٹ آنچل تھا۔ عید والے دن ہی سے میری آنچل کی گردان شروع ہوچکی تھی اور جو میں نے جھاڑ کر بھائی کے پیچھے پڑی تو اتنی لیٹ دستیاب ہوا مگر ٹائٹل دیکھ کر دل بدمزا سا ہوگیا (بڑے والی معذرت کے ساتھ)۔ بھی جیولری کے علاوہ بھی ماڈل چن لیا کریں' سرگوشیاں اور در جواب آں کھنگالنے کے بعد یہ فٹ سے نازی بجو کے ناول پر چھلانگ لگائی اور بنا ٹھہرے پورا چاٹ ڈالا۔ زخمی زخمی دل کے ساتھ سیدہ ضوبار یہ کے ناول "اور سفر کتنا باقی ہے" کو کھولا تو زخم اور گہرا ہوگیا مگر اختتام مسکراہٹ سے ہوا۔ نگہت عبداللہ کے ناول پر تبصرہ کیا کروں آگے (باقی آئندہ ماہ) منہ چڑا رہا تھا سو دل مسوس کے آگے بڑھی تو نادیہ فاطمہ کے "میرا روٹھا صنم" نے فریش کرڈالا۔ نزہت جبین کے ناول "تیرا عکس رمیرے روبرو" میں پہلے ہی سے اندازہ ہوگیا تاکہ گوری صندل سے ماخوذ دراصل درحقیقت صندل ہی ہے مگر ناول اچھا لگا۔ فرح طاہر نے "بٹیا کا انگنا" میں ایک سو ایک فیصد درست لکھا۔ لبوں کا قفل توڑنے تو زبان کی بے اختیاری کا خدشہ اور زبان بے لگام چھوڑیں تو اس سے ادا ہونے والے الفاظ کی قیمت چکانے کا ڈر۔ ہاں مگر بات وہی آجاتی ہے کہ اعتدال پسندی ہر رشتے اور زندگی کے ہر اصول میں کامیاب و کامران ٹھہراتی ہے۔ سمیعہ عثمان کے "مجسمہ ساز" نے بغیر شک و شبہ کے دل جیت لیا' آپ کی پہلی جاندار انٹری پر ویلکم ڈیئر۔ یار تمنا بلوچ آپ کی نظر کرم بمع عنایت ہے جو آپ کو تخیل میں بھی اتنا درست تجزیہ رکھتی ہیں میرے بارے میں' بہرحال شکریہ۔ یادگار لمحے اب کی بار کمال کا تھا' اعلیٰ۔ پڑھ کر بے ساختہ ٹھنڈی آہ نکلی' کتنی معلومات دماغ کی چھلنی سے گزر کر زندگی کی حقیقت میں اپلائی ہوتی ہیں۔ میں ہمیشہ ان باتوں کو اتنا فولو کرتی ہوں کہ ان کی پیروی میں' میں نے اپنی ذات کو اتنا تبدیل کردیا ہے کہ بعض اوقات لوگ پہچان بھی نہیں پاتے اور یہ صرف اور صرف آنچل کی وجہ سے ممکن ہوا ورنہ اپنی خامیاں کبھی درست نہ کرپاتی اور نہ ہی زندگی کے فیصلوں کو سنجیدگی سے کرپاتی۔ باقی آنچل ابھی پڑھا نہیں ہے ورنہ مزید تبصرہ لازمی کرتی۔ اللہ حافظ شہلا بجو اور ڈیئر قارئین فی امان اللہ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی' خوشیوں کے سارے رنگ آپ پر سدا برسیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی' اس دفعہ آنچل عید سے پہلے ہی خوشیاں بڑھانے کا سبب بنا' ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا۔ سرگوشیوں میں حجاب کی آمد کا سن کر دل اچھل کر حلق میں آگرا۔ در جواب آں سے سب کے حالات جان کر آگے بڑھے۔ دانش کدہ سے ہر دفعہ روحانی غذائیت حاصل ہوتی ہے' جس سے روح تر و تازہ ہوجاتی ہے۔ سلام سے متعلق سیر حاصل گفتگو آنکھوں سے اتر کر دل میں گھر کرگئی۔ ہمارا آنچل میں حافظہ سمیرا نے انسپائر کیا۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل سے ملاقات سنی سنی لگی۔ "عید قرباں اور ہم" میں پروین افضل شاہین کے جوابات نے خوب مزا دیا' سلسلے وار ناول "موم کی محبت" میں کچھ ٹوئسٹ لائیں' ایک ہی

بات کی تکرار سے دل اکتا سا جاتا ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں بالآخر انا کی انا دم توڑ گئی بس اب ولید جلدی سے ٹھیک ہوکر انا کی طرف پلٹ آئے تو انا کی زندگی بھی گل وگلزار ہوجائے اور ساتھ ہی ہمیں بھی سکون ہو۔ کاشفہ کو اس کے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ نازیہ کنول نازی کا "شب ہجر کی پہلی بارش" کے بارے میں ابھی رائے محفوظ ہے، کہانیوں میں نازیہ جی کی "مائے نی میں کنوں آکھاں" پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا رہا۔ بنت حوا کی بے چارگی اور اتنی تذلیل ایسے مقدس رشتے کے نام پر برداشت سے باہر تھا۔ "تیرا عکس میرے روبرو" ایک ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ "میرا نور بصیرت عام کردے" نے بہت سوں کی آنکھیں کھول دی ہوں گی، جی ہاں تربیت کا یہ بھی انداز ہے اور ہی بیسٹ طریقہ ہے۔ "سیدہ ضوباریہ کا "اور سفر کتنا باقی ہے" میں ایرج کے صبر اور اللہ پر توکل نے بالآخر مشکلوں اور اذیتوں سے سفر کو خوشنما پھولوں سے بھری وادی میں پہنچادیا۔ "زبان دراز" بڑے خاصے کی چیز رہا۔ "نوازشوں کی تو کمی نہیں" بہت متاثر کن تحریر رہی، انسان کا المیہ ہی یہ ہے کہ وہ ٹھوکر کھاکر ہی سنبھلتا ہے۔ "بٹیا کا انگنا" نے کافی لمحے ساکت وجامد کردیا۔ بیاض دل میں سدرہ اسحاق، مشا علی، مسکان اور صبا مومنہ کے اشعار اوؤزبردست۔ ڈش مقابلہ میں سارے گوشت کے آئٹم بور کرگئے۔ نیرنگ خیال میں نزہت جبین ضیاء، ماروی یاسمین، کوثر خالد، نگینہ قیصرانی اور مسز نگہت غفار کی شاعری بڑی پائے کی تھی۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغامات پڑھ کر مزہ آیا، سب کو سلام اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ تمام قارئین، اور آنچل ٹیم سب کو السلام علیکم! امید ہے سب اللہ کے فضل وکرم سے خیریت سے ہوں گے۔ اکتوبر کا شمارہ عید کے چوتھے روز شدید انتظار کے بعد 28 کو ملا۔ سرورق ماڈل تک سک سے تیار جلوہ افروز نظر آئی، جھٹ سے سرگوشیوں کو کان لگا کر دل سے پڑھا اور قیصر آراء کی بات دل کو لگی کہ قربانی میں غریب لوگوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ منیر نیازی کی حمد نے دل پر گہرا اثر کیا، پروفیسر تائب کی نعت نے قلب وروح کو عشق محمدﷺ سے منور کردیا۔ آنچل کی پاکیزگی اس کے ہر لفظ سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ بیوٹی ٹپس میں اضافے پر بہت شکریہ اور سوموجی (سمیرا) سے ایک شکوہ ہے صرف اتنا سا سوپر ناول لکھ رہی ہیں پلیز کاشفہ کو زبردست سا سبق دیں تاکہ کوئی کسی کو دھوکہ نہ دے اس طرح اور نازیہ جی کا ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ باقی "میرا روٹھا صنم" کہانی کچھ خاص لگی، افسانوں میں طلعت نظامی کا افسانہ اچھا لگا۔ ہم سے پوچھیے میں سلمٰی گوری خان اور کے ایم مقامی کے سوالات کے جوابات پڑھ کر بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اللہ پاک آنچل کی پاکیزگی اور تقدس کو ہمیشہ بری نظر سے بچائے آمین اور سب سے اہم بات "بہنوں کی عدالت" میں فاخرہ گل اور راحت جبیں دونوں کے بارے میں پڑھ کر دل سے ان کے لیے دائمی خوشیوں کی دعا نکلی۔ بیاض دل سے روشنی وفا کا شعر بے حد پسند آیا اس کے ساتھ اجازت دیں ان شاء اللہ اگلی بار پھر حاضر محفل ہوں گی اللہ حافظ۔

ماریہ کنول ماہی...... السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ یقیناً مزے میں ہوں گی اور زندگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کررہی ہوں گی۔ اس دفعہ آنچل ملا ایسے موسم میں بوندا بوند برستی بارش، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور ساتھ آنچل کا واہ مزا آگیا۔ سرورق بس نارمل ہی تھا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" شہوار شاہ زیب کی بھتیجی ہے یہ میرا اندازہ ہے، شہوار ہی سکندر عثمان احمد کی بیٹی ہے اور وہ اسی خاندان کا حصہ ہے۔ یہ کاشفہ کتنی چیپ ہے خیر اب اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے اب اس کی مرمت ضرور ہوگی اور ولید جلدی سے صحت یاب ہوجائے۔ "موم کی محبت" اس میں تو مجھے سوائے محبت کے اور کوئی موضوع ہی نظر نہیں آتا۔ زنیا نے دروازہ کھولا ہے اب سامنے عارض کھڑا ہوگا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" اچھی مگر سلو جارہی ہے۔ مکمل ناول "مائے نی میں کنوں آکھاں" آپی فارگاڈ سیک میں مانتی ہوں کہ آپ رومانی لڑکی ہیں مگر ناولوں میں تم رومانس لکھیں۔ "اور سفر کتنا باقی ہے" آپی ضوباریہ آپ اتنا سنجیدہ اور پیچیدہ مت لکھا کریں، میرے تو سر میں درد شروع ہوجاتا ہے ویسے ناول اچھا تھا۔ "میرا روٹھا صنم" اور "ترے عشق نچایا" دونوں ہی کافی انٹرسٹنگ اور ناکس تھے ان میں ایک تو گلے ماہ کا منہ چڑا رہا تھا۔ افسانے بھی بھی بیسٹ تھے خصوصاً "تیرا عکس میرے روبرو" بہت ہی پرمزاح اسٹوری تھی، باقی افسانے بھی اے ون تھے۔ ہمارا آنچل میں حافظہ صائمہ اور لاریب انشال کا تعارف پسند آیا۔ سروے میں بھی نے اپنے پرمسرت لمحوں کو شیئر کیا وہ میرے اچھا لگا۔ یادگار لمحے بھی بیسٹ تھے آئینہ میں اپنا رخ روشن دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہم سے پوچھیے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا، کام کی باتیں بڑی اچھی لگیں اور مہندی کے ڈیزائن بھی پیارے تھے۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے جب تک کے لیے اللہ حافظ اینڈ بیسٹ وشز۔

سیدہ سعدیہ عظیم...... ای میل۔ شہلا آپی کیا حال ہیں کیسی ہیں آپ؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی اور تمام پڑھنے والے بھی ٹھیک ہوں گے اور عید بھی سب کی اچھی رہی ہوں گی۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف تو آنچل ہمیں عید سے پہلے مل گیا تھا اور خوشی ہوئی کہ میری تحریر بھی شائع ہوئی ہے اور امید ہے سب کو پسند آئی ہوگی۔ تعارف سب کے ہی اچھے تھے۔ شاعری سب کی اچھی تھی لیکن تنہائی والا زیادہ اچھا تھا اور یادگار لمحے سب کے اچھے تھے اور ہم سے پوچھئے بھی اچھے تھے اور عید کے حوالے سے بھی سب جواب اچھے تھے۔ ناولز میں سب اچھے تھے نازیہ کنول کا ناول بیسٹ جارہا ہے۔ نگہت عبداللہ کا ناول دیکھ کر خوشی ہوئی اور اب فرحت اشتیاق کا ناول کا بے صبری سے انتظار ہے۔ ابھی افسانے نہیں پڑھے لیکن وہ بھی اچھے ہوں گے ہمیشہ کی طرح۔ نزہت جبین کا ناول ہونا چاہیے اور ہاں افسانوں کی تعداد کم ہونی چاہیے اور آخر میں اپنے والدین کو شادی کی سال گرہ وش کرنا چاہتی ہوں، امی اور ابو ہمیشہ خوش رہیں، آپ ہمیں جو گفٹ دے رہے ہیں اس کے سامنے تو ہمارا گفٹ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش اور سلامت رہیں آمین۔ میں تمام قارئین کو ان شاء اللہ دسمبر میں اس گفٹ کے بارے میں بتاؤں گی آپ دعا کریں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں اب تک کے لیے اتنا ہی اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

صباء عیشل...... فیصل آباد، ای میل۔ آنچل ہاتھ میں آتے ہی دل باغ باغ ہوگیا ٹائٹل پسند آیا اس کے بعد فہرست پر نگاہ ڈالی تو چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میری تمام پسندیدہ مصنفات ایک جگہ جمع دکھائی دیں سلسلے وار ناول پڑھے سارے ہمیشہ کی طرح اچھے لگے۔ اس کے بعد ناولٹ میں نگہت عبداللہ کا نام دیکھ کر کہانی شروع کی "ترے عشق نچایا" اچھا لگا۔ نادیہ فاطمہ رضوی کا "میرا روٹھا صنم" اچھا تھا۔ دونوں ناول بھی اچھے تھے خاص کر نازیہ نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا اس کے بعد اتنے سارے افسانے ایک ساتھ پڑھنے کو ملے ادارے کو مبارک باد پیش کرنے کا دل چاہا جس نے آنچل کے مقابلے میں اتنی ورائٹی پیدا کی۔ افسانوں میں صدف آصف کا "زبان دراز" بازی لے گیا، بہت خوب اور سچ لکھا ہے۔ ہمارے ہاں زینت جیسے کردار ہر دوسرے گھر میں موجود ہیں دعا جیسی بھاوج نے ٹھیک کیا اور یہ ثابت کیا کہ جیت ہمیشہ حق اور سچ کی ہی ہوتی ہے۔ صدف کی تحریروں کا ہر مہینے بہت انتظار رہتا ہے، باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ فرح طاہر نے بھی خوب لکھا تھا۔ "بٹیا کا انگنا" اچھی تحریر تھی اس بار بیوٹی گائیڈ میں عید کے موقع پر خواتین کی سج دھج خوب رہی باقی سلسلے بھی اچھے لگے اتنا چھار سال نکالنے پر مبارک باد قبول فرمائیں۔
☆ جزاک اللہ۔

پاکیزہ علی۔ جتوئی۔ السلام علیکم! پاکیزہ علی کی طرف سے تمام قارئین اینڈ آنچل اسٹاف کو پیار بھرا آداب، پیاری شہلا آپی کے لیے دعا ہے اللہ آپ کو محبت اور خوشی بھری زندگی دے۔ آمین تو جناب اکتوبر کا آنچل تو جلد ہی ہمارے ہاتھوں میں آگیا عید والے دن ہی ابو کے ہاتھوں میں آنچل عیدی کے طور پر ملا۔ خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا بس جی پھر ہم تھے اور آنچل پھر کچھ نظر ہی نہیں آتا جناب کو (یہ گھر والے کہتے ہیں) اور یہ ہے بھی سچ۔ ٹائٹل تو بس سوسو ہی تھا، ماڈل کی تصویر کافی لائٹ سی تھی ڈریس اچھا تھا۔ ماڈل کا اچھی طرح جائزہ لے کر ہم سرفہرست میں پہنچ گئے تھوڑا سا آگے دیکھا تو قیصرا آنی سرگوشیاں کررہی تھی "حمد ونعت" سے فیض یاب ہوئے تو در جواب آں میں (مدیرہ) آنی سب کو پیار سے نمٹا رہی تھیں تھوڑا اور آگے دیکھا تو مشتاق انکل نے ہمیں "السلام علیکم" کے بارے میں بتایا واقعی کافی معلومات ملی۔ تعارف کی لسٹ میں گئے تو سب کے تعارف اچھے لگے۔ "لاریب انشال" کے خواب تو میرے خوابوں سے ملتے جلتے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمنا پوری کرے۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل جی کے جوابا ت پڑھ کر مزا آیا۔ نازیہ آپی کا ناول "مائے نی میں کنوں آکھاں" اچھا تھا، مجھے پنجابی کا یہ قافیہ بہت پسند ہے تو ناول بھی اچھا تھا۔ "موم کی محبت" میں صبیح احمد کی وفات کا پڑھ کر افسوس ہوا بس راحت آپی! شرمین کے ساتھ اب مزید برا نہ ہو اور یوبی کے اندر کا بچپنا ختم کردیں۔ محبت کا دم بھرنے والے ایسے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ "ٹوٹا ہوا تارا" کے رازوں سے پردہ سرک رہا ہے، بہت اچھے طریقے سے سمیرا آپی آگے بڑھا رہی ہیں ناول کو مجھے اس کے ہر کردار اچھے لگتے ہیں۔ نادیہ فاطمہ نے کافی عرصہ بعد لکھا "میرا روٹھا صنم" لیکن زبردست لکھا، آپی آپ کے توفین ہیں ہم۔ اگر نازیہ کنول آپی کے ناول "شب ہجر کی پہلی بارش" کی بات نہ کی تو یہ بڑی نا انصافی ہوگی یہ پہاں کا رشتہ ٹوٹنا اور راز فاش ہونا اور زاویار کا بے خبر رہنا واقعی بہت دکھی کرگیا۔ عائلہ اور سدید کا ملاپ ہونا چاہیے ان دونوں کے پیار کو کسی کی نظر نہ لگے۔ باقی ناول بہت اچھے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ افسانوں میں "تیرا عکس میرے روبرو" پڑھا نزہت

جبین کی تحریر بہت پسند آئی۔ بیاض دل کی بات ہو جائے تو جناب روشنی وفا' طاہرہ غزل' مشا علی مسکان' سیدہ لوبا سجاد کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال "نظم گردش" نزہت جبین ضیاء کی "اے دوست" رانی کوثر رانی "تلاش کرتی ہوں" وثیقہ زمرہ کی "اے چاند" ماروی یاسمین کی نظم بہت پسند آئی۔ نیلم شہزادی شکریہ ڈیئر! آئینہ میں ماریہ کنول ماہی کا تبصرہ اچھا لگا۔ میری دعا ہے کہ آپ کی بصارت ٹھیک ہو جائے' عائشہ پرویز اور ارم کمال کے تبصرے پسند آئے۔ ہم سے پوچھیے میں سلمیٰ گوری' ثانیہ مسکان' پروین افضل شاہین اور طاہرہ غزل کے سوالات اور آپی کے جوابات اچھے لگے۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں' عید کیسی گزری؟ یقیناً بہت اچھی گزری ہماری دعا ہے کہ آپ سدا خوش رہیں' ہمیں تو اس دفعہ عید کا پتا نہ چلا' بہت بڑا پہاڑ ٹوٹا میری پیاری خالہ جان 28 اگست کے دن فوت ہوگئیں بہت نیک اور بہت اچھے اخلاق والی تھیں' اللہ ان کے درجات بلند فرمائے' آمین۔ تمام آنچل پڑھنے والیوں سے التماس ہے میری خالہ جان کے لیے دعائے مغفرت کریں' اس بار آنچل 27 کی صبح ملا' سب سے پہلے "حمد و نعت" پڑھی دل کو سکون ملا پھر در جواب میں جھانکا تو مدیرہ آنٹی بہت اچھے انداز میں سب کے شکوے دور کررہی تھیں۔ دانش کدہ میں مشتاق انکل نے "السلام علیکم کے بارے میں' بہت اچھا درس دیا۔ اللہ سب کو علم کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارا آنچل میں تینوں بہنوں کے تعارف پسند آئے کیونکہ چوتھا تو میرا تھا وہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں' ہاہاہا۔ عید سروے میں بھی کے جوابات بہت پسند آئے خاص کر عائشہ اختر' شگفتہ خان' پروین افضل' پارس شاہ' ماریہ کنول ماہی' ارم کمال کے جوابات پسند آئے۔ سب سے پہلے فیورٹ ناول "ٹوٹا ہوا تارا" شکر ہے انانے شہوار کو بتا دیا کچھ حد تو ٹھیک ہو جائے گا یہ مسئلہ۔ ولید کو کچھ نہ ہو جلد سے ہوش دلا دیں اور دریہ کا بھانڈا پھوڑ دیں۔ شہوار کو اب کسی آزمائش میں نہ ڈالنا پلیز۔ اس کے بعد "شب ہجر کی پہلی بارش" پر چھلانگ لگائی' پریہان کے ساتھ بہت ناجائز اور بُرا ہو رہا ہے۔ ساویز بہت بُرا کررہا ہے اور زاویار پوری بات سنے اور سمجھے بغیر چلا گیا' خیر دیکھتے ہیں آگے آگے کیا ہوتا ہے۔ "موم کی محبت" بھی اچھی جارہی ہے عارض کو شرمین سے دور ہی رکھنا پلیز اس نے زیبا کے ساتھ بہت بُرا کیا اور شرمین کو بھی کہیں ٹکا دیں وہ درمیان میں اٹکی ہوئی ہے۔ صفدر بہت ظالم بنا ہوا ہے' زیبا نے دروازہ کھول کے جس کو دیکھ کے گری ہے وہ یقیناً عارض ہوگا اب پلیز عارض کو بے نقاب کردیں زیبا کی آزمائش ختم ہوں اس کو غلطی کی سزا بہت مل چکی ہے اس کے بعد "ترے عشق نچایا" نگہت عبداللہ کا ناول پڑھا بہت پسند آیا۔ راحیلہ خاتون جو صبا کے بارے میں بُرا سوچتی ہیں انہیں پتا نہیں خود بھی ایک بیٹی کی ماں ہیں' جو کچھ کررہی بیٹی کو روکتی نہیں' ساتھ دے رہی ہیں۔ کل خود گھٹنوں پر سر رکھ کے روئیں گی اور جب باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ دیکھا تو اتنا بڑا امنہ بن گیا' خیر مکمل تبصرہ ناول مکمل ہونے پر کریں گے۔ نزہت جبین "تیرے عکس میرے روبرو" بہت پسند آئی۔ صندل نے خوب بے وقوف بنایا جائش کو بہت ہنسی آئی۔ نادیہ فاطمہ رضوی نے بہت خوب لکھا' اللہ تعالیٰ اور ترقی دے' اچھا لکھنے کی ہماری اصلاح کرنے کی' شہرین نے تو اپنے کیے کی سزا پالی ساتھ میں نوفل بے چارہ بھی مرتا' ہادی کو آزمانا نہیں چاہیے کیا پتا کوئی کتنا مجبور ہو آزمائش پر پورا نہ اتر سکے۔ ہادیہ نے بہت اچھا کیا بہت اچھی دوستی نبھائی' ایسا نیک کام کوئی کوئی کرتا ہے۔ سیدہ ضوباریہ کا ناول بہت پسند آیا' آج کل ایسا ہو بھی رہا ہے کوئی اعتبار کے لائق نہیں رہا اور والدین کو اچھے سے دیکھ بھال کرکے چھ ماہ سال منگنی کے بعد شادی کرنی چاہیے۔ اتنی دیر میں ان کی اصلیت بیک گراؤنڈ کا پتا چل جاتا ہے' اریج کی قسمت اچھی تھی بچ نکلی اس ظالم کے شکنجے سے۔ صدف آصف نے سچ لکھا اوشی خود کو منوالیا اور جو سچ بات کہتا ہے اسے "زبان دراز" کا ہی لقب ملتا ہے' دعا کا کردار بہت اچھا لگا۔ نازیہ کنول نازی "مائے نی میں کنوں آکھاں" سارے آنچل پر چھا گئی' تحریم کے ساتھ بہت بُرا ہوا۔ عبدالہادی نام کتنا اچھا اور کردار واللہ...... تحریم کی ماں پریشان روتی ہے' ماں کا دل بجھ جاتا ہے وہ کہتے ہیں سات میل دور بیٹے کو ٹھوکر لگے چوٹ ماں کے سینے پر لگتی ہے یہ ہم سب کے لیے نصیحت ہے اور ان ماؤں کے لیے بھی جو بیٹیوں پر اعتبار کرکے آزاد چھوڑ دیتی ہیں بس والد کو اولاد کا فیصلہ کرنا چاہیے اولاد چاہیے جو مرضی کہے والدین جو بھی کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔ "اے جذبہ دل" رشک حبیبہ نوازشوں کی کمی تو نہیں' حمیرا نوشین "مجسمہ ساز" سمیہ عثمان "قربانی' بٹیا کا انگنا" بھی بہت پسند آئی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی خوب ترقی دے' آمین۔ یادگار لمحے میں نبیلہ ملک' سنیاں' حمیرا نوشین' نجم انجم' سمیہ کنول' ثناء ریاض' سیدہ امبر' اقراء وکیل' عقیلہ رضی' عائشہ کنول چوہدری نے بہت اچھا لکھا۔ آئینہ میں سب بہنوں کے تبصرے پسند آئے' خاص کر عائشہ پرویز' مونا شاہ' پارس فضل' وثیقہ زمرہ' ماریہ کنول ماہی کا تبصرہ پسند آیا۔

بیاضِ دل میں سلمیٰ فہیم، عجم انجم، ارم کمال نے اچھا لکھا۔ میری دعا ہے ہمارا آنچل خوب ترقی کرے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین فی امان اللہ۔

☆ جزاک اللہ۔

ھاجرہ ظھور...... پشاور، تاروجبه۔ السلام علیکم! پیاری اپیا جانی کیا حال چال ہیں جناب! میں پچھلے کئی سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں، میرا یہ کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے۔ ماشاء اللہ آنچل کے تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور میں ہر سلسلے کو دل کی آنکھوں سے پڑھتی ہوں۔ اب آتی ہوں سلسلے وار ناول کی طرف اگر بات کی جائے "ٹوٹا ہوا تارا" کی تو یار میں تو انا اور ولید کی بہت بڑی فین ہوں۔ سمیرا آپی پلیز انا اور ولید کو کبھی بھی جدا مت کرنا اور یہ مصطفیٰ کیا کر رہا ہے مجھے تو رہ رہ کر دریہ اور ایاز پر غصہ آ رہا ہے ان کی وجہ سے ہر گھر میں آگ لگی ہوئی ہے۔ "موم کی محبت" بھی فٹ جا رہا ہے اور خاص کر "شب ہجر کی پہلی بارش" کی تو کیا ہی بات ہے اور باقی تمام سلسلے بھی پرفیکٹ ہیں۔ یہ تھوڑا سا جو لکھا ہے یہ اپنی سویٹ سے آنچل کی محبت میں لکھا ہے ان شاء اللہ آئندہ بھی حاضری دوں گی تب تک کے لیے فی امان اللہ۔

☆ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔

صائمه ناز...... پشاور، تاروجبه۔ السلام علیکم شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ میں کسی بھی ڈائجسٹ میں پہلی بار لکھ رہی ہوں، آنچل میں نے آٹھویں جماعت سے پڑھنا شروع کیا اور اب سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں۔ پانچ سال بعد شرکت کر رہی ہوں۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف تو سرورق کچھ خاص نہ تھا کیونکہ آنچل کی اسٹوریز میں یکسانیت پیدا ہونے لگی ہے اس کے علاوہ "ٹوٹا ہوا تارا" میرا پسندیدہ سلسلہ وار ناول ہے اس میں شہوار اور مصطفیٰ کی جوڑی بہت پسند ہے البتہ انا کے لیے فکر ہو رہی ہے اور ہینڈسم سے ولید میں تو میری جان ہے پلیز سمیرا آپی ولی اور انا کو جدا مت کرنا۔ آنچل کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن نازیہ کنول نازی اور سمیرا آپی میری موسٹ فیورٹ ہیں آپ دونوں کو میرا پُر خلوص سلام اللہ حافظ۔

☆ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید اور ان شاء اللہ آپ کی شکایت دور کرنے کی کوشش کریں گے کہ آپ کو یکسانیت نا محسوس ہو۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ پیاری باجی شہلا عامر السلام علیکم! اس ماہ اکتوبر میں بکرا عید اسپیشل کا سرورق بہت ہی خوب تھا، ناولز اور کہانیوں میں "مائے نی میں کنوں آکھاں" اور "سفر کتنا باقی ہے" "قربانی" "بٹیا کا انگنا" نوازشوں کی تو کمی نہیں، زبان دراز، ترے عشق نچایا، میرا روٹھا صنم، تیرا عکس میرے روبرو" پسند آئے۔ (سروے) عید قرباں اور ہم بھی پسند آیا۔ ہمیں آنچل عید کی چھٹیوں کے بعد ملا، مہندی کے ڈیزائن اب اپنی بھانجیوں کی شادی میں کام آئیں گے۔ ہر سلسلے میں میری نگارشات شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ نزہت جبین ضیاء کو آنچل میں آنے پر ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ آنچل کے ساتھ جڑی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ رضوانہ ہاشم کے ماموں کو جنت میں جگہ دے آمین آپی! میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کو ہیپاٹائٹس بی ہو گیا ہے، میں آنچل کی تمام بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ میرے میاں کی مکمل تندرستی کی دعا فرمائیں۔

☆ اللہ پاک آپ کے میاں جی کو مکمل صحت یابی عطا کرے، اور ان کا سایہ تادیر آپ کے سر پا قائم و دائم رکھے اور آپ سدا سہاگن رہیں آمین۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ رب تعالیٰ ہم سب کو اپنے سایہ عافیت میں رکھے اور ہمارے وطن اور اہل وطن پر خصوصی کرم فرمائے، آمین اور تمام بہنوں کو جزاک اللہ آپ سب کی دعاؤں کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ اور سب بہنیں یاد رکھیں ان شاء اللہ نومبر میں "حجاب" کا پہلا شمارہ آ رہا ہے ابھی سے اپنی اپنی کاپیاں مختص کرا لیں کہیں بعد میں پریشانی کا سامنا نا کرنا پڑے۔

aayna@aanchal.com.pk

شمائلہ کاشف

سعیدہ رشید بھٹی...... فیصل آباد

س: بھئی ہم بھی آپ کی محفل میں شریک ہونے کے حق دار ہیں‘ ہمیں بھی جگہ دیں‘ شکریہ۔

ج: لو جی بس ایک آپ کی ہی تو کمی تھی وہ بھی اب پوری ہوگئی۔

س: ہائے میں مرجاواں‘ آپ کو اتنی خوشی میری آمد کی پہلے بتاتیں تو ہزار بار آتی؟

ج: عجیب وغریب چیزیں دیکھ کر ہر کوئی خوش ہوتا ہے‘ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو صرف ہماری خوشی نظر آئی۔

س: آپی ایک بات تو بتائیں یہ کریلے اور بھنڈی آلو سے ہمیشہ مہنگے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: یہ سوال کر کے تم لوگوں کو کیا بتانا چارہی ہو کہ بہت سگھڑ ہو ایک نمبر کی پھوڑ کہیں کی‘ یا آپ کے میاں کہتے ہیں سب سے۔

س: سچ بتایئے گا سوالوں کے جواب دینے کے لیے کتنی بار اپنے منہ کے رنگ بدلتی ہیں؟

ج: جتنی بار تم جواب دیکھ کر رنگ بدلتی ہیں‘ اب تم ہی بتاؤں زیادہ رنگ کون بدلتا ہے تم یا تمہاری ساس۔

س: شمو آپی یہ لومڑیاں چالاک کیوں ہوتی ہیں‘ ان میں کوئی معصوم کیوں نہیں ہوتی؟

ج: یہ توت خود اور اپنی نند سے پوچھ کر سب کو بتاؤں۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: زندگی کی کتاب میں سے ناخوش گوار یادوں کو کیسے ڈیلیٹ کیا جائے؟

ج: ان ناخوش گوار یادوں سے ساس کو آشنا کردو پھر کبھی وہ ذہن میں سوچنے کے باوجود نہیں آئیں گی۔

س: خواہشیں جب حد سے بڑھنے لگیں تو کیا ہوتا ہے؟

ج: امی کی چپل کا دیدار ہوتا ہے اور اس کے بعد ہر خواہش پر دم نکل ہی جاتا ہے۔

س: شہلا جی یہ بکرے نشیلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کیا کہہ رہے ہیں؟

ج: پہلی بات ہمارا نام شمائلہ ہے شہلا نہیں‘ اور یہ ہی کہ تم تو اپنی برادری کی ہو پھر انسانوں میں کیا کررہی ہو۔ اب تم ہی جواب دو انہیں‘ ہم تو تمہارے حوالے سے یہ سچ سن کر خاموش ہی ہوگئے ہیں۔

س: میرے وہ مجھ سے پوچھتے ہیں ”وہ چاند چہرہ ستارہ آنکھیں“ کدھر گئیں کیا بتاؤں؟

ج: شرما کیوں رہی ہو سچ بتادو کہ وہ سب میک اپ کا کمال ہے ورنہ اس کے پیچھے تو سیاہ رات ہے۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

س: آپی جی کیسی ہیں جناب؟

ج: بہت خوب صورت‘ کیوٹ اور اسمارٹ سی‘ ہمیشہ کی طرح تروتازہ‘ اب جل مت جانا۔

س: میری آمد پہلی بار ہوئی ہے اور خوشی کے مارے آپ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا‘ واہ کیا بات ہے میری کیوں؟

ج: منہ تو تمہارے وجود کا دروازے میں پھنسنے کی وجہ سے کھلا ہے‘ ڈر ہے کہیں چوکھٹ نہ ٹوٹ جائے لیکن خیر تم آہی گئیں۔

س: اب اجازت دیں‘ گھر پر مانو انتظار کررہی ہوگی‘ اللہ نگہبان۔

ج اجازت ہی اجازت ہے‘ ویسے مانو آپ کی نند ہے یا ساس؟

نورین انجم اعوان...... کراچی

س: آپ کی محفل کی سب سے کمسن دوست ہوں‘ دوبارہ آنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

ج: بالکل اجازت ہے لیکن اب کی بار اپنا کرایہ لے کر آنا‘ دوبارہ واپس جانے کا کرایہ میں نہیں دوں گی۔

س: آپ نے پہچانہ...... کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں‘ جلدی سے بتایئے؟

ج: بالکل پہچان لیا آپ انہی کی بیٹی ہیں جو بے تکے سوال پوچھتی ہیں' آپ نے پہچانا یا تعریف میں ہم مزید اضافہ کریں۔

عقیلہ رضی......فیصل آباد

س: آپی آپ کے پاس دولت تو اتنی نہیں لیکن آپ کنجی کیوں ہیں؟

ج: اس لیے تمہاری امی کہتی ہیں کہ دوبارہ نظر چیک کرالو چشمہ کا نمبر بڑھ گیا ہے اب تم کو لمبے بال بھی گنج نظر آرہے ہیں توبہ توبہ۔

س: اُف آپی آپ نے تو میرے سوال کا بُرا ہی مان لیا؟

ج: بُرا مانتے ہیں تمہارے وہ' ہم تو کرتے ہیں خدا لگتی بات چاہے کسی کو آگ ہی کیوں نا لگ جائے ہاں نئی تو وو......

س: آپی آپ یہ دل دکھانے والے جواب کیوں دیتی ہیں' آپ کو ذرا بھی احساس نہیں بہت سے لوگ میری طرح چھوٹے دل کے مالک بھی ہوتے ہیں؟

ج: اس لیے تو ہم کہتے ہیں کہ چھوٹے دل فوری ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

س: اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اب اجازت' اچھی سی دعا کے ساتھ' اللہ حافظ۔

ج: اللہ تم کو بھی ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

وثیقہ زمرہ......سمندری

س: شہلا آپی آپ کے لیے جھمکے اور انگوٹھی لینے کے بعد یاد آیا کہ آپ نے اپنا ایڈریس تو دیا ہی نہیں؟

ج: بیٹا میں شہلا نہیں شمائلہ ہوں' اور چیزیں تو تم ہمیشہ اپنی نند کو دیتی ہو' ایڈریس دے دیتی تب بھی کون سا جھمکے اور انگوٹھی مجھے ملنی تھی بلکہ ان چیزوں کا معاوضہ بھی مجھ سے ہی وصولنا تھا تم نے۔

س: آپ کل کراچی کے مہنگے مال سے میرے لیے شاپنگ کررہی تھیں؟

ج: تمہارے پاس ہیئر بینڈ جو نہیں ہے وہ ہی لے رہی تھی اب تم اپنے بال ہمیشہ باندھ کررکھا کروگی۔

س: اب انکار کرکے میرا دل نہ توڑنا؟

ج: انکار کس بے وقوف نے کرنا ہے' بس دعوت میں چائنیز کھانے رکھنا' میں ضرور آؤں گی۔

کے ایم نورالشال......کھڈیاں قصور

س: آپی آخری دفعہ آئی ہوں جگہ تو دے دیں؟

ج: پہلے کم موٹی ہو جو آخری بار آئی ہو چلو پھر وگی نہیں تو اسمارٹ کیسے ہوگی' آخر کو تم نے دوسرے گھر بھی تو جانا ہے نا۔

س: آپی میں نے سنا ہے......؟

ج: اپنی امی سے ہر وقت ہی سنتی ہو' کبھی اُن باتوں پر عمل بھی کرلیا کرو۔

س: ہم جانے والے ہیں بھلا بتایئے کہاں؟

ج: اپنی اکلوتی اور خوب صورتی کی ملکہ اپنی جان سے عزیز ساس کے پاس اور کہاں؟

شمائلہ عباسی......ہری پور

س: پیاری آنی کیسی ہیں آپ؟ کافی عرصے بعد دوبارہ حاضر ہوئی ہوں خوش آمدید نہیں؟

ج: نہیں' ورنہ ہر بار بے تکے سوالوں کے ساتھ حاضر ہو جاؤ گی اس لیے بس خوش ہو جاؤ آمدید پھر کبھی۔

س: لوگ اتنی جلدی کیوں بدل جاتے ہیں؟

ج: کیونکہ ان کو اور کوئی کام نہیں آتا ویسے تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔

س: اچھی سی دعا کے ساتھ اجازت دیں' فی امان اللہ۔

ج: سدا خوش رہو' دعا کے ساتھ اب جاؤ بھی اپنے گھر۔

شازیہ اختر شازی......نور پور

س: آپی میں نے خواب میں دیکھا آپ رو رہی تھی' کیا امی سے مار پڑی تھی؟

ج: جی بالکل امی نے ہی مارا تھا اور کہا تھا کیوں ہر وقت شازی چڑیل کو یاد کرتی ہو' اب بھلا امی کو کیا بتاؤں۔

س: آپی جب محبت میں آزمائش شروع ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: فوری محبت چھوڑ کر کوئی نیک کام کرنا چاہیے۔

س: آپی کہتے ہیں کہ آم کھانے سے آدمی موٹا ہوجاتا ہے لیکن میں تو موٹی نہیں ہوئی؟

ج: کیونکہ تم عام سے آم کھاتی ہو اس لیے موٹی نہیں بلکہ بے ڈھنگی ہوگئی ہو۔

س: یہ کیا آپ نے ایک وائٹ اور ایک بلیک جوتا پہن رکھا ہے؟

ج: پچھلی بار سفید تم کو مارا تھا اور تم لے کر بھاگ گئی تھیں اب واپس کردو ورنہ بلیک جوتا ماروں گی اور تم جوڑی مکمل کرلو گی۔

س: اچھا اچھا جارہی ہوں اپنا ٹوٹا ہوا جوتا تو رکھ دیں اللہ حافظ۔

ج: جاتے جاتے میرا جوتا تو دیتی جاؤ نیک بندی۔

جازبہ عباسی...... دیول مری

س: پیاری شمائلہ جانو کیسی لگتی ہے آپ کو ہر ماہ ہماری بوتل کے جن والی انٹری؟

ج: چڑیل والی اب زیادہ منہ بنا کر ہمیں ڈرانے کی مزید ضرورت نہیں۔

س: پیاری شمائلہ ہم اکثر سوچتے ہیں کہ اگر آپ کی چار آنکھیں چار کان اور دو ناک ہوتے تو آپ کے جسم میں کہاں ایڈجسٹ ہوتے (ہی ہی)

ج: ہر ایک کو تم اپنی طرح دیکھنا چاہتی ہو ویسے سچ بتاؤ کیا تمہاری تعداد کم ہوگئی ہیں یا تم انسانوں کو بھی اپنی طرح ہی دیکھنا چاہتی ہو۔

س: میری ہم جولیو! ''میں آئینہ مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے'' بھلا کیوں؟

ج: خوامخواہ ہمدردی بھی تو لینے کی عادت ہے وہ بھی تو بتاؤ ناااا۔

س: شمائلہ جی ہم اکثر ہنستے ہنستے یک دم خاموش ہوکر اداسی کی تاریکیوں میں کیوں ڈوب جاتے ہیں؟ ہمیں زیادہ دیر تک ہنسی راس کیوں نہیں آتی؟

ج: اس لیے تمہاری امی صبح شام دن رات کہتی ہیں کہ دانت برش کرکے رکھا کرو تاکہ تمہارے منہ سے آنے والی بُو سے خود بھی محفوظ رہو اور دوسروں کو بھی رکھو بھولن دیوی۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: کبھی کبھی میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین مجھے دیکھ کر ہنسنا کیوں شروع کردیتے ہیں؟

ج: تم جیسی بیوی پاکر شادی کے بعد ہر مرد آدھا پاگل ہوہی جاتا ہے اسی بات کا وہ ثبوت دیتے ہیں۔

س: سورج اور بیوی میں کیا بات مشترک ہے؟

ج: سورج صرف جسم کو گرمی پہنچاتا ہے جب کہ بیوی اپنی باتوں سے دماغ تک پکادیتی ہے۔

س: پرانے زمانے کا فرہاد عشق میں ڈوب کر دودھ کی نہریں نکال لیتا تھا آج کا فرہاد اپنی شیریں کے لیے کیا کرسکتا ہے؟

ج: آج کا فرہاد صرف اپنی شیریں کو مختلف شیریوں کے خیالی پکوڑے کھلاتا ہے اور اپنی ہر شیریں سے یہ ہی کہتا ہے تم میری پہلی محبت ہو تمہارے پرنس بھی یہی کہتے ہوں گے ہیں ناااا۔

صنم شاہ عرف سنی شاہ نورین شاہ...... حضرت پیر عبدالرحمن

س: آپی ہم بڑے عرصے بعد آئے ہیں آپ نے ہمیں مس کیا یا نہیں؟

ج: نہیں مس ہم نے آپ کو بالکل بھی مس نہیں کیا۔

س: آپی یہ مٹھائی ہے منہ میٹھا کرلو میرے بھائی کی شادی ہوگئی ہے مبارک باد تو دو؟

ج: آخر بے چارے کو کوئی تنگ کرنے والی مل ہی گئی اب دونوں زندگی ہنسی خوشی گزاریں گے اور تم...... ویسے مبارک ہو۔

س: آپی میں آج کل بڑی پریشان ہوں پتا ہے کس وجہ سے؟

ج: بھائی کی شادی ہوگئی پر آپ کو کوئی بے چارہ تو کیا چارہ بھی نہیں ملا اس پر پریشانی تو بنتی ہے۔

س: اچھا آپی ہم جارہے ہیں پھر آنے کے لیے آپ نے تو ہمیں مس بھی نہیں کیا کوئی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: مس مس کی ماری کو اللہ تھوڑی سی پھرتی بھی دے دے آمین۔

نیلم شرافت..... جتوئی

س: پہلی بار شرکت کررہی ہوں' جگہ ملے گی یا پھر.....؟

ج: جگہ آپ جیسی چھوٹی اور کمزور سی لڑکی کو کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی ضرور۔

س: آپی جی میں کنفیوژ ہورہی ہوں کیا کروں؟

ج: تم تو ہو ہی کنفیوژ کی ماری اب کچھ نہیں کرسکتیں بس شناختی علامت لکھوانا۔

س: آپی جی عید آرہی ہے آپ مجھے کیا دیں گی؟

ج: عید آکر گزر گئی اب صرف خالی مبارک باد ہی وصول کرلو ورنہ کہیں اس سے بھی رہ جاؤ۔

س: آپی شعر کا جواب شعر میں ہی دیں؟

وہ گیت جو تم نے سنا نہیں میری عمر بھر کا ریاض تھا
میرے درد کی تھی وہ داستاں جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

ج: پہلے تو یہ بتاؤ یہ ریاض کون ہے اور کب سے یہ سب چل رہا ابھی تمہاری اماں کو بتاتی ہوں۔

س: اچھا آپی جی اب جاؤں پھر آؤں گی؟

ج: ہاں پھر ضرور آنا مگر ڈھنگ سے۔

نجم انجم..... کراچی

س: میرے ملک صاحب ہر وقت آستین چڑھائے لڑنے کو تیار رہتے ہیں' کیا کروں؟

ج: ان کی ساس اور اپنے بھائیوں کے سامنے کردیں پھر دیکھیں آستین کے ساتھ وہ خود بھی سیدھے ہوجائیں گے۔

س: ساحل سمندر پر لوگ پھولوں سے سجے اونٹ اور گھوڑے کی سواری کرکے بہت خوش ہوتے ہیں تو پھر بے چارے گدھے پر کیوں سواری نہیں کرتے۔

ج: ہر جگہ آپ اپنے شوہر کی اہمیت بتانا کیا ضروری ہوتا ہے اب ان کی سواری بھلا بچے اونٹ و گھوڑے کے ہوتے کیونکر کریں گے۔

س: تم مجھے یاد نہیں کرتی تو کیا ہوا' کیا اتنی سی بات پر تیری محفل میں آنا چھوڑ دوں گی؟

ج: ہماری محفل میں آنا چھوڑ دو گی تو پھر ادھار کس سے مانگو گی اب سچ بات پر منہ مت پھلانا۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

س: سردیاں آرہی ہیں اور آپ نے پچھلے سال مجھے ایک عدد شال گفٹ کرنے کا کہا تھا' جلدی سے بھیجیں میں اس سال نئی شال نہیں لے رہی؟

ج: میاں کی جیب کی فکر ابھی سے ہوگئی جو ہم سے مانگ رہی ہو جلدی سے بتاؤ اور کیا کیا چیز کہاں کہاں سے مانگی ہے؟

س: انہوں نے کہا ہے رسائل پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں' جب ایک نئے ماہنامہ کا کہوں گی تو جیب پکڑیں گے ناں؟

ج: نہیں اپنا سر پکڑیں گے اور ساتھ یہ بھی کہیں گے' ہائے ربا کہاں پھنس گیا۔

س: سسرال جانے سے پہلے آپ سے اچھے سے مشورے لینا چاہتی ہوں' آخر کو آپ بہت ذہین جو ہیں تو بتایئے کب تشریف لاؤں؟

ج: صرف ذہین کہنے سے مکھن جما نہیں' خوب صورتی کی تعریف بھی تو کرواب ہر بار اپنے منہ سے بتا کر تھک گئی ہوں۔ اس کے بعد آنے کی اجازت۔

س: آپ ہمیشہ مسکراتی رہیں' خوش رہیں اور ڈھیروں کامیابیاں سمیٹیں' اجازت دیں' دعا کے ساتھ؟

ج: تم بھی ہمیشہ خوش رہو اور اپنے میاں کے ساتھ باقی سسرال والوں کو بھی خوش رکھو سب کہیں آمین' اب خوش۔

آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا

فاطمہ راؤ اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 26 سال ہے میرے چہرے پر چھائیاں ہیں جو کہ 4 سال پرانی ہیں کافی علاج کروائے مگر فائدہ نہیں ہوا کوئی اچھی سی دوا بتادیں۔

محترمہ BERBARIS AQIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نور احمد رئیس فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میری شادی ہوئی تھی مگر بیوی مجھ سے مطمئن نہیں رہی اور طلاق ہوگئی کیونکہ میں بچپن سے ہی بری عادت کا شکار تھا اب میری عمر 40 سال ہوگئی ہے والدہ کہتی ہیں کہ دوسری شادی کرلو بڑی امید کے ساتھ آپ کو مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں کوئی مناسب دوا تجویز فرمائیں کہ میں شادی کے قابل ہوسکوں۔

محترم آپ STAPHISAGRIA-30 کے 50 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر روزانہ تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں گناہوں سے توبہ کریں اللہ مدد کرے گا۔ان شاء اللہ۔

سحر صابر گوجرہ سے لکھتی ہیں کہ میری دونوں کانوں سے ریشہ (پیپ) نکلتی ہے پہلے ریشہ نکلتا ہے اور پھر خون آنا شروع ہوجاتا ہے اور یہ مسئلہ 25 دن کے وقفے سے ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے مجھے ٹھیک سے سنائی نہیں دیتا مہربانی فرما کر مجھے کوئی مناسب دوا بتادیں بہت ڈاکٹرز سے علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مسئلہ میرے دانتوں کا زنگ لگ رہا ہے جیسے کالے پیلے رنگ میں تبدیل ہورہے ہیں۔ان کی بھی دوا دیں تیسرا مسئلہ ڈاکٹر صاحب میں بہت دبلی پتلی ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں غذا جسم کو نہیں لگتی پلیز اس کا بھی کوئی حل بتادیں۔

محترمہ آپ TELLORIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام پیا کریں اور ALFALFA (Q) کے 10 قطرے تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

محمد رمضان ٹیکسلا سے لکھتے ہیں کہ میری دونوں بیٹیوں کے قد چھوٹے رہ گئے ہیں برائے مہربانی قد لمبا کرنے کی کوئی دوائی تجویز کردیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ CALC PHOS-6X چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھایا کریں اور BARIUM CARB-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پی لیا کریں تین ماہ مکمل کریں قد بڑھنا شروع ہوجائے گا۔

بریرہ قصور سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے اور چہرے پر براؤن تل کثیر تعداد میں ہیں اور ناک کے اوپر تو سیاہی پڑ چکی ہے اور میری آنکھوں میں پیلاہٹ بہت زیادہ ہے میرے ان سب مسئلوں کی کوئی اچھی سی دوا بتادیں۔

محترمہ قد بڑھانے کی دوا اوپر لکھی ہوئی ہے اگر بیس سال سے کم عمر ہے تو استعمال کرلیں 20 سال کی عمر کے بعد قد نہیں بڑھتا اس کے علاوہ کثیر تعداد میں جو تل ہیں وہ ختم ہونے مشکل ہیں معمولی تعداد کے تل ختم ہوجاتے ہیں۔ آنکھوں کی رنگت خون کی کمی کی وجہ سے ہے لہٰذا خون کی کمی کو پورا کرنے کے لئے سیب اور انار کا استعمال زیادہ کریں ہماری لکھی ہوئی ہومیو پیتھک ادویات ہر شہر میں کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل سکتی ہیں۔

جابر سلطان کیانی باغ آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور اپنی بیگم کو CALC FLOUR-6X کی

4,4 گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھلائیں۔

محمد افضل مقبول ملتان سے لکھتے ہیں کہ میری تھوڑی کے بال جھڑ گئے ہیں سر داڑھی پر سفید بال بھی ہو رہے ہیں اور میرے سر کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو گئے مہربانی فرما کر مجھے کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں سفید بال ہونا تو خاندانی مسئلہ بھی ہے اور میرا پیٹ بھی بڑھ رہا ہے جو کہ برا لگتا ہے دوا بتا دیں۔

محترم آپ ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ HAIRGROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

حمید اللہ خان سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے ٹائیفائیڈ ہوا تھا اس کے بعد میرے سر کے تمام بال گر گئے ہیں میں بہت پریشان ہوں کیا ہیئر گروور میرے لیے مفید ہوگا۔

محترم آپ ہیئر گروور کا استعمال شروع کر دیں ان شاء اللہ گھنے اور مضبوط بال پیدا ہوں گے۔

سدرہ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ SENECIO AUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور اپنی بہن کو BERBARIS AQI (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔ ان شاء اللہ چھائیں ختم ہو جائیں گی 21 سال کی عمر میں نسوانی حسن میں کوئی بہترین نہیں ہو سکتی۔

سائرہ رضا سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بھورے تل ہیں اور اب ناک پر چھائیں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ دوسرا مسئلہ تھوڑی پر موٹے سیاہ بال ہیں کیا دونوں مسائل کی ٹریٹمنٹ ایک ہی وقت میں شروع کر لینی چاہیے میری ایک دوست کا بھی تلوں کا مسئلہ ہے اسے کافی زیادہ تل ہیں گہرے براؤن رنگ کے۔

محترمہ آپ THUJA (Q) کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں اور اسی کو تلوں پر لگا لیا کریں بال ختم کرنے کے لیے 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ دو تین بوتل کے استعمال پر بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

جی ایم مرتضیٰ ڈی گراؤنڈ فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میرے چہرے پر پچھلے 3 سال سے دانے نکل رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے میرا سارا چہرہ داغوں سے بھر چکا ہے میری عمر ساڑھے اٹھارہ سال ہے میں نے بہت علاج کرایا مگر کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔ آپ اچھی دوا بتا دیں۔

محترم آپ GRAPHITES-30 کے 5 قطرے، آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں دوسری ادویات بھی جاری رکھیں۔

آرزو نورین میاں چنوں سے لکھتی ہیں کہ میں آپ کا ہیئر گروور استعمال کر رہی ہوں جو بال سفید تھے وہ اب گولڈن ہو رہے ہیں لیکن بہت آہستہ آہستہ مگر ابھی کچھ بال گر بھی رہے ہیں اور دومنہ کے بھی ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں گنجی نہ ہو جاؤں کیونکہ جو نئے بال نکل رہے ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں۔

محترمہ آپ ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور HIAR GROWER کو بھی جاری رکھیں، ان شاء اللہ آپ کے بال لمبے گھنے ریشمی اور مضبوط ہو جائیں گے۔

AF افتخار عارف والا سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ میری بہن کا ہے اسے معدے کا مرض ہے دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ مختلف ڈاکٹرز سے علاج کروایا کوئی کہتا ہے معدے میں زخم ہے کوئی کہتا ہے معدے میں بخار ہے اور منہ پر بے انتہا تل ہیں میری بہن جب بھی کھانا کھاتی

ہے اسے سینے میں جلن اور معدے میں درد ہونا شروع ہوجاتا ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کو URINIUM NIT-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلائیں۔

رینا ملک بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں جس طرح آپ دوسروں کے مسائل تکالیف بخوبی حل کرتے ہیں اس طرح میری تکلیف کا حل بھی بتادیں۔ میرا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میرا وزن بہت زیادہ ہے 70 کلو میں نے وزن کم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں ہوتا اگر ایک دن میں تھوڑی سی ہیوی غذا کھالوں تو دوبارہ ویسا ہوجاتا ہے اور دوسرا مسئلہ مجھے ماہواری بہت کم آتی ہے بعض اوقات تو دو دو ماہ کا گیپ آجاتا ہے لیڈی ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ایسا وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے پلیز آپ میرے دونوں مسائل کا حل بتادیں آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنی پریشان ہوں احساس کمتری کا شکار ہوتی جارہی ہوں۔

محترمہ آپ PITUITRIN-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا مرغن غذاؤں سے احتیاط کریں واک کیا کریں۔

عریشہ ملک بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال گررہے ہیں اور تین چار سالوں سے بال دوشاخہ بھی ہوگئے ہیں بال بہت عجیب لگتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے جلے ہوئے ہوں کیا میں آپ کا ہیئر گروور استعمال کرسکتی ہوں پہلے میرے بال بہت خوب صورت ہوا کرتے تھے بلیک لیکن اب بالوں کا کلر بہت زیادہ خراب ہوگیا ہے۔ سفید بھی ہورہے ہیں کیا میرے سارے مسائل حل ہوسکتے ہیں آپ کے بنائے ہوئے ہیئر گروو آئل سے اور کیا مجھے بھی تین چار بوتلیں استعمال کرنا پڑیں گی اور ایک بوتل کے استعمال سے کتنا فرق پڑے گا کیا میرے بالوں کی گروتھ بڑھے گی۔

محترمہ آپ HAIR GROWER استعمال کرسکتی ہیں اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کے تمام مسائل حل ہوجائیں گے کم از کم تین چار بوتل استعمال کرنا ہوں گی۔

عباس بھٹی قصور سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ USTILAGO-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں قوت ارادی سے بھی کام لیں آئندہ بری عادت سے قطعی پرہیز کریں۔

سلمان لوھٹر ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ ACID PHOS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بری عادت سے قطعی پرہیز کریں۔

عامر نواز لیہ سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 21 سال ہے میرے منہ میں اکثر چھالے رہتے ہیں جس کی وجہ سے کھانا کھانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے منہ اور گلے میں درد ہوتا ہے۔ میرا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے سر میں بھی درد رہتا ہے ENT اسپیشلسٹ سے چیک کرایا انہوں نے جو میڈیسن دیں ان میڈیسن سے سینے میں درد ہوگیا اور بلڈ پریشر ہائی ہوگیا مہربانی فرما کر مجھے کوئی اچھی سی دوا بتادیں۔

محترم آپ BRYTA MUR-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھالیا کریں۔

زرمین کھر گھر وزیرآباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بالوں کا مسئلہ ہے اور میں تین چار بوتل ہیئر گروور استعمال نہیں کرسکتی اور نہ ہی ہمارے گاؤں میں ڈاکخانہ ہے منی آرڈر کرنے کی کوئی سہولت موجود نہیں ہے مجھے کوئی کھانے کی دوا ایسی بتادیں جو میرے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے۔

محترمہ آپ ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔

شائلہ رفیق سمندری سے لکھتی ہیں کہ مجھے مہندی لگانے کا بہت شوق ہے مگر جب بھی میں مہندی لگاتی ہوں ہاتھوں پر ڈیزائن جس طرح کا ہوتا ویسے ہی ڈیزائن کے ساتھ دانے بن جاتے ہیں پہلے خارش ہوتی ہے پھر پورے ڈیزائن پر دانے بن جاتے ہیں پلیز اس کا کوئی حل بتادیں اور معدے میں بہت جلن ہوتی ہے تلی ہوئی چیزیں نہیں کھاسکتی۔ تیسرا مسئلہ ہم سب بہن بھائیوں کا ہے سردیوں میں پاؤں کی انگلیاں سوج جاتی ہیں گرم پانی سے دھوئیں تو پاؤں کالے پڑجاتے ہیں نماز پڑھنے میں اور کہیں آنے جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے پلیز تینوں مسئلوں کا حل بتادیں مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ کون کی مہندی کا استعمال نہ کیا کریں اس میں کیمیکل شامل ہوتے ہیں آپ اصلی پاؤڈر مہندی استعمال کیا کریں اور معدے کے لیے CHELIDONIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور بہن بھائیوں کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے NATRUM CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیں۔

گل زادی بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ مجھے قبض کی شکایت ہے۔ طبیعت بوجھل اور بے چین رہتی ہے قبض کے ساتھ مجھے موٹاپے کی شکایت ہے ایسی دوا تجویز کردیں کہ مجھے دونوں مسئلوں سے چھٹکارا ملے میں بہت پریشان ہوں کافی دوائیں کھائیں مگر افاقہ نہ ہوا۔ میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رات کو میرے منہ سے بدبودار لیس دار گاڑھا تھوک نکلتا ہے رات کو برش کر کے سوتی ہوں پھر بھی تھوک خارج ہوتا ہے منہ سے گندی بو آتی ہے ڈاکٹروں سے بہت سی دوائیاں لیں لیکن افاقہ نہیں ہوا مجبوراً رات کو تھوک دان پاس رکھ کر سونا پڑتا ہے میرا تیسرا مسئلہ یہ ہے میرے ناخن بہت خراب ہیں پاؤں کے ناخن خاص طور پر ایسے ہوگئے ہیں جیسے ناخنوں میں سڑک کی طرح اسپیڈ بریکر بنے ہوئے ہیں ناخنوں سے چھلکے اتر رہے ہیں ناخن ایسے اتر رہے ہیں جیسے چھری سے چھیلا گیا ہو بے جان سے ہوگئے ہیں برائے مہربانی میرے، یہ تینوں مسئلے حل کردیں۔

محترمہ آپ OPIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور GRAPHITES-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں ان شاء اللہ آپ کے تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔

عرفان ٹانک سے لکھتے ہیں میری عمر تیس سال ہے میرے سر کے دونوں سائیڈوں کے بال اڑ چکے ہیں ہیئر گروور کی دو بوتلیں استعمال کر چکا ہوں اور تیسری استعمال کر رہا ہوں لیکن بال اب بھی روکھے خشک اور بے جان ہیں میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔

محترم ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ہیئر گروور کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

حنا احمد

شہد

قرآن مجید نے شہد کی مکھی کو اتنی اہمیت دی کہ ایک سورۃ اس کے نام سے نازل کی اور اس کے کمالات کی تعریف فرمائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکھی اور اس سے حاصل ہونے والے عناصر میں انسانی زندگی کے لیے افادیت پائی جاتی ہے۔

بہت سے جانور پرندے کیڑے مکوڑوں سے تحفظ ذات کے لیے گھر بناتے ہیں مگر جس طرح کا خوب صورت اس کا انتظام شہد کی مکھی کرتی ہے کسی اور پرند اور چرند کے یہاں نہیں ملتا۔ مکھیوں کا چھتا چھ کونوں والے خانوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کی دیواریں موم سے بنی ہیں۔ ان میں دراڑوں اور سوراخوں کو بند کرنے کے لیے درختوں کی کونپلوں سے بیروزہ کی طرح کا ایک لیس دار مادہ Propolis حاصل کیا جاتا ہے ان چھتوں میں درجہ حرارت کو قائم رکھنے کے لیے ایئر کنڈیشن کا مربوط نظام ہے اور مکھیاں اپنے پسندیدہ حالات میں شدید جدوجہد کی ایک فعال زندگی گزارتی ہیں۔

کارکن مکھیاں تمام دن اڑتی ہوئی پھولوں سے ماء الحیات (Nector) تلاش کرتی ہیں۔ ہر پھول کے نیچے مٹھاس کا ایک قطرہ ہوتا ہے مکھیاں اس کی تلاش میں ڈال ڈال منڈلاتی ہیں اور جہاں سے مل جائے اسے اپنے منہ کی تھیلی میں رکھ کر چھتے کو لوٹ جاتی ہیں اور اپنی برادری کو اس علاقہ میں مزید ماء الحیات کی موجودگی یا غیر موجودگی کی اطلاع بھی دیتی ہیں۔ ابتدائی طور پر اس ماء الحیات میں پچاس سے اسی فیصد تک پانی ہوتا ہے۔ چھتے میں لے جا کر اسے گاڑھا کیا جاتا ہے اور جب اس سے شہد بنتا ہے تو اس میں پانی کی مقدار سولہ سے اٹھارہ فیصد کے درمیان رہ جاتی ہے۔

یہ مکھیاں خط استوا کی حدت سے لے کر برفانی میدانوں کی برودت تک میں زندہ رہ سکتی ہیں مگر ان کے چھتے کا اندرونی درجہ حرارت ۹۳ درجہ فارن ہائیٹ کے قریب رہتا ہے۔ اگر آپ آس پاس کا موسم ۵ء۱۲ تک بھی ہو جائے تو چھتا متاثر نہیں ہوتا۔ ٹھنڈک میں زیادتی کی وجہ سے ذخیرہ پر گزر اوقات اور خوش گوار موسم کا انتظار کرتی ہیں۔

فوائد

بہترین شہد فصل ربیع کا ہے اس کے موسم گرما کا اور پھر سردی کا۔ یہ بہترین دوا اور بہترین ٹانک ہے کیونکہ یہ جسمانی قوتوں کو جلا دیتا ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے بوڑھوں کو توانائی دیتا اور بلغم نکالتا ہے۔ یہ ادویہ کو حل کر کے ان کے اثرات کو بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے اگر اس میں گوشت رکھ دیا جائے تو تین ماہ تک اسے گلنے نہیں دیتا۔ اسی طرح یہ تین ماہ تک سبزیوں کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اگر اسے جسم پر لگایا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے جوؤں کو مار دیتا ہے۔ بال ملائم اور لمبے کرتا ہے اس کا سرمہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ اس کا منجن دانتوں کو چمکاتا ہے اور مسوڑھوں کی حفاظت کرتا ہے۔

شہد کو اگر غذا کہیں تو مکمل غذا ہے اگر اسے مشروب قرار دیں تو مفرح اور مقوی مشروب ہے اور پیاس کو تسکین دیتا ہے۔ جسم سے صفرا کو زائل کرتا ہے اسے صبح نہار منہ کھانا پینا معدے کو ہر قسم کی غلاظت سے پاک کر دیتا ہے جگر گردوں اور مثانہ سے غیر مطلوبہ عناصر کو خارج کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ اسے پانی میں گھول کر پیتے تھے اور ہمیشہ خالی پیٹ یا نہار منہ استعمال فرمایا۔ اس عادت مبارکہ میں حکمت یہ تھی کہ یہ فوراً جذب ہو کر معدہ سے غلاظت کو نکالتا ہے معدے کے منہ کو صاف کرتا ہے اور جسم کو جملہ امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔

شہد بلغم کو نکالتا ہے سدے کھولتا ہے ردی رطوبتیں

نکالتا ہے۔ اگر کثرت سے کھایا جائے تو استسقاء یرقان، ورم، تلی، فالج، لقوہ، زہروں کے اثرات، امراض، سرو سینہ میں مفید ہے۔ پیاس کو بجھاتا ہے، پتھری کو خارج کرتا ہے، معدہ اور بصارت کو قوت دیتا ہے۔

شہد کھانے سے جگر کو قوت ملتی ہے اور گردہ، مثانہ کی پتھری توڑ کر نکالتا ہے۔ آب کمیون یعنی زیرہ کے پانی کے ساتھ اسے پینا زہروں کے علاج میں مفید ہے۔ شہد کو کندر کے ساتھ ملا کر دینے سے سینہ اور پھیپھڑوں کا تنقیہ ہوتا ہے، یہ پتھری نکالنے میں زیادہ مفید ہے، یرقان کو دور کرتا ہے۔

مقامی استعمال

دانتوں کے لیے شہد ایک بہترین ٹانک ہے، اسے سرکہ میں حل کر کے دانتوں پر ملنا ان کو مضبوط کرتا ہے اور مسوڑھوں کے ورم دور کرنے کے علاوہ دانتوں کو چمک دار بناتا ہے، گرم پانی میں شہد اور سرکہ کے ساتھ نمک ملا کر غرارے کرنے سے گلے اور مسوڑھوں کا ورم جاتا رہتا ہے۔ شہد میں انزروت اور نمک ملا کر بہتے کان میں ڈالنے سے پیپ بند ہو جاتی ہے۔ قلمی شورہ پانی میں بھگو کر اس میں شہد ملا کر کان میں ڈالنا ثقل سماعت میں مفید ہے۔

حساسیت میں شہد

گندم کے آٹے میں شہد ملا کر مرہم سا بنا کر پھوڑے پھنسیوں پر لگانا ان کو مندمل کر دیتا ہے۔ شہد میں سرکہ اور نمک ملا کر چھائیں پر لگانے سے داغ دور ہو جاتے ہیں۔ روغن گل میں ملا کر گندے زخموں پر بطور مرہم لگانے سے ان کی عفونت رفع کر کے انہیں ٹھیک کر دیتا ہے۔ عرقِ گلاب میں شہد ملا کر بالوں میں لگانے سے جوئیں مر جاتی ہیں۔ بال ملائم اور چمک دار ہو جاتے ہیں۔ چھائیں کو دور کرنے میں سرکہ کی نسبت قسط شیریں کے ساتھ شہد کا مرکب بعض اطباء کے نزدیک زیادہ موثر ہے چونکہ یہ اندر کی رطوبتیں بھی کھینچ کر نکال سکتا ہے اس لیے عرق النساء کے درد میں اس کا لیپ بڑا مفید ہے۔

سرمہ

سرمہ ایک سیاہ رنگ کا چمک دار پتھر ہے جو مصر، افریقہ، ایران اور عراق میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ وزیا نگرم کے علاقے میں ملتا ہے، پاکستان میں سرمہ کا پتھر باجوڑ، چترال اور کوہستان کے علاقے میں پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا کا بہترین سرمہ اصفہان اور چترال میں پایا جاتا ہے۔

کیمیاوی طور پر سرمہ کا پتھر Antimony کی کچی دھات ہے۔

زمانہ قدیم سے مصری عورتیں اپنی آنکھوں میں سرمہ لگا کر ان کو خوب صورت بناتی رہی ہیں مگر اس کے طبی فوائد کا تاریخ طب میں پہلی مرتبہ اظہار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''تمہارے سرموں میں سب سے بہترین اثمد ہے، یہ بینائی کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔''

فوائد

آنکھوں اور ان کے اعصاب کو تقویت دیتا ہے۔ زخموں کے اوپر اور آس پاس جو فالتو گوشت نمودار ہو جاتا ہے، سرمہ اسے زائل کرتا ہے ان کو مندمل کرتا ہے، ان سے غلاظت نکالتا ہے اور بند راستے کھول دیتا ہے۔

زکام کے دوران آنکھوں سے بہنے والا پانی سرمہ سے خشک ہو جاتا ہے اور آنکھوں کی سرخی جاتی رہتی ہے۔ اسے چکنائی میں حل کر کے آگ سے جلے ہوئے زخموں پر لگانا ازحد مفید ہے۔ وہ لوگ جو باقاعدہ سرمہ لگاتے ہیں ان کی بینائی بڑھاپے میں بھی کمزور نہیں ہوتی۔